الفرقان لکھنؤ

مدیر

محمد منظور نعمانی

(٣٦)

آپ حج کیسے کریں؟

از مولانا محمد منظور نعمانی

حج کے موضوع پر اُردو میں بیشمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن یہ کتاب اپنی اس خصوصیت میں اب بھی منفرد و ممتاز ہے کہ بہت آسان اور دلنشین انداز میں حج کا طریقہ اور احکام و مناسک بھی بتاتی ہے اور وہ ذوق شوق بھی پیدا کرتی ہے جو حج و زیارت کی جان ہے۔

قیمت ـــــ ٦/-

آسان حج

یہ آسان زبان میں "آپ حج کیسے کریں" کا خلاصہ ہے۔ کم تعلیم یافتہ حضرات کے لیے بہترین معلم و رہنما ہے۔

پاکٹ سائز۔ بہترین طباعت۔ صفحات ١٦٠

قیمت ٢/٢٥

(٣٧)

دربار نبوت کی حاضری

از:- مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم

حج کے سفر نامے اور مدینہ طیبہ کی رودادیں تو اردو میں بہت ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر دلچسپ نیز از معلومات مفید اور سفر کرنے والوں کے لیے ضروری ہیں۔ لیکن یہ البیلا طرز بیان اور یہ عاشقانہ و مستانہ داستان آپ کو ہر جگہ نہیں ملے گی کہ یہ مولانا کا طرز خاص ہے اور کم سے کم اس موضوع کے لیے ضرور مناسب اور مفید ہے کہ شوق انگیز بھی ہے اور اسی کے ساتھ علم آموز بھی اور خیال افروز بھی۔

قیمت صرف ٣/-

(٢٧)

مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد آپ کی مسند اصلاح و ہدایت کو آپ کے صاحبزادہ اور خلیفہ حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے سنبھالا اور آپ کے کام کو تکمیل تک پہونچایا۔ آپ ہی کی تربیت نے اورنگ زیب عالمگیرؒ کو تخت حکومت پر بجا طور پر بھی بیس اللہ اور ذاتی زندگی اور معاشرت میں فقیر بنایا۔ آپ کے مکتوبات کا ذخیرہ جو فارسی میں تین جلدوں میں ہے اس کو تلخیص کے ساتھ اردو میں مولانا نسیم احمد فریدی نے منتقل کیا ہے۔

یہ حضرت خواجہ کے ارشاد و ہدایت کے پورے کام کا آئینہ ہے۔ بطور ضمیمہ عالمگیرؒ کا مفصل تذکرہ بھی اس کے ساتھ شامل ہے۔

شروع میں مولانا نعمانی کا مقدمہ ہے۔

قیمت ـــــ ١٢/-

(٣٢)

وصایا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ

مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

یہ وصایا جو اپنے اندر بڑی کشش و دلآویزی رکھتے ہیں ابتک مخطوطہ کی شکل میں عربی زبان میں تھے۔ مولانا فریدی نے ان کا انتخاب کر کے اپنے ماہرانہ انداز میں اُردو میں منتقل کیا ہے۔ قیمت ١/٥٠

تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ

مستند کتابوں سے ماخوذ

صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، علما و مشائخ اور دوسرے اکابر امت کے ایمان افروز و سبق آموز حالات و واقعات اور ان کے ایمانی و روحانی ارشادات کا انتخاب۔ سلیس و عام فہم زبان میں۔

مرتبہ:- ڈاکٹر محمد یونس نگرامی ندوی۔ قیمت ٢/٥٠

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۲۰/-
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۵۰/-
بنگلادیش سے ۲۲/-

ممالک غیر سے
بحری ڈاک سے ۳ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۷ پونڈ
ایک شمارہ کی قیمت ہندوستان میں ۲/-

جلد (۵۰) | بابت ماہ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ مطابق جنوری ۱۹۸۲ء | شمارہ (۱)

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی۔پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری:۔ براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت:۔ الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کردیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو مطلع فرمائیں انکی اطلاع مہینے کی ۱۰ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات	مبلغ ۲۰ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں مبلغ ۵۰ روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و اڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

کرلیا ــــ اسی زمانہ میں انھوں نے وہاں نئی پختہ اور وسیع مسجد بنانے کا فیصلہ کیا، اس موقع پر اس عاجز راقم سطور کو بھی یاد فرمایا، مولانا سے پہلی ملاقات اسی موقع پر ہوئی، یہ اب سے کم از کم ۴۴۔۴۵ سال پہلے کی بات ہوگی، یہ یاد ہے کہ جماعت کی نماز اُس زمین پر ہوتی تھی جہاں مسجد بنانا تجویز کیا تھا وہ اُس وقت ایک وسیع چبوترہ سا تھا جس پر چھپر بھی نہ تھا، یہ بھی یاد ہے کہ ایک دن اسی چبوترہ پر تیز دھوپ میں جمعہ کی یا ظہر کی نماز پڑھی تھی ایسی نماز عمر بھر میں کبھی ہی کبھی نصیب ہوئی ہوگی۔ جیسا کہ عرض کیا یہ مدرسہ کا بالکل ابتدائی دور تھا پھر اللہ تعالیٰ نے مولانا کے اخلاص کی برکت سے مدرسہ کو غیر معمولی مقبولیت اور ترقی عطا فرمائی اور وہ اُس علاقہ کا اچھا "دارالعلوم" ہوگیا

اب سے دو ہی سال پہلے مولانا نے مجھے تحریر فرمایا تھا کہ میری اور ہمارے رفقا کی بڑی خواہش ہے کہ ایک دفعہ آپ ہمارے مدرسہ پر پھر آئیں اور دو چار دن قیام ہو، آپ ہوائی جہاز سے سفر کریں انشاء اللہ اس کا انتظام کیا جائیگا۔ ــــ میں نے مولانا کی زیارت و ملاقات کی دلی خواہش کے باوجود اپنی موجودہ معذوری کی وجہ سے معذرت ہی کردی ــــ اگر کسی طرح معلوم ہوجاتا کہ مولانا کا سفر آخرت کا وقت قریب آگیا ہے تو غالباً معذوری کے باوجود سفر کرتا۔ لیکن ماشاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن! مولانا کے انتقال کے بعد اُن کے رفیق کار مولانا عبداللطیف صاحب نے ان کے مختصر حالات لکھے ہیں جو پاکستان کے بعض جرائد میں شائع ہوئے ہیں ــــ اس کی یہ سطریں ہم جیسے مولویوں کے لیے بڑی سبق آموز ہیں اور خاصکر ارباب مدارس کے لیے۔

> آپ بہت زیادہ سادگی پسند اور متوکل آدمی تھے، آپ کے پاس کپڑوں کا ایک ہی جوڑا ہوتا، اور اگر کوئی شاگرد کوئی کپڑا وغیرہ۔ کوئی ہدیہ دے جاتا تو اسے فوراً ہی طلبہ میں تقسیم کر دیتے، مولانا مرحوم نے ساری زندگی اپنی کوئی ایک پیسہ کی جائداد نہیں بنائی، حالانکہ شروع آبادی میں جب ۵۰/- ۲ کا ایک مربع[1] ملتا تھا، اُس وقت کے افسران بھی بڑے مہربان تھے، شیخ بشیر محمد صاحب جو منتظم آبادی تھے انھوں نے کئی دفعہ اصرار کیا کہ آپ ۴۔۵ مربع اراضی اپنے لیے اور ۴۔۵ مربع مدرسہ کے لیے لے لیں، آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ اگر میں نے اپنی ذات کے لیے زمین خریدی تو میں پورے طور پر دینی خدمات سرانجام نہیں دے سکوں گا۔ میری توجہ مدرسہ کی بہ نسبت زمین کی طرف زیادہ رہے گی۔ اگر مدرسہ کے لیے زمین لے لی تو مدرسہ ایک گدی کی شکل اختیار کرلے گا جس پر ہمیشہ لڑائی جھگڑا رہے گا، میں نہ خود ان جھگڑوں میں پڑنا چاہتا ہوں نہ اپنے بعد میں آنے والوں کو اس مصیبت میں ڈالنا چاہتا ہوں ...... (آگے لکھا ہے کہ)

---

[1] پنجاب کی خاص اصطلاح ہے ایک مربع زمین غالباً ۲۵ بیگھے ہوتی ہے۔

ابتدا میں بسا اوقات فاقوں کی نوبت بھی پہنچی، طلبہ کو بھی حوصلہ دیتے اور فرماتے خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ غیب سے سامان فراہم کرے۔ بعض دفعہ یہ بھی ہوا کہ ادھر دعا ختم ہوئی اور اُدھر کھانا پکا پکایا آگیا ــــــ (آگے لکھا ہے) مولانا مرحوم مدرسہ میں روپیہ جمع کرنے کے بالکل قائل نہ تھے، اگر کہیں سے آگیا تو طلبہ کے وظائف اور اساتذہ کی تنخواہیں بھی ادا کر دیتے۔ ....
مولانا فرماتے کہ اگر مدرسہ میں رقم ہوگی تو خدا کی طرف رجوع میں کمی آجائے گی، اب تو ہر وقت خدا کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ اے اللہ ہماری مدد فرما!" ــــــ

ان سطور کے راقم (مدیر الفرقان) کو کشف و کرامات کی واللہ ہوا بھی نہیں لگی ہے، ذرہ برابر تصنع اور انکسار کے بغیر عرض کرتا ہوں کہ ایک گنہگار بندہ ہوں، لیکن زمانہ کی رفتار اور خود اپنے اور اپنے طبقہ کے حالات کو دیکھتے ہوئے یقین کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اس دور میں وہی مدرسے اپنے اصلی مقصد (علم نبوت کے امینوں اور دین کے خادموں کی تیاری) میں کامیاب اور فتنوں سے محفوظ رہیں گے، جن کے ارباب کار کسی نہ کسی درجہ میں وہ اصول اور طریقہ کار اپنائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے اس مخلص بندے مولانا افضل محمد صاحب نے اپنایا تھا۔ یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ مولانا مرحوم ایک طالب علم اور طالب دین کی حیثیت سے ایک مدت تک خانقاہ امدادیہ میں رہے اور حکیم الامت کی بیعت سے بھی مشرف ہوئے اور اصلاح نفس کی منزلیں طے کیں ــــــ لیکن یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ حضرت حکیم الامتؒ کی وفات کے بعد انھوں نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت کی تجدید کی اور حضرت مدنیؒ کے وصال کے بعد مرشدنا حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ سے بیعت کی تجدید کی، کبھی اپنے کو کامل اور فارغ التحصیل نہ سمجھا بس طالب ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے ساتھ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے، اُن کے اخلاف اور رفقائے کار کو توفیق دے کہ وہ مضبوطی سے مولانا کے طریقہ کو تھامے رہیں اور مدرسہ اسی منہاج پر جاری رہے۔

مولانا محمد سلیم لدھیانویؒ :-

لدھیانہ کے جس بابرکت خاندان کے اس دور کے مشاہیر افراد مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی وغیرہ حضرات تھے، اسی خاندان کے ایک عمر رسیدہ بزرگ یہ مولانا محمد سلیم صاحب تھے۔ گزشتہ ماہ اپریل میں علاقہ سندھ (پاکستان) میں اپنی ہی آبادکی ہوئی بستی سلیم آباد میں ۹۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے حالات بہت غیر معمولی تھے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے ارادت و بیعت کا تعلق تھا اور اُس میں ایک درجہ کے عشق و جذب کا رنگ تھا۔

یہ غالباً اس کا اثر تھا کہ انھوں نے حضرت حکیم الامت کے تعلق سے پہلے تصوف کی بعض کتابیں دیکھ کر سخت مجاہدات کیے تھے ــــ یہ وہی صاحب ہیں جنھوں نے حضرت حکیم الامت سے متعلق ایسا وہ خواب دیکھا تھا جس پر بریلوی معاندین نے ازراہ عناد بہت غوغا برپا کیا تھا جس سے بہت سے سادہ لوح مخلصین بھی (جنکو اصل واقعہ کا پورا علم بھی نہیں تھا) متاثر ہوئے تھے[۵] ــــ اس عاجز راقم سطور نے بریلوی حضرات کے الزامات کے جواب میں جو پہلی کتاب (سیف یمانی) اب سے ۵۲-۵۳ سال پہلے لکھی تھی اس میں خاص طور سے اس خواب کے بارہ میں بہت تفصیل سے لکھا گیا تھا۔ اسی کی وجہ سے مرحوم کو راقم سطور کے ساتھ ایک خاص تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ کبھی کبھی خطوط بھی تحریر فرماتے۔ اب سے قریباً سال ڈیڑھ سال پہلے ایک بہت طویل کئی صفحے کا خط لکھا تھا جس میں اپنی ابتدائی زندگی کا بھی ذکر کیا تھا اور بعض بہت اہم اور غیر معمولی واقعات لکھے تھے۔ ان میں سے بعض واقعات کا تعلق حضرت حکیم الامت سے متعلق اُن کے اُس خواب سے بھی تھا۔ ان واقعات سے اس خواب کا ایک خاص پس منظر معلوم ہو جاتا ہے اور خواب کی حقیقت سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے اور حضرت حکیم الامت کی فرمائی ہوئی تعبیر کی تائید ہوتی ہے ــــ

کاش انھوں نے یہ واقعات بھی خواب کے ساتھ لکھ دیے ہوتے ــــ اسی خواب ہی کی وجہ سے ان کا ایک لقب "صاحب الرؤیا" بھی ہو گیا تھا۔ مرحوم دین و شریعت کے بارہ میں بڑے صاحب استقامت اور اپنے اشغال و معمولات کے بڑے پابند تھے ــــ ان کے صاحبزادے مولانا خلیل الرحمٰن ربانی فاضل دیوبند کے قلم سے پاکستان کے بعض جرائد میں ان کی خبر وفات کے ساتھ مختصر تذکرہ بھی شائع ہوا تھا، اس میں مرحوم کے دائمی معمولات کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا گیا ہے کہ "رمضان مبارک کے آخری عشرہ میں تقریباً ستر سال بلا ناغہ اعتکاف کیا، بعض اوقات شدید گرمی میں ایسی مساجد میں بھی اعتکاف کیا جہاں نہ پنکھا تھا نہ ہوا کی آمد و رفت کے روشندان"۔

ــــ اسی مختصر تذکرہ میں وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ــــ "وفات کی رات ایک بچی نے پوچھا دادا جان آپ کیوں خوش ہیں؟ تو فرمایا میرے رب کریم کا دعوت نامہ مجھے مل گیا ہے اب میں کیوں خوش نہ ہوں" ــــ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی ہر طرح کا فضل فرمایا تھا۔ بہت مبارک ہیں ایسی ہستیاں جن کو ایمان، ایمان والی زندگی اور تعلق باللہ کی دولت نصیب ہو اور دنیا میں اس حیثیت سے انکی شہرت نہ ہو۔

ہمارے مولوی سلیم صاحب :-

لکھنؤ میں کچہری روڈ پر تبلیغی مرکز والی مسجد ہے مولوی سلیم صاحب قریباً ۵۰ سال سے اس مسجد کے ناظر و نگراں اور تمام خدمات

---

[۵] یہ بات قابل ذکر ہے کہ انھوں نے وہ خواب حضرت حکیم الامت سے تعلق ارادت سے پہلے دیکھا تھا اور وہی حضرت کی طرف رجوع کا محرک ہوا تھا۔

کے ذمہ دار کی حیثیت سے مقیم تھے حضرت بلال کی طرح وہی مؤذن بھی تھے اور کچھ عرصہ سے تو اکثر اوقات امامت بھی وہی کرتے۔ ۴۰-۵۰ سال پہلے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت کی تھی اس کے بعد سے تہجد اور ذکر و تلاوت وغیرہ معمولات کے ایسے پابند تھے کہ راقم سطور نے ایسے پابند کم ہی دیکھے ہیں۔ معاملات کے بھی بڑے صاف تھے، محلے کے بچے اور بچیاں اُن سے قرآن شریف وغیرہ پڑھنے کے لیے مسجد میں آتیں اور بعض گھروں پہ وہ خود جاکے پڑھاتے ــــ لوگ ان سے دعا کرانے، تعویذ لینے اور بچوں پہ دم کرانے کے لیے بھی آتے، آس پاس کے غیر مسلم گھرانوں کی خواتین بھی دم کرانے کے لیے اپنے بچوں کو اُن کے پاس لاتیں ــــ اس طرح وہ محلہ کے مسلّم بزرگ بھی تھے ــــ مرکز کے اس قیام سے پہلے قریباً اتنی ہی مدت انہی صفات و خصوصیات اور اشغال و اعمال کے ساتھ اُن کا قیام مرکز سے قریب والی اُس مسجد میں رہا تھا جو محمد علی لین میں رفیق محترم مولانا علی میاں کے برادر معظم مولانا ڈاکٹر عبد العلی صاحب کے مطب اور رہائشی مکان کے قریب تھی اور اسی وجہ سے ہم لوگ اس کو "ڈاکٹر صاحب والی مسجد" کہا کرتے تھے اس طرح پورے ساٹھ سال مولوی صاحب مرحوم نے اِن دو مسجدوں کے حجروں میں گزارے۔

گزشتہ جمعرات ۲۵ دسمبر کو مرکز میں حسب معمول تبلیغی اجتماع تھا، مولوی سلیم صاحب کی طبیعت کچھ معمولی طور سے ناساز چل رہی تھی بستر پر لیٹے لیٹے اجتماع کی تقریر سنی، دیر رات تک اجتماع کے مشاغل "تشکیل" اور "مشوروں" کا سلسلہ جاری رہا، حسب معمول شرکاء اجتماع کی بڑی تعداد نے مسجد ہی میں قیام کیا۔ جب بعض لوگوں نے دیکھا کہ مولوی صاحب تہجد کے آخری وقت (۵ بجے) تک بھی نہیں اٹھے تو جگانا چاہا۔ معلوم ہوا کہ مولوی صاحب کا صرف جسم بستر پہ ہے روح اپنے مستقر کی طرف پرواز کر چکی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

رفیق محترم مولانا علی میاں سے مولوی صاحب کا قریباً ساٹھ سال کا تعلق تھا اور بڑی محبت و عقیدت تھی، مولانا اپنے وطن اصلی رائے بریلی تشریف فرما تھے، ایک مخلص اپنی کار لیکر مولانا کو لینے کے لیے رائے بریلی گئے، اور مولانا ٹھیک وقت پر تشریف لے آئے، مرکز ہی میں نماز جمعہ کے بعد نماز جنازہ مولانا ہی نے پڑھائی، دینی لحاظ سے لکھنؤ شہر کا ممتاز و منتخب مجمع نماز میں شریک تھا ــــ راقم سطور کو مختلف پہلوؤں سے بڑا رشک آیا۔

ہماری مرحومہ بھابی صاحبہ :-

میرے ایک بڑے بھائی مولانا محمد حسن صاحب مرحوم تھے جنھوں نے ۱۳۸۵ھ میں وفات پائی، اُس وقت الفرقان میں ان کا کچھ تذکرہ بھی کیا گیا تھا۔ ان کی اہلیہ ہماری بھابی صاحبہ نیکی اور عبادت گزاری کے لحاظ سے مثالی خاتون تھیں۔ اب سے دو ہی ہفتے پہلے ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اُن کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ میری عربی تعلیم شروع

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

درس قرآن

محمد منظور نعمانی

سُورَۃُ العٰدِیٰتِ

حمد و صلوٰۃ کے بعد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۝ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۝ فَاَثَرْنَ بِہٖ نَقْعًا ۝ فَوَسَطْنَ بِہٖ جَمْعًا ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوْدٌ ۝ وَاِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیْدٌ ۝ وَاِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ۝ اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ۝ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ رَبَّہُمْ بِہِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ ۝

قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں۔ پھر ٹاپ مار کر چنگاریاں جھاڑتے ہیں۔ پھر صبح نمودار ہوتے ہی تاخت و تاراج کرتے ہیں۔ پھر اس میں غبار اڑاتے ہیں پھر اُس کے ساتھ (دشمن کے) جتھے میں گھس جاتے ہیں۔ بے شک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا (اور اس کی نعمتوں کا بڑا ہی ناقدر شناس) ہے، اور وہ خود اس پر گواہ ہے۔ اور وہ مال و دولت کی محبت و چاہت میں بڑا پکا ہے۔ کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب (زندہ کر کے) باہر نکال دیے جائیں گے وہ سب مردے جو قبروں میں (دفن) ہیں۔ اور نکلوا لیے جائیں گے وہ سب بھید جو سینوں میں ہیں۔ بے شک اُس دن اُن کا پروردگار اُن سے پوری طرح باخبر ہو گا۔ (سورۂ عادیات)

(تفسیر و تشریح) اس سے پہلی سورت "الزلزال" میں قیامت کا بیان اس طرح کیا گیا تھا کہ

کسی درجہ میں اُس کا دہشت ناک منظر آنکھوں کے سامنے آگیا تھا، اور آخر میں فرمایا گیا تھا۔ فَمَن یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَہٗ ۝" (جو بندہ بھی ذرہ برابر کوئی نیکی یا بدی، عمل صالح یا معصیت کرے گا وہ وہاں اُس کے سامنے آجائے گا یعنی وہ اس کا صلہ، یا اس کی سزا ضرور پائے گا) اس سورۂ "والعادیات" میں پہلے تو ہم انسانوں کی دو ایسی روحانی اور اخلاقی بیماریوں کی نشاندھی کی گئی ہے جو قریبًا ساری معصیتوں کی جڑ بنیاد ہیں اور آخر میں اُس کی آگاہی دی گئی ہے جو قیامت میں سامنے آنے والا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اپنے خالق اور کریم پروردگار کی حق ناشناسی اور مال و دولت کی ہوس تمام معصیتوں کی بلکہ کفر و شرک کی بھی بنیاد ہیں۔ اس سورت میں بہت ہی موثر اور حکیمانہ انداز میں ان مہلک بیماریوں کے بارے میں ہم انسانوں کو متنبہ کیا گیا ہے ــــــ اس کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ عربوں میں زمانۂ جاہلیت میں جنگ اور لوٹ مار عام بات تھی۔ ایک طاقتور قبیلہ دوسرے کمزور قبیلہ پر دھاوا بول کے اس کو لوٹ لیتا تھا، "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" یہاں کا قانون تھا۔ یہ دوسرا قبیلہ بھی جس پر حملہ ہوتا اپنی پوری طاقت سے مدافعت میں جنگ کرتا تھا، اور پھر گھمسان کی لڑائی ہوتی تھی۔ اس تاخت و تاراج اور ان حملوں میں گھوڑے استعمال ہوتے تھے، یہ گھوڑے اِن جنگوں میں بڑی وفاداری اور جاں نثاری کا ثبوت دیتے تھے، ان کے سوار ان کو دوڑاتے تو یہ پوری طاقت اور تیزی سے دوڑتے یہاں تک کہ دوڑتے دوڑتے ہانپنے لگتے۔ اور پھر بھی دوڑتے رہتے اور ایسے دوڑتے کہ پتھریلی زمین پر ان کی ٹاپوں کے پڑنے سے چنگاریاں اُڑتیں ــــــ پھر یہ لوگ جس قبیلہ پر حملہ کرتے تو قدرتی طور پر وہ لوگ بھی مسلح ہو کر ایک فوج کی طرح مدافعتی جنگ کرتے۔ یہ گھوڑے اپنے سواروں کے اشاروں پر تلواروں اور نیزوں سے مسلح اس مدافعتی فوج میں بھی گھس جاتے اگرچہ زخم پر زخم کھاتے لیکن اپنے سواروں کی وفاداری میں ڈٹے رہتے، منہ نہ موڑتے۔ ان گھوڑوں کی اپنے سواروں اور مجازی مالکوں سے یہ وفاداری بلاشبہ ہم بندوں کے لیے بڑی سبق آموز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ "والعادیات" میں اِن گھوڑوں کی اپنے مالکوں کے ساتھ اس وفاداری کو بطور شہادت کے پیش فرما کر ارشاد فرمایا ہے کہ انسان اپنے مالک و پروردگار کا بڑا

ناشکرا اور اس کی نعمتوں کا بڑا ناقدر شناس ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ اسی درس کے سلسلہ میں بار بار عرض کیا گیا ہے کہ ہم بندوں کو اللہ کے سوا اُس کی کسی مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں، یہاں تک کہ کعبۃ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کی قسم کھانا بھی جائز نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جابجا اپنی مخلوقات کی قسم کھاکر بعض حقیقتیں بیان فرمائی ہیں۔ آسمان اور زمین کی اور سورج اور چاند اور ستاروں کی بھی قسمیں کھائی گئی ہیں، دن کے اجالے اور رات کی اندھیری کی بھی قسم کھائی گئی ہے اور اسی طرح اور بھی بعض مخلوقات کی قسم کھاکر بعض اہم مضامین بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان قسموں کا مطلب عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی جارہی ہے وہ اُس بات اور اس حقیقت کی شہادت دے رہی ہے جو قسم کے ساتھ بیان کی جارہی ہے، نیز قسم سے اس بات کا بھی اظہار مقصود ہوتا ہے کہ جو کچھ یہاں بیان کیا جارہا ہے وہ نہایت محکم اور محقق ہے، اُس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے ـــــ

اس سورت "والعادیات" میں ہم انسانوں کی اِس نہایت مہلک بیماری کی نشان دہی کی گئی ہے کہ انسان اپنے پروردگار کی نعمتوں کا بڑا ناقدر شناس اور ناشکرا ہے۔ اور اس کی شہادت کے طور پر جنگوں میں استعمال ہونے والے گھوڑوں کے اس رویہ اور کردار کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ ان گھوڑوں کا سوار اور مجازی مالک ان کا خالق اور پروردگار نہیں ہے بس کچھ گھاس دانہ کھلا دیتا ہے جو اس کا پیدا کیا ہوا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے، لیکن اتنے ہی احسان کے نتیجہ میں گھوڑے کا رویہ ایسی وفاداری اور تابعداری کا ہے کہ اس کے دوڑانے پر بے تحاشا دوڑتا ہے، ہانپنے لگتا ہے اور پھر بھی دوڑتا ہے اور اس زور سے دوڑتا ہے کہ پتھریلی زمین پر ٹاپ پڑنے سے چنگاریاں اڑتی ہیں، پھر وہ اس کے اشارہ پر کسی بھی بستی یا قبیلہ پر حملہ کرتا اور ٹوٹ پڑتا ہے اور اپنی جان خطرہ میں ڈالکر تلواروں اور نیزوں وغیرہ سے مسلح دشمن کی فوج میں گھس جاتا ہے ـــــ الغرض اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ان گھوڑوں کی اس وفاداری اور احسان شناسی کو قسم کے عنوان سے بطور شہادت ذکر فرماکر ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کا عام حال یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی نعمتوں کا بڑا ناقدر شناس اور ناشکر گزار ہے ـــــ اس سورت

کی ابتدائی چھ آیتوں کا یہی حاصل اور مدعا ہے ـــــ اب مختصر طور سے آیتوں کا الگ الگ مطلب بھی سمجھ لیجیے! واؤ قسم کے لیے ہے اور "عَادِیَات" کے معنی دوڑنے والوں کے ہیں جیسا کہ میں نے عرض کیا یہاں اس سے تاخت و تاراج اور جنگ کی مہموں میں دوڑنے والے اور دوڑائے جانے والے گھوڑے مراد ہیں۔ "ضبح" اس آواز کو کہتے ہیں جو گھوڑوں کے دوڑتے وقت اُن کے نتھنوں سے نکلتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ قسم ہے اُن گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے تیز دوڑتے ہیں۔ یعنی ان گھوڑوں کی جاں نثاری اور جانبازی اس بات کی شاہد ہے جو آگے کہی جا رہی ہے ـــــ

آگے ہے "فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا" یہ ان گھوڑوں کی دوسری صفت ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ ایسے زور سے دوڑتے ہیں کہ پتھریلی زمین پر اُن کی ٹاپ پڑنے سے چنگاریاں اڑتی ہیں۔ آگے ہے "فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا" مطلب یہ ہے کہ پھر وہ گھوڑے صبح کے وقت کسی دشمن، قبیلہ یا بستی پر تاخت و تاراج اور غارت گری کرنے کے لیے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ عربوں کا دستور تھا کہ وہ کسی قبیلہ یا بستی پر حملہ رات کے ختم ہونے پر صبح کے وقت کرتے تھے۔ آگے ہے "فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا" مطلب یہ ہے کہ پھر یہ گھوڑے اس طرح دوڑتے ہیں کہ اُس صبح کے وقت میں جبکہ رات کی شبنم یا خنکی کی وجہ سے گرد و غبار اُڑنے کا وقت نہیں ہوتا، ان گھوڑوں کے تیز دوڑنے کی وجہ سے فضا میں غبار ہی غبار ہو جاتا ہے ـــــ آگے ہے "فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا" پھر وہ اس صبح کے وقت میں اور گرد و غبار کے اس طوفان میں دشمن کی جماعت میں یعنی مقابل فوج میں گھس جاتے ہیں جہاں تلواروں اور تیروں کا سامنا ہوتا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ اپنے مالکوں اور سواروں کے وفادار اور تابعدار ان گھوڑوں کی قسم کھا کر یعنی ان کی وفاداری اور جاں نثاری کو بطور شہادت کے پیش فرما کر ـــــ ارشاد فرماتا ہے "إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ" انسان اپنے پروردگار کی نعمتوں کا بڑا ناقدر شناس اور بڑا ناشکرا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا، اُس کو اپنی ساری مخلوق پر فضیلت اور برتری دی، اس کو عقل اور نطق یعنی گویائی کی نعمت دی جو کسی دوسری مخلوق کو عطا نہیں فرمائی گئی۔ اس کو انواع و اقسام کی بے حساب نعمتوں سے نوازا۔ اس کے باوجود وہ اُس کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس کو اور اس کے احسانات کو فراموش کر کے زندگی گزارتا ہے اس کے حقوق و فرائض ادا

کرنے کی بالکل فکر نہیں کرتا (عام انسانوں کا یہی حال ہے) اسی کو فرمایا ہے "اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ" آگے فرمایا گیا ہے "وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ" مطلب یہ ہے کہ انسان خود ہی اپنی اس ناشکر گزاری اور نابکاری کا شاہد اور گواہ ہے۔ یعنی اگر وہ خود اپنے بارہ میں سوچے تو خود اُس کا ضمیر گواہی دیگا کہ وہ اپنے محسن پروردگار کا بڑا ناشکر گزار ہے۔ اس کے لیے کسی خارجی شہادت اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ آگے ارشاد فرمایا گیا ہے "وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ" مطلب یہ ہے کہ وہی انسان جو اپنے خالق و پروردگار کی شکر گزاری اور وفاداری کے معاملہ میں بہت بے پروا اور بے فکرا ہے، وہی مال و دولت کی محبت و چاہت اور اس کو سمیٹنے میں بہت تیز اور چاق ہے، اس معاملہ میں بالکل غافل اور بے پروا نہیں ہوتا "خَيْر" کے معنی یہاں مال و دولت کے ہیں، یہ لفظ اس معنی میں قرآن پاک میں بعض دوسرے مقامات پر بھی استعمال ہوا ہے۔ اس آیت میں بھی انسان کی ناشکر گزاری کی ایک دلیل اور نشانی بیان فرمائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک جانور گھوڑے کا حال تو یہ ہے کہ اس کو اپنے مجازی مالک سے جو اس کو صرف گھاس دانہ کھلا دیتا ہے ایسی محبت ہے کہ اس کی وفاداری میں اپنی ساری طاقت اور توانائی صرف کر دیتا ہے اور جان کی بھی پروا نہیں کرتا۔ لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ اس کو اپنے خالق اور پروردگار سے بھی زیادہ محبت مال و دولت کی ہے —— یہ خدا ناآشنا اور خدا فراموش انسانوں کا عام حال ہے —— لیکن جن انسانوں کو ایمان کی حقیقت نصیب ہے ان کا حال دوسری جگہ یہ بیان فرمایا گیا ہے "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (اور جن بندوں کو ایمان کی دولت نصیب ہے ان کو ہر چیز سے زیادہ محبت اور چاہت اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے) اللہ تعالیٰ ہم کو بھی انہی بندوں میں شامل فرمادے۔

آگے انسان کی ناشکری خدا فراموشی اور دولت پرستی کے اُخروی انجام کے بارے میں آگاہی دی گئی ہے —— فرمایا گیا ہے "اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ... ... مطلب یہ ہے کہ کیا یہ غافل انسان اُس وقت اور اس دن کو نہیں جانتا جب قبروں میں دفن شدہ سارے مردے زندہ کر کے قبروں سے باہر نکالے جائیں گے اور زندگی بھر کے اُن کے اعمال کا پورا احتساب ہوگا۔ اور سینوں کے

بھید اور راز بھی جن کو وہ سمجھتا تھا کہ یہ ہمیشہ راز ہی رہیں گے کبھی کسی کو ان کی اطلاع نہ ہوگی، وہ اُس دن (یعنی بروز قیامت) باہر نکال لیے جائیں گے۔ مثلاً نفاق ہے، ریاکاری ہے، یا ایسی ہی چھپی ہوئی گندگیاں ہیں تو وہ ظاہر کردی جائیں گی اور ان کا بھی محاسبہ ہوگا، دوسری جگہ فرمایا گیا ہے "یَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ" یعنی اُس دن مخفی اور پوشیدہ باتیں بھی جانچی اور پرکھی جائیں گی اُن کا بھی پورا احتساب ہوگا ——— آخر میں ارشاد ہوا ہے "إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ" یہ اوپر والی آیتوں کے مضمون کی مزید تاکید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کے ظاہر و باطن کے ہر فعل سے اگرچہ باخبر تو آج بھی ہے لیکن قیامت کا دن جو احتساب اور جزاء سزا کے فیصلہ کا دن ہوگا اُس دن اللہ تعالیٰ کی اس صفت خبیری (خبرداری) کی خاص شان ہوگی۔ سب بندوں کا، خاص کر اُن غافل بندوں کا جنھوں نے اُس کو اور اس کے احسانات و انعامات کو بھلا رکھا تھا پورا ظاہر و باطن اس کے سامنے ہوگا اور اسی کی بنیاد پر اُس دن سب کا احتساب اور فیصلہ ہوگا ——— اس سے پہلی سورت "إِذَا زُلْزِلَتْ" میں قریباً یہی مضمون اِن الفاظ میں بیان فرمایا گیا تھا "فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ" ——— اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ قیامت کے بارہ میں یہ آگاہی ہر وقت ہمارے سامنے رہے، یقیناً اُس دن ہم بھی اپنی قبر سے اٹھائے جائیں گے ہمارے بھی سینوں کے سب راز، ہمارا نفاق، ہماری ریاکاری، اور اس طرح کے ہمارے سارے مخفی رزائل اور معاصی کھولے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ علیم و خبیر کا احتساب ہوگا ——— اللہ تعالیٰ ہم سب کو مخلصانہ توبہ کی اور اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے اور ظاہر و باطن کو پاک فرما کے اٹھائے۔ شیخ عطارؒ کی مشہور مناجات کا ایک شعر ہے ؎

چشم دارم از گنہ ہا کم کنی
بخشش ازاں کاندر لحد خاکم کنی

ایک اعلان اور تصحیح	گزشتہ شمارہ میں "مدینہ مسجد سنبھل" کی تعمیر کے سلسلہ میں لکھا گیا تھا کہ اگر کوئی باتوفیق صاحب خیر اس کی تعمیر کے سلسلہ میں ڈرافٹ یا چیک کے ذریعہ رقم بھیجیں تو اس پر متولی مدینہ مسجد سنبھل" لکھا جائے ـــ اب متولی صاحب نے اطلاع دی ہے کہ صرف "مدینہ مسجد سنبھل" لکھا جائے۔ متولی نہ لکھا جائے۔

احکام الجنائز

(۲)

مولانا سید جلال الدین عمری

خویش واقارب کی ذمہ داری

جو شخص اس دنیا سے آخرت کے سفر پر جا رہا ہو اس کے خویش واقارب یا جو لوگ بھی اس کے قریب ہوں ان کی دینی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے صبر وسکون کے ساتھ اچھی طرح رخصت کریں، لطف ومحبت اور ہمدردی کا رویہ اپنائیں اور اس سے غلط اور ناجائز فائدہ اٹھانے کی جگہ آخرت کی فلاح کی فکر کریں۔ اس سلسلہ میں اسلام نے جس اخلاق، محبت، خلوص اور ہمدردی وغم خواری کی تعلیم دی ہے وہ مذاہب کی پوری تاریخ میں بے مثال ہے۔ ذیل میں اس کی تھوڑی سی تفصیل دی جا رہی ہے۔

تلقین کی جائے

حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لقنوا موتاکم بلا الٰہ الا اللہ[1] — اپنے مرنے والوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو

ہمدردی اور خیر خواہی کا رویہ اختیار کیا جائے

اس حدیث کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں:۔

"حدیث کے حکم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مرنے والے کو تنہا نہ چھوڑ دیا جائے بلکہ

---

[1] مسلم، کتاب الجنائز۔

لوگ اس کے قریب رہیں تاکہ اسے تذکیر اور یاد دہانی کرائیں اور اس کے دوسرے حقوق ادا کریں اور ان کی وجہ سے اسے سکون محسوس ہو۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں :-

"مرنے والے کے پاس ایسے شخص کا ہونا پسندیدہ ہے جو اس کا سب سے زیادہ ہمدرد، اس کے مزاج سے سب سے زیادہ باخبر اور سب سے زیادہ خدا ترس ہو تاکہ اسے وہ اللہ تعالیٰ کی یاد دلائے معاصی سے توبہ کرنے، کسی پر ظلم کیا ہو تو اس کی تلافی کرنے اور کوئی وصیت ہو تو اسے پوری کرنے کی تلقین کرے اور جب دیکھے کہ اس کا آخری وقت بالکل قریب آگیا ہے تو اس کی دیکھ بھال کرے، پانی یا کسی اور مشروب کے قطرے حلق میں ڈالتا اور گیلی روئی سے اس کے ہونٹ تر کرتا رہے۔"[2]

صبر کیا جائے اور کلمات خیر زبان سے نکالے جائیں

کسی شخص کو خاص طور پر اگر وہ قریبی عزیز ہو تو جان کنی کی تکلیف میں دیکھ کر اور یہ سوچ کر کہ اب وہ چند لمحوں میں ہم سے جدا ہونے والا ہے، فطری طور پر دل بھر آتا ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ یہ چیز ناپسندیدہ اور مذموم نہیں ہے البتہ اسے اپنی تباہی اور بربادی کا ذریعہ سمجھنا، واویلا کرنا، ناپسندیدہ الفاظ کا زبان سے نکالنا، صبر اور توکل کے منافی ہے۔ اس سے منع کیا گیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس وقت میت کے حق میں دعائے مغفرت کرنی چاہیے اور اس سلسلہ میں کلمات خیر زبان سے نکالنا چاہیے۔ اس لیے کہ انسان جو دعا کرتا ہے اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔ حضرت شداد بن اوسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اذا حضرتم موتاکم فاغمضوا	جب تم اپنے ان لوگوں کے پاس موجود ہو جو
البصر ...... فان البصر	حالت نزع میں ہوں تو ان کی آنکھیں بند
تتبع الروح وقولوا خیرا	کردو اس لیے کہ آنکھیں روح جب پرواز کرتی
فان الملائکة تؤمن علی	ہے تو اس کا پیچھا کرتی ہیں۔ اور زبان سے

---

[1] مخرج مسلم ۱/ ۳۰۰ ابونعیم کی ایک روایت میں ہے احضروا موتاکم (اپنے مرنے والوں کے پاس موجود رہو) علامہ زیلعی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد کوئی جرح نہیں کی ہے۔ نصب الرایہ ۲/ ۲۵۴

[2] المغنی ۲/ ۳۰۴

ما قال اہل المیت[۱] — اچھے الفاظ نکالو اس لیے کہ میت کے لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔

حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اذا حضرتم المریض فقولوا خیرا فان الملائکۃ یؤمنون علی ما تقولون[۲] — جب تم مریض کے پاس موجود ہو تو اچھے کلمات کہو اس لیے کہ تم جو کچھ کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں

فرماتی ہیں حضرت ابوسلمہ کا آخری وقت تھا لوگ زور زور سے اور چیخ کر رونے لگے تو آپ نے فرمایا:۔

لا تدعوا علی انفسکم الا بخیر فان الملائکۃ یؤمنون علی ما تقولون — اپنے حق میں بددعا مت کرو، صرف کلمات خیر تمہاری زبان سے ادا ہوں، اس لیے کہ تم جو کچھ کہتے ہو اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔

اس کے بعد یہ دعا فرمائی:۔

اللھم اغفر لابی سلمۃ وارفع درجتہ فی المھدیین واخلفہ فی عقبہ فی الغابرین واغفر لنا ولہ یا رب العالمین وافسح لہ فی قبرہ ونور لہ فیہ[۳] — اے اللہ! ابوسلمہؓ کی مغفرت فرما۔ ہدایت یافتہ لوگوں میں ان کا درجہ بلند کر۔ پسماندگان کو ان کا بہترین جانشین عطا فرما۔ اے رب العالمین ہماری اور ان کی مغفرت فرما۔ ان کی قبر کو کشادہ کر دے اور اسے نور سے بھر دے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں لوگ ایسے وقت میں اپنے اوپر بددعائیں کرتے تھے۔ اس میں اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ یہ قبولیت دعا کا وقت ہو اور جو دعا کی جارہی ہے وہ قبول کر لی جائے۔ اس لیے انھیں اس کا ایک بہتر بدل بتایا گیا۔ یہ دعا صدمہ کے شروع ہی میں ہونی چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کا وسیلہ بن جائے[۴]

---

[۱] ابن ماجہ، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی تغمیض المیت [۲] مسلم، کتاب الجنائز
[۳] حوالہ سابق [۴] حجۃ اللہ البالغہ ۲/۳۵

میت نجس نہیں ہے

ایک انسان کو دوسرے انسان سے جو محبت، ہمدردی اور تعلق ہوتا ہے وہ اصلاً اس کے جسم سے نہیں بلکہ اس کی روح سے ہوتا ہے۔

روح کے پرواز کر جانے کے بعد بے جان اور مردہ جسم سے یہی نہیں کہ یہ تعلق باقی نہیں رہتا بلکہ اس سے انقباض اور کراہت محسوس کی جاتی ہے۔ لوگ اس کے قریب ہوتے ہوئے بھی خوف کھاتے اور گھبراتے ہیں۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ایک انسان کے ساتھ اس کی زندگی میں جس محبت، تہذیب اور شائستگی کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے اس کے مرنے کے بعد اس کے بے جان جسم کے ساتھ بھی یہی رویہ اختیار کیا جائے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات اس نے یہ بتائی کہ مومن کا جسم اصلاً نجس اور ناپاک نہیں ہوتا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا:۔

سبحان اللہ ان المومن لا ینجس[۱] — سبحان اللہ! بے شک مومن نجس اور ناپاک نہیں ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں مومن نہ تو اپنی زندگی میں نجس ہوتا ہے اور نہ مرنے کے بعد۔ ارشاد ہے:۔

المسلم لا ینجس حیاً ولا میتاً[۲] — مسلمان (کبھی) ناپاک نہیں ہوتا ہے نہ تو اس وقت جب کہ وہ زندہ ہوتا ہے اور نہ اس وقت جب کہ وہ انتقال کر جاتا ہے۔

حضرت سعد بن زید کا انتقال ہوا تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے انھیں غسل دیا اور کفن پہنایا۔ گھر پہونچ کر خود بھی غسل کیا اور فرمایا میت نجس نہیں ہوتی کہ اسے غسل دینے کی وجہ سے مجھے غسل کرنا پڑا ہو۔ میں نے غسل اس لیے کیا کہ گرمی تھی۔ اگر میت نجس ہوتی تو میں اسے ہاتھ بھی نہ لگاتا[۳]

---

[۱] بخاری، کتاب الغسل، باب عرق الجنب۔ مسلم، کتاب الحیض، باب الدلیل علی ان المسلم لا ینجس [۲] بخاری، کتاب الجنائز، باب غسل المیت ووضوئہ۔ یہ روایت مرفوع اور موقوف دونوں طرح سے آئی ہے۔ فتح الباری ۳/ ۸۰ [۳] بخاری مع فتح الباری ۳/ ۸۰

حقیقت یہ ہے کہ مومن کا جسم اصلاً ناپاک یا نجس نہیں بلکہ پاک اور طاہر ہوتا ہے۔ اگر وقتی اور عارضی طور پر اس کے بدن پر کوئی گندگی پائی جائے تو اس کے دور ہوتے ہی اس کی نجاست ختم ہو جاتی ہے اور وہ پاک ہو جاتا ہے۔ یہ بات جس طرح اس کی زندگی میں صحیح ہے اسی طرح اس کی موت کے بعد بھی صحیح ہے۔

میت کا احترام کیا جائے

اسلام کے نزدیک میت کی توہین اور بے حرمتی غلط اور ناروا ہے۔ انسان کا جس طرح اس کی زندگی میں احترام کیا جاتا ہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی اس کا احترام ہونا چاہیے۔ کسی بھی شخص کو روحانی یا جسمانی تکلیف اور اذیت پہونچانا اخلاقی اور قانونی طور پر ساری دنیا میں برا سمجھا جاتا ہے۔ مرنے کے بعد بھی اس کا یہ حق ہے کہ اس کے جسم کو گزند یا نقصان نہ پہونچایا جائے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کسر عظم المیت ککسرہ حیا[1] — میت کی ہڈی کا توڑنا ایسا ہی ہے جیسے کہ زندگی میں اس کی ہڈی توڑی جائے۔

یہی روایت حضرت ام سلمہؓ سے بھی آئی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

کسر عظم المیت ککسر عظم الحی فی الاثم[2] — میت کی ہڈی کا توڑنا گناہ کے لحاظ سے ایسا ہی ہے جیسے زندہ شخص کی ہڈی توڑی جائے

ہڈی توڑنا ایک مثال ہے۔ اس پر دوسری باتوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اس کی رو سے بلا وجہ انسان کی نعش کو چاک کرنا، اس کے کسی عضو کو کاٹ کر الگ کرنا یا اس پر کسی قسم کا تجربہ کرنا اسلامی نقطہ نظر سے ناجائز ہوگا۔

میت کو چادر سے ڈھک دینا چاہیے

میت کے احترام ہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اسے کھلا نہ چھوڑا جائے بلکہ کسی کپڑے

---

[1] ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب فی الحفار یجد العظم الخ - ابن ماجہ، ابواب الجنائز، باب فی النہی عن کسر عظام المیت

[2] ابن ماجہ، حوالہ سابق

یا چادر سے ڈھک دیا جائے۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں:۔

اِنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حِینَ تُوُفِّیَ سُجِّیَ بِبُرْدٍ حِبَرَۃٍ[1]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو آپ کو حبرہ کی چادر سے ڈھک دیا گیا۔

امام نووی فرماتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو کسی کپڑے سے ڈھک دینا مستحب ہے اس پر سب کا اجماع ہے[2]

عقیدت اور محبت سے میت کو بوسہ دینا جائز ہے

حضرت عثمان بن مظعون رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔ مکہ میں اسلام لائے، ہجرتِ حبشہ اور ہجرت مدینہ دونوں کی سعادت حاصل کی۔ بدر میں شریک ہوئے مہاجرین میں سب سے پہلے ان ہی کا انتقال ہوا تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ انتقال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بوسہ دیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے[3]

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سن کر حضرت ابوبکر رضؓ مقام سنخ سے، جہاں کہ ان کا مکان تھا، گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ مسجد میں داخل ہوئے، کسی سے بات کیے بغیر سیدھے میرے حجرہ میں داخل ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہونچے۔ جسم مبارک چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ چہرہ کھولا۔ جھک کر اس کا بوسہ لیا اور رونے لگے[4]

علامہ شوکانی فرماتے ہیں:۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تعظیم کے طور پر یا برکت کے لیے میت کا بوسہ لینا جائز ہے۔ صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر رضؓ کے عمل پر اعتراض نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے جواز پر ان کا اجماع ہو گیا[5]

---

[1] بخاری، کتاب اللباس، باب البرود والحبرۃ والشملۃ۔ مسلم، کتاب الجنائز [2] کہا جاتا ہے کہ جن کپڑوں میں آدمی کا انتقال ہوا ہے انہیں اتار کر چادر ڈھک دینا چاہیے تاکہ گرمی (یا کپڑوں میں گندگی) کی وجہ سے میت متاثر نہ ہو (شرح مسلم ۱/۳۰۶۔ المغنی ۲/۳۱۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ میت کے کپڑے اگر صاف ہوں یا موسم ٹھنڈا ہو یا ٹھنڈی جگہ رکھا جا سکے تو کپڑے اتارنے کی ضرورت نہیں۔ صرف چادر سے ڈھک دینا کافی ہے [3] ترمذی، ابواب الجنائز، باب ما جاء فی تقبیل المیت۔ ابن ماجہ، ابواب الجنائز [4] بخاری، کتاب الجنائز باب الدخول علی المیت الخ [5] نیل الاوطار ۴/۵۶

تجہیز و تکفین میں جلدی کی جائے

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کی تجہیز و تکفین میں تاخیر نہیں ہونی چاہیئے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اسرعوا بالجنازۃ فان تلک صالحۃ فخیر تقدمونها الیه وان تک سوی ذالک فشر تضعونه عن رقابکم۔[1]

جنازہ کو لے کر جلدی جلدی چلو، اس لیے کہ میت اگر نیک ہو تو اسے انجام خیر کی طرف تم (تیزی سے) پہونچا دوگے اور اگر بری ہے تو وہ ایک شر ہوجسے تم اپنی گردنوں پر سے (جلدی سے) اتار دوگے۔

اس حدیث میں بظاہر جنازہ کو لے کر تیز چلنے کا حکم ہے۔ لیکن اس کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل سمجھی گئی ہے کہ تجہیز و تکفین میں تاخیر نہیں ہونی چاہیئے۔[2] حقیقت یہ ہے کہ حدیث میں جنازہ کو لے کر تیز چلنے کی جو علت بیان کی گئی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جنازہ کو لے جانے ہی میں نہیں تجہیز و تکفین میں بھی جلدی کی جائے تاکہ میت نیک ہو تو اپنا اچھا انجام جلد سے جلد دیکھ سکے اور بری ہو تو اس سے دوسروں کو عافیت ملے۔

ایک اور حدیث میں اس کی صاف صراحت بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے:۔

اذا مات احدکم فلا تحبسوہ و اسرعوا به الی قبرہ[3]

جب تم میں سے کوئی شخص مر جائے تو اسے دیر تک نہ روکے رکھو اور جلدی سے اسے اس کی قبر کی طرف لے چلو۔

ایک اور حدیث میں ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

---

[1] بخاری، کتاب الجنائز، باب السرعۃ بالجنازۃ۔ مسلم، کتاب الجنائز [2] فتح الباری ۳/۱۱۹

[3] رواہ الطبرانی باسناد حسن۔ فتح الباری ۳/۱۱۹

يا علي ثلاث لا تؤخرهن الصلوٰة اذا اتت والجنازة اذا حضرت والايم اذا وجدت لها كفوا[1]

اے علیؓ! تین باتوں میں تاخیر نہ کرو۔ نماز میں جب کہ اس کا وقت ہو جائے۔ جنازہ (سے فارغ ہونے) میں جب کہ وہ موجود ہو۔ اور بے شادی شدہ لڑکی کے سلسلے میں جب کہ تمہیں اس کے برابر کا رشتہ مل جائے۔

حصین بن وحوح کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا ينبغي لجيفة مسلم ان تحبس بين ظهراني اهله[2]

کسی مسلمان کی لاش کو اس کے گھر والوں کے درمیان روکے نہیں رکھنا چاہیے۔

ان احادیث سے صاف اور صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تجہیز و تکفین میں تاخیر ناپسندیدہ ہے۔ اس میں جلدی ہونی چاہیے۔

---

[1] ترمذی، ابواب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی اول الوقت من الفضل۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہی روایت مسند احمد میں بھی ہے۔ احمد محمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے۔ ۱۴۴/۲ [2] ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب تعجیل الجنازۃ یہ روایت سنداً کمزور ہے (نیل الاوطار ۴/۵۳) لیکن اوپر کی حدیثوں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(صفحہ ۷ کا بقیہ)

ہو چکی تھی، لیکن میرا بچپن کا پڑھا ہوا قرآن مجید بہت ہی کچا تھا، تلاوت کی بالکل عادت نہ تھی، جب مرحومہ ہمارے گھر آئیں تو یہ صبح کو روزانہ تلاوت کرتیں اور قرآن پاک بہت رواں اور بہت اچھا پڑھتیں، ان کی تلاوت سنکر مجھے بڑی غیرت آئی اور میں نے اسی دن سے قرآن پاک یاد کرنا شروع کردیا اور تلاوت بھی روزانہ کرنے لگا۔ اس لحاظ سے وہ گویا میری قرآن پاک کی استاد اور محسنہ تھیں۔ اللّٰھم اغفر لھا وارحمھا!

ناظرین کرام سے بھی درخواست ہے کہ ان سب مرحومین کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا فرمائیں۔

از افادات حکیم الامت حضرت تھانویؒ

مقاصد طریقت کے حصول کا دستور العمل

حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔ عارفی دامت برکاتہم (متوطن حال کراچی، پاکستان) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے اکابر و اجلہ خلفا میں سے ہیں، اس عاجز کو حضرت کی بعض اصلاحی تصانیف ہی کے ذریعہ تعارف حاصل ہوا ہے، ناچیز راقم سطور کا احساس ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص توفیق سے ڈاکٹر صاحب نے حضرت حکیم الامت کے فیوض اور خاص کر طریق ارشاد و اصلاح کو جس طرح جذب کیا ہے اس کی مثالیں کم ہی ہوں گی۔ اس سلسلہ میں ان کی دو کتابیں خاص طور سے قابل ذکر ہیں ایک بصائر حکیم الامتؒ" اور دوسری " مآثر حکیم الامت" ان دونوں کتابوں میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی طرف سے بہت کم تحریر فرمایا ہے، حضرت حکیم الامت کے مرقوم یا ملفوظ افادات ہی کو مرتب کر کے پیش فرمایا ہے ـــــ یہ ناچیز امتنان و تشکر کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ ان دونوں کتابوں کو میں نے اپنے حق میں بہت نافع پایا ـــــ آج کی صحبت میں بصائرؔ سے اخذ کر کے حضرت حکیم الامتؒ کا ایک افادہ الفرقان کے ذریعہ اپنے ناظرین تک پہنچانے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔ سلوک و تصوف کے بارے میں جو کچھ جاننا ضروری ہے وہ سب ہی کچھ چند صفحے کے اس مضمون میں آگیا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ـــــ

محمد منظور نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امّا بعد ـــ تصوف و طریقت جو درحقیقت شریعت ہی پر مکمل عمل کرنے کا دوسرا نام ہے اس میں ایک زمانہ دراز سے کچھ ایسا اختلاط و التباس پیش آ رہا تھا کہ بہت سے ناواقف لوگ

ؔ "بصائر" اور "مآثر" دونوں کتابیں کراچی ہی میں طبع ہوئی ہیں کتب خانہ الفرقان سے طلب نہ فرمائی جائیں۔ ۱۲

کچھ بزرگوں کی رسوم و عادات کو اور بہت سے ان کی غیر اختیاری کیفیات اور وجدی حالات ہی کو تصوف سمجھ بیٹھے تھے، مقصود و غیر مقصود میں امتیاز نہ رہنے سے بعض لوگ خلاف شرع امور کے ارتکاب اور غیر شرعی عادات و اخلاق کے باوجود کچھ حالات اور اچھے خواب دیکھ کر نفس کی اصلاح و اعمال کے اہتمام سے بے فکر ہونے لگے۔ ان خرابیوں کی اصلاح کے لیے اس مختصر رسالہ میں طریقت و تصوف کی حقیقت اور اس کے اصل مقصود اور حصول مقصود کے طریقوں کے متعلق چند اہم اور ضروری مضامین بعنوان ہدایات لکھے جاتے ہیں۔

ہدایت اول :- سلوک جس کو عرف میں تصوف کہتے ہیں، اس کی حقیقت ہے "تعمیر الظاہر والباطن" یعنی اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ و معمور کرنا، ظاہر کو اعمال جوارح ضروریہ سے اور باطن کو عقائد حقہ، اخلاق باطنہ مثل اخلاص و شکر و صبر و زہد اور تواضع وغیرہ سے۔ اس کا ایک مرتبہ تو یہ ہے۔ اور دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ مرتبہ اولیٰ کے ساتھ ظاہر کو طاعاتِ غیر ضروریہ[1] میں اور باطن کو دوام ذکر میں بھی مشغول کرنا ——— مرتبہ اولیٰ کی تحصیل ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور اس کے لیے دو چیزوں کی حاجت ہوگی اس کا اہتمام بھی ضروری ہوگا۔ ایک بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنا، خواہ پڑھ کر خواہ علماء سے پوچھ پوچھ کر، اور پڑھنا بھی خواہ عربی میں ہو یا فارسی میں خواہ اردو میں۔ احقر نے ایک رسالہ "بہشتی زیور" شائع کرایا ہے۔ وہ اور رسالہ "صفائی معاملات" اور تیسرا باب "مفتاح الجنۃ" کا یہ ضروریات روزمرہ کے لیے کافی ہیں ——— دوسرے علم پر عمل کرنے کی ہمت قوی رکھنا کہ تقاضائے نفس یا ملامت خلق سنگ راہ نہ ہو ——— یہ تو مرتبہ اولیٰ کا بیان ہوا اور دوسرا مرتبہ مندوب ہے اور اکثر عرف میں آجکل اسی کو تصوف اور درویشی کہتے ہیں۔ لیکن اگر دوسرے مرتبہ میں مشغول ہونے سے کوئی ضروری طاعت مرتبہ اولیٰ کی فوت یا خلل پذیر ہو جاوے تو پھر اس میں مشغول ہونا ممنوع و غیر مشروع ہو جاوے گا جیسا بعضے نادان کرتے ہیں کہ بیوی بچوں کو ننگا بھوکا چھوڑ کر درویشی کا دم بھرتے ہیں۔

ہدایت دوم :- صحیح ترتیب سلوک مرتبہ دوم کی یہ ہے کہ اول گناہوں سے توبہ خالصہ کرے اور اگر کچھ عبادات واجبہ نماز وغیرہ اس کی فوت ہوئی ہوں تو ان کو قضا پڑھنا شروع کردے اور اگر اس کے ذمہ کچھ حقوق العباد ہوں تو ان کے ادا کرنے کے بندوبست میں لگ جاوے

---

[1] "طاعات غیر ضروریہ" سے وہ طاعات و عبادات مراد ہیں جو فرض یا واجب نہیں ہیں۔ (الفرقان)

یا اہل حقوق سے معاف کرائے۔ کیونکہ بدون ان کے کہ ان سے سبکدوشی حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اگر عمر بھر بھی ریاضت و مجاہدہ کرے گا۔ ہرگز مقصود حقیقی تک رسائی نصیب نہ ہوگی اور توبہ کے ساتھ آئندہ کے لیے بھی قوی عزم رکھے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں گو نفس کو کتنی ہی ناگواری ہو اور گو مال کا یا جان کا کتنا ہی بڑا ضرر ہو، اور گو کوئی نفسانی دنیوی مصلحت کیسی ہی فوت ہوتی ہو، اور گو خلق کتنی ہی ملامت کرے برداشت کریں گے۔ اور اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ہاتھ سے نہ دیں گے۔ اگر اتنی ہمت نہیں ہے تو وہ طالب حق نہیں ہے کیونکہ طالب کی تو یہ شان ہوتی ہے۔ قطعہ ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی — بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی
در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطر ہاست بجاں — شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

جب توبہ و عزم دونوں ٹھیک ہو گئے تو علم دین بقدر ضرورت حاصل کرے، جیسا کہ ہدایت اول میں اس کا طریقہ بیان کیا گیا۔ پھر شیخ کامل کی تلاش میں لگے جس کی پہچان آگے آتی ہے۔

ہدایت سوم :- شیخ کامل وہ ہے جس میں یہ علامات ہوں (۱) بقدر ضرورت علم دین رکھتا ہو۔ (۲) عقائد و اعمال و اخلاق میں شرع کا پابند ہو (۳) دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو۔ کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی شعبۂ دنیا ہے (۴) کسی شیخ کامل کی صحبت میں چند دن رہا ہو۔ (۵) اس زمانے کے منصف علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں (۶) بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم دیندار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں (۷) اس سے جو لوگ بیعت ہیں ان میں اکثر کی حالت باعتبار اتباع شرع و قلت حرص دنیا کے اچھی ہو۔ (۸) وہ شیخ تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور ان کی کوئی بری بات سُنے یا دیکھے تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔ (۹) اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو (۱۰) خود بھی وہ ذاکر شاغل ہو کہ بدون عمل یا عزم عمل تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔ جس شخص میں یہ علامات ہوں پھر یہ نہ دیکھے کہ اس سے کوئی کرامت بھی صادر ہوتی ہے یا نہیں، یا اس کو کشف بھی ہوتا ہے یا نہیں یا یہ جو دعا کرتا ہے وہ قبول ہو جاتی ہے یا نہیں، یا یہ صاحب تصرفات ہے یا نہیں، کیونکہ یہ

امور لوازم مشیخت یا ولایت میں سے نہیں ہیں۔ اسی طرح یہ نہ دیکھے کہ اس کی توجہ سے لوگ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے ہیں یا نہیں کیونکہ یہ بھی لوازم بزرگی سے نہیں۔ اصل میں یہ ایک نفسیاتی تصرف ہے، جو مشق سے بڑھ جاتا ہے، غیر متقی بلکہ غیر مسلم بھی کرسکتا ہے اور اس سے چنداں نفع بھی نہیں کیونکہ اس کے اثر کو بقا نہیں ہوتی، صرف مرید غبی کے لیے جو ذکر سے اصلاً متاثر نہ ہوتا ہو، چند روز تک شیخ کے اس عمل کرنے سے اس میں ایک گونہ تاثر و انفعال قبولِ آثارِ ذکر کا پیدا ہو جاتا ہے، یہ نہیں کہ خواہ مخواہ لوٹ پوٹ ہی ہو جاوے۔

ہدایت چہلم :- جب شیخ کامل میسر ہو جاوے اور اس سے بیعت کا ارادہ کرے تو اول یہ سمجھ لے کہ بیعت سے غرض کیا ہے کیونکہ اس میں مختلف غرضیں ہوتی ہیں بعضے تو صاحب کشف و کرامت بننا چاہتے ہیں سو ہدایت سوم میں ابھی گذر چکا ہے کہ کشف و کرامات خود شیخ میں ہونا ضرور نہیں تو بے چارہ مرید تو اس کی کیا ہوس کرے۔ بعضے یہ سمجھتے ہیں کہ سلسلہ میں داخل ہونے سے پیر بخشش کے ذمہ دار ہو جاویں گے، قیامت میں دوزخ سے نجات دیں گے، خواہ کیسے ہی عمل کرتے رہو، یہ بھی محض غلط ہے۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا ہے فاطمہ[1] انقذی نفسک من النار بعضے یہ جانتے ہیں کہ پیر صاحب ایک نظر میں کامل کر دیں گے، ہم کو نہ کوئی محنت پڑے گی نہ معاصی کے ترک کا قصد کرنا پڑے گا۔ اگر اس طریق سے کام بن جاتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو کچھ بھی نہ کرنا پڑتا۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل النظر ہوگا، کہیں بطور خرق عادت ایسا بھی ہو گیا ہے۔ لیکن خوارق میں دوام اور لزوم نہیں ہوتا۔ اس بھروسے پر رہنا بڑی غلطی کی بات ہے۔ بعضے یہ چاہتے ہیں کہ خوب جوش و خروش و شورش و مستی پیدا ہو، خوب نعرے لگایا کریں۔ گناہ آپ سے آپ چھوٹ جاویں۔ نیک کاموں میں ارادہ ہی نہ کرنا پڑے آپ سے آپ ہو جایا کریں، وساوس و خطرات سب فنا ہو جاویں۔ بس ایک عالم محویت کا رہا کرے۔ یہ خیال پہلے سب خیالوں سے پاکیزہ سمجھا جاتا ہے لیکن منشا اس کا بھی ناواقفی ہے۔ یہ امور منجملہ کیفیات و احوال کے ہیں جو اختیار سے خارج ہیں اور گو محمود ہیں مگر مقصود نہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ایسی خواہشوں میں نفس کا ایک کید خفی ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ نفس طالب ہے راحت اور لذت اور شہرت کا، ان کیفیات میں یہ سب امور حاصل ہیں۔ طالب

---

[1] اے میری بیٹی فاطمہ اپنے کو دوزخ سے بچانے کی فکر کرو۔ (الفرقان)

رضا کو جس کا مقصود ہونا عنقریب آتا ہے ان خواہشوں سے کیا علاقہ، وہ تو بزبانِ حال یہ کہتا ہے ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

دیگر:۔ روزہا گر رفت گو رو باک نیست
تو بمان اے آنکہ چوں تو پاک نیست

دیگر:۔ بس زبون وسوسہ باشی دلا
گر طرب را باز دانی از بلا

پھر یہ کہ ایسا شخص دو قسم کی خرابیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے کیونکہ کیفیات یا حاصل ہونگی یا نہ ہوں گی، اگر حاصل ہوں گی، تب تو بوجہ اس کے کہ یہ شخص اس کو غایت اور ثمرہ سمجھتا تھا اپنے کو صاحب کمال سمجھنے لگتا ہے اور انھیں کیفیات پر قناعت کر کے تقویٰ و طاعات سے بے فکر اور مستغنی ہو جاتا ہے، یا کم از کم طاعات کو حقیر ضرور سمجھنے لگتا ہے اور اگر حاصل نہ ہوئیں تو غم میں مرے گھلنے لگتا ہے اور جو شخص غیر اختیاری امور کا طالب ہو گا ہمیشہ مبتلائے غم اور پریشان رہے گا۔ بعضے یہ سمجھتے ہیں کہ پیر صاحب بڑے مقبول الدعوات ہیں مقدمات وغیرہ میں ان سے دعا کرایا کریں گے اور سب کام اپنی مرضی کے موافق ہو جایا کریں گے، گویا ساری خدائی پیر صاحب کے قبضہ میں ہے۔ یا ہم خود ان سے ایسی چیز سیکھ لیں گے کہ ہم بھی بابرکت ہو جاویں گے کہ ہمارے دم کر دینے سے ہاتھ پھیر دینے سے مریض اچھے ہو جاویں گے، بلکہ ایسے لوگ تمام تر بزرگی کا خلاصہ ان ہی عملیات کو اور ان کے آثار کو سمجھتے ہیں، چونکہ اس کو بزرگی سے کوئی تعلق نہیں اور یہ نیت محض دنیا کی طلب ہے اس لیے بالکل فاسد در فاسد ہے۔ بعضے یہ سمجھتے ہیں کہ ذکر و شغل کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ کچھ انوار نظر آیا کریں گے یا کچھ آوازیں سنائی دیں گی یہ بھی محض ہوس اور نافہمی ہے کیونکہ اول تو ذکر و شغل پر ان آثار کا مرتب ہونا ضروری نہیں اور نہ ذکر و شغل سے یہ مقصود ہے دوسرے یہ انوار و الوان و اصوات بعض اوقات اس کے دماغ کا تصرف ہوتا ہے۔ عالم غیب کی اشیاء میں سے نہیں ہوتیں۔ تیسرے اگر بالفرض اس عالم کی چیزیں منکشف ہو گئیں تو اس کو کیا فائدہ۔ کسی عالم کے منکشف ہونے

سے قرب نہیں بڑھ جاتا۔ قرب کے لیے تو طاعات موضوع ہیں بعض اوقات شیاطین کو ملائکہ نظر آجاتے ہیں مگر وہ شیطان کے شیطان ہی رہتے ہیں۔ پھر مرنے کے بعد ظاہر ہے کہ سب کفار کو اس عالم کے بہت سے حقائق کا انکشاف ہو جائے گا۔ تو جو امر کفار میں بھی مشترک ہو اس میں کیا کمال ہوا چونکہ امور مذکورہ میں سے صحیح غرض کوئی نہیں اس لیے ان سب کو دل سے نکال کر اصل غرض اور مقصود سلوک کا رضائے حق کو سمجھے جس کا طریق احکام شرعیہ کا بجالانا اور ذکر پر مداومت کرنا ہے۔ شیخ اسی کی تعلیم و تلقین کرتا ہے اور مرید اس پر کاربند ہوتا ہے۔ اگرچہ کوئی کیفیت معلوم نہ ہو اور نہ کوئی کمال اس کے زعم میں حاصل ہو تب بھی آخرت میں اس کا ثمرہ کہ رضا ہے ظاہر ہوگا اور رضائے الٰہی دخول جنت و لقائے حق اور دوزخ سے نجات میسر ہوگی۔ اور شیخ کی طرف سے اس کی تلقین کا وعدہ اور مرید کی طرف سے اس کے اتباع کا عہد یہی حقیقت ہے پیری مریدی کی۔ اور گو یہ تعلیم و عمل بدون بیعت متعارفہ بھی ممکن ہے لیکن خاص طور پر بیعت کرنے میں طبعًا یہ خاصہ ہے کہ شیخ کو توجہ زیادہ ہو جاتی ہے اور مرید کو پاس فرمانبرداری زیادہ ہو جاتا ہے اور یہی حکمت ہے شیخ کی تعیین اور وحدت میں بھی کہ اس سے جانبین کو خصوصیت بڑھ جاتی ہے اور باقی ہاتھ میں ہاتھ لینا یا کوئی کپڑا وغیرہ عورت کو پکڑا دینا جبکہ وہ پاس ہو، یہ محض ایک عادت صالحہ مستحسنہ ہے۔ اس معاہدے کے تاکد کے لیے اور معاہدہ کا جزو نہیں۔ اسی وجہ سے غائب کے لیے اس کی رسم نہیں اور استحسان اس کا سنت میں بھی وارد ہے چنانچہ مردوں کے لیے ہاتھ میں ہاتھ پکڑنا منقول ہے اور کپڑا وغیرہ ہاتھ میں دینا یہ ہاتھ پکڑنے کا قائم مقام ہے۔

ہدایت پنجم ۵: جب سلوک کا طریق کہ بجا آوری احکام ہے اور اس کا ثمرہ کہ حصول رضائے حق ہے معلوم ہو گیا۔ تو اس سے یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ یہ طریق مخالف شریعت کے نہیں بعض جہال کا یہ کہنا کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے بایں معنی کہ ایک دوسرے کے مخالف ہے باطل محض و ضلالت خالصہ ہے اور اگر کسی مستند عبارت سے اس کا ایہام و شبہ ہوتا ہو تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ تغائر یعنی اور ہونے کے دو معنی ہیں، ایک تعدد اور دوسرے تخالف و تنافی، مثلاً اسلام اور کفر میں تغائر بمعنی تنافی ہے۔ یعنی ایک چیز کو قانون اسلام حرام بتلاتا ہے تو قانون کفر اس کو حلال کہتا ہے اور بالعکس بھی، بخلاف احکام متعددہ اسلامیہ کے

جو باہم دگر بایں معنی متغائر نہیں لیکن متعدد ہیں مثلاً کتاب الصلوٰۃ کے مسائل اور کتاب الزکوٰۃ کے اور ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہ ایک چیز کو کتاب الصلوٰۃ میں ناجائز لکھا ہو اور کتاب الزکوٰۃ میں جائز لکھا ہو۔ یا اس کے برعکس ہو۔ پس شریعت اور طریقت میں تغائر یعنی تنافی کا دعویٰ و اعتقاد تو الحاد و بددینی ہے جیسے بعض جہلا سمجھتے ہیں کہ فلاں بات گو شریعت میں ناجائز ہے مگر فقیری میں جائز ہے۔ نعوذ باللہ منہ ___ البتہ تعدد کا قائل ہونا اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب شریعت کو افعال جوارح کے ساتھ خاص کر لیا جاوے اور طریقت کو اعمال قلبیہ کے ساتھ مخصوص کیا جاوے تو یہ ایک اصطلاح ہوئی اور اصطلاح میں کچھ مناقشہ نہیں، اس وقت کنز، ہدایہ وغیرہ کتب فقہیہ کو مسائل شریعت اور احیاء العلوم و عوارف وغیرہ کتب اخلاق کو مسائل طریقت کہنا صحیح ہوگا اور ان میں باہم وہی نسبت ہوگی جو کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الزکوٰۃ میں ہے۔ سو اس طور سے تعدد کا کسی کو انکار نہیں اور اگر شریعت کو سب احکام کے لیے جامع کہا جائے جیسا کہ فقہ کی تعریف میں "معرفۃ النفس مالہا وما علیہا" کہا گیا ہے اور طریقت کو مرادف تصوف کہا جائے جس کا عام ہونا تمام احکام ظاہرہ باطن کے لیے ہدایت اول میں گذر چکا ہے تو تعدد کے قائل ہونے کی بھی گنجائش نہیں محض تفاوت عنوان کا ہوگا۔ اور جس شخص نے کہا ہے۔ ع

در کنز و ہدایہ نتواں یافت خدا را

وہ مبنی ہے اصطلاح اول پر یعنی احکام خدا را کہ متعلق بہ اصلاح باطن ہستند۔

ہدایت ششم:۔ جب حسب ہدایت چہارم و پنجم غرض اور نیت درست ہو گئی تو اب بعد بیعت کے اگر وقت اور مہلت میسر ہو تو چندے شیخ کی خدمت میں رہے اور اگر اس کی نوبت نہ آوے تو غائبانہ ہی اس کی تعلیم پر بذریعہ مکاتیب کاربند ہو بلکہ اگر بیعت کے لیے بھی حاضر نہ ہو سکے تو غائبانہ بذریعہ خط یا کسی معتبر آدمی کے بیعت ہو جاتی ہے۔ طرز تعلیم ہر شخص کا جدا ہے اس کی تفصیل اس جگہ لکھنا ضروری نہیں۔ (بحوالہ قصد السبیل)

(ماخوذ از: بصائر حکیم الامت)

سر سید اور علماء کے اختلاف کی بنیاد

(ایک غلط فہمی کا ازالہ)

از جناب ضیاء الدین لاہوری ——— ایم اے)

سر سید احمد خاں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل متعدد مذہبی رسائل تصنیف کیے جنھیں قبول عام کا درجہ حاصل ہوا، لیکن جنگ آزادی کے بعد جب انھوں نے مذہب سے متعلق جدید نظریات پر مبنی تحریریں پیش کیں تو وہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک متنازعہ فیہ شخصیت بن گئے۔ ان کی مخالفت اس وقت عروج کو جا پہنچی جب ان کی سرپرستی میں مدرسۃ العلوم علی گڑھ کی بنیاد رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ بحث و مباحثہ کا یہ سلسلہ مدرسۃ العلوم کے قیام کے بعد بھی کافی عرصہ جاری رہا۔ زمانہ کروٹ لے چکا تھا لہٰذا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مخالفتوں کے طوفان کم ہوتے گئے۔ ایک نسل ختم ہوئی اور دوسری نے جنم لیا۔ جب وہ جوان ہوئی تو گزشتہ واقعات کے پس منظر سے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو چکی تھیں، یا کر دی گئی تھیں۔ انگریزوں اور ان کے کارندوں کا تیار کردہ تعلیمی نصاب جو کچھ سکھاتا رہا، ہم اُسے من وعن قبول کرتے رہے اور خود کبھی تحقیق کی زحمت گوارا نہ کی۔ اگر کوئی کوشش ہوئی بھی تو حقائق کو قبول کرنا ایک کٹھن مرحلہ بن گیا کیونکہ تصویر کا ایک رخ جو بچپن ہی سے دماغ میں جاگزیں ہو چکا تھا، دوسرے رخ کے واضح ہو جانے کے باوجود اسے رد کرنا اپنی توہین اور حقارت آمیز امر دکھائی دیتا تھا۔ تاہم جنھوں نے حقائق پیش کرنے کی جسارت کی، انھیں بوجوہ مصنوعی جذباتی تحریروں کے ذریعہ ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ اس ردعمل کے نتیجے میں بہت سے محققین اس موضوع پر تحقیق کرنے کی طرف راغب نہ ہو سکے، لہٰذا انشا پردازی کے زور سے حقائق کو مزید مسخ کر کے رکھ دیا گیا۔

اگر یہ بات یہیں تک محدود رہتی تو بھی کسی حد تک گوارا تھا مگر نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ایک منصوبے کے تحت بعض کتابوں میں قطع و برید کی گئی تاکہ جدید نسل کو مکمل اندھیرے میں رکھا جا سکے۔ ان کتابوں میں مولانا حالی کی "حیات جاوید" اور شیخ محمد اکرام کی "موج کوثر" بھی شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم غلط مفروضوں کو حقائق سمجھ کر سینے سے لگائے بیٹھے ہیں اور جس کے باعث سرسید کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر باقاعدہ تحقیق کیے بغیر کسی حتمی رائے تک پہنچنا انتہائی مشکل ہو گیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حقائق کی جستجو میں الفاظ کے گورکھ دھندوں پر مبنی مضامین کا سہارا لینے کی بجائے ہم اصل ماخذ تلاش کرنے کی کوشش کریں تاکہ اپنی قومی زندگی کے ماضی کو صحیح طور پر پیش کر سکیں۔

بعض حلقوں کی عادت ہے کہ اس قسم کے متنازعہ امور میں خود تو ایک فریق کو خواہ مخواہ مطعون ٹھہراتے رہتے ہیں مگر جب اس کے جواب میں اصل حقائق پیش کیے جائیں تو اسے گڑے مردے اکھاڑنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ طرز عمل انصاف کے ترازو پر پورا نہیں اترتا۔ گزشتہ واقعات ہمارے لیے تکلیف دہ ہوں یا باعث فخر، ہمیں اپنی قومی و ملی زندگی کو صحیح خطوط پر استوار کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرنا چاہیے۔ اگر ہم حقائق سے چشم پوشی کا ارتکاب کریں، یا واقعات کو غلط رنگ میں پیش کر کے قبائح کو محاسن اور محاسن کو قبائح قرار دے ڈالیں تو یہ فیصلے ہماری قومی زندگی کا ایک بہت بڑا المیہ ہوں گے اور ہم غلط نہج پر پڑ کر ٹھوکریں کھائیں گے۔ کسی کی برائیوں پر پردہ ڈالنا اور بات ہے لیکن انھیں مستحسن صورت میں پیش کرنا بدقسمتی کی انتہا ہے۔ کمزوریاں بہرحال کمزوریاں کہلانی چاہئیں اور اچھائیاں صرف اچھائیاں۔ غلطی غلطی ہے۔ اگرچہ اس میں کوئی ذاتی غرض شامل نہ ہو بلکہ دوسروں کی بھلائی کے جذبہ میں کی جائے، مگر محض اس وجہ سے کہ غلطی کرنے والے کی رائے خلوص پر مبنی تھی اس پر دیانت دارانہ رائے دہی سے گریز کیا جائے تو وہ غلطی نئی نسل کے سامنے ایک نیک عمل کی صورت اختیار کر جائے گی اور ہم بھٹک جائیں گے۔ شبلی نعمانی کے مطابق:-

"اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کسی کے معائب دکھانا تنگ خیالی اور بدطینتی ہے، لیکن اگر یہ صحیح ہو تو موجودہ یورپ کا مذاق اور علمی ترقیاں سب برباد ہو جائیں۔ پھر ایشیائی شاعروں میں کیا برائی

ہے سوائے اس کے کہ وہ محض دعویٰ کرتے تھے واقعات کی شہادت پیش نہیں کرتے تھے۔"(۱)

حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ واقعات سے قومیں سبق سیکھتی ہیں اور مستقبل کے لیے بہتر لائحہ عمل تجویز کرتی ہیں۔ مجھے کسی فریق کی تحقیر مطلوب نہیں، کون کس حد تک صحیح یا غلط تھا اس وقت اس سے بحث نہیں، میرا مقصود صرف یہ ہے کہ جو بات کہی جائے دیانت دارانہ تحقیق سے نتیجہ اخذ کر کے کہی جائے۔

جب ہم ہندوستان میں ایک صدی قبل کے دور کی اپنی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں سرسید اور علماء اسلام میں باہمی کشمکش کا سماں دکھائی دیتا ہے۔ بلاشبہ علماء کرام نے اجتماعی اور انفرادی طور پر سرسید کی زبردست مخالفت کی۔ اس کا پس منظر کیا تھا، علماء کی انگریزی تعلیم سے نفرت، انگریزی حکومت کے استحکام کے لیے سرسید کی کوششیں یا کچھ اور؟ مشہور محقق شیخ محمد اکرام نے "موج کوثر" میں سرسید کی خدمات پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس موضوع پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"اس مخالفت کے متعلق عوام بلکہ خواص میں بھی کئی غلط فہمیاں رائج ہیں ...... سب سے بڑی غلط فہمی، جو اس بارے میں بہت عام ہے، یہ ہے کہ علماء نے سرسید کی مخالفت اس وجہ سے کی کہ وہ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم رائج کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے سرسید کے موافق اور مخالف تحریروں کا مطالعہ کیا ہے اور ہماری رائے میں یہ خیال غلط ہے اور علماء اور اسلام کے ساتھ صریح بے انصافی ہے۔"(۲)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس مخالفت کی بنیاد کیا تھی؟ شیخ محمد اکرام اس کے جواب میں اپنی تحقیق کا لب لباب یوں بیان کرتے ہیں:-

"اس معمہ کے حل کرنے کے لیے ان مضامین اور فتاویٰ کا مطالعہ کرنا چاہیے جو سرسید کی مخالفت اور ان کی تکفیر میں شائع ہوئے۔ ان کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ علی گڑھ کالج کی مخالفت اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ وہاں مغربی علوم پڑھائے جاتے تھے بلکہ اس لیے ہوئی کہ اس کی بنا میں سرسید کا ہاتھ تھا اور سرسید اپنی کتب اور تہذیب الاخلاق میں معاشرتی اور مذہبی مسائل

لے یہ حوالہ اور اس مضمون کے تمام حوالہ جات مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائے جائیں۔ (الفرقان)

کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار کر رہے تھے جنھیں عام مسلمان اسلام کے خلاف سمجھتے تھے۔ علی گڑھ کالج کے متعلق سخت سے سخت مضامین اور درشت سے درشت فتاوی میں یہ نہیں لکھا کہ انگریزی پڑھنا کفر ہے، بلکہ یہی ہوتا ہے کہ جس شخص کے عقاید سرسید جیسے ہوں وہ مسلمان نہیں، اور جو مدرسہ ایسا شخص قائم کرنا چاہے اس کی اعانت جائز نہیں۔ شروع شروع میں لوگوں کا خیال تھا کہ سرسید اپنے مدرسے میں ان عقائد کی تبلیغ کریں گے جن کا اظہار وہ اپنے رسائل و کتب میں کر رہے تھے، سرسید نے ایسا نہیں کیا لیکن ان کی تصانیف میں کئی ایسی باتیں ہوتی تھیں جن سے مخالف بلکہ موافق بھی بدظن ہو جاتے تھے۔"(۳)

سرسید کے مذہبی خیالات میں تبدیلی کا پہلا عکس ہمیں ان کی تصنیف "تبیین الکلام فی تفسیر التورات و الانجیل" میں ملتا ہے۔ اس کے متعلق وہ خود رقم طراز ہیں کہ:۔

"میری تفسیر پڑھنے والا جا بجا میری تفسیر میں پائے گا کہ میں کچھ پابند نہیں رہا ہوں ان قولوں کا جن کو یہودی عالم یا عیسائی عالم یا مسلمان عالم بلا تحقیقات بطور باپ دادا کے تبرک کے مانتے چلے آئے ہیں۔"(۴)

اس کے بعد جب انھوں نے "احکام طعام اہل کتاب" لکھی اور اس میں ذبیحہ کے متعلق اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا کہ:۔

"اگر اہل کتاب کسی جانور کی گردن توڑ کر مار ڈالنا یا سر پھاڑ کر مار ڈالنا ذکوٰۃ سمجھتے ہوں تو ہم مسلمانوں کو اس کا کھانا درست ہے۔"(۵)

تو مسلمان ان کے سخت خلاف ہو گئے۔ سرسید نے ان خیالات کا صرف اظہار ہی نہیں کیا بلکہ سفر لندن کے حالات میں ان پر عمل کرنے کا دعویٰ بھی کیا اور جھٹکے اور گردن توڑ کر مارے گئے پرند جانوروں کے گوشت کے بارے میں یہ لکھا کہ:۔

"میں نے اور ہمارے ساتھیوں نے ان دونوں قسموں کے گوشتوں کے کھانے میں کچھ تامل نہیں کیا اور خوب مزے دار گوشت، مٹن اور بھیٹ اور مرغ و کبوتر کھائے۔"(۶)

تو ان کے خلاف سخت ناراضگی پھیل گئی اور ان کے اس عمل کو ان کے کافر ہو جانے کا ثبوت قرار دیا گیا۔

بعد ازاں "الخطبات الاحمدیہ" کی تصنیف کے دوران لندن سے اپنے عزیز ترین دوست نواب محسن الملک کو خط لکھتے ہوئے اس کے متعلق خود یہ پیشین گوئی کی :-

"میرے ہم قوم اس محنت کی، جو میں نے اس کتاب کی تصنیف میں کی ہے، قدر نہیں کریں گے بلکہ نہایت الزام دیں گے اور کافر بتلائیں گے کیونکہ میں پابند تقلید نہیں رہا ہوں اور شاید دو یا تین مسئلوں میں جمہور سے اختلاف کیا ہے اور چند علما کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔"

لندن سے واپسی پر انھوں نے دو بڑے کام کیے۔ پہلا تہذیب الاخلاق کا اجرا اور دوسرا مدرسۃ العلوم مسلمانان کی تجویز کو عملی جامہ پہنانا۔ تہذیب الاخلاق میں ان کے مضامین "جمہور سے اختلاف" کا سب سے بڑا ذریعہ بنے اور اس کے بعد وہ عمر بھر ان خیالات کی اشاعت میں مصروف رہے۔ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں :-

"ان کی سب سے زیادہ مخالفت اس وقت ہوئی جب انھوں نے تہذیب الاخلاق جاری کیا اور ان مذہبی عقائد کا اظہار کیا جنھیں عام مسلمان تعلیم اسلامی کے خلاف اور ملحدانہ سمجھتے تھے، مثلاً شیطان، اجنہ اور ملائک کے وجود سے انکار، حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ کے پیدا ہونے یا زندہ آسمان پر جانے سے انکار، حضرت عیسیٰؑ و حضرت موسیٰؑ کے معجزات سے انکار وغیرہ وغیرہ۔ سرسید نے اپنے وقت کا بڑا حصہ ان عقائد و خیالات کی تفصیل میں صرف کیا ہے۔"

مولانا حالی نے "حیات جاوید" میں ان مسائل کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے جن میں سرسید نے علما سلف سے اختلاف کیا ہے۔ یہ فہرست کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں جہاں انبیاء کرام کے معجزات کا ذکر ہے، وہ تحریر کرتے ہیں :

"حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور تمام انبیاء سابقین کے قصوں میں جس قدر واقعات بظاہر خلاف قانون فطرت معلوم ہوتے ہیں جیسے ید بیضا، عصا کا اژدہا بن جانا، فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہونا، خدا کا موسیٰؑ سے کلام کرنا، پہاڑ پر تجلی کا ہونا، گوسالۂ سامری کا بولنا، ابر کا سایہ کرنا، من وسلویٰ کا اترنا یا عیسیٰؑ کا گہوارہ میں بولنا، خلق طیر، اندھو اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، مائدہ کا نزول وغیرہ وغیرہ، ان کی تفسیر میں

جو کچھ سرسید نے لکھا ہے وہ غالباً پہلے کسی مفسر نے نہیں لکھا۔"[9]

سرسید نے مندرجہ بالا عقائد کا اظہار ایک صدی قبل کیا، ٹھنڈے دل سے سوچنے کا مقام ہے کہ روشن خیالی کے موجودہ دور میں بھی جب کہ اس خطۂ زمین کے مسلمان مغربی علوم کی دولت سے مالا مال ہیں، اگر ان خیالات کا اظہار کیا جائے تو اس پر کیا ردعمل ہوسکتا ہے؟ لہٰذا سرسید کے زمانے میں ان کی مخالفت ایک فطری امر تھا۔ مخالفین کے ذکر سے قطع نظر خود ان کے دست راست نواب محسن الملک کی مخالفت کا حال اُن ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:-

"یہ سچ ہے کہ ہمارے سید عقائد سے وہ اختلاف رکھتے تھے اور اس اختلاف کو انھوں نے شد و مد کے ساتھ ظاہر بھی کردیا جس کی وجہ سے تمام مسلمان اور اکثر علما کو اُن کے اسلام پر قائم رہنے میں شبہ تھا، اور بعض نے یہاں تک کفر کے فتوے بھی دے دیے۔ اور اُن کو کیا کہوں، خود مجھ کو بہت سے مسائل میں اُن سے اختلاف کرنا پڑا، بحث و مباحثے رہے۔"[10]

اس کے علاوہ ایک اور لکچر میں انھوں نے بیان کیا:

"شاید سب سے پہلے میں نے ہی اُن کے کفر کا فتویٰ دیا تھا، ان کو چھپا پادری کہا۔"[11]

مولانا حالی سرسید کے اتنے عظیم معتقد تھے کہ جب انھوں نے سرسید کی سوانح "حیات جاوید" کے نام سے لکھی تو شبلی نعمانی نے اسے "مدلل مداحی" قرار دیا اور دیگر نقادوں نے بھی اس کتاب میں موافقانہ مبالغہ آرائی کی شکایت کی۔ سرسید سے زبردست عقیدت کے باوجود مولانا حالی نے خود کئی مقامات پر اُن سے اختلاف کیا ہے۔ اس اختلاف اور عقیدت کا ملا جلا اظہار ان کے مندرجہ ذیل بیان سے بخوبی ہوتا ہے جس میں انھوں نے سرسید کی تفسیر القرآن کے متعلق رائے دی ہے۔

"سرسید نے اس تفسیر میں جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں اور بعض مقامات پر اُن سے نہایت رکیک لغزشیں ہوئی ہیں، وبایں ہمہ اس تفسیر کو ہم اُن کی مذہبی خدمات میں ایک نہایت جلیل القدر خدمت سمجھتے ہیں۔"[12]

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی سرسید کے بہترین رفقائے کار میں شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ علی گڑھ تحریک کا ایک ستون تھے۔ سرسید نے کئی موقعوں پر اُن کی شاندار الفاظ میں تعریف کی ہے۔ سرسید کے ہم سوار ہونے کے باعث مخالف اخباروں میں اُنھیں "نیچری بھانڈ" کا خطاب دیا گیا

اور سرسید کے مخالفین سے لاہور کی عدالتوں میں ان کی مقدمہ بازی[۱۳] بھی ہوتی رہی۔ اُنھوں نے خود قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھی ہے۔ سرسید کی تفسیر پر وہ ان الفاظ میں رائے زنی کرتے ہیں:۔

"مجھ کو اُن کے معتقدات بالسر ہا تسلیم نہیں۔ سید احمد خاں صاحب کی تفسیر ایک دو بیت کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میرے نزدیک وہ تفسیر "دیوان حافظ" کی ان شروح سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جن کے مصنفین نے سارے دیوان کو کتاب تصوف بنانا چاہا۔ جو معانی سرسید احمد خاں صاحب نے منطوق آیات قرآنی سے اپنے پندار میں استنباط کیے (اور میرے نزدیک زبردستی مڑھے اور چپکائے)، قرآن کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کرنا سہل ہے اور ان معانی کو ماننا مشکل ...... یہ وہ معانی ہیں جن کی طرف نہ خدا کا ذہن منتقل ہوا نہ جبریل حاملِ وحی کا، نہ رسول خدا کا، نہ قرآن کے کاتب و مدون کا، نہ اصحاب کا، نہ تابعین کا، نہ تبع تابعین کا، نہ جمہور مسلمین کا۔"[۱۴]

سرسید کے مذہبی نظریات کے متعلق مندرجہ بالا آرا خود اُن کے قابل قدر ساتھیوں کی ہیں اور یقیناً یہ نظریات ان کے خلاف فتووں کی بنیاد بنے۔ اس ضمن میں سرسید ایک بزرگ معتقد کو طنزیہ انداز میں لکھتے ہیں:۔

"میری نسبت تو بہ سبب میری تصنیفات کے فتوی ہائے کفر ہو چکے ہیں۔ آپ میری تحریرات کو پسند فرماتے ہیں، آپ پر بھی فتوی ہائے کفر ہو جائیں گے۔"[۱۵]

اور یہی بنیاد علی گڑھ کالج کی مخالفت کا باعث ہوئی۔ سرسید نے خود ایک تقریر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا اور کہا:۔

"جس زمانہ میں اس کالج کی تدبیریں شروع ہوئیں تو ہر جگہ کے لوگوں نے اس کو پسند کیا اور ہر حصہ ملک سے اس کی تائید ہوئی اور ہوتی چلی جاتی ہے، مگر بعض مذہبی مسائل جو میں نے بیان کیے اُن کے لحاظ سے البتہ لوگوں کو کچھ کچھ شبہ ہوا اور رفتو رپڑا۔"[۱۶]

شروع شروع میں جب یہ شبہات بڑھے تو بدگمانیوں نے جنم لیا جو آہستہ آہستہ صریح مخالفت میں تبدیل ہوتی گئیں۔ مولانا حالی ان کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ایک مدت تک سرسید کی نسبت لوگوں کو طرح طرح کی بدگمانیاں رہیں، ہزاروں آدمی یہ

سمجھتے تھے کہ انگریزی تعلیم کی اشاعت سے مسلمانوں کو عیسائی یا لا مذہب بنانا منظور ہے اور ہزاروں یہ خیال کرتے تھے کہ مدرسہ قوم کے فائدہ کے لیے قائم نہیں کیا گیا بلکہ اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ انگریزی سلطنت کو زیادہ استحکام ہو۔ اگرچہ اس خیال کا دوسرا جز صحیح تھا مگر پہلا جُز اس لیے غلط تھا کہ حالات موجودہ میں مسلمانوں کی قومی زندگی اسی بات پر موقوف ہے کہ انگریزی سلطنت کو زیادہ استحکام ہو۔"(۱۷)

غالباً پہلی "بدگمانی" سرسید کے ان عزائم کے باعث پیدا ہوئی ہوگی جن کا اظہار انھوں نے کالج قائم کرنے کے اسباب اور مقاصد بیان کرتے ہوئے کیا:

"اصلی مقصد اس کالج کا یہ ہے کہ مسلمانوں میں عموماً اور بالتخصیص اعلیٰ درجہ کے مسلمان خاندانوں میں یورپین سائنسز اور لٹریچر کو رواج دے اور ایک ایسا فرقہ پیدا کرے جو از روئے مذہب کے مسلمان اور از روئے خون اور رنگ کے ہندوستانی ہوں مگر باعتبار مذاق اور رائے و فہم کے انگریز ہوں۔"(۱۸)

دوسری "بدگمانی" کے متعلق یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ سرسید کی مخالفت میں وہ علما پیش پیش ہوں گے جو انگریزی سلطنت کا استحکام ہندوستان میں نہیں چاہتے تھے۔ شیخ محمد اکرام اس خیال کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جن لوگوں نے سرسید کے حالات بغور نہیں پڑھے وہ سمجھتے ہیں کہ سرسید کی مخالفت ان دقیانوسی علمائے کی جو ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے تھے اور سرکار انگلشیہ اور انگریزی تعلیم کے مخالف تھے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ مدرستہ العلوم کے سب سے بڑے مخالف دو بزرگ تھے اور دونوں معزز سرکاری ملازم ہیں۔"(۱۹)

مولانا حالی ان کا تعارف ان الفاظ میں کرواتے ہیں:۔

"مدرستہ العلوم کے سب سے بڑے مخالف دو بزرگ تھے جو باوجود ذی وجاہت اور ذی رعب ہونے کے علوم دینیہ سے بھی آشنا تھے، ایک مولوی امداد العلی ڈپٹی کلکٹر کانپور اور دوسرے مولوی علی بخش خاں سب جج گورکھپور۔ اگرچہ یہ دونوں صاحب مذہبی عقائد و خیال کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ضد حقیقی تھے، یعنی پہلے سخت وہابی اور دوسرے سخت بدعتی، اور یہ

ایسا اختلاف تھا کہ کسی بات پر دونوں کا اتفاق کرنا محال عادی معلوم ہوتا تھا، باوجود اس کے مدرسۃ العلوم کی مخالفت پر دونوں ہم زبان اور متفق الکلمہ تھے، یہاں تک کہ ہندوستان میں جس قدر مخالفتیں اطراف و جوانب سے ہوئیں ان کا منبع ان ہی دونوں صاحبوں کی تحریریں تھیں۔"[20]

ان میں سے پہلے بزرگ کے متعلق ان کے خیالات سر سید کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:-

"مولوی سید امداد العلی خان بہادر، جو فضل الٰہی سے ہماری قوم میں ایک بہت بڑے اعلیٰ افسر و رئیس ہیں اور ہمارے بہت بڑے شفیق و دوست ہیں، مدرسۃ العلوم میں ان کے شریک نہ ہونے سے ہم کو نہایت رنج ہے اور نیز قوم کی بھلائی میں نقصان ہے اور ہم جب ان سے ملتے ہیں، مدرسۃ العلوم میں شریک ہونے کی التجا کرتے ہیں۔ دربارۂ دہلی میں بھی ہم نے اُن سے التجا کی۔ اُنھوں نے فرمایا کہ دو شرط سے ہم شریک ہوں گے: اول یہ کہ "تہذیب الاخلاق" کا چھاپنا بند کر دو یا اُس میں کوئی مضمون متعلق مذہب مت لکھو۔ دوسرے یہ کہ اپنے عقائد و اقوال سے جو برخلاف علما متقدمین ہیں، توبہ کرو۔"[21]

دوسرے بزرگ بھی سر سید کی ذات یا انگریزی تعلیم سے نہیں بلکہ اُن کے مذہبی خیالات سے بے زاری کا اظہار کرتے ہیں۔ مولوی علی بخش خاں نواب محسن الملک کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:-

"مجھ کو اس وقت بلکہ مدت سے سخت افسوس ہے کہ ہماری قوم میں سید احمد خاں صاحب ایک شخص لائق اور نامور اور معزز اور ذی عقل پیدا ہوئے اور ترقی قومی پر آمادہ ہونا ان کا ارادہ ظاہر کیا گیا مگر اپنی خود رائی سے مذہبی بہت اندازی و انقلاب دین ایسا اُن کی طبیعت میں جم گیا کہ اصلی غرض فوت ہو گئی اور تمام قوم کو ان سے نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ مجھ کو بھی جس قدر مخالفت ہے اُن کے خیالات مذہبی سے ہے، نہ اُن کی ذات خاص یا تعلیم علوم جدیدہ سے۔"[22]

یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آیا سر سید کے مخالف علما سرکار انگریزی کے "استحکام" کے خلاف تھے یا حامی، کیونکہ سرکاری ملازمت میں رہ کر بھی اندرونی طور پر حکومت کا مخالف ہوا جا سکتا ہے۔ سر سید اپنے مضامین میں "قومی ہمدردی" اور "قومی عزت" کے الفاظ اکثر استعمال کیا کرتے تھے۔

پہلے بزرگ یعنی سید امداد العلی کو انھوں نے ان باتوں کا مخالف قرار دیا۔ اس کی تردید میں سید امداد العلی ثبوت کے طور پر اپنی "خیر خواہی سرکار" کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

"جس خیر خواہ سرکار کی نسبت یہ سی۔ ایس۔ آئی سید احمد خاں یہ ظن رکھتا ہے کہ وہ ہمدردی کو کفر خیال کرتا ہے، اس تحریر کا محاکمہ میں حکام وقت اور جملہ مسلمانان و اہل ہنود پر چھوڑتا ہوں کہ آیا جو شخص سینہ سپر ہو کر بنظر نمک حلالی اپنے آقا کے، سینہ پر گولی باغیوں کی کھائے اور ہزارہا روپیہ کا مال ان سے چھڑائے، اور وہ گولی چھ مہینے بعد ڈاکٹر رے صاحب بہادر نکالیں کہ جس کا خون مسٹر لو صاحب، داماد لفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر، اور جینٹ صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ متھرا پونچھتے جائیں اور اس گولی کا نشان تصدیق ایک تمغہ ہمدردی اور نمک حلالی ملکہ معظمہ کا جس بہادر کے سینہ پر موجود ہو تو انصاف فرمایا جائے کہ کیا وہ شخص ہمدردی کو کفر سمجھنے والا ہو سکتا ہے؟"[۲۳]

"قومی عزت" کا یہ تمغہ حاصل کرنے والے سید امداد العلی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران انگریزوں کی حمایت میں اپنے ہم وطنوں کی گولی کھا کر زخمی ہوئے تھے۔ جاں نثاری کے اس عملی ثبوت کے بعد انھیں انگریزی حکومت کا مخالف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان ہی بزرگ نے ہندوستان کے تمام مکاتیب فکر کے علماء سے سرسید کے خلاف تکفیر کے فتوے حاصل کرکے رسالہ "امداد الآفاق برجم اہل النفاق" بجواب پرچہ "تہذیب الاخلاق" کے آخر میں شائع کیے۔ مولانا حالی ان فتووں کے مطالعہ کے بعد توضیح کرتے ہیں:

"مسلمانوں کے جتنے فرقے ہندستان میں ہیں، کیا سنی کیا شیعہ، کیا مقلد کیا غیر مقلد، کیا وہابی کیا بدعتی، سب فرقوں کے مشہور اور غیر مشہور عالموں اور مولویوں کی ان فتووں پر مہریں یا دستخط ہیں اور خاص کر سنی مولویوں میں سے اکثر نے بہت شرح اور بسط کے ساتھ جواب لکھے ہیں۔"[۲۴]

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:۔

"دلّی، رام پور، امروہہ، مراد آباد، بریلی، لکھنؤ، بھوپال اور دیگر مقامات کے ساتھ عالموں اور مولویوں اور واعظوں نے کفر کے فتووں پر مہریں اور دستخط کیے تھے، گویا

ہندوستان کے تمام اہل حل و عقد کا اس حکم پر اجماع ہو گیا تھا۔ صرف خدا کی طرف سے اس کی تصدیق اور تصویب باقی رہ گئی تھی سو مولوی علی بخش خاں نے یہ کمی پوری کر دی"[۷۵]

یعنی ان دوسرے بزرگ نے حرمین شریفین جا کر مذاہب اربعہ کے مفتیوں سے سرسید کے خلاف فتوے حاصل کیے۔ مولانا حالی نے اپنی کتاب میں ان کا تفصیلاً جائزہ لیا ہے۔ سرسید نے ان حصول فتاویٰ کا ذکر بڑے لطیف پیرائے میں کیا ہے:-

"صاحب ہماری تکفیر کے فتوے لینے کو مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے اور ہمارے کفر کی بدولت ان کو حج اکبر نصیب ہوا...... سبحان اللہ ہمارا کفر بھی کیا کفر ہے کہ کسی کو حاجی اور کسی کو غازی اور کسی کو کافر اور کسی کو مسلمان بناتا ہے"[۷۶]

مندرجہ بالا تمام حوالہ جات موضوع زیر بحث کے پس منظر پر ایک ہلکی سی روشنی ڈالتے ہیں جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ سرسید کے خلاف فتاویٰ کفر کی بنیاد میں انگریزی تعلیم سے مخالفت کا جو تصور ہمارے ذہنوں میں پرورش پا چکا ہے اس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں اور یہ محض غلط فہمی پر مبنی ہے۔　　(بشکریہ "فکر و نظر لاہور")

حوالہ جات

۱۔ مکاتیب شبلی (حصہ اول)، مطبع شاہی لکھنؤ (۱۹۱۶ء) ص ۱۴۲

۲۔ موج کوثر، شیخ محمد اکرام، فیروز سنز لاہور، ص ۷،

۳۔ ایضاً، ص ۷۷-۸،

۴۔ تبیین الکلام فی تفسیر التورات والانجیل، سرسید، (جلد دوم) ذاتی پریس سرسید غازی پور علی گڑھ (۱۸۶۳ء-۱۸۶۵ء) ص ۲۴۱

۵۔ احکام طعام اہل کتاب، سرسید، مطبع منشی نول کشور کانپور (۱۸۶۸ء)، ص ۱۷

۶۔ مسافران لندن، سرسید مجلس ترقی ادب لاہور (۱۹۶۱) ص ۴۷

۷۔ خطوط سرسید مرتبہ سر راس مسعود، نظامی پریس بدایوں (۱۹۲۶) ص ۷۱

۸۔ موج کوثر، ص ۹۷-۸۰

۹۔ حیات جاوید، الطاف حسین حالی، انجمن ترقی اردو دہلی (۱۹۳۹)، حصہ دوم، ص ۲۳۵
۱۰۔ مجموعہ لکچرز نواب محسن الملک، نول کشور گیس پرنٹنگ ورکس پریس لاہور (۱۹۰۴) ص ۵۰۸
۱۱۔ ایضاً، ص ۴۱۶
۱۲۔ حیات جاوید (حصہ اول)، ص ۲۰۴
۱۳۔ بحوالہ مضحکات و مطائبات سرسید، خیر علی خاں سرخوش، مطبوعہ لاہور (طبع اول)، حصہ دوم ص ۳۳
۱۴۔ موعظہ حسنہ، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، مجلس ترقی ادب لاہور (۱۹۶۳) ص ۱۹۹ - ۲۰۰
۱۵۔ خطوط سرسید، ص ۳۲۹
۱۶۔ مکمل مجموعہ لکچرز و اسپیچز سرسید، مصطفائی پریس لاہور (۱۹۰۰)، ص ۱۵۳
۱۷۔ حیات جاوید (حصہ دوم) ص ۲۸۲
۱۸۔ ایڈریس اور اسپیچیس متعلق ایم اے او کالج علی گڑھ، مرتبہ نواب محسن الملک، علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس (۱۸۹۸)، دیباچہ ص ۲
۱۹۔ موج کوثر، ص ۸۰
۲۰۔ حیات جاوید (حصہ دوم) ص ۲۴۵ - ۲۴۶
۲۱۔ مقالات سرسید، مجلس ترقی ادب لاہور، جلد دہم (۱۹۶۲)، ص ۵۶
۲۲۔ تہذیب الاخلاق علی گڑھ، ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۰ھ، ص ۲،
۲۳۔ مضحکات و مطائبات سرسید (حصہ اول)، ص ۹۱
۲۴۔ حیات جاوید (حصہ دوم)، ص ۲۵۱
۲۵۔ ایضاً، ص ۲۵۴
۲۶۔ تہذیب الاخلاق (جلد دوم)، مطبوعہ لاہور، ص ۵۱۶

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ
اور
ہندوستان کے علمائے حق پر اس کے اثرات
از:۔ مولانا محمد منظور نعمانی
شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف ان کے مذہبی اور سیاسی دشمنوں نے افترا پردازی اور پروپیگنڈے کی جو مہم عالمی پیمانے پر چلائی تھی، اُس سے ہندوستان کے بہت سے علماء حق بھی متاثر ہوئے تھے اور جماعت علماء دیوبند نیز جماعت اہل حدیث کے بعض اکابر نے بھی ان کے بارے میں سخت رائے ظاہر کی تھی لیکن جب حقیقت منکشف ہوئی تو ان حضرات نے اس رائے سے رجوع کر لیا۔
اس کی پوری تفصیل ناقابل تردید حقائق و شواہد کی روشنی میں بیان کی گئی ہے
قیمت مجلد مع گرد پوش ۔ صرف ۵/۵۰
مسئلہ علم غیب نبوی اور قرآن مجید
بوارق الغیب حصہ اول
از افادات حضرت مولانا نعمانی مدظلہ
اہل بدعت کے خانہ ساز عقیدے "علم غیب کل" اور علم جمیع "ما کان وما یکون" کی قابل دید فاضلانہ تصنیف جس میں قرآن پاک کی چالیس آیتوں سے بریلویوں کے اس عقیدے کا باطل اور خلاف قرآن ہونا ثابت کیا گیا ہے آیات کی تفسیر صحیح احادیث نبوی اور صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ مفسرین کے ارشادات سے کی گئی ہے۔
مولوی احمد رضا خاں وغیرہ بریلوی علماء نے ان آیتوں میں جو تاویلیں کی ہیں ان میں سے ایک ایک کی مدلل تردید کی گئی ہے۔ تفسیر و حدیث کی کتابوں کے تین سو سے زائد حوالے ہیں ۔ مدتوں سے یہ کتاب نایاب تھی نظر ثانی کے بعد خاص اہتمام سے طبع کی گئی ہے۔ قیمت ۱۳/-
تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی
اور ـــــ بریلوی حضرات
مرتبہ:۔ مولانا محمد منظور نعمانی
اس کتاب میں درج ذیل پانچ اہم مضامین جمع کر دیے گئے ہیں۔
(۱) تبلیغی جماعت کی اصل دعوت بنیادی مقصد اور طریقہ کار کی وضاحت۔
(۲) تبلیغی جماعت سے متعلق ایک سی آئی ڈی افسر کے ایسے سوالات کا جواب جو بہت سے دلوں میں پیدا ہوتے ہوں گے۔
(۳) مولانا مودودی کا ایک مضمون جس میں انھوں نے بتلایا ہے کہ اس زمانہ میں احیائے دین کی جدوجہد کا صحیح طریقہ وہی ہو جو تبلیغی جماعت کا ہو۔
(۴) تبلیغی جماعت پر جماعت اسلامی کے حضرات کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات کا جواب۔
(۵) بریلوی حضرات کی تاریخ اور تبلیغی جماعت کے خلاف بریلوی حضرات کی طرف سے لگائے جانے والے الزامات اور بہتانوں کی حقیقت۔ قیمت ۳/-
قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟
اور
مسئلہ نزول مسیح و حیات مسیح
مولانا محمد منظور نعمانی کے چار مضامین کا مجموعہ۔ رد قادیانیت پر لاجواب کتاب اس میں قرآن و حدیث اور عقل کی روشنی میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بالکل عام فہم پیرائے میں لکھا گیا ہے جو عوام و خواص سب کے لیے یکساں تسلی بخش ہے۔ قیمت ۴/۵۰
قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ
قادیانیت پر مولانا موصوف کا یہ مختصر رسالہ دریا بکوزہ کا مصداق ہے اور قادیانیت کے زہر کا مجرب تریاق ہے۔
قیمت ۱/۵۰

Regd. No. LW/NP-62

Monthly 'ALFURQAN' 31, Naya Gaon West Lucknow-226001

VOL. 50 NO. 1 JANUARY 1982 Phone: 45547

الفرقان
لکھنؤ

مدیر

محمد منظور نعمانی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی نئی تالیفات

دعوت و تبلیغ کا معجزانہ اسلوب

یہ کتاب مولانا مدظلہ کے ان خطبات کا اردو ترجمہ ہے جو انھوں نے دعوت و فکر اسلامی کے طلبا کے سامنے خصوصاً اور طلبائے علوم دینیہ ادبیہ کے سامنے عموماً دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شعبہ فکر اسلامی میں بحیثیت درس دیے ان میں اس اسلوب بیان کی تشریح کی گئی ہے جو انبیاء علیہ السلام کی طرف سے دعوتی مواقع پر اختیار کیا گیا ہے اور جسکو قرآن مجید نے انبیاء علیہ السلام کی دعوتی زندگی کو پیش کرتے ہوئے بیان کیا۔ قیمت مجلد -/۱۰

خواتین اور دین کی خدمات

مولانا ندوی مدظلہ، کے بعض جامعات اور مختلف اداروں میں عورتوں سے خطابات کا مجموعہ۔ جن کو ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے قلمبند کیا گیا ہے۔ اس میں مغربی تمدن کے ذریعہ لائے ہوئے حالات و نظریات کے نقصانات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور مردوں و عورتوں کے قدرتی و اختیاری فرق کی وضاحت کی گئی ہے اور ان کی مشترک اور علاحدہ علاحدہ ذمہ داریوں کی علاحدہ علاحدہ نشاندہی کی گئی ہے۔ قیمت -/۳

اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار

رابطہ عالم اسلامی کے اس سال کے اجلاس میں پڑھے گئے مقالہ کا اردو ترجمہ جسمیں ایک نئے زاویہ نگاہ اور ایک نئے اسلوب سے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ حدیث مسلمانوں کی زندگی میں کیا مقام رکھتی ہے۔ امت کو سنت کی کس قدر ضرورت ہے اور اس امت کے حدیث نبوی کے سرمایہ سے محروم ہو جانے میں امت کا کتنا بڑا خسارہ ہے۔ قیمت -/۳

علم کا مقام ــــ اور اہل علم کی ذمہ داریاں

مولانا موصوف کا وہ خطبہ جو کشمیر یونیورسٹی کے ساتویں کانوکیشن منعقدہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۱ء میں ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری پیش کیے جانے کے موقعہ پر پڑھا گیا۔ قیمت -/۱

دو اہم اور مفید کتابوں کے نئے ایڈیشن

قاموس القرآن

تالیف: قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی۔ مکمل و مستند قرآنی ڈکشنری۔ جس میں تمام الفاظ قرآنی کا صحیح اردو ترجمہ اور ان کی مکمل صرفی و نحوی تشریح کے علاوہ، جملہ وضاحت طلب الفاظ پر سہل و شیریں زبان میں مختصر جامع اور مستند نوٹ لکھے گئے ہیں۔

نئی ایڈیشن عمدہ طباعت سے مزین -/۲۵

بچوں کی قصص الانبیاء (اول)

مرتبہ از:- امۃ اللہ تسنیم صاحبہ

بالخصوص بچوں کی دینی تعلیم اور ان کو اردو سکھانے کے لیے بہترین کتاب۔ ایک طویل عرصہ تک نایاب رہنے کے بعد پہلا حصہ بڑے اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔ اس حصہ میں حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کے سچے سبق آموز و پر ہدایت حالات بیان کیے گئے ہیں۔ قیمت -/۵

ملنے کا پتہ:- الفرقان بک ڈپو ۱۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

چندہ سالانہ

ہندوستان میں ۲۰/-

پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۵۰/-

بنگلادیش سے ۲۲/-

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ممالک غیر سے

بحری ڈاک سے ۳ پونڈ

ہوائی ڈاک سے ۷ پونڈ

ایک شمارہ کی قیمت ہندوستان میں ۲/-

جلد (۵۰) بابت ماہ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ مطابق فروری ۱۹۸۲ء شمارہ (۲)

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک بھی کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں اسکی اطلاع مہینے کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات: مبلغ ۳۰ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں ۵۰ روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر واڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

دار العلوم دیوبند کا المیہ :-

الفرقان کے اکتوبر کے شمارہ میں دار العلوم دیوبند کے المیہ سے متعلق اس عاجز نے خاصی تفصیل سے لکھا تھا اور اس کے بارہ میں یہ بھی عرض کر دیا تھا کہ یہ میں نے اس احساس کے ساتھ لکھا ہے کہ اللہ اور اس کے بندوں کے سامنے یہ میری شہادت ہے۔ اس کے آخر میں بطور معذرت کے میں نے عرض کیا تھا کہ

"آخر میں گزارش ہے کہ میں نے اس طویل بیان میں بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جو میری عادت، مزاج اور اصول کے خلاف ہیں اور مجھے اپنے اوپر جبر کر کے یہ ناخوشگوار کام کرنا پڑا ہے، کیونکہ صفائی کے ساتھ ان حقیقتوں کا اظہار اب میرے لیے فرض ہو گیا تھا۔ امت کی اجتماعی مصلحت کو کسی فرد یا چند افراد کے احترام و لحاظ پر قربان نہیں کیا جا سکتا ——— اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اگر اس میں میرے نفس کا کوئی حصہ شامل ہو گیا ہو تو مجھے معاف فرما دے اور اپنی رحمت سے میری ان معروضات کو دار العلوم کے حق میں رُشد و خیر کا وسیلہ بنائے ———"

اس تفصیلی بیان کی اشاعت کے بعد سے مختلف اوقات میں متعدد مخلصین کے ایسے خطوط آئے جن کی وجہ سے میں نے ضرورت محسوس کی کہ اس سلسلہ کے بعض واقعات

جن کا ذکر میں نے اُس وقت ضروری نہیں سمجھا تھا اُن کا بھی ذکر کر دیا جائے اور بیان کے بعض اجزا کی وضاحت اور ایسی باتوں کی معذرت کی جائے جو کچھ حضرات کے لیے دل آزاری یا ناخوشگواری کا باعث ہوئی ہوں گی ـــــ اسی احساس کے تحت آج کی صحبت میں مندرجہ ذیل چند باتیں عرض کی جا رہی ہیں۔ یہ گویا میرے اُس بیان کا ضمیمہ یا تتمہ ہے ـــــ واللہ الموفق للصواب والسداد

(۱)

میں نے اپنے بیان میں (مہتمم صاحب کے رویہ میں حیرت انگیز تبدیلی کے زیر عنوان) جہاں اس کا ذکر کیا تھا کہ ۱۱-۱۲ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو مجلس شوریٰ کا جو جلسہ ہوا تھا (جس میں یہ عاجز شریک نہیں تھا) اُس کے بعد سے حضرت مہتمم صاحب کے رویہ میں تبدیلی شروع ہوئی، وہاں میں نے اس کا ذکر نہیں کیا تھا کہ یہ تبدیلی (جو مہتمم صاحب کی اصل فطرت، مزاج اور ان کے عمر بھر کے رویہ کے خلاف تھی) کیوں اور کس طرح پیدا ہوئی۔ اب میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کی بھی وضاحت کر دی جائے۔

مجلس شوریٰ کے اس جلسہ میں جو فیصلے کیے گئے تھے ان میں یہ تین فیصلے بھی تھے۔

ایک یہ کہ اجلاس صد سالہ کے بعد سے قریباً ۷۰ لاکھ کی دارالعلوم کی جو رقم مقامی بینکوں میں ہے جس میں سے نکالنا ہر وقت آسان ہے اس کو بینکوں سے نکال کے یونٹ ٹرسٹ[1] کے حصے خرید لیے جائیں تاکہ وہ محفوظ سرمایہ رہے۔ (اور دارالعلوم کے مصارف کے لیے جد وجہد معمول کے مطابق ہوتی رہے۔)

دوسرا یہ کہ مہتمم صاحب نے دارالعلوم کے چھ اساتذہ کے خلاف جو رپورٹ اس مجلس شوریٰ میں پیش فرمائی تھی جس میں اُن پر سنگین الزامات عاید کیے گئے تھے اس کے بارہ میں مجلس نے فیصلہ کیا تھا کہ مہتمم صاحب ان اساتذہ سے جواب طلب کریں، مجلس شوریٰ اُن کے جوابات آنے کے بعد اُن کے بارہ میں فیصلہ کرے گی۔

---

[1] "یونٹ ٹرسٹ" کے بارہ میں اکتوبر کے شمارہ ہی میں یہ لکھ چکا ہوں کہ میں اس سے واقف نہیں ہوں کہ یونٹ ٹرسٹ کیا چیز ہے اور اس کا کیا طریق کار ہے، یہ سنا تھا کہ وہ مضاربت کی ایک صورت ہے۔

تیسری تجویز یہ تھی کہ صد سالہ اجلاس کے بعد سے خود جماعتِ دارالعلوم میں جو افسوسناک اختلاف و خانہ جنگی کی صورت پیدا ہو گئی ہے اور طرح طرح کے الزامات لگائے جا رہے ہیں اور اس کی وجہ سے عوام میں بے اعتمادی پیدا ہونے کا خطرہ ہے اس لیے ملت کے موقر حضرات کا ایک کمیشن مقرر کیا جائے جو دارالعلوم کے حسابات اور مالی معاملات کی جانچ کر کے رپورٹ دے تاکہ عوام میں دارالعلوم کا اعتماد بحالہ قائم رہے۔ اس کمیشن کے ۳ ارکان بھی نامزد کر دیے گئے تھے۔

میں ذکر کر چکا ہوں کہ میں خود شوریٰ کے اس جلسہ میں شریک نہیں تھا۔ مجھے اس کی کارروائی اور تجاویز کا علم مجلس کی موصولہ رپورٹ سے اور ان محترم ارکان کی اطلاع سے ہوا تھا جو شریک تھے ــــــ یہ بھی انہی حضرات سے معلوم ہوا تھا کہ تمام تجاویز اتفاق رائے سے طے ہوئیں اور یہ بھی کہ ان میں سے کوئی تجویز بھی اُن ارکان کی طرف سے پیش نہیں کی گئی تھی جن کو مہتمم صاحب کا مخالف سمجھا جاتا ہے ــــــ اور یہ بھی کہ مہتمم صاحب نے ان میں سے کسی تجویز سے مجلس میں اپنا ادنیٰ سا بھی اختلاف ظاہر نہیں فرمایا تھا۔

لیکن قابل اعتماد ذرائع سے معلوم ہوا کہ مجلس شوریٰ کے بعد بعض اُن لوگوں نے جو حضرت مہتمم صاحب سے اپنا خاص الخاص نیاز مندانہ تعلق ظاہر کر کے ان کا تقرب و اعتماد حاصل کرنا چاہتے ہیں اُنکو بتلایا اور باور کرایا کہ شوریٰ نے ان فیصلوں میں آپ پر بے اعتمادی کا اظہار کیا ہے۔

محفوظ رقم سے یونٹ ٹرسٹ کے حصے خریدنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رقم کی درآمد برآمد جس طرح اب آپ کے اختیار میں ہے (کہ جب جس قدر چاہی نکال لی) اس طرح اختیار میں نہیں رہے گی ــــــ اور اساتذہ سے متعلق آپ کی رپورٹ کے بارہ میں جو فیصلہ کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ شوریٰ کو آپ کے بیان اور آپ کی رپورٹ پر اعتماد نہیں۔ اگر وہ آپ پر اعتماد کرتی تو اس کی بنیاد پر وہ اُن لوگوں کے خلاف تعزیر یا تادیب کا فیصلہ کرتی ــــــ اور حسابات اور مالی معاملات کی

جانچ کے لیے کمیشن مقرر کرنے کا تو کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ ان کو مالیات کے بارہ میں آپ پر اور آپ کے عملہ پر اعتماد نہیں ہے[1]

مہتمم صاحب اکتوبر کی اس مجلس شوریٰ کے چند ہی روز بعد طویل سفر پر امریکہ تشریف لے گئے تھے اسی زمانہ میں دہلی کے ایک ہفتہ وار اخبار میں مجلس شوریٰ اور اس کے ارکان کے خلاف مہم شروع ہوئی اور زور شور سے مسلسل لکھا گیا کہ دار العلوم کے معاملات میں مہتمم صاحب مختار کل ہیں، مجلس شوریٰ کا کام صرف مشورہ دینا ہے مہتمم صاحب اس کے مشوروں اور تجاویز کے پابند نہیں ہیں اور دار العلوم کا موجودہ دستور غلط ہے۔ حضرت نانوتویؒ کے مقرر کیے ہوئے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے وغیرہ وغیرہ ——— یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ یہ اخبار جس کی پہلے کوئی حیثیت نہیں تھی (راقم سطور نے تو کبھی نام بھی نہیں سنا تھا) اب بہت بڑی تعداد میں چھپتا ہے اور لوگوں کو مفت بھیجا جاتا ہے[2] ——— (ان دنوں یہ اس عاجز کے پاس بھی برابر آتا تھا اور کبھی کبھی ایک ہی شمارے کے متعدد پرچے بھی آتے تھے۔)

۳۰-۳۱ اکتوبر ۸۱ء کو ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس انتظامی کا جلسہ تھا، دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے متعدد ارکان اس کے بھی رکن ہیں۔ جناب مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، جناب مولانا منت اللہ رحمانی، جناب مولانا سعید احمد اکبر آبادی اس جلسہ کی

---

[1] یہ بات کہ حضرت مہتمم صاحب کو ان کے کچھ نادان خیر خواہوں یا مفاد پرست خوشامدیوں نے مجلس شوریٰ کے فیصلوں کے بارہ میں یہ بات کہائی ۔ اس عاجز کو جلسۂ شوریٰ کے بہت بعد بعض ذرائع سے معلوم ہوئی تھی اور بعد کے واقعات نے اس کی پوری تصدیق کی ——— لیکن مجھے اس میں شبہ نہیں ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہے اور مہتمم صاحب نے انہی لوگوں کی بات سے متاثر ہو کر اپنا رویہ بدلا تو ایسا اس وجہ سے ہوا کہ کبرسنی سے جس طرح ان کے دوسرے قویٰ متاثر اور مضمحل ہو گئے ہیں اسی طرح معاملہ فہمی اور قوت فیصلہ کی صلاحیت بھی متاثر ہوئی ہے اور دار العلوم کے موجودہ الجھے ہوئے معاملات میں اس کو بہت دخل ہے۔ اگر یہ واقعہ نہ ہوتا تو جو کچھ ہوا ہے اور ہو رہا ہے اس میں سے کچھ بھی نہ ہوتا ——— اس بنا پر یہ عاجز مہتمم صاحب کو ایک درجہ میں معذور سمجھتا ہے۔ واللہ اعلم باحوال عبادہ۔

[2] حضرت مہتمم صاحب سے قریبی تعلق رکھنے والے مجلس شوریٰ کے ایک محترم رکن نے ایک مجلس میں (جس میں یہ عاجز بھی شریک تھا) ذکر فرمایا تھا کہ اس اخبار کی مالی سرپرستی مہتمم صاحب کے خلاف قریبی عزیز فرما رہے ہیں۔

شرکت کے لیے لکھنؤ تشریف لائے ہوئے تھے ــــــ اتفاق سے ۳۰ر اکتوبر کو دہلی کے اُس ہفتہ وار اخبار کا ایک شمارہ میرے پاس آیا اُس میں علاوہ اور بہت سی خرافات کے دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ اور دستور کے بارہ میں وہی لکھا گیا تھا جو اوپر ذکر کیا گیا ــــ اور ۱۱-۱۲ر اکتوبر ۸۱ء کو ہونے والے مجلس شوریٰ کے مذکورہ بالا جلسہ کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ وہ جلسہ ہوا ہی نہیں ــــ جو ارکان آئے تھے وہ فلاں وجہ سے کوئی فیصلہ کیے بغیر روانہ ہو گئے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ میں مجلس شوریٰ کے اس جلسہ میں شریک نہیں ہوا تھا۔ رفیق محترم مولانا علی میاں شریک ہوئے تھے اور اُن سے شوریٰ کی کارروائی معلوم ہو گئی تھی ــــ اس اخبار میں یہ پڑھ کر حیرت ہوئی کہ جلسہ ہو ہی نہیں سکا۔

میں وہ شمارہ لیکر دارالعلوم ندوۃ العلماء گیا جہاں مہمان خانہ میں ان حضرات کا قیام تھا، ان سب حضرات نے دیکھا اور طے ہوا کہ جو ارکان ۱۱، ۱۲ر اکتوبر کے جلسہ شوریٰ میں شریک ہوئے تھے اور یہاں اس وقت اتفاق سے جمع ہیں اُن کی طرف سے ایک بیان شائع ہو جس میں دلّی والے اخبار کا کوئی ذکر نہ کیا جائے بس مثبت انداز میں حقیقت واضح کر دی جائے ــــ چنانچہ بیان مرتب ہوا، اور اگلے ہی دن کے "قومی آواز لکھنؤ" اور "عزائم لکھنؤ" میں شائع ہو گیا۔ عزائم میں بیان کا پورا متن شائع ہوا تھا ــــــ

یہ بیان جناب مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی، جناب مولانا منت اللہ صاحب رحمانی جناب مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی اور جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی طرف سے اور ان کے دستخطوں سے شائع ہوا تھا۔ (یہ چاروں حضرات ۱۱-۱۲ اکتوبر والی مجلس شوریٰ میں شریک ہوئے تھے۔) یہ بیان خاصا طویل اور بہت مفصل تھا۔ اس کے شروع میں شوریٰ کے اس جلسہ میں طے ہونے والی تجاویز کا بھی ذکر کیا گیا تھا (جن میں سے بعض کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے) ــــ آخر میں لکھا گیا تھا کہ

اس موقع پر ہم یہ امر بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کا ایک دستور ہے جس کے تحت زمانہ قدیم سے دارالعلوم کا پورا انتظام چل رہا ہے۔

شوریٰ اس دستور کی روشنی اور تصریحات کی بنیاد پر "ہئیت حاکمہ" ہے اور دارالعلوم کے تمام معاملات میں اسے آخری اختیارات حاصل ہیں۔ دارالعلوم کے دستور کا یہی تقاضا ہے اور عرصہ دراز سے اسی پر عمل ہوتا چلا آرہا ہے۔

روزنامہ "عزائم لکھنؤ" یکم نومبر ۱۹۸۱ء

میں عرض کرچکا ہوں کہ حضرت مہتمم صاحب اکتوبر والی اس مجلس شوریٰ کے بعد طویل سفر پر تشریف لے گئے تھے۔ دہلی کے اُس ہفتہ وار اخبار میں مجلس شوریٰ اور دستور کے خلاف جو مہم چلائی جارہی تھی، ہم میں سے کسی کو شبہ بھی نہیں تھا کہ مہتمم صاحب کے ذہن میں بھی اس طرح کی کوئی بات ہوسکتی ہے اور وہ بھی کبھی اس طرح سوچ سکتے ہیں۔ لیکن بعد کے واقعات نے بتلایا کہ انھوں نے یہی راستہ اختیار فرمالیا۔

(۲)

ابھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ ۳۰-۳۱ر اکتوبر کو ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس انتظامی کا جلسہ تھا اس میں شرکت کے لیے جناب مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی، جناب مولانا منت اللہ صاحب رحمانی اور جناب مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا رحمانی تو اسر کو لکھنؤ سے روانہ ہوگئے لیکن مفتی صاحب اور مولانا اکبرآبادی کا رزروشن نہیں ہوسکا اس لیے ان حضرات کا قیام یکم نومبر کو بھی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانے میں رہا ان حضرات کی وجہ سے میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ مولانا علی میاں بھی تشریف رکھتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں جو خلفشار اجلاس صد سالہ کے بعد سے شروع ہوگیا تھا اور جس کے نتیجہ میں وہاں کے اساتذہ بھی دو صفوں میں تقسیم ہوگئے تھے، اور ہنگاموں تک کی نوبت آتی تھی، ہم سب کو اس کی فکر تھی، یکم نومبر کی صبح جب میں ان حضرات کے پاس پہنچا تو دارالعلوم ہی کا مسئلہ ہماری گفتگو کا موضوع تھا —— ایک مرحلہ پر میں نے اپنا یہ خیال عرض کیا کہ دارالعلوم کی اس صورت حال کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے مہتمم صاحب اپنی

پیرانہ سالی کی وجہ سے قدرتی طور پر بہت ضعیف اور ان کے قویٰ بہت مضمحل ہو گئے ہیں
اب وہ اس حال میں نہیں ہیں کہ اتنے وسیع و عظیم ادارہ کے نظام پر قابو پا سکیں اور اس کو
صحیح طور پر چلا سکیں۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ مجلس شوریٰ ان کی طویل خدمات کو
پیش نظر رکھتے ہوئے اعزازی طور پر ان کو تاحیات اعزازی مہتمم قرار دیدے۔
اور کسی دوسری مناسب شخصیت کو کارپرداز مہتمم بنا دیا جائے اور دارالعلوم کے انتظام
و اہتمام کی ذمہ داری اسی کے سپرد کی جائے۔ ان حضرات میں سے ایک محترم نے فرمایا
کہ اس صورت میں یہ بھی ضروری ہو گا کہ ان کا موجودہ مشاہرہ بدستور جاری ہے۔ میں نے
عرض کیا کہ میرے نزدیک اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے مہتمم صاحب کی طویل خدمت
اور دیگر خصوصیات و امتیازات کی بنا پر یہ ایک استثنائی معاملہ ہو گا — بہرحال
اس وقت ہم سب کا اس پر اتفاق ہو گیا (ملحوظ رہے کہ یہ ایک نجی غیر رسمی گفتگو تھی)
یہ ذی الحجہ کا مہینہ تھا، اندازہ تھا کہ حضرت مہتمم صاحب سفر سے واپس آکر دستور[1]
اور معمول کے مطابق محرم میں مجلس شوریٰ کا اجلاس بلائیں گے تو ہم پہلے اُن کی خدمت
میں اور اس کے بعد مجلس شوریٰ میں اس کو رکھیں گے — لیکن انھوں نے سفر سے
واپس آکر بالکل خلاف توقع وہ رویہ اختیار فرمایا جس کا ذکر یہ عاجز اپنے تفصیلی بیان
میں کر چکا ہے (کہ انھوں نے مجلس شوریٰ کو بالکل نظر انداز کرنے اور اس کا اجلاس نہ
بلانے کا فیصلہ فرما لیا اور وہ احکام نافذ فرمانے شروع کر دیے جو مجلس شوریٰ ہی کے
اختیار میں تھے)، بالآخر چھ مہینے گزر جانے کے بعد دستور کی ایک دفعہ کے مطابق سات ارکان کی طرف
سے مجلس شوریٰ کا اجلاس بلانے کا مہتمم صاحب سے مطالبہ کیا گیا، اور اس کے نتیجہ
میں محرم کے چھ مہینے بعد رجب میں مجلس شوریٰ کا اجلاس بلایا گیا۔ (غالباً مہتمم صاحب
نے محسوس فرما لیا کہ مجلس شوریٰ کو نظر انداز اور معطل کرنے والی بات چلنے والی نہیں
ہے۔) بہرحال یہ اجلاس اواخر رجب ۱۴۰۱ھ میں ہوا اس کی تفصیل ناظرین کرام کو
اکتوبر کے شمارہ میں شائع ہونے والے میرے بیان سے معلوم ہو چکی ہے — اس وقت
شوریٰ کے اُس جلسہ کے بارہ میں ایک بات یہاں بھی عرض کرنی ہے جو پہلے غیر ضروری سمجھ کر نظر
انداز کر دی گئی تھی۔

---

[1] دارالعلوم کے دستور اساسی کی رو سے سال میں مجلس شوریٰ کے دو اجلاس ضروری ہیں ایک محرم میں دوسرا رجب میں

(۳)

میں کئی سال سے ایسے حال میں ہوں کہ میرے لیے سفر کرنا بہت مشکل اور تکلیف دہ ہوتا ہے، اور سفر کرنا ہی پڑے تو ایک یا دو آدمیوں کو ساتھ لینا ہوتا ہے اور فرسٹ کلاس ہی سے سفر ہو سکتا ہے، جس کی وجہ سے مصارف بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ دیوبند آمد و رفت پر چھ سات سو صرف ہو جاتے ہیں، اسی وجہ سے گزشتہ کئی سال سے میں مجلس شوریٰ کے جلسوں میں شریک نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن رجب میں ہونے والے اس جلسہ میں خاص کر دو مسئلوں کی وجہ سے میں نے اپنی شرکت ضروری سمجھی۔ ایک مہتمم صاحب کی کبر سنی کی وجہ سے پیدا ہونے والا اہتمام و انتظام کا وہ مسئلہ جس کا ابھی اوپر ذکر کیا گیا۔ اور دوسرا انتخاب ارکان کا مسئلہ۔ پچھلے چند سالوں میں مجلس کے ۴ ارکان وفات پا چکے تھے، اُن کی جگہ نئے ارکان کے انتخاب کا مسئلہ بھی اس مجلس شوریٰ کے ایجنڈے میں تھا —— یہ بات کوئی راز نہیں ہے، دارالعلوم کے حالات سے واقفیت رکھنے والوں کو عام طور سے معلوم ہے اور میں اپنے بیان میں پہلے ذکر بھی کر چکا ہوں کہ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ میں چند محترم ارکان وہ ہیں جنکو (غلط یا صحیح طور پر) مہتمم صاحب کا گروپ سمجھا جاتا ہے اور چند وہ ہیں جنکو اسی طرح ان کا مخالف اور مولانا اسعد میاں کا گروپ سمجھا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ چند ارکان وہ بھی ہیں جن کا ان دونوں حلقوں میں سے کسی سے کوئی خاص ربط و تعلق نہیں ہے، ان کو "ناوابستہ" کہا جا سکتا ہے) اس عاجز راقم سطور کا حال بھی یہی رہا ہے۔

رجب والی مجلس شوریٰ سے کئی ہفتے پہلے یہ بات میرے علم میں آگئی کہ مذکورہ بالا دونوں حلقوں کی طرف سے یہ کوشش ہے کہ ان کے اعتماد کے ارکان منتخب ہو جائیں —— میری ہمیشہ سے یہ رائے اور کوشش رہی ہے کہ ایسے ارکان منتخب ہوں جو کسی حلقہ یا کسی شخصیت کا لحاظ کیے بغیر ہر معاملہ میں صرف دارالعلوم کا مفاد، دین کی مصلحت اور اللہ کی رضا کو پیش نظر رکھ کر رائے دیں —— بہرحال میں نے خاص طور سے اس مقصد کے لیے شوریٰ کے اس جلسہ میں شرکت کا فیصلہ کیا اور شریک ہوا ——

میں نے ذاتی غور و فکر اور بعض مخلصین کے مشورہ سے ۴-۵ حضرات سوچے تھے کہ اگر موقع ہوا تو ان کے نام پیش کروں گا ـــــــ شوریٰ کا اجلاس شروع ہونے سے پہلے علی الصبح ایک محترم رکن مجھ سے ملے (یہ اُس حلقہ سے تعلق رکھتے تھے جو مولانا اسعد میاں سے وابستہ سمجھا جاتا ہے) انھوں نے ارکان کے انتخاب ہی کے مسئلہ پر مجھ سے بات کی، اور چند نام بھی لیے کہ ہماری رائے ان کے بارے میں ہے۔ میں نے اپنا نقطۂ نظر عرض کردیا اور صفائی سے کہہ دیا کہ جو نام آپ نے بتلائے ہیں ان کو میں "ناوابستہ" نہیں سمجھتا اس لیے ان سے اتفاق نہیں کرسکتا ـــــــ انھوں نے میری رائے دریافت کی میں نے جو نام سوچے تھے، وہ بتلا دیے۔ انھوں نے ان ناموں سے اتفاق ظاہر کیا ـــــــ اس کے بعد جناب مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور جناب مولانا منت اللہ رحمانی صاحب سے اس بارہ میں مشورہ ہوا، یہ دونوں حضرات مجلس شوریٰ کے اہم ارکان میں سے ہیں اور حضرت مہتمم صاحب کے معتمد بھی ہیں، میں نے اپنا نقطۂ نظر عرض کیا اور ان ناموں کا بھی ذکر کیا جو میں نے سوچے تھے، مولانا رحمانی نے اُن میں سے ایک صاحب کے بارے میں بتایا کہ یہ "ناوابستہ" نہیں ہیں ان کا مولانا اسعد میاں سے تعلق ہے، اس سلسلہ میں انھوں نے ایک واقعہ کا بھی ذکر فرمایا ـــــــ میں نے کہا کہ اگر شبہ بھی ہے تو ان کو چھوڑ دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ـــــــ دارالعلوم کے دستور و آئین کی رو سے ان چار ارکان میں سے ایک کو قصبہ دیوبند سے منتخب کرنا تھا، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب نے فرمایا کہ مہتمم صاحب کی خواہش ہے کہ فلاں صاحب کو منتخب کرلیا جائے، میں نے عرض کیا کہ اُن کے متعلق تو مجھے، آپ کو اور سب ہی کو معلوم ہے کہ وہ مہتمم صاحب کے خاص آدمی ہیں، اس کے علاوہ وہ اپنی شخصیت کے لحاظ سے بھی وہ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لیے کسی طرح موزوں نہیں ہیں ـــــــ اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کے نواسے مولانا محمد عثمان صاحب پر سب کا اتفاق ہوگیا ـــــــ اُن کے بارے میں ایک قانونی اور دستوری اشکال یہ تھا کہ وہ دارالعلوم کے مدرس تھے اور دستور کی رو سے دارالعلوم کے کسی ملازم کو رکن منتخب نہیں

کیا جاسکتا ـــــ اس کا حل یہ سوچا گیا کہ مولانا محمد عثمان صاحب کو مشورہ دیا جائے کہ وہ مدرسی سے استعفا دیدیں، اس کو منظور کرلیا جائے اور اس کے بعد رکن منتخب کرلیا جائے، چنانچہ ہم نے اسی وقت ان کو بلوایا، بات کی، وہ آمادہ ہوگئے، اور استعفا لکھ کر ہم لوگوں کے حوالہ کردیا ـــــ یہ ساری باتیں شوریٰ کا جلسہ شروع ہونے سے پہلے نجی مشورہ کے طور پر ہوئیں ـــــ اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ مجلس شوریٰ میں جو چار نام رکنیت کے لیے اس عاجز نے پیش کیے متفقہ طور پر منظور کرلیے گئے ـــــ جیسا کہ میرے بیان سے معلوم ہوچکا ہے مولانا محمد عثمان صاحب کے علاوہ تین حضرات یہ تھے جناب مولانا صدیق احمد صاحب باندوی، جناب نواب عبید الرحمٰن صاحب شروانی (علی گڑھ) جناب حاجی علاء الدین صاحب (بمبئی)۔ ان تینوں حضرات سے جو شخص واقف ہے وہ شبہ بھی نہیں کرسکتا کہ ان میں سے کوئی کبھی مذکورہ بالا دو حلقوں میں سے کسی حلقہ سے وابستہ ہے۔

(۴)

اکتوبر کے شمارے میں شائع ہونے والے میرے بیان میں تفصیل سے ذکر کیا جاچکا ہے کہ جب ایجنڈے کی ایک دفعہ کے تحت دار العلوم کے نظام کو مضبوط اور مستحکم کرنے کا مسئلہ مجلس میں زیر غور آیا تو خود حضرت مہتمم صاحب نے قریباً دو صفحے کی ایک تحریر درخواست کے طور پر پیش فرمائی اس میں انھوں نے اپنے بارے میں خود تحریر فرمایا تھا کہ:-

"میں کافی ضعیف ہوچکا ہوں، بتقاضائے عمر قویٰ اور اعصاب جواب دیتے جارہے ہیں، خصوصاً قوت سماعت اور قوت حافظہ زیادہ متاثر ہوئی ہے جس سے بحث وغیرہ کے وقت مسائل کان میں مشکل سے پڑتے ہیں اور جزئیات مستحضر بھی نہیں ہوسکتیں۔"

آگے تحریر فرمایا تھا:-

"ان حالات اور وجوہات کی بنا پر میری درخواست ہے کہ داخلی نظم کی مسئولیت کا تعلق مجھ سے نہ رکھا جائے اور جوابدہی سے مجھے ہلکا کردیا جائے ......"

جو کلیتہً نیابت اہتمام پر عائد کی جائے":

مہتمم صاحب نے اپنی اس تحریر میں اپنا یہ منشا بھی ظاہر فرما دیا تھا کہ اس حال میں بھی وہ اہتمام کے منصب پر رہنا چاہتے ہیں ـــــ مجلس شوریٰ نے مہتمم صاحب کی اس درخواست کو منظور کرتے ہوئے ان کو دارالعلوم کے پورے داخلی نظام بجملہ تعلیمی، انتظامی، مالی شعبہ جات کی ذمہ داری اور مسؤلیت سے سبکدوش کر کے صرف یہ دو کام اُن کے ذمہ رکھے تاکہ منصب اہتمام پر ان کے برقرار رہنے کا جواز رہے ـــــ (۱) مسلک دارالعلوم کی حفاظت واشاعت (۲) دارالعلوم کے حلقہ اثر کی توسیع۔

اور اہتمام کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے شوریٰ کے ارکان ہی میں سے مددگار مہتمم کے عنوان سے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کا اور نائب مہتمم کی حیثیت سے مولانا محمد عثمان صاحب کا انتخاب کیا، مولانا نصیر احمد خاں صاحب پہلے سے نائب مہتمم تھے ـــــ یہ سب فیصلے نہ صرف اتفاق رائے بلکہ سب کی خوشدلی سے ہوئے ـــــ دارالعلوم کے سرکاری ترجمان "ماہنامہ دارالعلوم" کے اگست کے شمارہ میں پورا ۴ صفحے کا اداریہ مجلس شوریٰ کے اس اجلاس کی کارروائی پر لکھا گیا تھا۔ یہ پورا اداریہ پڑھنے کے لائق ہے ـــــ اِس کی ابتدائی چند سطریں یہاں بھی پڑھ لی جائیں۔

> ۲۵۔۲۶۔۲۷ رجب ۱۴۰۱ھ تین دنوں تک مسلسل مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کا اجلاس مہمان خانہ میں ہوتا رہا جس میں تمام اراکین نے شرکت کی۔ ایک سال سے جو اضطراب انگیز حالات چل رہے تھے، اُن سے یہ سب حضرات متاثر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر ایک نے اخلاص و للہیت کے ساتھ دارالعلوم کی عظمت اور اسکے تقدس کی حفاظت اور اندرونی امن وسکون پر غور وفکر کیا اور اتفاق رائے سے ضروری فیصلے کیے۔ شوریٰ میں چار جگہیں بعض ممبران کی وفات سے خالی تھیں انھیں پر کیا اور مناسب حال اراکین کا انتخاب کیا ـــــ پھر حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب کی تحریر کو سامنے رکھ کر ایک مزید نائب مہتمم اور ایک مددگار مہتمم کا اضافہ کیا اور نائبین کو پورا اختیار سونپا کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق دارالعلوم کے کاموں کی نگرانی کریں اور یہ کہ

شوریٰ کے سامنے آئندہ وہی جوابدہ ہوں گے۔

مولانا نصیر احمد خاں صاحب پہلے سے نیابت کے فرائض انجام دیتے چلے آرہے ہیں، دوسرے نائب مہتمم کے لیے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ کے نواسے اور شہر دیوبند کے قدیم چیرمین مولانا محمد عثمان صاحب کا انتخاب عمل میں آیا، جنکی جرأت و حیا کی زبان زد خاص و عام ہے، جن کی زندگی کا مشن ہی حق گوئی اور حق پرستی رہا ہے، دیانت و امانت میں شہرت عامہ رکھتے ہیں، ماشاء اللہ مستعد بھی ہیں، اور فعال بھی، پھر یہ کہ دار العلوم کے بہت قدیم مدرس بھی تھے۔

مددگار مہتمم کے عہدے پر مجلس شوریٰ کے قدیم رکن حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری فائز کیے گئے، جن کا خاندان عزت و شرافت اور ریاست میں عرصہ سے بجنور میں مشہور ہے، اور جو خاندانی قاسم العلوم و الخیرات حضرت نانوتوی قدس سرہ سے بھی وابستہ رہا ہے۔۔۔۔۔۔

چنانچہ اس پر عمل بھی شروع ہو گیا ہے۔ ادھر ایک ماہ سے ان دونوں حضرات نے بڑی تندہی مستعدی اور لگن کے ساتھ کام شروع کر دیا ہے۔ مددگار مہتمم صاحب ہر تھوڑے وقفہ کے ساتھ آتے رہتے ہیں اور کئی کئی دن قیام کر کے دفاتر اور کاموں کی نگرانی فرماتے ہیں، مولانا محمد عثمان صاحب نائب مہتمم اپنے فرائض کی ادائیگی میں بہت چست اور مستعد ہیں، ایک ایک کام پر نظر رکھتے ہیں، ان کے ہاں "آج کا کام کل پر مت ڈال" کے اصول پر پورا پورا عمل ہے"

(ماہنامہ دار العلوم دیوبند بابت اگست صفحہ ۳-۲)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ "ماہنامہ دار العلوم" کے نگران اعلیٰ خود حضرت مہتمم صاحب ہیں اور اس کے اداریہ نویس صاحب اور مدیر و مرتب صاحب بھی ان کے خاص الخاص معتمدین میں سے ہیں۔

ظاہر ہے کہ دار العلوم کے سرکاری ترجمان کے ماہ اگست (شوال) کے اداریہ کا یہ اقتباس اس بات کی ناقابل شک شہادت ہے کہ رجب کی اس مجلس کے کم از کم دو مہینے بعد تک حضرت

مہتمم صاحب اور مجلس شوریٰ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا اور خود مہتمم صاحب اور ان کے مقربین و معتمدین نے بھی مددگار مہتمم کی حیثیت سے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب اور نائب مہتمم کی حیثیت سے مولانا محمد عثمان صاحب کے انتخاب کو اور اس مجلس شوریٰ کے تمام ہی فیصلوں کو پوری خوشدلی سے قبول فرمالیا تھا۔

اس سلسلہ میں ایک بات اور بھی قابل ذکر ہے، مجلس کے اس جلسہ میں حضرت مہتمم صاحب میرے برابر ہی میں تشریف رکھتے تھے، جب نیابت اہتمام کے لیے مولانا محمد عثمان صاحب کا نام پیش ہوا، تو مہتمم صاحب نے فرمایا کہ نیابت اہتمام کے لیے تو میں نے بھی ان کو تجویز کیا تھا۔

(۵)

رجب کے اس جلسۂ شوریٰ کے بعد شوال (اگست) میں پھر اس کا جلسہ ہوا، اس کی کارروائی کا ذکر اچھی خاصی تفصیل سے پہلے اگست و ستمبر کے مشترک شمارے میں اور اُس کے بعد اکتوبر کے شمارے والے بیان میں کیا جا چکا ہے۔۔۔۔ اُسی سے ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اس جلسۂ شوریٰ کے موقع پر مہتمم صاحب کو اپنے ایک خاص مقصد کے بارے میں شوریٰ کی طرف سے مایوسی ہوئی۔ جلسہ کے بعد اُن کے بعض ناعاقبت اندیش قریبی لوگوں اور کچھ باہر کے چالاک مفاد پرستوں نے ان کو مشورہ دیا کہ مجلس شوریٰ توڑ کر اپنے اعتماد کے لوگوں کی نئی شوریٰ اور موجودہ دستور منسوخ کر کے اپنے حسب منشا نیا دستور بنا لیا جائے، اور مقدمہ بازی کے بعض ماہرین سے اس کے طریق کار کے بارے میں بھی رہنمائی حاصل کی گئی۔[۱]

اس عاجز کو دیوبند کی اطلاعات سے جب یہ بات معلوم ہوئی تو شروع میں یہی خیال رہا کہ حضرت مہتمم صاحب، شریعت، اخلاق اور قانون کے لحاظ سے اتنے غلط کام کے لیے تیار نہ ہو سکیں گے۔۔۔۔ لیکن جب دہلی کے ۱۴ اکتوبر والے اجتماع کا اعلان ہوا اور ایک صاحب نے اُس کا دعوت نامہ دکھلایا جو خود حضرت مہتمم صاحب کی طرف سے جاری ہوا تھا اور پورا منصوبہ بھی بتلایا تو یقین کرلینا پڑا کہ انھوں نے اپنے کو اس انتہائی غلط اور موجب فتنہ اقدام کے لیے بھی آمادہ کر لیا ہے جو ان کی شان اور ان کی فطرت و مزاج کے بھی خلاف ہے۔۔۔۔ اور میں نے اُس کو اُن کی کبر سنی ہی کا نتیجہ سمجھا۔

---

[۱] یہ طریق کار وہی تھا جو بعد میں ۱۴ اکتوبر کے دہلی کے اجتماع اور ایڈ ہاک کمیٹی کی شکل میں سامنے آیا۔

اب میرے سامنے اپنی ذات کے بارے میں یہ سوال آگیا کہ مجھے کیا رویہ اختیار کرنا ہے؟
قریباً چالیس ۴۰ سال سے میرا یہ حال ہوگیا ہے کہ ہر طرح کے اختلافات، تنازعوں اور جھگڑوں سے طبیعت بھاگتی ہے۔ میرے حالات سے واقفیت رکھنے والے مرے احباب جانتے ہیں کہ اس عرصہ میں بار بار ایسا ہوا ہے کہ کسی اجتماعی کام یا نظام سے وابستگی کا فیصلہ کیا، اور جب کسی وجہ سے بے اطمینانی یا اختلاف کی شکل پیدا ہوئی تو خاموشی سے بے تعلقی اختیار کرلی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس میں بڑی عافیت اور خیریت ہے ـــــ چنانچہ طبیعت کا تقاضا یہی تھا کہ مہتمم صاحب کے اس اقدام سے اُن کے اور مجلس شوریٰ کے درمیان اختلاف اور کش مکش کا جو نیا سلسلہ شروع ہوگا جو یقیناً بہت دور تک جائے گا اور سنگین ہوگا، اُس سے اپنے کو بے تعلق رکھنے کے لیے خاموشی سے، یا صورت حال سے بیزاری ظاہر کرکے مجلس شوریٰ کی رکنیت سے استعفا بھیجدیا جائے (جس کا تقاضا طبیعت میں پہلے سے بھی تھا جیسا کہ مفصل بیان میں بھی ذکر کیا جاچکا ہے) یہ بڑی عافیت کا اور عزت آبرو کی حفاظت کا راستہ تھا۔

دوسری طرف شرعی حیثیت سے یہ پہلو بھی قابل غور تھا کہ دارالعلوم (خود ہماری غلطیوں اور غفلتوں کی وجہ سے اب جیسا کچھ بھی ہے) بہرحال وقف ہے، خداوندی امانت ہے اور مجلس شوریٰ یعنی اس کے ارکان اس کے امین ہیں، اُس کی حفاظت اور اصلاحِ حال کی تا امکان فکر و کوشش اُن کا فریضہ ہے ـــــ دو تین دن میرے سخت ذہنی کشمکش میں گزرے ـــــ یہ بات بھی سامنے تھی کہ اگر اس موقع پر میں نے استعفا دیدیا تو شوریٰ کے فلاں فلاں محترم ارکان بھی جن کا کسی خاص گروپ سے تعلق نہیں ہے اپنے بارے میں یہی فیصلہ فرمائیں گے اور اس کے بعد اُن ناخدا ترس طالع آزماؤں کے لیے جنھوں نے حضرت مہتمم صاحب کی کبرسنی کی کیفیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو اس غلط اور فتنہ انگیز اقدام کے لیے ہموار اور تیار کرلیا ہے[1] ان کے لیے دارالعلوم پر اقتدار حاصل کرلینا آسان ہوجائے گا اور ہمارا استعفا دے کر الگ ہوجانا ان کی بہت بڑی مدد ہوگی ـــــ اور پھر خدانخواستہ دارالعلوم کا وہی حشر ہوگا جو اجمیر اور کلیر جیسی درگاہوں کے اوقاف کا سامنے ہے کہ اب وہ صرف کچھ لوگوں کی خوش عیشی کا ذریعہ ہیں[1]

---

[1] ان لوگوں میں بعض دارالعلوم اور دیوبند سے باہر کے بھی ہیں اور فتنہ کا اصل بانی مبانی وہی ہیں اور جہاں تک معلوم ہوا ہے قیادت انھی کے ہاتھ میں ہے۔

اس مرحلہ پر میں نے ذاتی غور و فکر کے علاوہ بعض مخلص اور صاحب رائے اہل علم اور اصحاب فتویٰ سے بھی مشورہ کیا —— میری طبعی خواہش تھی کہ اگر یہ اطمینان ہو جائے کہ موجودہ صورت میں استعفاء دے کر بے تعلقی اور یکسوئی اختیار کر لینے کی میرے لیے شرعاً گنجائش ہے تو میں یہی راستہ اختیار کروں۔ جیسا کہ عرض کیا عافیت و راحت اور گالیوں اور بہتانوں سے عزت آبرو کی حفاظت کا راستہ یہی تھا —— لیکن اپنے غور و فکر نے بھی اسی نتیجہ پر پہنچایا اور اور دوسرے اہل علم حضرات نے بھی یہی رائے ظاہر فرمائی کہ اس خطرہ سے دارالعلوم کی حفاظت کی امکانی کوشش ارکان شوریٰ کا فریضہ ہے۔ نتیجہ کے وہ ذمہ دار نہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

یہ وہ وقت تھا جب ۱۹ اکتوبر والے اجتماع میں بہت کم وقت باقی رہ گیا تھا۔ میں نے طے کیا کہ دارالعلوم کے مسئلہ سے متعلق ایک بیان مرتب کروں جس کے ذریعہ اختلاف کی اصل بنیاد اور واقعی حالات بتلانے کی کوشش کروں اور یہ بیان اجتماع سے پہلے شائع ہو کر لوگوں تک پہنچ جائے —— وقت بہت کم تھا میں نے وہ بیان انتہائی عجلت میں اس طرح تیار کیا کہ کچھ اپنے قلم سے لکھا کچھ ایک عزیز سے املا کے طور پر لکھوایا۔ اکتوبر کا الفرقان اتنے تنگ وقت میں تیار نہیں ہو سکتا تھا اس لیے بیان کو پہلے کتابچہ کی صورت میں شائع کر دینے کا فیصلہ کیا۔ کاتب صاحب ساتھ ہی ساتھ اس کی کتابت کرتے رہے، میں نظر ثانی بھی نہیں کر سکا، پروف بھی نہیں دیکھ سکا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ اس عجلت کی وجہ سے کوئی غلط بات قلم سے نہیں نکلی لیکن بعض فروگزاشتیں ہو گئیں، مثلاً ایک محترم رکن شوریٰ کا نام ایک جگہ ذکر میں آ گیا جو نہیں آنا چاہیے تھا اور میرے مقصد کے لیے اس کی بالکل ضرورت نہ تھی، یہ فروگزاشت اور اس طرح کی بعض اور فروگزاشتیں صرف عجلت کی وجہ سے ہوئیں جن کا افسوس رہے گا —— لیکن جو کچھ لکھا گیا ہے، ایک ایک لفظ واقعہ کے مطابق اور صحیح ہے اور دارالعلوم کے موجودہ خلفشار کو سمجھنے کے لیے اس کا سامنے آنا ضروری تھا۔

بعض مخلصین نے لکھا کہ اس بیان میں حضرت مہتمم صاحب کی بعض اُن باتوں کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے جو انھوں نے نجی طور پر اور تنہائی میں فرمائی تھیں ایسا نہ ہونا چاہیے تھا ——

اس عاجز کو اصولی طور پر اس سے پورا اتفاق ہے عام حالات میں اس کا کوئی جواز نہیں بلکہ یہ ایک درجہ کا گناہ ہے ——— مہتمم صاحب کی ان گفتگوؤں کے بعد الفرقان کے متعدد شمارے شائع ہوئے جن میں رجب اور شوال کی ان مجالس شوریٰ کی کارروائی کا ذکر کیا گیا جن میں یہ گفتگوئیں ہوئی تھیں، میں نے اِن کے بارے میں کوئی اشارہ بھی نہیں کیا، ہاں جب آخر ستمبر میں ۲۴ اکتوبر والے اجتماع کا اعلان حضرت مہتمم صاحب کی طرف سے ہو گیا اور یہ معلوم ہو گیا کہ یہ سب کچھ مجلس شوریٰ توڑنے اور دستور منسوخ کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے (بعد کی عملی کارروائیوں نے اس کی پوری تصدیق بھی ہو گئی)، تو میں نے دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کو فتنہ سے بچانے کے لیے ضروری سمجھا کہ صفائی سے اس کا اظہار کر دوں کہ مہتمم صاحب کے شعور اور معاملہ فہمی کی صلاحیت پر کبرسنی کا کتنا اثر ہے اور ان کے اس غیر شرعی غیر اخلاقی اور غیر آئینی اقدام کا اصل محرک اور مقصد کیا ہے۔ تاکہ لوگ اصل حقیقت سے واقف ہو جائیں اور بصیرت کے ساتھ رائے قائم کر سکیں ——— اس کے لیے ان گفتگوؤں کا ذکر کر دینا میرے نزدیک ضروری اور ناگزیر تھا۔ یہ کام اگرچہ میرے مزاج کے خلاف اور میرے لیے تلخ گھونٹ تھا، لیکن دارالعلوم اور جماعت کو فتنہ سے بچانے کے لیے میں نے اپنے کو اس کڑوے گھونٹ کے پینے پر آمادہ کر لیا، اور اب بھی مجھے طبعی طور پر اس کا دکھ ہے۔

(۶)

مجلس شوریٰ اور حضرت مہتمم صاحب کے موجودہ اختلاف کے بارے میں جو ۲۴ اکتوبر کے اجتماع سے شروع ہوا ہے بعض حلقوں کی طرف سے نشر و اشاعت کے سارے ذرائع استعمال کر کے یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ یہ سب کچھ دارالعلوم پر قبضہ کرنے کے لیے اسعد میاں کرا رہے ہیں اور مجلس شوریٰ ان کی معاون اور آلۂ کار بن گئی ہے ——— سنا تھا کسی ماہر سیاست کا یہ قول ہے کہ اپنی مصلحت اور کاربراری کے لیے جھوٹ بولو اور اس کو اتنا دہراؤ کہ لوگ سچ سمجھ کر یقین کرنے لگیں ——— یہ بھی شاید اسی کی ایک مثال ہے ——— میں یہ نہیں جانتا کہ اسعد میاں کے دل میں کیا ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ جو علیم بذات الصدور ہے وہی جانتا ہے ——— لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ اس وقت کی صورت یہ ہے کہ مجلس شوریٰ اور مہتمم صاحب

کے موجودہ اختلاف کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ مجلس شوریٰ کے نزدیک دار العلوم کا دستور معیار اور گویا معاہدہ کی دستاویز ہے اور خود مہتمم صاحب اور ہم سب اس کے پابند ہیں۔ اور مجلس شوریٰ ہی دستور کی رو سے دار العلوم کی "ہیئت حاکمہ" ہے اور مہتمم صاحب اس کے مقرر کیے ہوئے مہتمم اور اس کے سامنے جوابدہ ہیں۔ ـــــــ اور دستور کی رو سے مہر اکتوبر والا اجتماع اور اس کی بنائی ہوئی ایڈہاک کمیٹی قطعاً غیر آئینی ہیں اور دار العلوم کے دستور اور مجلس شوریٰ کے لیے چیلنج ہیں ـــــــ مہتمم صاحب نے اس سلسلہ میں جو رویہ اختیار فرمایا وہ ایسا ہے کہ کسی بھی باضابطہ ادارہ کا مہتمم و منتظم اگر ایسا کرے تو اس کو عہد شکنی اور بغاوت سمجھا جائے گا اور اس کے خلاف ضابطہ کے مطابق کارروائی کی جائے گی اور اس منصب پر وہ ہرگز نہ رہ سکے گا۔

لیکن یہ عاجز چونکہ ان کی ان سب باتوں کو ان کی کبر سنی سے پیدا ہونے والی کیفیت کا نتیجہ سمجھتا ہے اس لیے ایک درجہ میں ان کو معذور سمجھتا ہے اور دار العلوم، جماعت دار العلوم اور خود حضرت مہتمم صاحب کے حق میں یہ بہتر سمجھتا ہے کہ مفاہمت و مصالحت سے کوئی ایسی صورت طے ہو جائے کہ حضرت مہتمم صاحب کی محترم شخصیت کے احترام اور ان کی طویل خدمت دار العلوم کے اعتراف کے طور پر ان کو تاحیات دار العلوم کا اعزازی مہتمم یا صدر مہتمم یا سرپرست بنا دیا جائے اور اہتمام کی ذمہ داریوں سے ان کو یکسر فارغ کر دیا جائے۔ اب وہ اس حال میں قطعاً نہیں ہیں کہ دار العلوم جیسے عظیم و وسیع ادارہ کی کوئی بھی ذمہ داری اُن پر رہے۔

یہ بات تو جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں آگئی ورنہ عرض یہ کیا جا رہا تھا کہ مجلس شوریٰ اور مہتمم صاحب کے درمیان موجودہ اختلاف کا بنیادی نقطہ وہ ہے جو اوپر عرض کیا گیا، اور مولانا اسعد میاں اس مسئلہ میں مجلس شوریٰ کے ہمنوا اور اس کے مؤید ہیں اور پورا تعاون

دے رہے ہیں، اس طرح اس مسئلہ میں مجلس شوریٰ کے ... وران کے درمیان اشتراک و تعاون ہے اور ان کے لیے اس کا موقع حضرت مہتمم صاحب کے ناعاقبت اندیش حلقہ ہی نے فراہم کیا ہے۔ بہرحال مجلس شوریٰ اور مولانا اسعد میاں کے موجودہ اشتراک و تعاون کی نوعیت یہی ہے۔ صورت حال ایسی ہے کہ دارالعلوم سے سچی ہمدردی رکھنے والے ہر مخلص مسلمان کو خاص کر جماعت دیوبند سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کو دارالعلوم کو برے انجام سے بچانے کے لیے مجلس شوریٰ کے موقف کی تائید و حمایت اور اس کے ساتھ اشتراک و تعاون کرنا چاہیے۔ تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

اس عاجز کے لیے بعض ان محترم ارکان شوریٰ کا رویہ ناقابل فہم ہے جو دستور کی بالاتری اور مجلس شوریٰ کی "ہئیت حاکمہ" والی حیثیت اور ایڈہاک کمیٹی کے غیر آئینی ہونے کے بارے میں وہی رائے رکھتے ہیں جو باقی تمام ارکان شوریٰ کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس وقت اس اختلاف میں، مہتمم صاحب کے موقف کی حمایت فرما رہے ہیں، حالانکہ وہ حضرات کبر سنی کی وجہ سے پیدا شدہ اُن کی موجودہ حالت و کیفیت اور اس کے نتائج سے اور دوسرے حالات سے بھی پوری طرح واقف ہیں ——— ہم سب کے لیے یہ مسئلہ بڑی سخت آزمائش کا ہے اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دے کہ ذاتی رجحانات اور ذاتی تعلقات اور اسی طرح ذاتی اختلافات سے بالاتر ہو کر صرف اللہ کی رضا اور دارالعلوم اور جماعت کی فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھ کر اپنے رویہ کے بارہ میں فیصلہ کریں۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے رویہ کی جوابدہی کرنی ہے۔ اللّٰھم اھدنا وسددنا!

(۷)

مصالحت کی ایک کوشش اور اُس کا افسوسناک انجام:-

آخر میں مصالحت کی ایک کوشش اور اس کے انجام کا ذکر کر کے گزارشات کے اس سلسلہ کو ختم کرتا ہوں۔

گزشتہ دسمبر کے پہلے عشرہ میں مولانا منت اللہ رحمانی صاحب، مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب اور مولانا ابوالسعود صاحب لکھنؤ، مولانا علی میاں صاحب کے پاس تشریف لائے،

دارالعلوم دیوبند کے الجھے ہوئے مسئلے کو سلجھانے کے موضوع پر گفتگو ہوتی رہی، یہ عاجز بھی اس میں شریک کیا گیا۔ آخر میں یہ طے ہوا کہ مولانا علی میاں مفاہمت و مصالحت کی گفتگو کے لیے دونوں فریقوں کے اہم ارکانِ شوریٰ کو ۱۹-۲۰ دسمبر کے لیے دعوت دیں۔ چنانچہ مولانا موصوف کی جانب سے ایک طرف سے مولانا مرغوب الرحمٰن اور مولانا محمد عثمان صاحب کو دعوت دی گئی اور ان کے ساتھ مولانا اسعد میاں کو بھی مدعو کیا گیا تاکہ جو کچھ طے ہو وہ بھی اس کے پابند ہوں۔ دوسری طرف سے حضرت مہتمم صاحب، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب مولانا رحمانی صاحب اور ان کے ساتھ جناب شیخ ذوالفقار اللہ صاحب کو بھی دعوت دی گئی جو حضرت مہتمم صاحب کے خاص معتمدین میں سے ہیں ——— مہتمم صاحب کی طرف سے تو بذریعہ تار بمبئی سے اطلاع آگئی کہ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے تشریف نہیں لا سکتے، مفتی صاحب بھی کسی وجہ سے تشریف نہیں لا سکے۔ ۱۹ دسمبر کو صرف مولانا رحمانی صاحب، قاضی مجاہد الاسلام صاحب اور شیخ ذوالفقار اللہ صاحب تشریف لائے ——— دوسری طرف سے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب، مولانا محمد عثمان صاحب اور ان کے ساتھ مولانا اسعد میاں بھی تشریف لائے۔

۱۹ اور ۲۰ دسمبر دونوں دن باہم مشورہ اور تبادلۂ خیال کا سلسلہ جاری رہا، بالآخر اللہ کی توفیق سے ایک فارمولے پر ہم سب کا اتفاق ہو گیا۔

مولانا رحمانی نے فرمایا کہ میں اس فارمولے کو لیکر دہلی جا رہا ہوں، وہاں مفتی صاحب سے بھی بات ہو جائے گی، اور دیوبند سے ہم مولانا محمد سالم صاحب کو بلوائیں گے اور ان کو اس مصالحت پر آمادہ کر کے ان کو ساتھ لیکر میں اور شیخ ذوالفقار اللہ صاحب بمبئی حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں گے، جب وہ اس کو منظور فرما لیں گے تو ان سے عرض کریں گے کہ مجلس شوریٰ کے لیے کوئی تاریخ مقرر فرما کے یہیں سے ارکان کو دعوت نامہ جاری کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے دارالعلوم کا پیڈ بھی ساتھ لیکر جائیں گے‘‘ ——— پھر اس مجلس شوریٰ میں اس فارمولے کو متفقہ طور پر منظور کر لیا جائے گا اور اس طرح یہ نامرضیہ قضیہ انشاء اللہ ختم ہو جائیگا۔

مولانا رحمانی ۲۱ دسمبر کو دہلی روانہ ہو گئے، وہاں سے انھوں نے مولانا محمد سالم صاحب کو دیوبند سے بلوایا، اور فارمولا دکھلایا۔ انھوں نے کہا کہ میں اس کو دیوبند

لیجاؤں گا وہاں اپنے رفقاء سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کرسکوں گا۔ چنانچہ وہ دیوبند لے گئے، ——— معلوم ہوا کہ مولانا رحمانی کئی دن تک اُن کا اور اُن کے جواب کا انتظار دہلی میں فرماتے رہے ——— بعد میں ان کے علم میں آیا کہ وہ تو دیوبند سے (دہلی آکر مولانا رحمانی سے ملے بغیر ہوائی جہاز سے) بمبئی تشریف لے گئے۔ اور مصالحت کا وہ فارمولا اُن کو منظور نہیں ہے۔ اور جب اُن کو منظور نہیں ہے تو بات ختم ہوگئی (معلوم نہیں کہ مہتمم صاحب تک وہ فارمولا پہنچا بھی یا نہیں[۱]) ——— دارالعلوم کے اس سارے فتنہ و فساد کی جڑ بنیاد یہی ہے کہ کوئی فیصلہ کرنا اب خود حضرت مہتمم صاحب کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

لکھنؤ کی مجلس شوریٰ میں پھر مصالحت کی بات اور اس کا انجام :-

۱۷ - ۱۸ جنوری کو لکھنؤ میں مجلس شوریٰ کا جلسہ ہوا، تو مولانا منت اللہ رحمانی صاحب؛ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب، مولانا ابو السعود صاحب، مولانا حکیم محمد زماں حسینی صاحب، اور مولانا حامد الانصاری غازی تشریف لائے (مجلس شوریٰ کے یہی پانچ ارکان ہیں جنکو حضرت مہتمم صاحب کا حامی سمجھا جاتا ہے) اجلاس کے شروع ہی میں ان حضرات کی طرف سے کہا گیا کہ یہ اجلاس غیر آئینی ہے۔ دیر تک اس پر گفتگو ہوتی رہی۔ بالآخر ایک محترم رکن نے یہ کہکر اس کو ختم کرایا کہ اس بحث میں وقت کیوں ضائع کیا جائے۔ جن ارکان کے نزدیک یہ اجلاس آئینی ہے وہ کام شروع کریں، دوسرے حضرات کو اپنے بارے میں اختیار ہے ———

اس کے بعد ان حضرات نے فرمایا کہ آجنڈے کے مطابق کارروائی شروع کرنے سے پہلے مفاہمت اور مصالحت کی کوشش کرلی جائے۔ یہ بات مان لی گئی اور اس کے لیے ایک

---

[۱] اس کے لکھنے کے بعد اس عاجز راقم سطور کو ایک قابل وثوق ذریعہ سے معلوم ہوا کہ پارلیمنٹ کے ایک مخلص ممبر جو چاہتے ہیں کہ دارالعلوم کا مسئلہ کسی طرح سلجھے اسی سلسلہ میں حضرت مہتمم صاحب کے پاس بمبئی پہنچے اور اپنی گفتگو میں لکھنؤ کے اس فارمولے کا بھی ذکر کیا تو مہتمم صاحب نے اس سے لاعلمی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ میں نے تو وہ دیکھا بھی نہیں ———
محمد منظور نعمانی

بجے تک کا وقت مقرر کر دیا گیا اور اُسی فارمولے کی بنیاد پر بات شروع ہوئی جو ۲۰ر دسمبر کو مولانا علی میاں کی دعوت پر لکھنؤ میں مرتب ہوا تھا اور جس کی تیاری میں سب سے زیادہ حصہ مولانا رحمانی کا تھا اور انھوں نے ہی اس کو آخری شکل دی تھی — یہ حضرات اس کی ایک دفعہ میں جو مہتمم صاحب سے متعلق تھی (جس کا حاصل یہ تھا کہ مہتمم صاحب دارالعلوم کے مہتمم تو رہیں گے لیکن دارالعلوم کے دستور اساسی میں مہتمم کے جو فرائض و اختیارات لکھے گئے ہیں، ان کی پیرانہ سالی اور اس غیر معمولی ضعفِ قویٰ کی وجہ سے جس کا ذکر خود انھوں نے اپنی تحریر میں فرمایا تھا (اور جو ظاہر باہر ہے) اُن فرائض و اختیارات کا تعلق اُن سے نہیں رہے گا۔ وہ سردست قائم مقام مہتمم یا نائبین اہتمام کے سپرد کیے جائیں گے) — ان حضرات نے فارمولے کی اس دفعہ میں تبدیلی کا مطالبہ کیا اور اس پر اصرار کیا کہ اختیارات مہتمم صاحب ہی کے پاس رہنے چاہئیں —

مہتمم صاحب کا جو حال گزشتہ چند مہینوں میں تجربہ میں آیا ہے کہ دارالعلوم کے دستور و آئین کے خلاف انھوں نے ۲۰ر اکتوبر کا اجتماع بلا کر ایک ایڈہاک کمیٹی بنائی، ۲۲ر اکتوبر کو اس کمیٹی کا جلسہ بلایا اور خود اس کی صدارت فرمائی، اس جلسہ میں مجلس شوریٰ اور دارالعلوم کے دستور کو کالعدم قرار دیے جانے کا فیصلہ فرمایا گیا، اور بھی اُن کے اس طرح کے متعدد افسوسناک غیر آئینی اقدامات (جنکو یہ پانچوں حضرات بھی افسوسناک غلط اور غیر آئینی ہی سمجھتے ہیں) ان کے بعد کسی با اصول آدمی کے نزدیک اس کا کوئی جواز نہیں ہے کہ دارالعلوم جیسے عظیم و وسیع ادارے کے اختیارات مہتمم صاحب کے ہاتھ میں رہیں — حیرت ہے کہ یہ حضرات اتنی غلط بات کی حمایت و وکالت کئی گھنٹے تک کس طرح فرماتے رہے — بہرحال اس بات کو قبول نہیں کیا جا سکا اور عرض کر دیا گیا کہ اگر آپ حضرات ۲۰ر دسمبر والے فارمولے کے مطابق مصالحت کے لیے حضرت مہتمم صاحب کو آمادہ کر لیں تو مجلس شوریٰ اُس کے لیے ہر وقت تیار ہو گی —

درس قرآن

محمد منظور نعمانی

سُورَۃُ الْقَارِعَۃ

حمد و صلوٰۃ کے بعد

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْقَارِعَۃُ ۝ مَا الْقَارِعَۃُ ۝ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْقَارِعَۃُ ۝ یَوْمَ یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِھْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ ۝ فَھُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ ۝ فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ ۝ وَمَآ اَدْرٰکَ مَاھِیَہْ ۝ نَارٌ حَامِیَۃٌ ۝

وہ کھڑ کھڑانے والی ___ کیا ہے وہ کھڑ کھڑانے والی ___ اور تمھیں کیا معلوم کیا ہے وہ کھڑ کھڑانے والی ___ جس دن لوگ منتشر پتنگوں کی طرح ہو جائیں گے ___ اور پہاڑ دھنکی ہوئی اون کی طرح ___ تو جس کی میزانیں بھاری ہوں گی وہ پسندیدہ عیش میں ہو گا ___ اور جس کی میزانیں ہلکی ہوں گی اس کا ٹھکانا ہاویہ ہو گا ___ اور تمھیں کیا معلوم کیا ہے وہ ہاویہ ایک دہکتی ہوئی آگ ___ (سورۃ القارعہ)

(تفسیر و تشریح) اس سے پہلی سورۂ عادیات کی آخری آیتوں میں قیامت کے بارے میں ان الفاظ میں آگاہی دی گئی تھی۔ اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ ۝

وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ه إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ه (مطلب یہ کہ کیا وہ انسان جانتا نہیں کہ اُس وقت کیا حال ہوگا جب قبروں کے مردے اکھاڑ کے اور زندہ کر کے باہر کر دیے جائیں گے اور سینوں کے راز نکال کے ظاہر کر دیے جائیں گے اُس دن ان کا پروردگار (خداوند تعالیٰ) اُن کی زندگی اور اُن کے ظاہر و باطن سے پوری طرح باخبر ہوگا اور اس کے مطابق جزا اور سزا کا جنت یا دوزخ کا فیصلہ ہوگا)

اور اُس سے پہلی سورت "الزلزال" میں اول سے آخر تک قیامت ہی کے بارہ میں آگاہی دی گئی تھی اور اس طرح اس کا بیان کیا گیا تھا کہ ایک درجہ میں اُس کا ہیبت ناک اور لرزہ خیز منظر آنکھوں کے سامنے آجائے۔ اس کے آخر میں فرمایا گیا تھا "فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ه وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ه" جس کا مطلب یہ تھا کہ جو کوئی اس زندگی اور اس دنیا میں ذرہ برابر نیکی یا بدی کرے گا وہ اس کو وہاں آخرت میں دیکھ لے گا۔ یعنی اُس نیکی یا بدی کی جزا یا سزا ضرور پائے گا۔

اب اس سورت "القارعۃ" میں بھی قیامت ہی کا بیان ہے اور اُس کا انداز بھی ایسا ہی ہے کہ مخاطبین جو قیامت اور آخرت سے غافل ہیں وہ بھی اس کی دہشت ناکی محسوس کریں اور ان کے دلوں میں بھی فکر پیدا ہو جائے ——— فرمایا گیا ہے "القارعۃ" ——— یہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

میں ذکر کر چکا ہوں کہ قرآن پاک میں قیامت کا ذکر مختلف ناموں سے کیا گیا ہے الساعۃ - القیامۃ - الواقعۃ - الآزفۃ - الحاقۃ - الطامۃ - الصاخۃ ——— تو القارعۃ بھی اسی کا ایک نام اور عنوان ہے، جو شخص اس کا مطلب سمجھتا ہو اُس کے لیے اس عنوان ہی میں دہشت بھری ہوئی ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں کھڑ کھڑا ڈالنے والی۔ یعنی جب وہ واقع ہوگی تو سارے عالم کو کھڑ کھڑا ڈالے گی، زیر و زبر کر دے گی۔ اور ساری کائنات میں ہلچل مچا دے گی۔ پھر اس کی ہولناکی اور دہشت ناکی کو اور زیادہ نمایاں کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے "مَا الْقَارِعَةُ" اس کا لفظی ترجمہ تو صرف اتنا ہی ہے کہ "کیا ہوگی

اور کیسی ہوگی وہ کھڑکھڑا ڈالنے والی" لیکن عربی محاورہ کے لحاظ سے اس نے اس دہشت کی کو بدرجہا بڑھادیا جو القارعہ کے لفظ سے مفہوم ہوئی تھی ـــــ اس کے بعد اور ترقی کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ جس کا حاصل ترجمہ یہ ہوگا کہ کیا تم جان سکتے ہو اور کیا سمجھ سکتے ہو کہ وہ کھڑکھڑا ڈالنے والی کیا ہوگی، یعنی وہ جو کچھ اور جیسی کچھ ہوگی وہ تمہارے ادراک کے حدود سے باہر ہے ـــــ یہ وہی انداز بیان ہے جو قیامت کے بارہ میں سورۂ الحاقہ میں اختیار فرمایا گیا تھا ـــــ وہاں فرمایا گیا تھا "الحاقہ ۝ ما الحاقہ ۝ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْحَاقَّةُ ۝

یہ سورہ القارعہ مکی ہے، اس کے اولین مخاطب اہل مکہ تھے جنکی زبان میں قرآن نازل ہوا، وہ اس انداز بیان کی غیر معمولی دہشت ناکی کو محسوس کر سکتے تھے۔ اگر وہ سنجیدگی سے اس کو سنتے تو اُن کے دل لرز جاتے اور قیامت و آخرت سے غفلت و بے فکری ختم ہو جاتی۔

آگے مختصر الفاظ میں قیامت کے ہولناک منظر کی بس ایک جھلک دکھلائی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے یَوْمَ یَكُوْنُ النَّاسُ کالفراش المبثوث ۝ وتکون الجبال کالعھن المنفوش ۝۔

فراش پتنگوں اور پروانوں کو کہتے ہیں جو خاص طور سے برسات میں روشنی پر آتے ہیں۔ مبثوث کے معنی ہیں منتشر، بکھرے ہوئے۔ عھن کے معنی اون اور منفوش کے معنی دھنکی ہوئی ـــــ روشنی پر جو پتنگے آتے ہیں وہ کثرت کے لحاظ سے لاتعداد ہوتے ہیں، ساتھ ہی منتشر ہوتے ہیں ایک کو دوسرے سے کوئی ربط و تعلق نہیں ہوتا۔ "یوم یکون الناس کالفراش المبثوث ۝" کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کا دن وہ دن ہوگا جب اللہ کے حکم سے سب آدمی اولین و آخرین دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور محشر میں اُن کا وہ منظر ہوگا جو پتنگوں کا ہوتا ہے۔ یعنی وہ منتشر ہوں گے۔ نفسی نفسی کا عالم ہوگا، کوئی کسی کا حامی اور مددگار نہ ہوگا، ہر ایک کو بس اپنی پڑی ہوگی۔

آگے فرمایا گیا ہے "وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ مطلب یہ ہے کہ

قیامت کے دن وہ پہاڑ جو اس دنیا میں سب سے سخت چیز ہے، لوہا آگ میں ڈالدینے سے پگھل جاتا ہے لیکن پتھر نہیں پگھلتا۔ ان پہاڑوں کا اس دن یہ حال ہوگا کہ وہ دھنکی ہوئی اون کی طرح ہوں گے جس کا ریشہ ریشہ الگ ہوجاتا ہے اور ہوائیں اس کو ادھر سے اُدھر اڑائے جاتی ہیں۔ مکہ معظمہ اور اس کا قرب و جوار زراعتی علاقہ نہیں تھا، وہاں کپاس اور روئی نہیں ہوتی تھی۔ اونٹ اور بھیڑ کے اُون کو دُھنک کر کاتا جاتا تھا اور اس سے کپڑا اُبنا جاتا تھا۔ ہماری زبان میں کہا جائے گا کہ پہاڑ اُس دن دھنکی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح ہوں گے جو ہواؤں کے ساتھ اڑتے اور تیرتے ہوں گے۔

روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ کے کفار و مشرکین کے سامنے قیامت کا ذکر فرماتے اور ان کو قرآن کی وہ آیات سناتے جن میں بتلایا گیا ہے کہ قیامت جب آئے گی تو سارے عالم کو زیر و زبر اور ساری کائنات کو کالعدم کردے گی تو وہ کہتے کیا وہ ان پہاڑوں کو بھی اکھاڑ سکے گی، اُن کے نزدیک پہاڑ ایسی چیز تھی کہ اس کو کوئی حادثہ اور کوئی طاقت اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتی۔ اس آیت میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے "وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ" یعنی یہ پہاڑ جن کو تم ناقابل شکست سمجھتے ہو، قیامت کے دن ان کا یہ حال ہوگا کہ جس طرح دھنکی ہوئی اون کا ریشہ ریشہ الگ ہوجاتا ہے اسی طرح یہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے ۔۔۔۔۔ سورہ مزمل میں فرمایا گیا ہے وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ٥ کہ قیامت کے دن پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر ادھر سے اُدھر جانے والے ریگ کے ڈھیر کی طرح ہوجائیں گے ۔۔۔۔۔

آگے قیامت میں ہر انسان کے سامنے آنے والے انجام کا بیان فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے "فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ٥ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ٥ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ ٥ نَارٌ حَامِيَةٌ ٥ ۔۔۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ پھر وہاں ہر آدمی کے ایمان اور عمل کی جانچ اور تول ہوگی، تو ایمان و عمل کے وزن سے جس کی میزانیں بھاری ہوں گی وہ پسندیدہ عیش میں ہوگا یعنی جنت میں عیش اور چین کرے گا اور ہر طرح سے راضی اور خوش ہوگا۔ اور جس کی میزانیں ایمان و عمل

کا وزن نہ ہونے کی وجہ سے ہلکی ہوں گی اُس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا یعنی دوزخ کا کھڈ اور گڑھا۔ پھر عذاب کے لحاظ سے اس ہاویہ کے غیر معمولی پن کو ظاہر کرنے کے لیے فرمایا گیا "وَمَا اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ" یعنی تم کیا جان سکتے ہو اور کیا سمجھ سکتے ہو کہ وہ ہاویہ کیا ہے اور کیسی ہے، مطلب یہ ہے کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے ——— آگے فرمایا وہ ایک غیر معمولی قسم کی آگ ہے دہکتی ہوئی اور بھڑکتی ہوئی۔ (نَارٌ حَامِيَةٌ)

اِن آیتوں میں بتلایا گیا ہے کہ جب قیامت برپا ہوگی اور انسانوں کا اور پہاڑوں کا وہ حال ہوگا جو اوپر بیان ہوا تو محشر میں ہر آدمی کے ایمان و عمل کی جانچ ہوگی اور وزن کیا جائے گا ——— قرآن پاک میں جا بجا اس وزن اور جانچ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سورۂ اعراف میں فرمایا گیا ہے "وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ" یعنی قیامت کے دن آدمیوں کے ایمان و اعمال کا وزن کیا جانا، تولا جانا حق ہے، اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں۔

آگے اِس وزن اور جانچ کا نتیجہ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جس کی میزانیں بھاری ہوں گی یعنی جس کے ایمان و اعمال میں وہ وزن ثابت ہوگا جو اس کو نجات اور جنت کا مستحق ٹھیرائے تو اس کے لیے جنت کا فیصلہ ہو جائے گا اور وہاں اس کو اس کی پسندیدہ زندگی نصیب ہوگی جس سے وہ ہر طرح راضی اور خوش ہوگا اور جس کی میزانیں ہلکی رہیں گی یعنی ایمان اور اعمالِ صالحہ کے وزن سے خالی ثابت ہوں گی تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا یعنی دوزخ کا گڑھا جو دہکتی اور بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی۔

جیسا کہ میں نے ابھی کہا قرآن پاک میں یہ مضمون بہت سے مقامات پر بیان فرمایا گیا ہے کہ قیامت میں آدمی کے اعمال کا وزن کیا جائے گا، ایمان بھی انسان کے اعمال میں سے ایک عمل ہے وہ ہاتھ پاؤں کا عمل نہیں ہے بلکہ دل کا عمل اور فعل ہے اس کا بھی وزن کیا جائے گا، اور اس وزن کے بعد ہی جنت یا دوزخ کا فیصلہ ہوگا۔ حدیث کے ذخیرہ میں اس مضمون کی حدیثیں بہت ہیں اور بعض حدیثوں میں اس وزن اور تول کی کچھ تفصیل بھی ہے ——— جس طرح قیامت پر اور جنت دوزخ پر ایمان لانا ضروری اور شرطِ ایمان ہے اسی طرح آخرت کی میزان اور وزنِ اعمال پر ایمان لانا اور یقین کرنا بھی ایمان کی شرط ہے ——— ہاں ان چیزوں کی حقیقت اور کیفیت وہاں جا کر ہی معلوم ہوگی ———

اس زندگی میں یہ سب ہمارے لیے عالم غیب کی چیزیں ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایمان تو غیب ہی کی چیزوں پر لایا جاتا ہے ۔۔۔ زمین آسمان، سورج چاند جیسی چیزوں کے ماننے کو ایمان نہیں کہا جاتا، یہ چیزیں تو آنکھوں سے نظر آتی ہیں۔ ہاں اللہ، اس کے فرشتے، اور وحی و رسالت، اور قیامت اور جنت اور دوزخ جیسے غیبی حقائق کے ماننے اور ان پر یقین لانے کو ایمان کہا جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے "یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ"

بہرحال قیامت میں ایمان و عمل کا وزن برحق ہے اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں ۔۔۔ کسی کو یہ وسوسہ ہو سکتا ہے کہ وزن تو کسی مادی چیز ہی کا کیا جا سکتا ہے، اور ہمارے ایمان اور اسی طرح اعمال تو کوئی مادی چیز نہیں ہیں تو پھر ان کا وزن کس طرح کیا جا سکتا ہے ۔۔۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات کہ وزن صرف مادی چیز ہی کا کیا جا سکتا ہے یہ ہماری اس دنیا اور اس عالم کا قانون ہے اور ہم انسانوں کی قدرت و صلاحیت کے لحاظ سے ہے، آخرت کے عالم میں ہزاروں لاکھوں وہ چیزیں سامنے آئیں گی جن کو یہاں ہماری عقل ناممکن سمجھتی ہے، وہاں اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا ظہور ہوگا جس کا ظہور ہماری اس دنیا میں نہیں ہو رہا ہے، اسی میں سے ایک یہ بات بھی ہوگی کہ وہاں ایمان اور اعمال اور ہمارے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ بھی تولے جائیں گے۔ بخاری شریف کی آخری حدیث جس پر امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری کو ختم کیا ہے یہ مبارک حدیث ہے۔

کلمتان خفیفتان علی اللسان	دو کلمے ہیں جو زبان پر بہت ہلکے
ثقیلتان فی المیزان سبحان	پھلکے ہیں، وہ آخرت کی میزان میں
اللہ وبحمدہ سبحان اللہ	بہت بھاری ہوں گے　سُبحان
العظیم ۰	اللہ وبحمدہ، سُبحان اللہ العظیم

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ یہ دو کلمے، قیامت میں ان کا وزن کیا جائے گا اور یہ بہت بھاری اور وزنی ثابت ہوں گے ۔۔۔ ہماری عقل کا حال یہ ہے کہ اگر دو سو برس پہلے کوئی کہتا کہ انسان کے جسم کی حرارت ناپی اور تولی جاتی ہے تو ہم اس کو ناممکن سمجھتے لیکن تھرمامیٹر ایجاد ہو گیا اس کا یہی کام ہے کہ اس سے جسم کی حرارت ناپی اور

تولی جاتی ہے کہ وہ کس درجہ پر ہے۔ فضا میں جو گرمی یا ٹھنڈک ہوتی ہے اس کا بھی ناپنے کا آلہ ہے، ہوا کے بھی ناپنے اور تولنے کا آلہ ہے ـــــ یہ تو یہاں اس دنیا کی ایجادوں کا حال ہے۔ ان چیزوں کو سامنے رکھا جائے تو اس وسوسہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ قیامت میں ایمان اور عمل کا وزن کس طرح ہوگا ـــــ ہاں اس وزن اور تول کی اور وزن کے آلہ "میزان" کی حقیقت اور کیفیت وہیں جاکر معلوم ہوگی، اور عالم آخرت کی سب ہی چیزوں کا حال یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کا مکلف نہیں کیا کہ ہم اس کی حقیقت اور کیفیت کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس طرح کی چیزیں قرآن و حدیث میں اس لیے بیان کی گئی ہیں کہ ہم اُن پر دل سے یقین کر کے اپنی زندگی کو ایمان اور عمل صالح والی زندگی بنانے کی کوشش کریں تاکہ قیامت میں جب ہمارے ایمان اور اعمال کا وزن ہو تو ہم اُن خوش نصیب بندوں میں ہوں جن کے لیے نجات اور جنت کا فیصلہ سنایا جائے۔ ان بدنصیبوں میں نہوں جن کے پلے میں ایمان اور اعمال صالحہ کا وزن نہ ہو، اس کے برخلاف انھوں نے کفر و نفاق اور بدعملی کی زندگی گزاری ہو اور ان کے لیے ہاویہ یعنی دوزخ کا فیصلہ ہو ـــــ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

احکام الجنائز

مولانا سید جلال الدین عمری

(۳)

غسل میت فرض ہے

کسی بھی مسلمان کے انتقال کے بعد شریعت کی رو سے یہ مسلم معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے غسل، تکفین، نماز جنازہ اور تدفین کا انتظام کرے۔ اسے فرض کفایہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب شرح کبیر میں ہے۔

غسل المیت ودفنہ وتکفینہ والصلوٰۃ علیہ فرض کفایۃ[1]	میت کو غسل دینا، اسے دفن کرنا، اسے کفن دینا اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا فرض کفایہ ہے

علامہ ابن ہمام کہتے ہیں :۔

غسل المیت فرض بالاجماع[2]	غسل میت کے فرض ہونے پر اجماع ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک غسل میت سنت ہے۔ ایک روایت ان سے یہ بھی ہے کہ وہ سنت موکدہ ہے۔ لیکن جمہور نے اسے فرض کفایہ قرار دیا ہے۔[3]
ابن رشد مالکی کہتے ہیں کہ غسل میت کو فرض کفایہ بھی کہا گیا ہے اور سنت کفایہ بھی۔

---

[1] الشرح الکبیر ۲/۳۰۹ [2] فتح القدیر ۱/۴۴۷ [3] نووی: شرح مسلم ۱/۳۰۴

فقہ مالکی میں دونوں ہی رائیں پائی جاتی ہیں[۱]
لیکن فقہ مالکی میں بھی اکثریت کی رائے یہی ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے بلکہ اسی کو ترجیح حاصل ہے۔ چنانچہ اقرب المسالک اور اس کی شرح میں ہے۔

غسل المیت...... والصلاۃ علیہ فرضا کفایۃ...... ککفنہ ودفنہ فانھما فرضا کفایۃ اجماعا[۲]

میت کو غسل دینا...... اور اس پر نماز پڑھنا دونوں فرض کفایہ ہیں...... جیسے کہ اسے کفن دینا اور دفن کرنا۔ ان دونوں کے فرض کفایہ ہونے پر تو اجماع ہے۔

جمہور کی ایک دلیل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات ہیں، جن میں میت کو غسل دینے کا حکم ہے[۳]۔ دوسری دلیل امت کا تعامل ہے۔ امت نے (شہداء کے علاوہ) کبھی کسی میت کو غسل دیے بغیر دفن نہیں کیا۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی طاہر و مطہر ہستی کو غسل دیا گیا تو دوسروں کو غسل دینا بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا[۴]۔
اس سلسلہ میں علامہ زیلعی فرماتے ہیں:۔

وقد غسل سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو اشرف المخلوقین وامر بتغسیل ابنتہ وغسل ابوبکر بعدہ والناس یتوارثون خلفاً عن سلف ولم ینقل عن احد من المسلمین انہ مات فدفن من غیر غسل الا الشھداء[۵]

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا گیا جب کہ آپ ساری مخلوق میں بزرگ و برتر ہیں۔ آپ نے اپنی صاحبزادی کو غسل دینے کا حکم فرمایا۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کو غسل دیا گیا اور لوگ سلف سے خلف تک اس پر عمل کرتے چلے آئے ہیں۔ مسلمانوں میں سے کسی ایک کے بارے میں کبھی نہیں آتا کہ اس کا انتقال ہوا ہو اور اسے غسل دیے بغیر دفن کیا گیا ہو سوائے شہداء کے۔

۱؎ بدایۃ المجتہد ۱/۲۱۰ ۲؎ الشرح الصغیر علی اقرب المسالک ۱/۵۴۳-۵۴۴ ۳؎ اس سلسلہ کی روایات کے لیے ملاحظہ ہو نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ۲/۲۵۵-۲۵۶۔ بعض روایات اسی مضمون میں آگے آرہی ہیں۔ ۴؎ فتح الباری ۳/۸۱
۵؎ نصب الرایہ ۲/۲۵۶

غسل میت کی حکمت

بیماری میں بالعموم پاکی صفائی کا اہتمام نہیں ہو پاتا جسم میں میل کچیل جمع ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اس کی وجہ سے بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر کسی بیماری کے بغیر اچانک انتقال ہو جائے تو بھی جان کنی کی تکلیف میں جسم سے گندگی کے خارج ہونے کا امکان رہتا ہے غسل کا مقصد تطہیر ہے تاکہ اگر جسم پر کوئی گندگی ہو تو دور ہو جائے اور میت پاک صاف ہو کر اپنے رب کے حضور پہونچے اس کے ساتھ یہ میت کو عزت و احترام کے ساتھ رخصت کرنے کا ایک فطری طریقہ بھی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رح فرماتے ہیں :-

ولا شیئ فی تکریم المیت مثلہ [۱]	میت کی تعظیم و تکریم میں غسل جیسا کوئی دوسرا عمل نہیں ہے۔

غسل میت کی بعض تفصیلات

احادیث میں جہاں میت کے غسل کا حکم دیا گیا ہے وہیں اس کا طریقہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ بعض تفصیلات فقہا کے ہاں ملتی ہیں۔ ذیل میں ایک خاص ترتیب سے اسے پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

تخت پر غسل دیا جائے

میت کو کسی تخت پر غسل دینا چاہیے اس سے غسل دینے اور پانی بہانے میں آسانی ہوتی ہے۔ زمین پر غسل دینے میں میت کے مٹی میں لت پت ہونے کا اندیشہ ہے۔ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں :-

یُستحبّ ان یغسل المیت علیٰ سریر یترکہ علیہ متوجّھاً الی القبلۃ منحدرا نحو	پسندیدہ یہ ہے کہ میت کو تخت پر غسل دیا جائے۔ قبلہ کی طرف اس کا رخ کر کے اسے لٹا دیا جائے۔ تخت

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ ۲/

رجليه ليسنحد رالماء بما يخرج منه ولا يرجع الى جهتي راسه[۱]

پر غسل دیا جائے۔ تختہ اس کے پیروں کی طرف جھکا ہوا رہے تاکہ جو پانی جو آلائش نکلے اس کے ساتھ نیچے کی طرف بہہ جائے اور سر کی جانب پلٹ کر نہ جائے۔

ہدایہ میں ہے:۔

اذا ارادوا غسله وضعوه على سرير لينصب الماء عنه[۲]

جب میت کے غسل کا ارادہ کریں تو اسے تختہ پر لٹا دیں تاکہ اس کے نیچے سے پانی بہہ جائے

تختہ کس طرح رکھا جائے اس کے بارے میں علامہ اکمل الدین بابرتی کہتے ہیں کہ ہمارے علماء (احناف) میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ اس کا طول قبلہ کی طرف ہونا چاہیے تاکہ میت اس طرح لٹائی جائے جیسے کہ انسان بیماری میں اشاروں سے نماز پڑھتے وقت لیٹتا ہے۔ بعض دوسرے حضرات کی رائے یہ ہے کہ تختہ کا عرض قبلہ کی طرف ہونا چاہیے جیسے کہ میت کو دفن کرتے وقت ہوتا ہے۔ لیکن شمس الائمہ سرخسی کہتے ہیں۔

والاصح انه يوضع كيف اتفق فانه يختلف باختلاف الاماكن والمواضع[۳]

زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ جیسے مناسب ہو اسے رکھا جا سکتا ہے اس لیے کہ اس میں جگہ اور مقام سے فرق پڑتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ جن مسائل میں کتاب وسنت کا کوئی واضح حکم نہ ہو ان میں اس طرح کی گنجائش لازماً ہونی چاہیے اس سے بہت سی مشکلیں حل ہوتی ہیں اور انسان خواہ مخواہ کی الجھنوں سے بچا رہتا ہے۔

میت کو کس طرح تختہ پر لٹایا جائے اس کے بارے میں علامہ اکمل الدین بابرتی

۱۔ المغنی ۲/۳۱۹ ۲۔ ہدایہ ۱/۱۵۰ ۳۔ العنایہ علی الھدایہ علی ہامش فتح القدیر ۱/۴۴۸

فرماتے ہیں:-

لیس فیہ روایۃ الاان المعروف فیہ ان یوضع مستلقیا علی قفاہ[۱]

اس سلسلہ میں (متقدمین احناف سے) کوئی روایت منقول نہیں ہے۔ البتہ دستور یہ ہے کہ اسے چت لٹایا جائے

خوشبو کا استعمال

خوشبو کا استعمال مسنون اور مستحب ہے۔ شریعت انسان کے اندر پاکی صفائی کا جو اعلیٰ ذوق پیدا کرنا چاہتی ہے یہ اسی کا ایک حصہ ہے اس نے میت کے لیے خوشبو کے استعمال کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اذا اجمرتم المیت فاجمروہ ثلاثا[۲]

جب میت کو خوشبو دو تو تین تین بار دو

فقہا نے تین مواقع پر میت کے سلسلہ میں خوشبو کے استعمال کا ذکر کیا ہے۔ ایک اس وقت جب کہ روح قبض ہو تاکہ جو بدبو پھیلے وہ دور ہو سکے، دوسرے غسل کے وقت تیسرے اس وقت جب کفن پہنایا جائے۔ البتہ جنازہ کے پیچھے عود دان لے کر چلنا یا قبر میں خوشبو کے لیے اسے استعمال کرنا صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں صراحتاً اس سے منع کیا گیا ہے[۳]۔

اس روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ خوشبو کا استعمال جب ہو تو تین مرتبہ ہونا چاہیے۔ اسی روایت کے دوسرے الفاظ بتاتے ہیں کہ خوشبو کا استعمال طاق عدد میں ہونا چاہیے۔ وہ الفاظ یہ ہیں:-

اذا اجمرتم المیت فاوتروا[۴]

جب میت کو خوشبو دو تو اس کی تعداد طاق رکھو۔

غسل دیتے وقت خوشبو کے استعمال کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب تخت پر میت کو غسل دیا جائے پہلے اس کے اطراف اگردان یا انگیٹھی میں عود اور لوبان جیسی بخور

---

[۱] حوالہ سابق [۲] مسند احمد ۳/۳۳۱ [۳] فتح القدیر ۲/۴۴۹ [۴] مستدرک حاکم ۱/۳۵۵

ڈال کر تین، پانچ یا زیادہ سے زیادہ سات مرتبہ گھما دیا جائے۔ پھر غسل دیا جائے[1]

غسل کے وقت میت کی ستر پوشی

میت کو غسل دیتے وقت اسے بالکل برہنہ نہیں کر دینا چاہیے بلکہ ناف سے گھٹنوں تک کسی کپڑے سے ڈھک دینا چاہیے تاکہ اس کی بے ستری نہ ہو۔ زندہ انسان کے جسم کے جن حصوں کو دیکھنا ناجائز ہے میت کے بھی ان حصوں کو دیکھنا ناجائز ہے۔ حضرت علیؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لا تبرز فخذك ولا تنظر الی فخذ حيّ ولا ميت[2]

اپنی ران نہ تو کسی کے سامنے کھولو اور نہ کسی زندہ یا مردہ انسان کی ران تم دیکھو۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میت کو پتلی سی قمیص میں جس میں کہ پانی آسانی سے بدن تک پہونچ جائے غسل دیا جائے اور قمیص میں ہاتھ ڈال کر بدن ملا جائے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قمیص ہی میں غسل دیا گیا تھا۔ لیکن جمہور کے نزدیک جس طرح انسان اپنی زندگی میں ستر چھپانے کے بعد کپڑے اتار کر غسل کرتا ہے اسی طرح اس کے مرنے کے بعد بھی اس کی ستر پوشی کے بعد کپڑے اتار کر اسے غسل دینا چاہیے۔ یہی فطری طریقہ ہے اور قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے۔ عہد رسالت اور صحابہؓ میں اسی کا رواج تھا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں

---

[1] فتح القدیر ۲/۴۴۹، رد المحتار علی الدر المختار ۱/۸۰۰ [2] ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب فی ستر المیت عن غسلہ۔ ابن ماجہ، ابواب الجنائز، باب ما جاء فی غسل المیت۔ ہدایہ میں فقہ حنفی کا صحیح مسلک یہ بتایا گیا ہے کہ صرف شرمگاہ پر کپڑا ڈال دیا جائے تاکہ غسل دینے میں آسانی ہو۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی مذکورہ بالا روایت کی بنا پر امام زیلعی نے کہا ہے کہ صحیح مسلک یہی ہے کہ ناف سے گھٹنوں تک کپڑا پڑا رہے۔ فتح القدیر ۱/۴۴۸۔ یہی فقہ مالکی کا مسلک ہے (الشرح الصغیر ۱/۵۴۶) فقہ حنبلی کی کتاب الشرح الکبیر میں ہے یجب ستر عورۃ المیت بغیر خلاف نعلمہ وھو ما بین سرتہ الی رکبتہ ۲/۳۱۵۔ فقہ حنفی کا مسلک اوپر بیان ہو چکا ہے۔

لما ارادوا غسل النبی صلی اللہ
علیہ وسلم قالوا واللہ ما
ندری أنجرد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم من
ثیابہ کما نجرد موتانا
ام نغسلہ وعلیہ ثیابہ فلما
اختلفوا القی اللہ علیہم
النوم حتی ما منہم رجل
الا وذقنہ فی صدرہ ثم
کلمہم مکلم من ناحیۃ
البیت لا یدرون من ھو
ان اغسلوا النبی صلی اللہ
علیہ وسلم وعلیہ ثیابہ
فقاموا الی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم
فغسلوہ وعلیہ قمیصہ
یصبون الماء فوق القمیص
ویدلکونہ بالقمیص
دون ایدیہم[۵]

جب صحابہ کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو انھوں
نے کہا کہ خدا کی قسم ہمیں نہیں معلوم ہے
کہ آپ کے کپڑے اتار دیے جائیں جس
طرح ہم اپنے مرنے والوں کے کپڑے
انھیں غسل دینے کے لیے اتار دیتے ہیں
یا یہ کہ بدن مبارک پر جو کپڑے ہیں انھیں
رہنے دیں اور ان کے اوپر ہی سے
غسل دے دیں جب اس پر ان کے
درمیان اختلاف ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ
نے ان پر نیند طاری کر دی۔ اتنی اس
قدر غلبہ ہوا کہ ہر شخص کی ٹھوڑی اس کے
سینہ سے جا لگی۔ پھر گھر کے گوشہ سے
کسی بولنے والے نے جس کے بارے
میں انھیں پتہ نہیں چلا کہ وہ کون تھا،
ان سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو
اس طرح غسل دو کہ آپ کے کپڑے آپ
کے بدن ہی پر رہیں (صحابہ کرام نے
اسے ایک غیبی آواز سمجھا) چنانچہ
قمیص کے اوپر ہی سے انھوں نے آپ کو
غسل دیا اس طرح کہ قمیص پر پانی
ڈالتے تھے اور ہاتھ لگائے بغیر قمیص
ہی پر سے بدن مبارک کو ملتے تھے۔

---

۵ ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب فی ستر المیت عند غسلہ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کا یہی دستور تھا کہ میت کے کپڑے اتار کر اسے غسل دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ اسے باقی رکھا۔ اس لیے اسی کو سنت کہا جائے گا۔ یہ ایک مخصوص معاملہ تھا کہ جن کپڑوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا ان ہی میں آپ کو غسل دیا گیا۔

غسل دیتے وقت کپڑے اتارنے کی حکمت یہ ہے کہ اس طرح میت کو آسانی سے اور اچھے طریقہ سے غسل دیا جاسکتا ہے۔ کپڑوں کے ساتھ غسل دینے میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ جان کنی کی تکلیف سے ان میں جو گندگی ہو جاتی ہے پانی کے پڑنے کے بعد وہ مزید پھیلے گی اور میت اس سے آلودہ ہوگی۔ رسول اللہ کا جسد اطہر جس طرح حیات مبارکہ میں پاک صاف رہتا تھا اسی طرح انتقال کے بعد بھی پاک صاف رہا۔ حضرت علی کا بیان ہے کہ آپ کو غسل دیتے وقت میں نے سوچا کہ جس طرح میت کو صاف کرنے کی ضرورت پڑتی ہے ایسی کوئی ضرورت ہو تو میں وہ پوری کردوں لیکن میں نے دیکھا کہ جسم مبارک پر گندگی کا نام و نشان نہ تھا۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا

طِبْتَ حَيًّا وَطِبْتَ مَيِّتًا[1] — جب آپ زندہ تھے تب بھی پاک تھے اور انتقال کے بعد بھی آپ پاک ہی رہے۔

اس وجہ سے آپ کو اگر کپڑوں میں غسل دیا گیا تو اس پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا[2]

پانی اور بیری کے پتوں کا استعمال

میت کو جس پانی سے غسل دیا جائے حدیث میں آتا ہے کہ اس میں بیری کے پتے ڈالے جائیں۔ حضرت ام عطیہؓ کی روایت ہے

دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین توفیت — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت زینب یا حضرت ام کلثومؓ)

---

[1] ابن ماجہ، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی غسل النبیؐ [2] ملاحظہ ہو فتح القدیر ۱/۴۴۸۔ المغنی لابن قدامہ ۲/۳۱۶

ابنته فقال اغسلنها ثلاثا او خمسا او اكثر من ذلك ان رأيتن ذلك بماء وسدر واجعلن في الآخرة كافورا او شيئا من كافور ١ه

کا انتقال ہوا آپ ہمارے پاس تشریف لائے۔ ارشاد فرمایا پانی میں بیری کے ڈال کر اسے تین یا پانچ مرتبہ غسل دو۔ اگر ضرورت سمجھو تو اس سے زیادہ بھی پانی بہا سکتی ہو۔ آخری بار پانی میں کافور ملا لو۔ راوی کا بیان ہے کہ یا یہ آپ نے فرمایا کہ تھوڑا سا کافور ملا لو۔

حنابلہ اور شوافع وغیرہ کے نزدیک ٹھنڈے پانی سے غسل دینا بہتر ہے، اس لیے کہ میت اس سے دیر تک صحیح حالت میں رہ سکتی ہے۔ گرم پانی سے اس کے جلد خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ بیری کے استعمال کا طریقہ انھوں نے یہ لکھا ہے کہ اسے کوٹ کر باریک کر کے پانی میں خوب ہلایا جائے جب جھاگ نکلنے لگے تو اس سے غسل دیا جائے۔ طویل علالت یا کسی اور وجہ سے میل کچیل زیادہ ہو تو گرم پانی بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ ٢ه

فقہ حنفی میں بیری کے استعمال کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ پانی میں اس کے پتے ڈال کر اسے پکا لیا جائے اور اسی سے غسل دیا جائے۔ فقہاء احناف کے نزدیک گرم پانی سے غسل دینا پسندیدہ ہے۔ اس لیے کہ اس سے میل کچیل آسانی سے صاف ہوتا ہے اور یہی غسل کا اصل مقصد ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

ويغلى الماء بالسدر او بالحرض مبالغة في التنظيف ٣ه

پانی میں بیری کے پتے یا اشنان ڈال کر پکا لیا جائے تاکہ خوب اچھی طرح صفائی ہو سکے۔

١ه بخاری، کتاب الجنائز، باب غسل المیت ووضوئہ بالماء والسدر۔ مسلم، کتاب الجنائز۔ اس حدیث میں میت کو غسل دینے کا بھی حکم ہے جو فقہاء کے نزدیک واجب ہے اور تین پانچ یا اس سے زیادہ بار پانی بہانے کا بھی حکم ہے۔ یہ مستحب ہے۔ اس طرح ایک ہی حکم ہے لیکن اس سے ایک معاملہ میں وجوب اور دوسرے میں استحباب نکلتا ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری ۳/۴۳۔۴۴ ٢ه المغنی لابن قدامہ اور الشرح الکبیر ۲/۳۲۱ ٣ه ہدایہ ۱/

فقہ حنفی کی رو سے میل کچیل ہو یا نہ ہو گرم پانی بہرحال بہتر ہے البتہ پانی زیادہ گرم نہیں ہونا چاہیے، نیم گرم ہونا چاہیے۔ یہ سمجھ کر میت کے ساتھ سلوک کرنا چاہیے کہ جن چیزوں سے زندہ انسان تکلیف محسوس کرتا ہے ان سے میت کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔[1]

بیری کے پتوں کے استعمال کا جو حکم دیا گیا ہے اس کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس سے میل کچیل صاف ہوتا ہے، چہرہ میں نرمی اور ملائمت پیدا ہوتی ہے اور مکھیاں دور بھاگتی ہیں۔ اسی وجہ سے ان کا سفوف زخموں کے لیے بھی مفید ہے۔ زخم اس سے مندمل ہوتے ہیں۔[2]

بیری یا اس کے پتوں کا استعمال صفائی کے لیے ہوتا ہے اس لیے وہ اگر نہ ہو تو صابون اور اشنان (ایک قسم کی گھاس جو صفائی کے لیے استعمال ہوتی ہے) وغیرہ سے بھی غسل دیا جا سکتا ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:-

فان لم یجد السدر غسله بما یقوم مقامه ویقرب منه کالخطمی ونحوه لان المقصود یحصل منه وان غسله بذلك مع وجود السدر جاز لان الشرع ورد بهذا المعنی معقول وهو التنظیف فیتعدی الی کل ما وجد فیه المعنی[3]

غسل دینے والے کو اگر بیری نہ ملے تو جو چیز اس کے قائم مقام اور اس سے قریب ہو جیسے خطمی وغیرہ تو اس سے وہ غسل دے گا بلکہ بیری کے ہوتے ہوئے بھی اگر وہ اس سے غسل دے تو جائز ہے۔ اس لیے کہ شریعت نے بیری کے استعمال کا حکم ایک ایسی وجہ سے دیا ہے جو سمجھ میں آتی ہے یعنی اور وہ ہے پاکی صفائی۔ لہذا جن چیزوں سے بھی یہ مقصد حاصل ہو ان سب تک یہ حکم وسیع ہوگا۔ (سب کا استعمال صحیح ہوگا۔)

---

[1] رد المحتار علی الدر المختار ۱/۸۰۲ [2] رد المحتار علی الدر المختار ۱/۸۰۱ [3] المغنی ۲/۳۲۳

یہی بات فقہ حنفی میں اس طرح کہی گئی ہے کہ آسانی سے یہ چیزیں دست یاب نہ ہوں تو صرف پانی سے بھی غسل ہو سکتا ہے اس لیے کہ پاکی صفائی کے لیے اصل پانی ہی ہے۔ چنانچہ تنویر الابصار میں ہے:۔

ویصب علیہ ماء مغلی بسدر او حرض ان تیسر والا فماء خالص[1]

بیری کے پتے یا اشنان ڈال کر جس پانی کو ابال لیا جائے وہ میت پر بہایا جائے گا بشرطیکہ آسانی سے مل جائیں۔ ورنہ خالص پانی بھی کافی ہے۔

ہدایہ میں ہے:۔

فان لم یکن فالماء القراح لحصول اصل المقصود[2]

اگر بیری یا اشنان نہ ہو تو خالص پانی سے غسل دیا جائے گا اس لیے کہ اس سے بھی اصل مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

فقہ مالکی میں ہے:۔

وندب سدر لازالۃ الوسخ ...... فان لم یوجد سدر فکصابون او غاسول یفرک بہ جسدہ ثم یفیض علیہ الماء للتنظیف[3]

میل دور کرنے کے لیے بیری کا استعمال مندوب ہے ...... اگر بیری نہ ملے تو صابون یا غاسول (ایک قسم کی گھاس) جیسی کوئی چیز استعمال کی جائے۔ اس سے میت کا جسم ملا جائے گا اور پاکی کے لیے پانی بہایا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے مسائل میں شریعت نے بڑی گنجائش رکھی ہے۔ فقہاء نے صراحت کیساتھ اسے بیان کیا ہے اس پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان مسائل کی نوعیت اسطرح کی بندشوں کی ہرگز نہیں ہے جو دنیا کے بہت سے مذاہب میں موت و زیست دونوں کے سلسلہ میں پائی جاتی ہیں۔ ہاں اگر ان کو وہ اہمیت دی جانے لگے جو خود شریعت نے نہیں دی ہے یا ان پر اصرار ہونے لگے تو آہستہ آہستہ ان کی حیثیت ان رسوم کی سی ہو جاتی ہے جنکی ادائیگی ہر حال میں لازم قرار پاتی ہے۔ اس سے احتراز کرنا چاہیئے۔

---

[1] ردالمحتار ۱/ ۲۰۱-۲۰۲ [2] ہدایہ ۱/ [3] الشرح الصغیر علی اقرب المسالک ۱/ ۵۴۶-۵۴۷

کتب خانہ الفرقان میں دیگر اداروں کی اہم دینی مطبوعات

کا ذخیرہ بھی رہتا ہے۔ جن میں سے کچھ کتابوں کی مختصر فہرست درج ذیل ہے

قرآن مجید وحمائلیں

قرآن مجید حوالہ ۱۵ مترجم مولانا اشرف علی تھانوی
مجلد ریگزین ۴۰/-
قرآن مجید مترجم ومحشی ترجمہ از مولانا محمود الحسن صاحب
تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی مجلد ریگزین ۵۰/-
قرآن مجید حوالہ ۱۵ اشرفی مترجم انجمن طباعت
مجلد پلاسٹک ۲۷/- مجلد ریگزین ۴۲/-
قرآن مجید معریٰ حوالہ ۱۲۶ حافظی
سائز ۲۰×۲۶/۸ مجلد ریگزین ۲۵/-
قرآن مجید معریٰ حوالہ ۳۰ سائز ۲۰×۳۰/۸
مجلد ریگزین ۳۵/-
حمائل شریف معریٰ ۲۳
۵۲ صفحات سائز ۲۲×۳۰/۱۶ ۲۰/-
قرآن مجید معریٰ حوالہ ۱۵
سائز ۲۰×۲۲/۸ مجلد ریگزین ۲۱/-
قرآن مجید معریٰ ۲۳
سائز ۲۰×۲۶/۸ مجلد ریگزین ۳۰/-
حمائل شریف معریٰ ۲۶ ۹/۵۰
حمائل شریف مترجم ۱۳ ۹/-
حمائل شریف مترجم ۳۲ ۱۰/۵۰
پارہ عم تا الم تا الم خورد وکلاں فی ۱/-
یسرنا القرآن خورد ۱/۳۵
" کلاں ۲/۳۵
قاعدہ بغدادی ۴ ورقی -/۲۵

تفاسیر قرآن اور علوم قرآنی

تفسیر بیان القرآن مکمل غیر مجلد ۱۸۰ مجلد ۲۰۰/-
تفسیر ماجدی تا پارہ ۱۲ ۴۰/-
ترجمان القرآن مکمل ۱۶۰/-
لغات القرآن مکمل ۸۰/-
تعلیم القرآن ۶/۵۰
قصص القرآن ۸۰/-
تیسیر القرآن ۱۰/-

حدیث و علوم حدیث

ترجمان السنہ مکمل ۱۰۰/-
شمائل ترمذی مع خصائل نبوی ۲۰/-
ترمذی شریف مکمل دو حصے ۶۰/-
مشکوۃ شریف مکمل مترجم ۱۲۰/-
حصن حصین خورد ۱۲/-
زاد سفر اول (ترجمہ ریاض الصالحین) ۱۶/-
" دوم " ۲۰/-
بزم پیغمبر ۲/۵۰
ترمذی شریف اردو ۲۰/-

فقہ و فتاویٰ

علم الفقہ ۴۰/-
تاریخ علم فقہ ۵/-
تاریخ فقہ اسلامی ۱۹/-
فتاویٰ فرنگی محل ۱۰/-
منتخبات نظام الفتاویٰ ۳۰/-

مسئلے مسائل

بہشتی زیور ۲۵/-
جبرۃ الفقہ ۱/۵۰
ارکان اسلام ۵/-
معاشرتی مسائل ۱۲/-
احکام الکیت ۴۰/-
مسئلہ تعدد ازدواج ۱/۲۵
کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے ۴/-

سیرت نبوی ؐ

سیرۃ النبی مکمل، جلدیں مجلد ۳۰۸/-
نبی رحمت ۳۵/-
پہلی تقریر سیرت ۵/-
دوسری تقریر سیرت ۶/۵۰
رحمت عالم ۵/-
وفات النبی ۳/۵۰
ہمارے حضور ؐ ۴/-
کاروان مدینہ ۱۲/-
نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب کلاں ۱۳/-
رسول عربی ۴/۵۰
نفحۃ العنبریہ بذکر میلاد خیر البریہ ۳/-
پیغمبر اسلام ۱/۷۵
اصح السیر ۴۵/-
مقالات سیرت ۱۵/-
محسن عالم ۱/۵۰

کتاب	قیمت
معاصرین	۲۰/-
صحبتے با اولیا	۷/۵۰
ولی کامل	۹/-
مزید المجید	۲/-
نماز کیا ہے	-/۴۰
تبلیغی نصاب ہندی	۴۰/-
شریعت اور طریقت	۱۵/-
گوہرین نامہ	۲/-
ارشادات شیخ الاسلام	۴/-
کلام عربی	۴/-
فضائل نکاح	۲/-
فضائل اخلاق و اخلاص	۱/۷۵
مفتاح التبلیغ	۶/۵۰
اکابر کا تقویٰ	۸/-
علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے مکمل	۱۶/-
السنۃ الجلیۃ فی الچشتیۃ العلیۃ	۱۰/-
بیاض یعقوبی	۱۲/-
بیاض اشرفی	۸/-
محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے	۱۰/-
تحدید نسل اور اسلامی تعلیمات	۱۰/-
تجدید تعلیم و تبلیغ	۵/-
تجدید معاشیات	۷/-
پیام امن	۱۵/-
مکتوبات سلیمانی دوم	۸/-
تصویر کا دوسرا رخ	۳/-

کتاب	قیمت
تنقید انبیاء و طعن صحابہ کا شرعی حکم	۴/-
عید میلاد النبی کی تقریبات دین و عقل کی روشنی میں	۱/۷۵
مودودی لٹریچر میں تین نظریے	۳/-
حضرات انبیاء کرام و صحابہ عظام مودودی صاحب کی نظر میں	۱/۷۵
ابلیس بشکل رجل رشید	۶/-
حقیقت کی روشنی	۲/۵۰
حضرات صحابہ معیار حق	۱/-
تفہیم القرآن سمجھنے کی کوشش	۱۸/-
آپ بیتی کی روشنی میں مودودیت بے نقاب	۵/-
مسیحیت	۱۰/-
طوفان سے ساحل تک	۱۶/-

ہندی کتابیں

کتاب	قیمت
اسلام کیا ہے؟	۸/-
اسلام کا پریچے	۴/-
آئینہ نماز	۶/-
آدرش شاسک	۲/۵۰
زاد سفر	۱۰/-
چھ باتیں	۳/۵۰
مسنون دعائیں	۳/۵۰
مسلمان ایک درشٹی میں	۸/-
بہشتی زیور	۱۵/-

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کچھ گرانقدر تصانیف

کتاب	قیمت
سیرت سید احمد شہید مکمل	۵۰/-
نقوش اقبال ۱۴/- انگریزی	۲۵/-
کاروان مدینہ	۱۲/-
ارکان اربعہ ۲۰/- انگریزی	۳۵/-
دریائے کابل سے یرموک تک	۱۴/-
مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں ۶/- انگریزی	۶/-
مذہب و تمدن ۸/- انگریزی	۸/-
تاریخ دعوت و عزیمت مکمل	۸۳/-
" " انگریزی	۷۵/-
جب ایمان کی بہار آئی	۱۲/-
پرانے چراغ اول ۱۸/- دوم	۲۵/-
دو ہفتے مغرب اقصیٰ مراکش میں	۶/-
نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں	۴/-
" " انگریزی	۱۰/-
عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح	۶/-
معرکۂ ایمان و مادیت ۶/- انگریزی	۱۵/-
ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں ۵/- انگریزی	۱۵/-
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر	۱۵/-
" " " انگریزی	۳۰/-
پا جا سراغ زندگی	۱۳/-
حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب	۶/-
تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک	۱۰/-
منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین	۱۴/-
اسلامیت و مغربیت کی کشمکش	۱۶/-
عالم عربی کا المیہ	۱۲/-

ملنے کا پتہ: الفرقان بک ڈپو ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

مدیر

محمد منظور نعمانی

۲۲

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

از:- مولانا محمد منظور نعمانی

یہ کتاب اسم با مسمّیٰ قرآنی دعوت اور اس کی اہم تعلیمات کا ایک جامع مرقع ہے جس میں سیکڑوں عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت موثر اور روح پرور تشریحات کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔

نیا اڈیشن ۲۶×۲۰ سائز پر، معیاری کتابت و طباعت مجلد مع گرد پوش۔ قیمت ۱۵/۰

انگریزی اڈیشن

مترجمہ:- ڈاکٹر محمد آصف قدوائی قیمت ۳۰/۰

۲۵

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

مرتبہ: مولانا محمد منظور نعمانی

امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے سوانح حیات
آپ کی عرفانی اور ارشادی خصوصیات اور اس عظیم تجدیدی کارنامہ
کی تفصیل جس کے نتیجہ میں اکبر اور اس کے حواریوں کا چلایا
ہوا "دین الٰہی" تاریخی قصہ ہو کر رہ گیا اور سلطنت مغلیہ کا
رخ الحاد سے صحیح اسلام کی طرف مڑ گیا۔

مجدد الف ثانیؒ کا یہی وہ خاص کارنامہ ہے جس کی وجہ سے
امت نے آپ کو ایک صدی کے بجائے پورے ہزار برس (الف ثانی)
کا مجدد مانا۔ یہ دراصل ماہنامہ "الفرقان" کے مجدد الف ثانی نمبر
کا کتابی اڈیشن ہے۔ قیمت مجلد ۱۵/۰

چندہ سالانہ

ہندستان میں ۲۰/-

پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۵۰/-

بنگلہ دیش سے ۲۲/-

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ممالک غیر سے

بحری ڈاک سے ۳ پونڈ

ہوائی ڈاک سے ، پونڈ

ایک شمارہ کی قیمت ہندستان میں ۳/-

جلد (۵۰) | بابت جمادی الاول ۱۴۰۲ھ مطابق مارچ ۱۹۸۲ء | شمارہ (۳)

اگر اس دائرہ میں ○ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہو گا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع مہینے کی ۲۰ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہو گی۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ ۳۰ روپے ہندستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر "الفرقان" لکھنؤ کو روانہ فرمائیں پاکستانی سکہ میں ۵۰ روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و اڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہِ اولیں

محمد منظور نعمانی

یہ عاجز چونکہ خوش قسمتی یا بدقسمتی سے دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا رکن ہے اور اس مجبوری سے دار العلوم کے موجودہ نامبارک تنازعہ میں اپنے مزاج کے خلاف اور دل کی شدید کراہت کے ساتھ مجھے بھی مبتلا ہونا پڑا ہے اور پھر اس سلسلہ میں جن حقائق و واقعات کا اظہار فیما بینی و بین اللہ ضروری اور ایک درجہ میں اپنا فرض سمجھا ان کو لکھنا بھی پڑا۔ اس لیے صرف اپنے ملک ہی سے نہیں بلکہ دیگر ممالک حجاز مقدس، پاکستان، بنگلہ دیش اور افریقہ وغیرہ سے بھی دار العلوم اور جماعتِ دار العلوم سے تعلق رکھنے والے دردمند مخلصین کے انفرادی حیثیت سے بھی اور جماعتوں اور اجتماعات کی تجاویز کی شکل میں بھی بکثرت خطوط اور لمبے لمبے تار اس مضمون کے اس عاجز کے نام آتے رہتے ہیں کہ خدا کے لیے دار العلوم کے اس قضیہ کو کسی طرح مفاہمت اور مصالحت کے ذریعہ ختم کرائیے جس نے ساری جماعت کو بلکہ ہمارے مرحوم اسلاف و اکابر کو بھی رسوا اور بے آبرو کیا ہے۔

ان میں سے جن خطوط کا جواب دینا ضروری سمجھا اُن کو عام طور سے بس اتنا ہی لکھا کہ ہم برابر اس کی کوشش کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے آپ دعا سے مدد فرمائیں ___ لیکن اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں جو سب سے بڑی رکاوٹ ہے اس کا صفائی کے ساتھ اظہار کر دیا جائے۔

قریباً ڈیڑھ سال پہلے کی بات ہے یہ وہ وقت تھا کہ قضیۂ دار العلوم کی دو متقابل تنظیموں کی سرگرمیوں کی وجہ سے دار العلوم کے اندر بھی فتنوں اور ہنگاموں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا (میں دونوں سے سخت بیزار تھا اور الفرقان میں بھی اس بیزاری کا اظہار بار بار کیا تھا) انہی دنوں میں ایک صاحب نے جن کا حضرت مہتمم صاحب سے خصوصی تعلق ہے، اس عاجز کے بھی عنایت فرما ہیں، مجھ سے ذکر کیا کہ میں دہلی گیا تھا وہاں حضرت مہتمم صاحب بھی تشریف لائے

ہوئے تھے، میں نے اس باہمی اختلاف اور خانہ جنگی کے بارے میں عرض کیا کہ آپ نے کیا سوچا ہے، اس کا انجام کیا ہوگا؟ —— تو انھوں نے فرمایا کہ تم تو جانتے ہی ہو میں جنگ کا آدمی نہیں ہوں صلح کا آدمی ہوں، اس لیے مصالحت ہی ہوگی۔ میں نے تو اپنے لوگوں کو بھی کہدیا ہے کہ میں تو صلح کا آدمی ہوں اگر جنگ ہی کرنی ہو تو کمانڈر بدلو۔

جب اُن صاحب نے مجھے یہ بات سنائی تو بیحد خوشی ہوئی اور اطمینان ہوگیا کہ یہ خرافاتی جنگ انشاء اللہ جلد ہی ختم ہو جائے گی۔ میں نے حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھا اور اس میں اُن صاحب کے حوالہ سے اس بات کا ذکر کیا اور اپنی خوشی اور اطمینان اور توقع کا اظہار کیا۔ مہتمم صاحب نے میرے عریضہ کا جواب بھی دیا اور اُن صاحب کے بیان کی تصدیق کی۔

لیکن بعد کے واقعات نے بتلایا کہ دارالعلوم اور ہماری جماعت کی بدقسمتی سے اب سے چند ہی مہینے پہلے حضرت مہتمم صاحب نے کمان اپنے ان لوگوں کے ہاتھ میں دینے کا فیصلہ فرمالیا جن کا ذاتی نفع صلح میں نہیں جنگ ہی میں ہے۔ اسی وجہ سے اب مصالحت کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سک رہی ہے۔ یہاں اس سلسلہ کی چند کوششوں کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔

(۱) ۱۸ر اکتوبر کا دہلی کا اجتماع (جو اس جنگی پالیسی کا پہلا قدم تھا) حضرت مہتمم صاحب نے اس کی شرکت کی دعوت مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب کو بھی دی جو مجلس شوریٰ کے ان ارکان میں سے تھے جن پر حضرت مہتمم صاحب کو پورا اعتماد تھا (یہاں تک کہ ان کی عدم موجودگی میں ان کو ایڈھاک کمیٹی کا رکن بھی بنایا گیا)، ان کو دعوتی خط کے علاوہ تار بھی دیا گیا تھا —— انھوں نے حضرت مہتمم صاحب کے اس دعوت نامہ کے جواب میں پورے ادب و احترام سے ان کو لکھا کہ یہ اجتماع غیر آئینی ہے۔ دارالعلوم کے معاملات میں فیصلہ کرنے کا حق اسکی مجلس شوریٰ ہی کو ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ معاملات کو سلجھانے کے لیے آپ مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب فرمائیں اور کھلے دل سے گفتگو کر کے معاملات کا تصفیہ کیا جائے۔ ورنہ شدید خطرہ ہے کہ دارالعلوم فتنہ و فساد کی لپیٹ میں آجائے اور خدانخواستہ معاملہ عدالت میں پہنچے اور وہ دن دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کی تاریخ کا سیاہ ترین دن ہوگا۔ (یہ مولانا اکبر آبادی کے جواب کا حاصل ہے اصل جواب بہت مفصل تھا اور اخبارات

میں شائع ہو گیا تھا) یہ مصالحت کی پہلی مخلصانہ دعوت اور کوشش تھی ــــ لیکن چونکہ کمان جنگ پسند لوگوں کے ہاتھ میں دیدی گئی تھی اس لیے اپنے ایک مخلص کی یہ مخلصانہ دعوت بھی صدا بصحرا ہو کر رہ گئی۔

(۲) حضرت مولانا عبدالوحید صاحب فتحپوری (صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ فتحپور) ہماری جماعت کے ممتاز علمائے مخلصین میں سے ہیں، تھانوی سلسلہ کے مسترشدین میں ہیں اس لیے انھیں بھی حضرت مہتمم صاحب سے نیازمندانہ تعلق ہے، وہ گزشتہ نومبر کے آخر میں مہتمم صاحب کے پاس تشریف لے گئے اور عرض کیا کہ دارالعلوم کا یہ تنازعہ ختم ہونا چاہیے، اگر یہ مصالحت سے ختم نہ ہوا اور معاملہ عدالت میں گیا تو سب سے زیادہ خطرہ آپ کے لیے ہے، پوری تفصیل سے نشیب و فراز بتایا، انھوں نے مصالحت کی بعض تجاویز بھی سامنے رکھیں، مہتمم صاحب آمادہ ہو گئے کہ وہ اس مسئلہ میں مجلس شوریٰ کے لیے کوئی تحریر لکھیں۔ لیکن اُن لوگوں میں سے جن کے سپرد انھوں نے معاملہ کر دیا ہے دو صاحبان موجود تھے انھوں نے کہا کہ حضرت کچھ نہیں ہوگا آپ کو کبھی عدالت میں نہیں جانا پڑے گا، مجلس شوریٰ چٹکیوں پر اڑے گی، آپ ہرگز نہ نہ لکھیں ــــ مہتمم صاحب نے مولانا عبدالوحید صاحب سے فرمایا کہ مولانا! یہی لوگ اب میرے ہاتھ پاؤں ہیں میں ان کی رائے کے خلاف نہیں کروں گا، آپ شام کو پھر تکلیف فرمائیں، میں بھی غور کر لوں گا ــــ شام کو مولانا عبدالوحید صاحب پھر تشریف لے گئے، لیکن وہی ہوا جو صبح کو ہوا تھا۔ (یہ پوری روداد خود مولانا عبدالوحید صاحب نے مجھ سے بیان فرمائی، انھوں نے زیادہ تفصیل سے بیان فرمائی تھی میں نے بہت اختصار کے ساتھ لکھا ہے)

(۳) مصالحت کی تیسری کوشش وہ تھی جو جناب مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کی تحریک اور مولانا علی میاں کی دعوت پر ۱۹-۲۰ دسمبر کو لکھنؤ میں ہوئی "الفرقان" کے گزشتہ شمارے میں اس کا ذکر کیا جا چکا ہے ــــ وہ کوشش بھی صرف اس لیے کامیاب نہیں ہو سکی کہ جو فارمولا دونوں طرف کے نمائندوں کی دو دن کی گفتگو کے نتیجے میں تیار ہوا تھا اس کو اُن لوگوں نے قبول نہیں کیا جن کے ہاتھ میں مہتمم صاحب نے کمان دیدی ہے ــــ حالانکہ اس فارمولے میں ایک دو باتیں ایسی تھیں جو مولانا مرغوب الرحمن اور مولانا محمد عثمان صاحب کے نزدیک اور

اس عاجز کے نزدیک بھی کسی طرح مناسب اور قابل قبول نہیں تھیں لیکن مولانا رحمانی اور شیخ ذوالفقار اللہ صاحب نے (جو حضرت مہتمم صاحب کے معتمدین میں سے ہیں) یہ کہکر اُن پر اصرار فرمایا تھا کہ ان کو ضرور مان لیا جائے ورنہ جو لوگ کسی طرح مصالحت نہیں چاہتے وہ مہتمم صاحب کو ورغلائیں گے اور پھر مصالحت نہ ہوسکے گی ـــــ لیکن ان ناقابل قبول باتوں کے قبول کرلینے کے باوجود مصالحت اس وجہ سے نہیں ہوسکی کہ فیصلہ مہتمم صاحب کے ہاتھ میں نہیں اُن دوسرے لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو مصالحت نہیں چاہتے۔

(۴) اس سلسلہ کا آخری قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ اب سے مہینہ دو مہینے پہلے چند مسلم ممبران پارلیمنٹ نے دارالعلوم کے اس تنازعہ میں مصالحت کی کوشش کا عزم کیا (ہمارے ناظرین کو اخبارات سے اس کا علم ہوچکا ہوگا) ان حضرات نے ۵ر فروری کو دارالعلوم کے قضیہ سے تعلق رکھنے والے دونوں فریقوں کے اہم اور ذمہ دار حضرات کو دہلی میں مدعو کیا معلوم ہوا ہے کہ حضرت مہتمم صاحب کو اور اُن سے تعلق رکھنے والے اُن دو حضرات کو خاص طور سے دعوت دی گئی تھی جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اب فیصلہ انہی کے ہاتھ میں ہے اور پوری توقع تھی کہ سب شرکت فرمائیں گے ـــــ لیکن نہ حضرت مہتمم صاحب تشریف لائے اور نہ ان دو صاحبان نے شرکت فرمائی ـــــ معلوم ہوا ہے کہ اُن حضرات ممبران پارلیمنٹ کی کوشش اب بھی جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ انکی مدد فرمائے اور وہ کامیاب ہوں)

(۵) اس سلسلہ میں ایک واقعہ اور بھی قابل ذکر ہے۔

گزشتہ دسمبر کے شروع میں مشرقی افریقہ کے ملک ری یونین سے حضرت مہتمم صاحب کے ایک مخلص نیازمند یوسف رادت صاحب (جو سنا ہے کہ حضرت مہتمم صاحب سے بیعت بھی ہیں اور بڑے صاحب خیر اور دارالعلوم کے خاص ہمدردوں میں ہیں) اور ماریشس کے مولانا اسمٰعیل بڑا بھائی (جو فاضل دیوبند اور حضرت مہتمم صاحب کے نیازمندوں میں ہیں) یہ دونوں حضرات دارالعلوم کے موجودہ تکلیف دہ اور رسوا کن حالات ہی کی وجہ سے آئے اور بمبئی میں حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کے لیے بہتر یہ ہے کہ آپ استعفا دیکر اپنے کو اس جنجال سے الگ کرلیں (معلوم ہوا ہے کہ حضرت مہتمم صاحب کے بمبئی کے بعض مخلص ارادتمندوں

نے بھی اس سے اتفاق کیا حضرت مہتمم صاحب نے ان مخلصین کا مشورہ قبول فرما لیا اور استعفا لکھکر یوسف راوت صاحب کے حوالہ کر دیا۔ ان کو دہلی جانا تھا، ہوائی جہاز میں ان کی سیٹ ریزرو تھی وہ بمبئی کے ہوائی اڈہ پر آ گئے، کچھ دیر کے بعد حضرت مہتمم صاحب سے قریبی تعلق رکھنے والے بعض حضرات ہوائی اڈہ پہنچے اور یوسف راوت صاحب سے کہا کہ حضرت مہتمم صاحب نے اپنی وہ تحریر واپس مانگی ہے وہ اس میں کچھ ترمیم فرمائیں گے ۔۔۔۔ اُن کو اطمینان نہیں ہوا اس لیے انھوں نے استعفے والی تحریر اُن حضرات کو نہیں دی۔ اور اپنی سیٹ کینسل کرا کے خود مہتمم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔۔۔۔ آگے قصہ طویل ہے انجام یہی ہوا کہ استعفے کی وہ تحریر حضرت مہتمم صاحب نے اپنے کچھ لوگوں کے کہنے سے واپس لے لی ۔۔۔۔ معلوم ہوا ہے کہ یوسف راوت صاحب اور مولانا اسمٰعیل صاحب اس سے بہت آزردہ اور متاثر ہوئے ۔۔۔۔ مولانا اسمٰعیل صاحب نے اس تحریر کی اپنے لیے نقل کر لی تھی۔ اس کی نقل در نقل اس واقعہ کی اطلاع کے ساتھ راقم سطور کے پاس بھی پہنچ گئی ۔۔۔۔

واقعہ یہ ہے کہ وہ تحریر حضرت مہتمم صاحب کی فطرت کے عین مطابق اور ان کے شایانِ شان ہے، اُس میں حضرت مہتمم صاحب اُس بلند مقام پر نظر آتے ہیں جہاں اُن کو ہونا چاہیے ۔۔۔۔ یقین ہے کہ جو بھی شریف اور معقول آدمی اس کو دیکھے گا اس کا احساس یہی ہوگا۔ کہ ان لوگوں نے حضرت مہتمم صاحب کے ساتھ بہت برائی کی جنھوں نے اُس کے واپس لے لینے پر ان کو آمادہ کیا۔

راقم سطور کو اس میں ذرا شبہ نہیں ہے کہ یہ سب صرف اس لیے ہو رہا ہے کہ کبرسنی کے اثر سے حضرت مہتمم صاحب کے جس طرح دوسرے قویٰ متاثر ہوئے ہیں اسی طرح قوت فیصلہ کی صلاحیت بھی متاثر ہوئی ہے اور یہ بالکل فطری بات ہے، اس لیے وہ ایک درجہ میں معذور ہیں۔

اگر استعفے کی وہ تحریر مجلس شوریٰ کے سامنے آتی تو اس عاجز کو یقین ہے کہ مجلس حضرت مہتمم صاحب کو تاحیات دارالعلوم کا صدر مہتمم نامزد کرتی اور ان کی کبرسنی کی وجہ سے اہتمام کی ذمہ داری کسی دوسرے کے سپرد کرتی۔

امید ہے کہ ان واقعات کے معلوم ہو جانے کے بعد دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کے دردمند مخلصین سمجھ سکیں گے کہ اُن کی اور ہماری سعی اس خواہش کے باوجود کہ یہ نامبارک قضیہ مصالحت کے ذریعہ ختم ہو کیوں ختم نہیں ہو سک رہا ہے۔

(باقی صہ ۴۱ پر ملاحظہ ہو)

درس قرآن

محمد منظور نعمانی

سورۃ القارعہ کے درس کا بقیہ

گزشتہ شمارے (بابت ماہ فروری) میں سورۃ القارعہ کا درس شائع ہوا تھا اُس وقت ایک خاص مجبوری سے اُس کا آخری حصہ اس میں شامل نہیں ہو سکا تھا۔ وہ آج کی صحبت میں نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔ جیسا کہ ناظرین کرام محسوس کریں گے یہ در اصل سورۃ القارعہ کی آخری آیتوں سے متعلق پیدا ہونے والے ایک سوال کا جواب ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے ـــــ میں نے درس میں پہلے بھی بار بار کہا ہے کہ قرآن پاک میں اکثر و بیشتر دو متقابل طبقوں ہی کا اور اُن کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے ـــــ ایک وہ مومنین جو ایمان لائے اور انھوں نے زندگی بھی ایمان والی گزاری، اُن کا انجام یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ اُن سے راضی ہوگا اور دار آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ کے جوار رحمت اور جنت میں جگہ پائیں گے جہاں دائمی عیش اور چین میں رہیں گے اور ہر طرح کی لذتیں اور مسرتیں ان کو حاصل ہوں گی ـــــ "فیہا ما تشتہیہ الانفس وتلذ الاعین" ـــــ اور دوسرے وہ غیر مومنین جو ایمان نہیں لائے، اللہ کے رسول کو اور اس کی ہدایت کو نہیں مانا اور اس کے اتباع اور پیروی کا فیصلہ نہیں کیا، ان کا انجام یہ بتلایا گیا ہے کہ اُن پر اللہ کا غضب ہوگا اور وہ دار آخرت میں دوزخ میں ڈالے جائیں گے جو دائمی عذاب گھر ہے۔ (فی نار جہنم خالدین فیہا ابداً) اس سورۃ القارعہ کی ان آخری آیتوں میں بھی

انہی دو طبقوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ "فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ" کا مصداق وہ مومنین صادقین ہیں جن کے پلّے میں ایمان کا بھی وزن ہوگا اور ایمان والی زندگی کا بھی، ان کے لیے فرمایا گیا ہے "فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ" اور "وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ" سے مراد وہ بدنصیب لوگ ہیں جن کے پلّے میں نہ ایمان کا وزن ہوگا نہ ایمان والی زندگی کا، یہ اہلِ کفر و نفاق ہوں گے، ان کے بارہ میں فرمایا گیا ہے "فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ" یعنی ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ اللہ کی پناہ۔ الغرض اس سورت میں بھی اور قرآن پاک میں عام طور سے انہی دو طبقوں کا اور ان کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک مومنین صادقین، دوسرے کافرین و منافقین۔ اس تیسرے طبقہ کا ذکر قرآن پاک میں بہت ہی کم کیا گیا ہے جس کا حال یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کے پیغمبر کو مان تو لیا اور کلمہ بھی پڑھ لیا اور زبان کے ساتھ دل سے بھی پڑھ لیا لیکن ایمان لانے اور کلمہ پڑھنے کے بعد پیغمبر کی ہدایت کی جس طرح پیروی کرنی چاہیے تھی وہ نہیں کی یہاں تک کہ فرائض ادا کرنے اور محرمات سے بچنے کی بھی فکر نہیں کی یعنی زندگی ایمان والی نہیں رہی اور توبہ کی بھی توفیق نہیں پائی جیسا کہ آج مسلمانوں کی بڑی تعداد کا حال ہے اور میرا خیال ہے کہ خیر القرون کے بعد قریباً ہر دور ہی میں ایسے مسلمانوں کی بڑی تعداد رہی ہے۔ تو جیسا کہ میں نے عرض کیا قرآن مجید میں ان کا اور ان کے انجام کا ذکر بہت ہی کم کیا گیا ہے۔ تلاش کرنے سے بھی مشکل ہی سے ملتا ہے۔ غالباً اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس طبقہ کا وجود غیر معقول اور غیر منطقی ہے عقل و منطق کا تقاضا یہی ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے اور دل سے بھی مان لیا تو پھر ان کی ہدایت کی پیروی اور احکام کی فرمانبرداری کی جائے

—— اب رہا یہ سوال کہ ان کا انجام کیا ہوگا تو عقل بھی یہ کہتی ہے کہ ان کو منکروں کافروں والا دائمی عذاب بھی نہ ہو اور مومنین صادقین کی طرح سیدھے جنت میں بھی نہ بھیجے جائیں بلکہ نافرمانی اور بد اعمالی کی سزا بھی پائیں اور ایمان کی بنیاد پر پھر رہائی بھی ہو جائے۔ قرآن و حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ہاں اگر کسی کی شفاعت یا دعا کے طفیل یا ارحم الراحمین اپنی رحمت ہی سے ان کو معاف فرما دے تو اس کا رحم و کرم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب گنہگاروں کو اسی طرح معاف فرما دے۔ رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین۔

سُورَۃُ التَّکَاثُر

حمد و صلوٰۃ کے بعد

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝

تمھیں غفلت میں ڈالے رکھا مال و دولت کی بہتات کی ہوس نے۔ یہاں تک کہ تم پہنچ گئے قبروں میں۔۔۔ ہرگز نہیں! تم جلدی جان لوگے۔ پھر سنو، ہرگز نہیں! تم جلدی جان لوگے۔۔ ہرگز نہیں! اگر تم یقین کے ساتھ جان لیتے۔ تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔۔۔ پھر تم اس کو ضرور بالضرور یقین کی آنکھ سے دیکھو گے۔۔۔

پھر تم سے اُس دن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ (سورۂ تکاثر)

(تفسیر و تشریح) یہ سورۂ تکاثر ہے۔ اس سے پہلی سورت "القارعہ" میں قیامت کا بیان فرمایا گیا تھا اور اُس کی آخری آیتوں میں بتلایا گیا تھا کہ وہاں وہی لوگ کامیاب اور بامراد ہوں گے اور جنت کی دائمی لذتیں اور مسرتیں حاصل کر سکیں گے جو ایمان اور ایمانی اعمال کا وہ ذخیرہ ساتھ لیجائیں گے جس کی وجہ سے جانچ تول میں ان کی میزانیں بھاری رہیں گی۔ اور وہ لوگ ناکام و نامراد رہیں گے اور دوزخ کا ایندھن بنیں گے جو وہ ذخیرہ ساتھ نہیں لے جائیں گے اور اس کی وجہ سے اُن کی میزانیں بے وزن اور ہلکی رہیں گی۔

اب اس سورۂ تکاثر میں اُس خاص سبب اور اُس مہلک روحانی مرض کی نشاندہی کی گئی ہے جو آدمی کو اُن اعمالِ خیر کا ذخیرہ فراہم کرنے سے غافل رکھتا ہے جو قیامت اور آخرت میں نجات اور حصولِ جنت کا وسیلہ بننے والے ہیں اور جن کے وزن سے آخرت کی میزانیں بھاری ہوتی ہیں ___ اور وہ ہے مال و دولت اور دوسرے دنیوی سامانوں کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ جمع کرنے اور اس میں دوسروں سے آگے بڑھ جانے کی حرص و ہوس (تکاثر کا یہی مفہوم ہے) اور اس کا علاج ہے آخرت کے انجام کو اور خاص کر دوزخ کے عذاب کو نگاہ کے سامنے رکھنا ___ اس سورۂ تکاثر کا یہی خاص سبق اور پیغام ہے۔

ارشاد فرمایا گیا ہے "اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ o حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ o" مطلب یہ ہے کہ غافل انسانو! تم کو "تکاثر" نے (یعنی مال و دولت اور دنیوی عیش و راحت کے دوسرے سامانوں کی بہتات اور اس میں دوسروں سے بڑھ جانے کی حرص و ہوس نے) آخرت کی فکر اور تیاری سے اور وہاں کے لیے اعمالِ خیر کا ذخیرہ فراہم کرنے سے غفلت میں ڈال رکھا ہے اِسی میں تمہاری زندگیاں ختم ہو رہی ہیں یہاں تک کہ تم اسی حال میں مر کے قبروں میں پہنچ جاتے ہو۔ آگے فرمایا گیا ہے "كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ o ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ o" "كَلَّا" کے معنی ہیں ہرگز نہیں ___ یہ اِن غافلوں کی اِن خام خیالیوں اور نفس کے فریبوں کی شدت کے ساتھ نفی اور تردید فرمائی گئی ہے جن میں یہ مبتلا تھے۔ مثلاً قیامت کا انکار اور اس پر یقین نہ رکھنا۔ یا یہ خیال کہ ہمارے دیوتا یا ہمارے پیر یا ہمارے آباء و اجداد وہاں ہمیں بچا لیں گے ___ "كَلَّا" فرما کر اس طرح کی ساری خام خیالیوں اور غلط آرزوؤں کی شدت کے ساتھ نفی کی گئی ہے کہ ہرگز ایسا نہیں ہے، یقیناً قیامت آنے والی ہے اور کوئی بھی مجرموں کو وہاں اللہ کی پکڑ اور عذاب سے نہیں بچا سکے گا ___ آگے فرمایا گیا ہے "سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ" یعنی جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا ___ مزید تاکید و تنبیہ کے لیے مکرر ارشاد فرمایا گیا ہے "ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ o ___

قرآن وحدیث کا اور عام وعظ ونصیحت کا بھی طریقہ ہے کہ زیادہ اہم بات کو مکرر سہ کرر کہا جاتا ہے۔

آگے فرمایا گیا ہے "کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ"۔ "کَلَّا" کا مطلب یہاں بھی وہی ہے جو ابھی میں نے بیان کیا ہے — یعنی غافل انسانوں کی اُن خام خیالیوں اور غلط آرزوؤں کی پھر شدت سے نفی اور تردید جن میں مبتلا ہو کر وہ قیامت اور آخرت کی فکر اور تیاری سے بالکل غافل ہو کر زندگی گزار رہے تھے — آج بھی دنیا ایسے غافلوں سے بھری ہوئی ہے

خود مسلمانوں میں بھی آج بڑی تعداد اسی حال میں ہے۔ اس آیت کے مخاطب ایسے سب ہی لوگ ہیں جو قیامت کے بارے میں بے یقینی اور طرح طرح کی خام خیالیوں اور غلط آرزوؤں میں مبتلا ہو کر آخرت کی طرف سے بالکل بے فکر ہیں اور دنیا کما نے ہی پر جان کھپا رہے ہیں — اس آیت (اور اس سے آگے کی دو آیتوں میں بھی) ان سب سے خطاب ہے — فرمایا گیا ہے — ہرگز ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم سوچ رہے ہو، اگر تمھیں قیامت کے آنے اور جزا سزا کا یقینی علم ہوتا (اور تم ان حقیقتوں پر ایمان لائے ہوتے) تو آخرت کی طرف سے تمھارے اندر یہ غفلت نہ ہوتی اور تم دنیا ہی کو مقصود ومطلوب بنا کر اس پر اور صرف اسی پر اس طرح جان نہ کھپاتے۔

آگے فرمایا گیا ہے "لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ" مطلب یہ ہے کہ اے غافلو! یہ بات قطعی اور یقینی ہے، اس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ دوزخ کا وجود حق ہے اور تم اس کو دیکھو گے — غالباً اس سے مراد یہ ہے کہ مرنے کے بعد عالم برزخ ہی میں تم اس کو دیکھ لوگے — قرآن مجید کی بعض آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے اور حدیثوں میں بھی وارد ہوا ہے کہ دوزخیوں کو مرنے کے بعد عالم برزخ ہی میں دوزخ دکھلا دی جاتی ہے اور اسی طرح جنتیوں کو جنت کا نظارہ کرایا جاتا ہے (عالم برزخ میں جنت اور دوزخ کا یہ دیکھنا غالباً کچھ اس طرح کا ہوگا جس طرح ہم زمین پر رہنے بسنے والے آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہیں۔) بظاہر "لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ" میں رؤیت

سے عالم برزخ کی یہی رؤیت مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

آگے فرمایا گیا ہے "ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ" مطلب یہ ہے کہ اے غافلو! پھر اس کے بعد تم اس دوزخ کو یقین کی آنکھ سے بھی دیکھ لو گے ـــــ یعنی وہاں پہنچ کر اس کا مشاہدہ کر لو گے۔ پھر تم کو دوزخ کے بارہ میں عین الیقین حاصل ہو جائے گا۔ ـــــ "عین الیقین" یقین کا وہ درجہ ہے جو ذاتی مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔

جنت اور دوزخ پر الحمدللہ ہمارا ایمان ہے اور ہم کو ان کے وجود کا پورا یقین ہے۔ لیکن اس یقین کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی کتاب پاک قرآن مجید کی اطلاع پر ہے۔ ہم نے اس کو حق مانا اور اس پر یقین کیا ـــــ یہ درجہ "علم الیقین" کا ہے۔ اس کے بعد دوسرا درجہ یقین کا وہ ہے جو عالم برزخ میں جنت یا دوزخ کو دور سے دیکھ کر حاصل ہوگا ـــــ اس کے آگے یقین کا تیسرا درجہ وہ ہے جو جنتیوں کو جنت کے بارے میں اور دوزخیوں کو دوزخ کے بارے میں وہاں پہنچ کر ذاتی مشاہدہ سے حاصل ہوگا۔ یہی "عین الیقین" کا درجہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ یقین کا اعلیٰ درجہ ہے ـــــ حدیث شریف میں ہے "ليس الخبر كالمعائنة" یعنی خبر اور اطلاع کے ذریعہ جو علم و یقین حاصل ہوتا ہے ایک "وہ" .. [illegible] ... اس یقین کے برابر نہیں ہوتا جو مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔

الغرض آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے غافلو! پھر وہ وقت بھی آئے گا جب تم اس دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے اور تم کو اس کے بارے میں "عین الیقین" حاصل ہو جائے گا۔

آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے "ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ" جس کا مطلب ہے کہ پھر تم سے باز پرس کی جائے گی نعمتوں کے بارے میں ـــــ اوپر کی آیتوں میں خطاب خاص کر ان لوگوں سے تھا جن کو مال و دولت وغیرہ متاعِ دنیا کی حرص و ہوس نے آخرت کی فکر و تیاری سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنے اُخروی انجام سے بے پروا ہو کر دنیا کمانے میں منہمک ہیں ـــــ اس آخری آیت میں وہ لوگ بھی مخاطب ہیں

اور اُن کے علاوہ بھی تمام بنی آدم ___ اس دنیا اور اس زندگی میں جس بندے کو جو نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی ہے اُس کے بارے میں قیامت میں اُس سے سوال ہو گا کہ اس نعمت کا تم نے کیا حق ادا کیا؟ اس کے استعمال اور اس سے استفادے میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود کی کہاں تک پابندی کی؟ ___ اللہ تعالیٰ نے ہم کو دیکھنے والی آنکھ سننے والے کان اور سوچنے سمجھنے والی عقل عطا فرمائی قیامت میں ہم سے سوال ہو گا کہ ان خداداد نعمتوں کو کس طرح استعمال کیا گیا؟ ___ قرآن پاک کی آیت "اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا" کا یہی مطلب ہے۔

بہر حال اس سورت کی اس آخری آیت کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم بندوں کو جو بھی نعمتیں جسمانی، روحانی، دینی، دنیوی اس زندگی میں عطا ہوئی ہیں، اُن کے بارے میں ہم سے سوال ہو گا اور ہم کو جوابدہی کرنی ہو گی ___ مال و دولت، اچھی کھانے پینے کی چیزیں، اچھا لباس، اچھا مکان، اچھی اولاد اور اچھی بیوی اِن جیسی چیزوں کو تو ہم نعمتیں سمجھتے ہیں لیکن اِدھر بہت کم لوگوں کا ذہن جاتا ہو گا کہ ان سب سے بدرجہا بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید ہے۔ جو ہم کو عطا ہوئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی لائی ہوئی شریعت ہے ___ ان نعمتوں کے بارے میں بھی ہم سے سوال ہو گا کہ ان عظیم ترین نعمتوں کا تم نے کیا حق ادا کیا؟ تمہارا ان کے ساتھ کیا معاملہ رہا؟ ___ بلاشبہ "لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ" میں یہ نعمتیں بھی شامل ہیں۔

اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث خاص طور سے یاد رکھنے کے لائق ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ

"کوئی بندہ قیامت میں مقام حساب سے اس وقت تک قدم ہلا نہیں سکے گا جب تک کہ اس سے پانچ باتوں کا سوال نہ کر لیا جائے گا ___
اوّل یہ کہ اس نے اپنی عمر کن کاموں میں ختم کی۔ دوسرے یہ کہ خاص کر شباب

کی قوتوں کو کن کاموں میں صرف کیا۔ تیسرے یہ کہ جو مال کمایا کس طریقہ سے کمایا جائز طریقہ سے یا ناجائز طریقوں سے ــــ چوتھے یہ کہ اس کمائے ہوئے مال کو کن راہوں میں اور کن مصارف میں خرچ کیا ــــ پانچویں یہ کہ جو علم اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا؟

یوں سمجھنا چاہیے کہ آخرت میں جو امتحان ہونے والا ہے یہ اُس کے سوال کا پرچہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم بندوں کو اس دنیا ہی میں بتلا دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ زندگی اس طرح گزاریں کہ اس کا وہ جواب دے سکیں جس پر ہم نجات اور جنت کے مستحق قرار پائیں ــــ

بقیہ نگاہِ اولیں

نگاہ اولیں کے صفحات میں جو لکھنے کا ارادہ تھا وہ وہی تھا جو ناظرین نے ابتدائی صفحات میں ملاحظہ فرمایا ــــ اسکی کتابت بھی ہو چکی تھی ــــ آج یکم مارچ کو دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ایک محترم رکن کا خط ملا جس میں اطلاع دی گئی ہے کہ سہارنپور کی عدالت ججی میں مہتمم صاحب (مولانا محمد طیب صاحب) کی طرف سے دارالعلوم کے سلسلہ میں کوئی دعویٰ دائر کیا گیا ہے جس میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ

"میں وراثتہً دارالعلوم کا مہتمم ہوں یہ میرا وراثتی عہدہ ہے جو دادا (یعنی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) کے زمانہ سے چلا آرہا ہے"

خدا کرے یہ اطلاع صحیح نہ ہو کسی غلط فہمی پر مبنی ہو۔ لیکن اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو یہ اس بات کو جاننے کے لیے آخری چیز ہے کہ ہمارے مہتمم صاحب اب کس حال میں .... ہیں۔ اور اُن "اکابر دین و ملت" کی آزمائش ہے جو دارالعلوم کے قضیہ میں اب تک مہتمم صاحب کی حمایت فرماتے رہے ہیں۔ ـــ دارالعلوم کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے اور خود مہتمم صاحب کی مطبوعہ تحریروں میں صراحت ہے کہ حضرت نانوتوی کسی زمانہ میں بھی دارالعلوم کے مہتمم نہیں رہے ہاں وہ اسکے بانیوں میں ہیں)

دارالعلوم سے متعلق اس فتنہ میں شاید ایک تکوینی مصلحت یہ بھی ہو کہ ہمارا باطن بندگان خدا کے سامنے ظاہر ہو کر آجائے اور سب ہم کو جان لیں کہ ہم کیا ہیں ــــ نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا۔

محمد منظور نعمانی

(مسلسل)

معارف الحدیث

کتابُ الفتن (۲)

اُمت میں پیدا ہونے والے فتنوں کا بیان :-

(اس سلسلہ کی اس سے پہلی قسط اکتوبر کے شمارے میں شائع ہوئی تھی، دوسری اب نذرِ ناظرین کی جا رہی ہے)۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّیْلِ الْمُظْلِمِ یُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَیُمْسِیْ كَافِرًا وَیُمْسِیْ مُؤْمِنًا وَیُصْبِحُ كَافِرًا یَبِیْعُ دِیْنَهٗ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْیَا ـــــ رواہ مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جلدی کر لو اعمالِ صالحہ، اُن فتنوں کے آنے سے پہلے جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح پے بہ پے آئیں گے (حال یہ ہوگا کہ) صبح کرے گا آدمی اس حال میں کہ اس میں ایمان ہوگا اور شام کرے گا اس حال میں کہ وہ ایمان سے محروم ہو چکا ہوگا، اور شام کو وہ مومن ہوگا اور اگلی صبح وہ مومن نہ رہے گا کافر ہو جائے گا۔ دنیا کی متاعِ قلیل کے بدلے وہ اپنا دین وایمان بیچ ڈالے گا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کیا گیا تھا کہ آپ کی امت پر ایسے حالات بھی آئیں گے کہ رات کے اندھیرے کی طرح نوع بہ نوع فتنے لگاتار برپا ہوں گے، اُن کی وجہ سے ایسا بھی ہوگا کہ ایک آدمی صبح کو اس حال میں اُٹھے گا کہ اپنے عقیدے اور عمل کے لحاظ سے اچھا خاصا مومن و مسلم ہوگا لیکن شام ہوتے ہوتے وہ کسی گمراہی یا بدعملی میں مبتلا ہو کر اپنا دین ایمان برباد کردے گا

یہ فتنے گمراہانہ تحریکوں اور دعوتوں کی شکل میں بھی آسکتے ہیں اور آتے رہے ہیں اور مال و دولت یا اقتدار کی ہوس اور دوسری نفسانی خواہشات کی شکل میں بھی۔ حدیث کا آخری جملہ "یَبِیْعُ دِیْنَہٗ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْیَا" (دنیا کی قلیل متاع کے بدلے اپنا دین ایمان بیچ ڈالے گا) اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ حدیث کا مطلب یہی نہیں ہے کہ آدمی دینِ حق اسلام کا منکر ہو کر ملت سے خارج اور ٹھیٹ کافر ہو جائے گا، بلکہ اس میں وہ سب صورتیں داخل ہیں جن میں آدمی دنیا کے لیے (جس میں مال و دولت اور اقتدار کی ہوس اور ہر طرح کی نفسانی اغراض شامل ہیں) دین کو یعنی اللہ و رسول کے احکام کو نظرانداز کردے، اس طرح دنیا کی طلب میں آخرت فراموشی اور ہر قسم کا فسق و فجور بھی اس میں شامل ہے جو عملی کفر ہے —— جیسا کہ بار بار عرض کیا جاچکا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح کے ارشادات کے مخاطب اگرچہ بظاہر صحابہ کرام ہی ہوتے تھے لیکن فی الحقیقت ان کے مخاطب ہر دور کے آپ کے امتی ہیں —— اور آپ کے اس پیام اور وصیت کا حاصل یہ ہے کہ ہر مومن آنے والے ایمان کش فتنوں سے ہوشیار رہے، اور اعمال صالحہ کے اہتمام میں سبقت اور جلدی کرے، ایسا نہ ہو کہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائے اور پھر اعمال خیر کی توفیق ہی نہ ہو —— نیز اعمال صالحہ کرتا رہے گا تو وہ اس کا مستحق ہوگا کہ اللہ تعالےٰ ایسے فتنوں سے اس کی حفاظت فرمائے۔

عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ اِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ، اِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ، وَلَمَنِ ابْتُلِيَ

نَصَبَرَ فَوَاھًا ـــــــ رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا آپ فرما رہے تھے کہ یقیناً وہ بندہ نیک بخت اور خوش نصیب ہے جو فتنوں سے محفوظ رکھا گیا۔ وہ بندہ نیک بخت اور خوش نصیب ہے جو فتنوں سے دور رکھا گیا۔ وہ بندہ نیک بخت اور خوش نصیب ہے جو فتنوں سے الگ رکھا گیا۔ اور جو بندہ مبتلا کیا گیا اور وہ صابر اور ثابت قدم رہا تو (اس کا کیا کہنا) اس کو شاباش اور مبارک باد۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ کسی بات کی اہمیت سامعین اور مخاطبین کے ذہن نشین فرمانا چاہتے تو اس کو مکرر سہ کرر ارشاد فرماتے۔ اس حدیث میں آپ نے تین بار یہ جملہ ارشاد فرمایا "اِنَّ السَّعِیْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ" (وہ بندہ خوش نصیب ہے جو فتنوں سے دور اور الگ رکھا جائے) یہ بات آپ نے بار بار غالباً اس لیے ارشاد فرمائی کہ کسی بندہ کا فتنوں سے محفوظ رہنا فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن یہ نعمت چونکہ نظر نہیں آتی اس لیے بہت سے بندوں کو اس کا احساس اور شعور بھی نہیں ہوتا، اس وجہ سے نہ ان کے دل میں اس نعمت کی قدر ہوتی ہے نہ اس پر شکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو بڑی محرومی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین دفعہ ارشاد فرما کر اس نعمت کی اہمیت و عظمت ذہن نشین کرنے کی کوشش فرمائی ـــــــ آخر میں فرمایا کہ اور جو بندہ تقدیر الٰہی سے فتنوں میں مبتلا کیا گیا اور اس نے اپنے کو تھاما، یعنی وہ دین پر اور اللہ و رسول کی وفاداری پر صابر و ثابت قدم رہا تو اس کو شاباش اور مبارک باد! اس کا کیا کہنا، وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے ـــــــ حدیث کے آخری جملے "وَلَمَنِ ابْتُلِیَ فَصَبَرَ فَوَاھًا" کا مطلب شارحین نے اور بھی بیان کیا ہے۔ اس عاجز کے نزدیک وہی راجح ہے جو یہاں لکھا گیا ہے۔ والعلم عند اللہ۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيُقْبَضُ الْعِلْمُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ وَيُلْقَى الشُّحُّ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ، قَالُوْا وَمَا الْهَرْجُ؟ قَالَ الْقَتْلُ.

——— (رواہ البخاری و مسلم ـ مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (وقت آئے گا) زمانہ قریب ہو جائے گا۔ اور علم اٹھا لیا جاوے گا۔ اور فتنے نمودار ہوں گے۔ اور (انسانی طبیعتوں اور دلوں میں) بخل ڈال دیا جائے گا۔ اور بہت ہو گا ھَرَج۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہرج کا کیا مطلب؟ آپ نے ارشاد فرمایا (اس کا مطلب ہے) کشت و خون۔　(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت میں پیدا ہونے والے چند فتنوں کے بارے میں آگاہی دی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات آپ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمائی "يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ" شارحین نے اس کے متعدد مطلب بیان کیے ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک ان میں قریب الفہم یہ ہے کہ وقت میں برکت نہ رہے گی جلدی جلدی گزرے گا۔ جو کام ایک دن میں ہو جانا چاہیے وہ کئی دن میں ہو سکے گا۔ راقم سطور کا تو یہ ذاتی تجربہ بھی ہے واللہ اعلم ——— دوسری بات آپ نے ارشاد فرمائی کہ علم اٹھا لیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ علم جو نبوت کی میراث ہے وہ اُٹھا لیا جائے گا۔ ایک دوسری حدیث میں اس کی وضاحت اس طرح فرمائی گئی ہے کہ علمائے ربانی (جو اس علم کے وارث و امین ہیں) اٹھا لیے جائیں گے (چاہے کتب خانے باقی رہیں اور بیشہ ور عالموں سے ہماری بستیاں بھری رہیں) حقیقت یہ ہے کہ علم جو نبوت کی میراث ہے اور جو ہدایت اور نور ہے وہ وہی ہے جس کے حامل اور امین علمائے ربانی ہیں ——— جب وہ باقی نہیں رہیں گے اور اٹھا لیے جائیں گے تو وہ علم اور نور بھی اُن کے ساتھ اُٹھ جائے گا ——— تیسری بات آپ نے

ارشاد فرمائی "اور طرح طرح کے فتنے نمودار ہوں گے" یہ بات کسی توضیح و تشریح کی محتاج نہیں ــــــ چوتھی بات آپ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمائی "و یُلقی الشح" مطلب یہ ہے کہ سخاوت و فیاضی اور ایثار جو صفات محمودہ ہیں وہ لوگوں میں سے نکل جائیں گے اور اُن کے بجائے ان کی طبیعت میں بخل جو ایک منحوس رذیلہ ہے ڈال دیا جائے گا ــــــ آخری بات آپ نے ارشاد فرمائی کہ کُشت و خون کی گرم بازاری ہو گی۔ جو دنیا کے لحاظ سے بھی افراد اور اُمتوں کے لیے تباہ کن ہے اور آخرت کے لحاظ سے بھی گناہ عظیم ــــــ اللہ تعالیٰ ان سب فتنوں سے حفاظت فرمائے۔

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ كَهِجْرَةٍ اِلَيَّ

ــــــ رواہ مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کُشت و خون کے زمانے میں عبادت میں مشغول ہو جانا ایسا ہے جیسا کہ ہجرت کر کے میری طرف آ جانا۔

(صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب ناحق کُشت و خون کی گرم بازاری ہو تو مومن کو چاہیے کہ اپنا دامن بچائے اور یکسو ہو کے اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جائے اُس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایسا ہو گا جیسا کہ اپنا ایمان بچانے کے لیے دار الکفر سے ہجرت کر کے میری طرف آ جانا۔

عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ قَالَ اَتَيْنَا اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فَشَكَوْنَا اِلَيْهِ مَا نَلْقٰى مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ اِصْبِرُوْا فَاِنَّهٗ لَا يَاْتِيْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ اِلَّا الَّذِيْ بَعْدَهٗ اَشَرُّ مِنْهُ حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ سَمِعْتُهٗ مِنْ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ــــــ رواہ البخاری (مشکوٰۃ المصابیح)

زُبَیر بن عدی تابعی سے روایت ہے کہ ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے حجاج کی طرف سے ہونے والے مظالم کی شکایت کی، تو انھوں نے فرمایا کہ (ان مظالم اور مصائب پر) صبر کرو، اور یقین کرو کہ جو زمانہ بھی تم پر آئے گا، اس کے بعد کا زمانہ اُس سے بدتر ہی ہو گا، یہاں تک کہ تم اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو جاؤ گے ——— یہ بات میں نے سنی ہے تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) اس سلسلہ معارف الحدیث میں یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں آپ کے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر عطا فرمائی، وہ حضور کی وفات کے بعد قریباً اسّی سال حیات رہے، بصرہ میں قیام رہا ——— حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد بنی امیہ کا جو دور ہے اُس میں حجاج ثقفی کا ظلم اور اس کی سفّاکی ضرب المثل ہے ——— زُبَیر بن عدی تابعی ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے حجاج کے مظالم کی شکایت کی، تو انھوں نے فرمایا جو کچھ ہو رہا ہے اُس کا مقابلہ صبر و تحمل سے کرو، آگے اس سے بھی زیادہ بُرا زمانہ آنے والا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا تھا کہ بعد میں آنے والا زمانہ پہلے سے بدتر ہی ہو گا ———

اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حجاج کے بعد تو حضرت عمر بن عبد العزیز کا دور بھی آیا اُن کے بعد بھی مختلف زمانوں میں اچھے اچھے عادل و صالح سلاطین اور حکمراں ہوئے ہیں۔ پھر حضور کے اس ارشاد کی کیا توجیہ ہو گی کہ بعد کا ہر زمانہ پہلے سے بدتر ہی ہو گا؟ ———

واقعہ یہ ہے کہ حضور کے ارشاد کا تعلق صرف حکومت اور اربابِ حکومت سے نہیں ہے، بلکہ عام امت کے عمومی احوال کے لحاظ سے آپ نے فرمایا ہے کہ "بعد کا

زمانہ پہلے سے بدتر ہی ہوگا" ——— اور اس میں کوئی شبہ نہیں، مشاہدہ ہے ——— حجاج بلاشبہ ویسا ہی تھا جیسا کہ اس کو سمجھا جاتا ہے، اُس کے علاوہ حکمراں طبقہ میں اُس وقت اور بھی لوگ تھے جن میں شر و فساد تھا۔ لیکن امت میں اس وقت اچھی خاصی تعداد صحابہ کرام کی موجود تھی، اکابر تابعین جو امت میں صحابہ کرام کے بعد سب سے افضل ہیں، بڑی تعداد میں تھے۔ عوام مومنین میں بھی صلاح و تقویٰ تھا۔ بعد کا ہر دور مجموعی لحاظ سے اُس کے مقابلہ میں یقیناً بدتر ہی رہا ——— اور تاریخ شاہد ہے کہ ماضی اور مستقبل میں یہی تناسب رہا ہے ——— اور اپنی زندگی میں تو آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہے ——— اللہ تعالیٰ فتنوں سے ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرمائے۔

عَنْ سَفِينَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْخِلَافَةُ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ يَكُوْنُ مُلْكًا ثُمَّ يَقُوْلُ سَفِينَةُ اَمْسِكْ خِلَافَةَ اَبِيْ بَكْرٍ سَنَتَيْنِ وَخِلَافَةَ عُمَرَ عَشَرَةً وَعُثْمَانَ اِثْنَتَيْ عَشَرَةَ وَعَلِيٍّ سِتَّةً

رواہ احمد والترمذی وابوداؤد (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ خلافت بس تیس سال تک ہے اس کے بعد ہو جائے گی بادشاہت ——— پھر کہتے سفینہ شمار کرو خلافت ابوبکر کی ۲ دو سال، اور خلافت عمر کی ۱۰ دس سال اور عثمان کی ۱۲ بارہ سال اور علی کی ۶ چھ سال۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) حضرت سفینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں، انھوں نے حضور کا جو ارشاد نقل فرمایا اُس کا مطلب یہ ہے کہ خلافت یعنی ٹھیک ٹھیک میرے طریقہ پر اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ طریقہ پر میری نیابت میں دین کی دعوت و خدمت اور نظام حکومت کا کام (جس کا مختصر معروف عنوان "خلافت راشدہ" ہے) بس تیس سال تک چلے گا، اس کے بعد نظام حکومت بادشاہت میں تبدیل ہو جائیگا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حقیقت منکشف فرمادی تھی۔ آپ نے مختلف موقعوں پر اس کا اظہار فرمایا اور امت کو اس کے بارے میں آگاہی دی مختلف صحابہ کرام سے اس سلسلہ کے آپ کے ارشادات مروی ہیں ——— حضرت سفینہ نے حضورؐ کا یہ ارشاد نقل فرمانے کے ساتھ اس کا حساب بھی بتلایا۔ لیکن اس کو تقریبی یعنی موٹا حساب سمجھنا چاہیے۔ تحقیقی حساب یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر کی خلافت کی مدت دو۲ سال چار مہینے ہے ——— اس کے بعد حضرت فاروق اعظم کی مدت خلافت دس سال چھ ماہ ہیں۔ اس کے بعد حضرت ذوالنورین کی خلافت کی مدت چند دن کم بارہ۱۲ سال ہیں۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت کی مدت چار سال نو۹ مہینے ہے۔ ان کی میزان انتیس۲۹ سال سات مہینے ہوتی ہے۔ ان کے ساتھ سیدنا حضرت حسن کی خلافت کی مدت قریباً پانچ ماہ جوڑ لی جائے تو پورے تیس سال ہو جاتے ہیں ——— یہی تیس سال خلافت راشدہ کے ہیں۔ اس کے بعد جیسا کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا، نظام حکومت بادشاہت میں تبدیل ہوگیا۔ اس طرح کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں آپ کی نبوت کی کھلی دلیلیں بھی ہیں اور ان میں امت کو آگاہی بھی ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَامَ فِينَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ فِي مَقَامِهِ ذَالِكَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهِ حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ قَدْ عَلِمَهُ أَصْحَابِي هٰؤُلَاءِ وَإِنَّهُ لَيَكُونُ مِنْهُ الشَّيْءُ قَدْ نَسِيتُهُ فَأَرَاهُ فَأَذْكُرُهُ كَمَا يَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ إِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ إِذَا رَآهُ عَرَفَهُ ——— رواہ البخاری ومسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن وعظ وبیان کے لیے) کھڑے ہوئے اس بیان میں آپ نے نہیں چھوڑی کوئی چیز جو ہوگی قیامت تک مگر آپ نے اس کو بیان

فرما دیا، اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا، اور اس کو بھول گیا جو بھول گیا۔ میرے ان ساتھیوں کو بھی اس کا علم ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ آپ کے اس بیان کی کوئی چیز میں بھولے ہوئے ہوتا ہوں، پھر اس کو واقع ہوتا ہوا دیکھتا ہوں تو وہ مجھے یاد آجاتی ہے، جس طرح ایک آدمی دوسرے کسی آدمی کے چہرے کو بھول جاتا ہے جب وہ اس سے غائب ہو جائے۔ پھر جب اس کو دیکھتا ہے تو پہچان لیتا ہے (اور بھولا ہوا چہرہ یاد آجاتا ہے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت حذیفہ کے علاوہ دوسرے متعدد صحابہ کرام سے بھی یہ مضمون روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن بہت طویل بیان فرمایا جس میں آپ نے قیامت تک ہونے والے واقعات و حوادث کا ذکر فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسے غیر معمولی حوادث و واقعات اور ایسے اہم فتنوں کا ذکر فرمایا جن کے بارے میں اُمت کو آگاہی دینا آپ نے ضروری سمجھا۔ یہی آپ کے منصب نبوت کا تقاضا اور آپ کے شایان شان تھا ——— لیکن وہ لوگ جن کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے آفرینش عالم سے قیامت تک زمین و آسمان کی ساری کائنات اور تمام مخلوقات کا، ذرے ذرے اور پتے پتے کا علم کلی محیط حاصل تھا ——— وہ حضرت حذیفہ کی اس حدیث اور اس مضمون کی دوسری حدیثوں سے بھی استدلال کرتے ہیں ——— اُن کے نزدیک ان حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس بیان میں اُن کی اصطلاح کے مطابق تمام "ما کان و ما یکون" بیان فرمایا تھا (یعنی روئے زمین کے سارے ملکوں "ہندوستان، ایران، افغانستان، چین، جاپان، امریکہ، افریقہ، انگلینڈ، فرانس، ترکی، روس وغیرہ وغیرہ دنیا کے تمام ملکوں میں قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں، حیوانوں، چرندوں، پرندوں، چونٹیوں، مکھیوں، مچھروں، کیڑے مکوڑوں اور سمندروں میں پیدا ہونے والی مخلوقات کے سبھی تمام حالات آپ نے بیان فرمائے تھے کہ یہ سب اسی

"ماکان ومایکون" میں شامل ہے۔ اسی طرح مختلف ملکوں کے ریڈیوؤں سے مختلف زبانوں میں جو خبریں اور جو گانا بجانا نشر ہوتا ہے، اور مختلف ملکوں کے ہزاروں اخبارات میں مختلف زبانوں میں جو کچھ چھپتا رہا ہے اور چھپتا ہے اور قیامت تک چھپے گا وہ سب بھی آپ نے مسجد نبوی کے اس خطبہ میں صحابہ کرام کو بتلایا تھا، کیونکہ یہ سب بھی "ماکان ومایکون" میں داخل ہے۔

جس آدمی کو اللہ نے ذرہ برابر بھی عقل دی ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کا یہ مطلب بیان کرنا اور ایسا دعویٰ کرنا کس قدر جاہلانہ اور احمقانہ بات ہے۔

اس کے علاوہ اس سلسلہ میں یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں ان لوگوں کے دعوے کے مطابق تمام "ماکان ومایکون" اور ہر طرح کے جزئی حوادث و واقعات بیان فرمائے تھے، تو اس کا تو ضرور ہی ذکر فرمایا ہوگا کہ میرے بعد پہلے خلیفہ ابوبکر ہوں گے اور ان کے زمانۂ خلافت میں یہ یہ ہوگا ــــ اُن کے بعد دوسرے خلیفہ عمر بن الخطاب اور ان کے بعد تیسرے خلیفہ عثمان بن عفان ہوں گے اور اُن کے دور میں اور اُس کے بعد یہ یہ واقعات پیش آئیں گے ــــ تو اگر حضور نے اس خطبہ میں "جمیع ماکان ومایکون" اور اُس سلسلہ میں یہ سب بھی بیان فرمایا تھا تو حضور کی وفات کے بعد انتخاب خلیفہ کے سلسلہ میں کسی غور و فکر اور کسی مشاورت کی ضرورت نہ ہوتی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جو کچھ ہوا کچھ بھی نہ ہوتا ــــ ہر شخص کو یاد ہوتا کہ حضور نے چند ہی روز پہلے تو فرمایا تھا کہ میرے بعد خلیفہ ابوبکر ہوں گے ــــ اسی طرح حضرت عمر کی شہادت کے بعد انتخاب خلیفہ کے سلسلہ میں کسی غور و فکر اور کسی مشاورت کی ضرورت نہ ہوتی۔ خود حضرت عمر کو اور ان چھؤں حضرات کو جن کے سپرد آپ نے انتخاب خلیفہ کا مسئلہ فرمایا تھا ضرور یاد ہوتا کہ حضور نے بتلادیا تھا کہ عمر بن الخطاب کے بعد میرے تیسرے خلیفہ عثمان بن عفان ہوں گے ــــ یہ سب حضرات اُس وقت امت میں سب سے افضل سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضور نے اس خطبہ میں بیان تو یہ سب کچھ فرما دیا تھا لیکن یہ سب اس کو بھول گئے — تو دین کی کوئی بات بھی قابل اعتبار نہیں رہتی — امت کو سارا دین صحابہ کرام ہی کے ذریعہ اور انہی کی نقل و روایت سے ملا ہے۔ جب اُن کے درجہ اول کے حضرات سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ کے بارے میں یہ مان لیا جائے کہ خود اُن ہی سے متعلق حضور کی فرمائی ہوئی اتنی اہم باتوں کو بھول گئے اور کسی ایک کو بھی حضور کا وہ بیان یاد نہیں رہا۔ تو ان کی نقل و روایت پر قطعاً اعتبار نہیں کیا جا سکتا — حدیث کے کسی راوی کے متعلق کبھی ثابت ہو جائے کہ وہ ایسا بھولنے والا تھا تو محدثین اس کی کسی بھی روایت کا اعتبار نہیں کرتے وہ روایت میں ساقط الاعتبار اور ناقابل اعتماد قرار دیدیا جاتا ہے۔

بہر حال حضرت حذیفہ کی اس حدیث اور اس مضمون کی دوسری حدیثوں کی بنا پر ان لوگوں کا یہ دعویٰ کہ حضور نے مسجد نبوی کے اپنے اس بیان اور خطبہ میں اُن کی اصطلاح کے مطابق "جمیع ماکان و مایکون" بیان فرمایا تھا، مذکورہ بالا وجوہ سے انتہائی احمقانہ اور جاہلانہ دعویٰ ہے — ان سب حدیثوں کا مطلب و مفاد صرف یہ ہے کہ آپ نے اس بیان اور خطبہ میں قیامت تک واقع ہونے والے اُن غیر معمولی واقعات و حوادث اور ان اہم فتنوں کا بیان فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمائے تھے اور ان کے بارہ میں امت کو آگاہی دینا آپ نے ضروری سمجھا — یہی منصب نبوت کا تقاضا اور آپ کے شایانِ شان ہے۔

الفرقان کی ملکیت و دیگر تفصیلات کے متعلق اعلان

(مطابق فارم ۴ دیکھئے قاعدہ ۸)

مقام اشاعت ———— لکھنؤ

وقفہ اشاعت ———— ماہانہ

ایڈیٹر و پرنٹر و پبلشر کا نام ———— محمد منظور نعمانی

پروپرائٹرس کا نام ———— محمد حسان نعمانی و خلیل الرحمن سجاد

قومیت ———— ہندوستانی

پتہ ———— ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ ۱۸

میں محمد منظور نعمانی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین میں بالکل صحیح ہیں۔

دستخط محمد منظور نعمانی

یکم مارچ ۱۹۸۲ء

ازافادات حکیم الامت حضرت تھانویؒ

اللہ کا ذکر

حقیقت ذکر۔ اور صورت ذکر

[جنوری کے شمارے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی مدظلہٗ اوران کی اصلاحی تالیف "بصائر حکیم الامت" کا کچھ تعارف بھی کرایا گیا تھا اوراس کا ایک مضمون (مقاصد طریقت کے حصول کا دستور العمل) بھی نذر ناظرین کیا گیا تھا۔ آج کی صحبت میں بھی اُسی کا ایک مضمون ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔]

ذکر کے معنی لغت میں "یاد رکھنا" اس کا مقابل نسیان یعنی بھول جانا ہے۔ یاد رکھنا دو طرح پر ہوتا ہے ایک صوری اور ایک حقیقی۔ صوری زبان سے ذکر کرنے اور نام لینے کو کہتے ہیں۔ اور حقیقی، ادائے حقوق کو کہتے ہیں۔ ذکر لسانی (یعنی زبان سے یاد کرنا) بھی ذکر اللہ کا ایک فرد ہے مگر ناقص اور ذکر حقیقی، ذکر اللہ کا فرد کامل ہے۔ اگر دونوں جمع ہو جاویں۔ یعنی ادائے حقوق کے ساتھ ذکر لسانی بھی ہو تو سبحان اللہ درجہ اکمل ہے۔ غرض کوئی خیر دنیا و آخرت کی نہیں جو ذکر اللہ میں نہ آگئی ہو۔ کیونکہ حقوق اللہ کی بہت سی قسمیں ہیں۔ جیسے عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور حقوق الناس وغیرہ، اس میں تمام احکام شریعت آگئے۔ گویا ذکر اللہ کا اصل مطلب اللہ تعالیٰ سے

پورا تعلق پیدا کرتا ہے۔

(وعظ تفصیل الذکر ص ۶۰۵)

اور تعلق کے معنی ہیں لگاؤ۔ اور لگاؤ سے مراد دل کا لگاؤ۔ اور دل کے لگاؤ کے معنی یہی ہیں کہ دل اس کی طرف متوجہ رہے اور دل میں اس درجہ اس کی یاد رہے جس کو عرف میں "دل میں بس جانا" کہتے ہیں، اور غفلت عن اللہ تمام امراض کی اصل ہے جو کہ ضد ہے اس تعلق مذکور کی جو قلب کی غذا ہے، اور غفلت کی ضد ہے یاد۔ تو یاد کو اختیار کرنا چاہیے، اور یاد سے (اصل) مراد کسی لفظ کو زبان سے رٹنا نہیں ہے۔ بلکہ ہر کام میں یاد رکھنا ہے۔ جس کی علامت یہ ہے کہ کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔

(الباطن ص ۳۲-۳۹-۳۸-۴۰-۴۳)

بس ذکر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک صورت ذکر ایک حقیقت ذکر (جو لوگ پورے اعمال شرعیہ بجا نہیں لاتے اور صرف ذکر لسانی یا قلبی کرتے ہیں ان کو صورت ذکر تو حاصل ہے لیکن حقیقت ذکر حاصل نہیں) مگر ذکر اسمی بھی بیکار نہیں بلکہ نافع و مفید ہے جس کو کامل اور اعلیٰ درجہ حاصل نہ ہو وہ اسی کو غنیمت سمجھے کیونکہ ؎

از صفت وز نام چہ زائد خیال ۔۔۔ واں خیالش ہست دلال وصال

اکبر الاعمال ص ۱۳، ۲۴

(اور ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور دل سے بھی) اور اس کے متعلق مختلف احکام ہیں۔ بعض لفظ کے ساتھ متعلق ہیں۔ ان میں ذکر لسانی افضل ہے۔ باقی ذکر قلبی، جس سے ہر وقت قلب میں یاد رہے۔ اجر اس پر بھی ہے، مگر اس میں قلب سے ذہول کا اندیشہ رہتا ہے (کیونکہ یہ زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتا) دل ادھر ادھر چلا جاتا ہے اور ذاکر یہ سمجھتا ہے کہ میں ذکر میں مشغول ہوں اور ذکر لسانی میں یہ اندیشہ نہیں اس لیے ذکر لسانی کرنا چاہیے اور اس میں توجہ قلبی رکھنا چاہیے۔ اگر کچھ دیر ذکر قلبی نہ رہے گا تو لسانی تو باقی رہے گا اور وقت ضائع نہ ہوگا اور اگر صرف قلب سے ذکر کرے گا تو زبان خالی رہے گی۔ اس اعتبار سے ذکر لسانی افضل ہے (مگر اس ذکر لسانی کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس ذریعہ سے قلب میں مذکور کی یاد رچ بس جائے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روک

دے اور فرماں برداری پر کمر ہمت چست کر دے۔ یہی ذکر اللہ ہے، اور جس کو ایسا ذکر معاصی سے نہ روکے اس کے لیے یہ حقیقی ذکر نہ ہوگا، بلکہ ذکر کی صورت ہوگی۔

(تصوف وسلوک صفحہ ۵۰، ۵۴، ۴۷، ۵۰ ملخصاً)

محققین صوفیہ نے اس راز کو سمجھا ہے کہ اللہ اللہ کرنا گو ذکر نہیں مگر مقصود کے لیے تیار ہونا ہے اس واسطے بحکم ذکر ہے اور اصل مقصود اس ذکر سے اس کے مدلول کا رسوخ فی القلب ہے اور قاعدہ ہے کہ رسوخ کے لیے تکرار موثر ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ رسوخ کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جائے وہ سنت سے ثابت ہو اس کے لیے تجربہ کافی ہوتا ہے۔

محققین کا قول ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات و کمالات خود ایسے ہیں کہ اس کا کمال اس کا مقتضی ہے کہ ان کی طرف توجہ کی جائے اور ان کی یاد دل میں بسائی جاوے۔ کسی وقت ان سے غافل نہ ہو۔ اگرچہ وہ ہماری طرف توجہ بھی نہ فرمائیں۔ اگرچہ ہمارے ذکر پر کوئی ثمرہ عاجلہ مرتب نہ ہو۔ چہ جائیکہ ایک دوسرا مقتضی بھی موجود ہے۔ یعنی اُن کا بندے کی طرف توجہ فرمانا (ثابت ہے) چنانچہ ارشاد ہے:۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ — کہ تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا

(انفاسِ عیسیٰ ص۲۸)

(مزید برآں) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ — اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے

یعنی ذکر اللہ ضرورت کی وجہ سے بھی بڑی چیز ہے۔ خود بھی فی نفسہ ضروری ہے اور دیگر ضروریات کی جڑ بھی ہے۔ گو شعائر دین (یعنی دین کی کھلی علامات) سے نہ ہو۔ مگر حقیقت میں یہ شعائر کی بھی جڑ ہے۔ اور تمام اعمال کی بھی جڑ ہے۔ مگر جس طرح جڑ بدون شاخوں کے کارآمد نہیں ہو سکتی اسی طرح محض ذکر بدون دوسرے اعمال کے کارآمد نہیں۔

ذکر کے مراتب مختلف ہیں۔ جنت اور دوزخ اور عذاب و ثواب کا یاد کرنا بھی

اللہ تعالیٰ ہی کی یاد ہے، جیسے بعض لوگ باوجود تقاضے کے چوری نہیں کرتے۔ مالگذاری ادا کرنے میں سستی نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کو ایک چیز یاد آتی ہے۔ یعنی سزا و قید وغیرہ۔ اسی طرح ایسی چیز کو یاد رکھنا جو معاصی سے روک دے اور طاعات پر ہمت کو چست کر دے ذکر اللہ ہے۔ اب اگر کسی کو جنت و دوزخ کی یاد معاصی سے روکے اس کے لیے یہی ذکر اللہ ہے، اور جس کو مراقبۂ ذات معاصی سے روکے اس کے واسطے یہی ذکر اللہ ہے اور جس کو یہ چیزیں معاصی سے نہ روکیں، اس کے واسطے یہ ذکر اللہ حقیقی نہ ہوں گی بلکہ صورت ذکر میں داخل ہوں گی۔ اس کو اپنے مناسب حال ذکر حقیقی کسی محقق سے تجویز کرانا چاہیے۔ مثلاً بعضوں کے لیے نفس پر جرمانہ مالی کرنا معاصی سے مانع ہوتا ہے اُن کے واسطے یہی ذکر ہے۔ یہ ذکر کی حقیقت ہے۔ اور یہی تمام طریق کی بلکہ تمام شریعت کی جڑ ہے۔

(اکبر الاعمال صفحہ ۳-۳۲-۲۹-۳۰)

مزید برآں ذکر کی کوئی حد نہیں۔ حالانکہ نماز کے واسطے ایک حد ہے، کہ اوقات مکروہہ میں حرام ہے۔ روزہ کے واسطے حد ہے کہ ایام خمسہ میں حرام ہے۔ زکوٰۃ صدقہ کے واسطے حد ہے کہ "خیر الصدقۃ ما کان عن ظہر غنیٰ" (یعنی بہترین صدقہ وہ ہے جو غنیٰ کے بعد ہو) حج کے واسطے حد ہے مثلاً فرض ادا کرنے کے بعد ایسے شخص کے لیے حج نفل جائز نہیں جس کے اہل و عیال کے حقوق ضائع ہوں مگر ذکر حقیقی کے لیے کوئی حد نہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے "کان یذکر اللہ فی کل احیانہٖ" کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تھے (اکبر الاعمال صـ۳۳)

یادِ رفتگان ———— محمد منظور نعمانی

اِنّ فی اللہ عزاءً من کل مصیبۃٍ ودرکاً من کل فائت

سید مصباح الدین نقوی مرحوم :-

۱۹۴۶ء کے اواخر میں الفرقان کے دفتر کے ساتھ یہ عاجز راقم سطور بھی بریلی سے لکھنؤ منتقل ہوا۔ یہاں حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں افسروں اور اونچے درجہ کے وکلا میں چند حضرات تھے جو بڑے دیندار اور خوش اوقات تھے، اس لیے ہم جیسے خادمانِ دین سے بھی اُن کا تعلق تھا، یہ ہمارے دینی کاموں میں برابر شریک رہتے تھے، ہفتہ وار تبلیغی اجتماع میں بھی جو اُس زمانہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں ہوتا تھا تقریباً پابندی سے شرکت فرماتے ——— ان میں ایک مرحوم سید مصباح الدین نقوی بھی تھے۔ یہ لکھنؤ میونسپل بورڈ کے اگزیٹو افیسر تھے، طویل مدت تک اس عہدے پر رہ کر ۱۹۵۸ء میں ریٹائر ہوئے ——— اس کے بعد سے اپنے کو مسلمانوں کے دینی و ملی کاموں کے لیے گویا وقف کر دیا، لکھنؤ کے قدیمی دینی و ملی ادارے "ایک آنہ فنڈ" کے تو گویا روحِ رواں تھے، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے معتمد مال، اور یہ سب فی سبیل اللہ ——— عمر ۸۲-۸۳ کی ہو چکی تھی، فطری طور پر نحیف الجثہ تھے عرصہ سے صحت بھی خراب رہتی تھی، ادھر چند سالوں میں بہت ہی ضعیف ہو گئے تھے۔ اس حالت میں بھی جو کچھ کر سکتے تھے برابر کرتے تھے ——— ان کی فکرِ آخرت اور خدمت و عمل کا جذبہ ہم جیسوں کے لیے سبق آموز تھا۔

دینی دینداری اور حسنِ اخلاق کی وجہ سے اس عاجز کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھتے کہ مجھے شرم آتی۔ الفرقان سے بھی گہرا تعلق رکھتے تھے۔ صرف چند روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۵ر جنوری ۱۹۸۳ء کو وفات پائی ——— رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اپنے وطن اصلی رائے بریلی میں تھے، اطلاع ملنے پر لکھنؤ تشریف لائے، نماز جنازہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہوئی، مولانا ہی نے پڑھائی ــــ اللہ تعالیٰ سید صاحب مرحوم کے ساتھ رحمت و مغفرت کا معاملہ فرمائے۔ پسماندگان میں دو صاحبزادیاں ہیں اور دو صاحبزادے، چھوٹے صاحبزادے سید سلمان نقوی بسلسلہ ملازمت دہرہ دون میں ہیں اور الحمدللہ صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں، ان کے بڑے بھائی ڈاکٹر ہیں عرصہ سے امریکہ میں ہیں، معلوم ہوا کہ وہ اور ان کے اہل وعیال بھی بفضلہ تعالیٰ صوم وصلوٰۃ کے پورے پابند ہیں ــــ علالت کی اطلاع پر دونوں بھائی انتقال سے کئی دن پہلے لکھنؤ پہنچ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ سب پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور سید مصباح الدین صاحب کے نقشِ قدم کی پیروی کی توفیق؟

شیخ مستنصر اللہ صاحب مرحوم مغفور:-

وہ بندہ بڑا خوش نصیب ہے جس کو اللہ تعالیٰ دنیا بھی بھرپور عطا فرمائے اور دین کی نعمت بھی۔ (ما احسن الدین والدنیا لو اجتمعا) شیخ صاحب مرحوم ایسے ہی خوش نصیبوں میں سے تھے۔ آبائی وطن مرادآباد تھا، کاروباری سلسلہ سے لکھنؤ میں قیام رہا پھر اسی کو وطن بنا لیا۔ دین و دنیا کی دولت کے ساتھ دین وملت کی خدمت کا صادق جذبہ بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ اس سلسلہ میں جس دور میں جو کچھ کرنا ضروری یا مفید سمجھتے اسی کے لیے اپنی خداداد دولت اور توانائی بے دریغ صرف کرتے ــــ یوں بھی بڑے مخیر تھے، راقم سطور کا اندازہ ہے کہ روزانہ ہی اُن کے ہاتھوں اچھی خاصی رقم اہل حاجت کو پہنچ جاتی تھی، اس معاملہ میں بڑے صاحب فراست اور باشعور بھی تھے ــــ بڑے راسخ العقیدہ مومن صادق تھے، ہمارے اکابر علمائے دیوبند سے عقیدت تھی، دین کے نام پر جو بدعات وخرافات مسلمانوں میں رائج ہو گئی ہیں اُن سے محفوظ ہی نہیں بلکہ سخت متنفر تھے، اور اس معاملہ میں کسی کی رضامندی یا نارضامندی کی بالکل پروا نہیں کرتے تھے۔ ادھر کافی عرصہ سے کاروباری مشغولیت سے اپنے کو بالکل فارغ دیکھ کر لیا تھا،

بس اللہ کی عبادت اور دین وملت کی خدمت ہی ان کی زندگی کا مشغلہ رہ گیا تھا۔

قریباً ۲۰ سال پہلے کی بات ہے ایک دن رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور اس عاجز کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ مسئلہ بہت قابل توجہ ہے کہ اچھے دیندار گھرانوں کی لڑکیاں بھی جن کو کبھی ملازمت نہیں کرنی ہے اب اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا اپنے لیے ضروری سمجھتی ہیں، اس کے بغیر آج کے معاشرہ میں وہ کم حیثیت سمجھی جاتی ہیں اور حالات ایسے ہیں کہ اس سے اُن کو روکا نہیں جاسکتا، ہاں اگر اُن کے لیے اعلیٰ دینی تعلیم کا وہ انتظام کردیا جائے جو آپ کے دارالعلوم ندوہ میں یا دیوبند میں مردوں کے لیے ہے تو وہ اس پر راضی ہوسکتی ہیں کہ کالجوں، یونیورسٹیوں کی اعلیٰ تعلیم کے بجائے وہ اعلیٰ دینی تعلیم حاصل کرلیں، اس سے معاشرہ میں ان کو وہ امتیازی حیثیت حاصل ہوجائے گی جس کو وہ ضروری سمجھتی ہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ اُن کے لیے بھی ایک "دارالعلوم" قائم کریں۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے پاس زمین اُس کی ضرورت سے بہت زیادہ ہے[1]، اس کے کسی حصہ میں لڑکیوں کا دارالعلوم قائم کردیا جائے، اس کے لیے جو تعمیرات ضروری ہوں گی ان کی ذمہ داری میں خود لیتا ہوں۔ اس کے علاوہ دو سال تک کے لیے اُس کے پورے مصارف بھی اپنے ذمہ لیتا ہوں، اُس کے بعد بھی حسب توفیق حصہ لیتا رہوں گا، دوسرے حضرات بھی انشاء اللہ ضرور تعاون کریں گے، آپ پر کوئی بار نہیں پڑے گا۔ ہاں اُس کے انتظام اور تعلیم کی ساری ذمہ داری آپ لوگ اپنے ذمہ لیں!

ہم دونوں نے شیخ صاحب کی رائے اور تجویز سے اصولی طور پر اتفاق کیا، لیکن دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قریب اس کا انتظام مناسب نہیں سمجھا اور اپنی دوسری ذمہ داریوں اور مصروفیتوں کی وجہ سے اس کی ذمہ داری لینے سے بھی معذرت کی اور عرض کیا کہ انشاء اللہ مشورہ اور بقدر امکان تعاون سے دریغ نہ ہوگا ——— (ہم لوگوں کو خود بھی اس کا افسوس رہا کہ اپنے خاص حالات اور مصروفیات کی وجہ سے شیخ صاحب کی ایسی مخلصانہ فرمائش کی ہم تعمیل نہ کرسکے) کچھ عرصہ کے بعد انھوں نے اپنے مکان ہی پر (جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بہت وسیع ہے) لڑکیوں کے لیے وہ دینی مدرسہ

---

[1] اُس وقت تک ایسا ہی تھا کہ دارالعلوم کے پاس زمین اُس کی اس وقت کی ضرورتوں سے زیادہ تھی جو خالی پڑی تھی، اس میں دو باغ بھی تھے، لیکن اب ان خالی زمینوں کو بھی دارالعلوم کی ضروریات نے گھیر لیا ہے۔

قائم فرمایا اور اُس کے لیے بقدر کافی جائداد وقف کردی ـــــ شیخ صاحب کی بیگم صاحبہ ہی (جو اللہ تعالیٰ کے فضلِ خاص سے فکرِ آخرت اور دینداری میں بھی ان کی رفیق اور شریکِ حیات ہیں) اس دینی درسگاہ کی منتظم ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ طالبات کے ساتھ ان کا برتاؤ وہ رہتا ہے جو شفیق اور سمجھ دار ماؤں کا بیٹیوں کے ساتھ ہوتا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ شیخ صاحب کے اس عملِ خیر کو اور زندگی کے سارے ہی اعمالِ حسنہ کو قبول فرمائے اور رحمت و جنت کا وسیلہ بنائے۔

اللہ تعالیٰ نے شیخ صاحب کو پوری عمرِ طبعی عطا فرمائی۔ ۹۰ کے قریب سن رہا ہوگا، ادھر چند سالوں سے چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے۔ گزشتہ دسمبر میں فالج کا حملہ ہوا، کسی قدر افاقہ بھی ہو گیا تھا لیکن ۲۵ جنوری کو وقتِ موعود آگیا جو سب کے لیے آنا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○ اگلے دن مرحوم کی وصیت کے مطابق گھر ہی کے ایک حصہ میں تدفین ہو گئی۔ اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ واجعل الجنۃ مثواہ

شیخ صاحب مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے اولاد عطا نہیں فرمائی (بظاہر اُن کے حق میں یہ بھی ایک خداوندی نعمت تھی جس کا ظہور آخرت میں ہوگا) قریبی متعلقین و پسماندگان میں اہلیہ محترمہ ہیں اور چھوٹے بھائی شیخ ذوالفقار اللہ صاحب لہ آبادی۔ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دین و دنیا کی خیر مقدر فرمائے اور توفیق دے کہ شیخ صاحب کے جاری کیے ہوئے اعمالِ خیر ان کے ذریعہ جاری رہیں۔

مولانا محمد ثانی حسنی علیہ الرحمہ:۔

رفیقِ محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے سب سے بڑے بھانجے اور بہت سے کاموں میں ان کے دست و بازو تھے۔ مولانا کو ان کے ساتھ اور ان کو مولانا کے ساتھ باپ بیٹے کا سا تعلق تھا۔ پہلے دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد مظاہر علوم (سہارنپور) جاکر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم اور وہاں کے دوسرے اکابر اساتذہ سے دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھیں،

اس طرح وہ ندوی بھی تھے اور مظاہری بھی ــــــ راقم سطور کا احساس یہ ہے کہ ذہن و دماغ ان کا ندوی تھا اور قلب و قالب مظاہری۔

تحریر و انشا سے مناسبت اور اس کا ذوق تو اس گھرانے کے ہر فرد کو گویا وراثت میں مل جاتا ہے، بہت سادہ زبان میں ہمیشہ اصلاحی مضامین لکھتے۔ اب سے ۲۵-۲۶ سال پہلے خواتین کے لیے ایک دینی اصلاحی ماہنامہ "رضوان" جاری کیا۔ جو بفضلہ تعالیٰ جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گا۔

سوانح نگاری کا بہت اچھا ذوق اور سلیقہ تھا، حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کے ایماء پر داعی تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح لکھی، پھر اُن کے مرحوم صاحبزادے مولانا محمد ہارون کاندھلوی کی بھی سوانح اور حضرت مولانا خلیل احمد نور اللہ مرقدہٗ کی سوانح "حیاتِ خلیل" کے نام سے لکھی۔ بلاشبہ یہ مضمون نگاری اور تصنیف و تالیف بھی، اگر اللہ تعالیٰ صحیح نیت نصیب فرمائے تو بڑا خداوندی فضل و انعام، اور اس زمانہ میں جہاد فی سبیل اللہ کی ایک صورت ہے ــــــ لیکن مولانا محمد ثانی حسنی کا خاص قابلِ رشک کمال اُن کی بے نفسی اور نیک نفسی تھی۔ راقم سطور نے ان کو اُس وقت سے جبکہ وہ ۲۰ سال کے نوجوان تھے، اُس وقت تک جب کہ وہ ۵۵-۵۶ سال اس دنیا میں گزار کے عالمِ آخرت کی طرف منتقل ہوئے مسلسل دیکھا، ہمیشہ یہ محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے نفس میں شر کا مادہ شاید رکھا ہی نہیں ہے۔ وہ معصوم تو یقیناً نہیں تھے، لیکن یہ کہنا انشاء اللہ مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ معصوم صفت تھے ــــــ ریا، کبر، حبِ دنیا، حسد اور کینہ جیسے رذائل، آنکھوں سے نہیں دیکھے جا سکتے لیکن اگر کسی کے ساتھ مسلسل رابطہ اور واسطہ رہے تو ان کے کچھ نہ کچھ آثار محسوس ہو ہی جاتے ہیں۔ راقم سطور کا اندازہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے ان کا قلب و باطن ان رذائل سے محفوظ تھا۔ اور بلاشبہ یہ اُن کا ایسا حال تھا جس پر ہم جیسے گرفتار و مبتلا ہزار بار رشک کریں۔ "ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔"

سفرِ حج میں وہ ہمارے "رہنما اور معلم":-

یوں تو قریباً ۳۰-۳۵ سال سے (جب سے کہ میرا قیام لکھنؤ میں ہوا) وہ میرے سامنے رہے، لیکن ۴۹ء میں سفرِ حج میں وہ میرے رفیق بلکہ رہبر اور "معلم" رہے۔ اس سفر میں مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے بانی و مہتمم مولانا قاری عبدالوہاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے اور میرے بھی ایک مخلص ماسٹر محمد حسین صاحب اور چند اور حضرات بھی ساتھ تھے، لیکن ہم میں سے کوئی نہ تھا جس کو اس سے پہلے حج کی سعادت حاصل ہوئی ہو، اور وہ راہ و رسم منزل سے واقف اور باخبر ہو۔ اس لیے بڑی خواہش اور تمنا تھی کہ کسی ایسے صاحبِ علم اور صاحبِ دل بندے کی رفاقت حاصل ہو جو حج کر چکا ہو —— اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص کرم سے اس کا انتظام اس طرح فرمایا کہ میں سفر پر روانگی سے پہلے والدہ ماجدہ مرحومہ اور بھائی صاحبان کی زیارت و ملاقات کے لیے اپنے وطن سنبھل گیا، میرے بچپن کے ایک دوست شیخ مطلوب حسین مرحوم طویل مدت سے مریض، دق میں مبتلا تھے۔ بظاہر صحت و زیست کی کوئی امید نہیں رہی تھی، میں ان سے بھی ملنے گیا (یا انھوں نے مجھ کو بلوایا)۔ انھوں نے کہا کہ میرا یہ حال ہے، کیا میرے لیے یہ بہتر ہوگا کہ میں اپنا حج بدل کرا دوں؟ (وہ اچھے صاحبِ استطاعت اور دولتمند تھے) میں نے کہا کہ ہاں آپ کے لیے یہ بہتر ہے کہ آپ حج بدل کرا دیں اور یہ نیت رکھیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے صحت و زندگی عطا فرمائی تو بذاتِ خود بھی حج کریں گے۔ انھوں نے کہا میری یہی نیت ہے —— پھر انھوں نے دریافت کیا کہ کتنی رقم صرف ہوگی؟ میں نے رقم بتلا دی، انھوں نے وہ رقم میرے ہی حوالے کی کہ آپ خود ہی اس کا انتظام کریں اور اچھا یہ ہے کہ وہ صاحب آپ کے ساتھ ہی جائیں —— میں لکھنؤ آیا، میں نے مولانا محمد ثانی صاحب کا انتخاب کیا، وہ دو سال پہلے ۴۷ء میں اپنے ماموں رفیق محترم مولانا علی میاں کے ساتھ حج کر چکے تھے اور ملک کی تقسیم کے نتیجہ میں پیدا ہو جانے والے اُس وقت کے یہاں کے خاص حالات کی وجہ سے حرمین شریفین میں بہت طویل قیام کرنا پڑا تھا —— وہ میرے عرض کرنے پر بخوشی تیار ہو گئے —— اس سفرِ مبارک

کی رفاقت نے راقم سطور کو اُن کا بہت زیادہ معتقد بنا دیا ـــــ اس سفر کا ایک واقعہ ذکر کر دینے کو جی چاہتا ہے۔

مکہ معظمہ سے روانگی کا دن تھا، میں نے طوافِ وداع کیا، اس کے بعد "ملتزم" پر دعا کے لیے آیا، یہاں مجمع زیادہ نہیں تھا، ملتزم پر دعا کا جو مسنون طریقہ ہے اُس کے مطابق سہولت سے ملتزم سے چمٹ کر کھڑا ہونا نصیب ہوگیا، اب دعا شروع کی، لیکن دعا میں دل کے اضطرار اور الحاح کی جو کیفیت ہونی چاہیے وہ اُس وقت بالکل نصیب نہیں تھی، معلوم ہوتا تھا کہ دل مردہ ہوگیا ہے۔ اپنی اس بے نصیبی پر بڑا رنج و قلق تھا کہ ملتزم پر یہ آخری دعا ہے اور میری یہ محرومی، یہی حال تھا کہ وہیں ملتزم پر اللہ کے کسی بندے نے قریب آکر دعا شروع کی، اُس کی دعا میں الحاح و ابتہال اور اضطرار کی کیفیت تھی، جب اُس کی دعا کی آواز کان میں آئی تو اس کی برکت سے گویا دل زندہ ہوگیا اور مجھے بھی دعا نصیب ہوگئی ـــــ میں دعا سے فارغ ہوگیا، لیکن اُس بندے کی دعا جاری تھی، میں نے جاننا چاہا کہ یہ اللہ کا کون مبارک بندہ ہے؟ دیکھا تو ہمارے مولانا محمد ثانی تھے ـــــ سخت حیرت اس پر ہوئی کہ آواز سے مجھے شبہ بھی نہیں ہوا کہ یہ مولانا محمد ثانی ہوں گے ـــــ اس حج کے وقت ان کی عمر صرف ۲۲-۲۳ سال کے قریب تھی، اس وقت اُن کا یہ حال تھا۔

بیعت و اجازت:۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم سے بیعت تھے ـــــ گزشتہ سال ۱۴۰۱ھ میں جب حضرت ممدوح رمضان مبارک کے بعد سہارنپور تشریف لائے اور چند مہینے قیام فرمایا تو مولانا سید محمد ثانی صاحب کو اجازت بھی عطا فرمائی ـــــ یہ معلوم ہے کہ حضرت شیخ کو مولانا موصوف سے خاص الخاص تعلق تھا۔

حادثۂ وفات:۔

ادھر کئی سال سے مولانا کا قیام زیادہ تر اپنے آبائی وطن (تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی) میں رہتا تھا ـــــ رفیق محترم مولانا علی میاں کی توجہ سے وہاں قریب

ہی میں ایک مدرسہ قائم ہو گیا ہے، اس کی کچھ انتظامی ذمہ داری بھی (بغیر کسی ملازمت اور معاوضہ کے لوجہ اللہ) مولانا مرحوم نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔

۱۳-۱۴ فروری (شنبہ و یکشنبہ) کی درمیانی رات میں عشا کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ایک عزیز نے ٹیلی فون سے مجھے بتلایا کہ ابھی ابھی رائے بریلی سے مولانا محمد رابع صاحب نے اطلاع دی ہے کہ اُن کے بڑے بھائی مولانا محمد ثانی صاحب کی طبیعت اچانک ناساز ہو گئی ہے، ان کو علاج کے لیے اسی وقت لکھنؤ لے جانا طے ہوا ہے، ہم لوگ جلد ہی روانہ ہو رہے ہیں — اس اطلاع سے قدرتی طور پر تشویش ہوئی۔ بس دعا ہی کی جا سکتی تھی، جیسی کچھ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی۔ رات میں بار بار دعا کی — رات کو ۱ بجے کے قریب ان کو لیکر مولانا محمد رابع وغیرہ پہنچ گئے — فجر کی نماز کے بعد یہ عاجز وہاں پہنچا۔ یہ دیکھ کر کہ ان پر مرض کا اثر زیادہ ہو چکا ہے دل بہت دکھا — انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ دل پر گھبراہٹ کا اثر زیادہ ہے، میرے دل پر ہاتھ رکھ دیں، میں نے ہاتھ رکھ دیا اور ان کی تسکین کے لیے بالجہر بعض ماثورہ دعائیں پڑھیں۔ انھوں نے کہا مجھے بہت سکون ہوا اور خود یہ آیت پڑھی "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب"

دریافت کرنے پر تفصیل یہ معلوم ہوئی کہ اب سے قریباً تین ہفتے پہلے مدرسہ کی طرف جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک کتے نے حملہ کر دیا، جس کے بارے میں اُس وقت اندازہ ہوا کہ صرف اُس کے پنجے کے ناخن لگے ہیں جس سے چند خراشیں آ گئی ہیں، اُس کا منھ یا اس کے دانت جسم کو نہیں لگے ہیں — تاہم مقامی ہسپتال جا کر ڈاکٹر کو بتلایا اور کہا کہ آپ کی رائے ہو تو ہم وہ انجکشن لگوالیں جو کتے کے کاٹنے پر لگائے جاتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ کتے کے ناخن میں زہر نہیں ہوتا اس لیے اس انجکشن کی ضرورت نہیں جو خراشیں ناخن سے آئی تھیں اس پر انھوں نے دوا لگا دی — لیکن قریباً ۲۰ دن کے بعد وہ اثرات ظاہر ہونے شروع ہوئے جو کتے کے کاٹنے کے بعد ہوا کرتے ہیں۔ خصوصاً پانی سے نفرت اور اس کے دیکھنے سے بھی تکلیف کا احساس — مقامی ڈاکٹر وں سے

رجوع کیا گیا، انھوں نے مشورہ دیا کہ ان کو فوراً لکھنؤ لیجایا جائے، جیسا کہ ابھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ ۱۳-۱۴ فروری کی درمیانی شب میں ان کو لکھنؤ لے آیا گیا۔ صبح سے اس کے ایک ماہر ڈاکٹر کا علاج شروع ہوا پہلے دن مرض میں ٹھہراؤ پیدا ہوا۔ دوسرے دن ۱۵ر فروری کو بہت امید افزا افاقہ کی صورت محسوس ہوئی، یہاں تک کہ کئی دن کے بعد کچھ غذا بھی لی اور پانی بھی پیا (جس کے خیال سے بھی تکلیف ہوتی تھی) اس سے سب کو بڑا اطمینان ہوا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ اسی دن شام کو مرض کی کیفیت میں پھر اضافہ شروع ہو گیا۔

رفیق محترم مولانا علی میاں جنوری کے آخری ہفتہ میں "رابطہ عالم اسلامی" کی دعوت پر "رسالۃ المسجد" کے اجلاس میں شرکت کے لیے حجاز مقدس تشریف لے گئے تھے وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ چند روز قیام کے بعد ۱۲ر فروری کو بمبئی واپس آچکے تھے وہاں سے لکھنؤ ۱۵ر فروری کو آنے کا پروگرام تھا۔ اس پروگرام کے مطابق وہ ۱۵ر کو مغرب کے وقت لکھنؤ پہنچے ـــــ مولانا محمد ثانی کے مرض میں جو اضافہ شروع ہو چکا تھا اس کی رفتار تیز ہی ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ۱۶ر فروری کو ۱۱ بجے کے بعد قضاء و قدر کا فیصلہ نافذ ہو گیا اور وہ ہماری اس دنیا سے عالم آخرت کی طرف منتقل کر دیئے گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ "لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَىٰ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى"

طے ہوا کہ غسل اور تجہیز تکفین میں حتی الوسع تاخیر نہ ہو اور نماز جنازہ عصر کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے میدان میں پڑھی جائے۔ اگرچہ لوگوں کو اطلاع دینے کا کوئی اہتمام و انتظام نہیں کیا گیا تھا لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اللہ کے بندے ہزاروں کی تعداد میں نماز جنازہ میں شرکت کے لیے دارالعلوم پہنچ گئے (راقم سطور کا قیام لکھنؤ میں قریباً ۳۰ سال سے ہے، اس پوری مدت میں ایک دو سے زیادہ ایسے جنازے یاد نہیں جن کی نماز میں اتنے بندگان خدا نے شرکت کی ہو) ـــــ تدفین تکیہ شاہ علم اللہ کے اس احاطہ میں ہوئی تھی جس میں خود حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ

مدفون ہیں، دار العلوم کی نماز کے بعد جنازہ بس کے ذریعہ رائے بریلی لیجایا گیا۔ دفن میں شرکت کے لیے لکھنؤ سے کئی سو آدمی کاروں اور پرائیویٹ بسوں کے ذریعہ جنازے کے ساتھ رائے بریلی گئے ــــ دوسری نماز جنازہ وہاں پہنچ کر بعد نماز عشا ہوئی، یہاں بھی شہر کے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے اس نماز میں شرکت کی۔ یہاں نماز رفیق محترم مولانا علی میاں نے پڑھائی۔ اس کے بعد تدفین ہوئی اور ان کو آغوشِ لحد میں اتار دیا گیا۔ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَفِيهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ۔

ارحم الراحمین اُن کے ساتھ ہماری امیدوں اور آرزوؤں سے بالاتر مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے، اور متعلقین و پسماندگان خاصکر ان کی والدہ ماجدہ، ان کی رفیقۂ حیات اور فرزند عزیز مولوی سید محمد حمزہ حسنی اور دونوں بھائیوں مولانا محمد رابع اور مولانا محمد واضح اور مولانا سید ابو الحسن علی میاں کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اس صدمۂ عظیم کا اجر بھی اپنی شان کریمی کے مطابق مقدر فرمادے۔ نیز اُن کے نہ رہنے سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کو اپنی قدرت و رحمت سے پُر فرمادے وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ ۔

ایک مثالی خاتون :-

لکھنؤ میں جو چند مخلص احباب ہمارے دینی کاموں میں شروع سے برابر کے شریک رہے اُن میں ایک وہ ہیں جو ہمارے حلقہ میں "بھائی کلیم اللہ صاحب" کہے جاتے ہیں۔ یہ پہلے اسلامیہ کالج لکھنؤ کے پرنسپل تھے، اب اسلامیہ انٹر کالج پیلی بھیت کے پرنسپل ہیں۔ ان کی والدہ مرحومہ ایک مثالی دیندار اور صاحب علم خاتون تھیں۔ خاصکر قرآن مجید سے بہت ہی شغف تھا ــــ جبتک اس عاجز کا قیام لکھنؤ کے تبلیغی مرکز کے برابر والے مکان میں رہا اور اتوار کو قبل عشا درس قرآن کا سلسلہ وہاں جاری رہا، وہ اس میں پابندی سے شرکت کرتیں ــــ خود قرآن مجید کا مطالعہ ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ کرتیں، اور اسی طرح پڑھنے کے لیے گھر پر آنے والی لڑکیوں کو بھی، (اگر وہ اس کی اہل ہوتیں) قرآن پاک ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ پڑھاتیں ــــ قرآن مجید پڑھنا پڑھانا ہی ان کا محبوب مشغلہ تھا

کسی طرح عربی سے بھی کچھ مناسبت حاصل کرلی اور چاہا کہ کم از کم تفسیر جلالین، (جو ہمارے دینی مدارس میں عام طور سے پڑھائی جاتی ہے) کسی عالم سے پڑھ لیں ——— ایک عالم دین سے درخواست کی، انھوں نے عذر کیا کہ آپ کا مجھ سے پڑھنا اور میرا آپ کو پڑھانا شرعاً جائز نہ ہوگا ——— انھوں نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں استفتاء بھیج دیا، وہاں سے جواب آیا کہ ان پابندیوں کے ساتھ آپ کا ان سے پڑھنا اور ان کا آپ کو پڑھانا جائز ہوگا۔ چنانچہ ان پابندیوں کے ساتھ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور قریباً دو سال میں پوری جلالین شریف پڑھ لی ———

خواتین کے اجتماعات میں کبھی کبھی تقریر بھی کرتیں لیکن اس کی نوعیت درس قرآن کی سی ہوتی۔ ان کی دینداری اور قرآن پاک سے تعلق کا اندازہ کرنے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ اگرچہ دنیوی لحاظ سے اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھتی تھیں، روہیلہ نوابوں کے خاندان سے تھیں لیکن اپنے دونوں بیٹوں کو پہلے قرآن پاک حفظ کرایا اس کے بعد اسکول بھیجا۔ الحمد للہ بھائی کلیم اللہ خاں صاحب بھی حافظ قرآن ہیں اور ان کے چھوٹے بھائی میاں شمیم بھی۔ پھر بھائی کلیم اللہ کے بچوں کو بھی پہلے حفظ کرایا اس کے بعد اسکولی تعلیم شروع ہوئی۔ اللہ کی رحمت سے یقین کے ساتھ امید ہے کہ قرآن مجید سے ان کا یہ تعلق اور بیٹوں اور پوتوں کو بھی حفظ کرانا آخرت میں ان کے لیے مغفرت و رحمت اور رفع درجات کا وسیلہ بنے گا۔

وہ اپنے حسن اخلاق، حسن معاشرت اور علمی و دینی امتیاز کی وجہ سے خواتین کے طبقہ میں بہت عزیز اور مؤقر تھیں، تعلقات کا دائرہ بھی بہت وسیع تھا۔ راقم سطور کی مرحومہ اہلیہ سے بہت خصوصی تعلق تھا، لڑکیوں کے ساتھ بھی بیٹیوں کا سا معاملہ رکھا۔

قریباً دو سال پہلے علالت کا سلسلہ شروع ہوا، ہر طرح کا علاج ہوا لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت مرض بڑھتا ہی رہا یہاں تک کہ ۱۵ فروری کو وقت موعود آگیا۔ اللّٰھم اغفر لہا وارحمہا وعافہا واعف عنہا ——— پسماندگان میں دو بیٹے ہیں حافظ کلیم اللہ خاں صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی حافظ شمیم صاحب۔ نیز ان کے والد ماجد محترم بقاء اللہ خاں رحمانی صاحب۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحومہ کی حسنات کا بھی وارث بنائے۔

؎ ان حضرات کا آبائی وطن مراد آباد تھا، ملازمت کے سلسلے سے رحمانی صاحب کا قیام لکھنؤ میں رہا پھر اسی کو وطن بنالیا ۱۲

۳۰
ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کی ایک خاص اشاعت
رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسفؒ نمبر
حضرت مولانا مرحوم کی غیر معمولی دینی اور ایمانی خصوصیات کا مرقع۔ ان کی مشہور تبلیغی دعوت کے فکری اور عملی پہلوؤں کو سمجھنے کا مستند ذریعہ اور امت محمدیہ کے لیے ایک انقلاب آفریں پیغام۔
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا محمد اشرف پشاوری، مولانا نسیم احمد فریدی امروہی، مولانا مفتی زین العابدین لائلپوری وغیرہ
کے مضامین کے علاوہ
خود مولانا کی تقریریں، غیر مطبوعہ مکاتیب اور ٹیپ ریکارڈ سے لی ہوئی ایک مکمل دعا۔ نیا کتابی اڈیشن —— قیمت صرف ۱۱/-
کلمہ طیبہ کی حقیقت
اسلام کا بنیادی کلمہ
لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ
ایک عہد و میثاق ہے جو اپنے اندر وسیع معنی رکھتا ہے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے اس عہد کی حقیقت کو سمجھے یہ مختصر رسالہ اس حقیقت کا نہایت پُرمغز اور ایمان آفریں بیان ہے۔ عمدہ کاغذ قیمت ۲/۲۵
نماز کی حقیقت
اسلام میں ایمان کے بعد نماز ہی کا درجہ ہے۔ مگر کیا ہم نماز کو ایسی ہی اہمیت کے ساتھ ادا بھی کرتے ہیں؟ کیوں؟ اس لیے کہ ہم عام طور پر نماز کی پوری حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ اس کتاب کو آپ اس مقصد کے لیے بے حد مفید پائیں گے۔ عمدہ کاغذ قیمت ۳/۵۰
۳۶
تجلیات ربانی
• ترجمہ و تلخیص مکتوبات مجدد الف ثانیؒ
امت مسلمہ کے دینی کتابی ذخیرہ میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کا خاص مقام ہے۔ اس میں تجدید دین، ترویج شریعت، تعمیر انسان، تصوف کی تشریح و ترغیب اور امت کے عام و خاص طبقات ارباب حکومت اور علماء و صوفیا کے بگاڑ و فساد کی بھی اصلاح کا پورا سامان ہے۔
یہ مکتوبات فارسی یا عربی زبان میں تین ضخیم دفتروں میں ہیں۔ اللہ کی خاص توفیق سے مولانا نسیم احمد فریدی نے زیادہ دقیق مضامین کو چھوڑ کے، تینوں دفتروں کو اردو میں منتقل کیا ہے۔ اور بہت بڑا کام یہ بھی کیا ہے کہ مکتوب الیہم کے حالات بھی تاریخ کے ہزاروں صفحات سے تلاش کر کے فٹ نوٹ میں لکھ دیئے ہیں۔ مکتب خانہ الفرقان نے اس کو دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ قیمت جلد اول ۱۵/- جلد دوم ۱۳/-
۳۸
منتخب تقریریں
مولانا محمد منظور نعمانی کی ایمان افروز اصلاحی و تبلیغی تقریروں کا مجموعہ —— جو اپنے اندر افادیت اور جامعیت کے ہزاروں پہلو لیے ہوئے ہے۔ طرز بیان نہایت سادہ، فطری اور عام فہم ہے۔ عوام و خواص کے لیے یکساں مفید۔ قیمت ۱۰/-
آپ کون ہیں؟ کیا ہیں؟ اور آپ کی منزل کیا ہے؟
مولانا موصوف کی یہ تقریر دینی مدارس کے طلباء کے لیے ایک جامع پیغام ہے۔ قیمت ۱/۲۵
میری طالب علمی
مولانا موصوف کی تعلیمی زندگی کے مختصر حالات
قیمت ۱/-

Regd. No. LW/NP-62

Monthly 'ALFURQAN' 31, Naya Gaon West Lucknow-226001

VOL. 50 NO. 3 MARCH 1982 Phone : 45547

الفرقان لکھنؤ

مدیر

محمد منظور نعمانی

حج کے موضوع پر چند بے مثال رہنما کتابیں

آپ حج کیسے کریں؟

مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی

حج کے موضوع پر اردو میں بے شمار کتابیں لکھی جاچکی ہیں لیکن یہ کتاب اپنی اس خصوصیت میں ممتاز و منفرد ہے کہ یہ بہت آسان اور دلنشین انداز میں حج کا طریقہ اور احکام بھی بتاتی ہے اور وہ ذوق و شوق بھی پیدا کرتی ہے جو حج و زیارت کی جان ہے۔

نیا ایڈیشن عکسی طباعت سے مزین۔ قیمت -/۹

حج کے چند مشاہدات و احساسات

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مولانا مدظلہ کی ایک تقریر اور ایک مضمون پر مشتمل ایک تازہ ترین کتاب جس میں مولانا موصوف نے حج کے بارے میں جس طرح اپنے تاثرات و معلومات کا اظہار کیا ہے وہ اپنے انداز کا اچھوتا اور مؤثر اظہار ہے۔ اس سے اس عظیم اور دلنواز عمل کی چمک و لذت خاصی محسوس کی جاتی ہے۔ ساتھ ہی حج کے سلسلہ میں شریعت کے حکیمانہ انتظامات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت -/۳

فضائل حج :- از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم -/۸

رفیق حج :- از مولانا احتشام الحسن صاحبؒ کاندھلوی ۷/۵۰

معلم الحجاج :- از مولانا قاری سعید احمد صاحبؒ ۱۳/۵۰

حج و مقامات حج :- از مولانا محمد رابع حسنی ندوی -/۶

حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب :- از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی -/۶

طریقۂ حج :- مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ۲/۵۰

آسان حج

از مولانا محمد منظور نعمانی

یہ آسان زبان میں "حج کیسے کریں" کا خلاصہ ہے۔ خصوصاً کم تعلیمیافتہ حجاج کے لئے بہترین معلم و رہنما ہے۔ قیمت ۲/۲۵

دربار نبوت کی حاضری

از مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

حج کے سفرنامے اور مدینہ طیبہ کی روداد یں تو اردو میں بہت ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر دلچسپ پر از معلومات، مفید اور سفر کرنے والوں کے لئے ضروری ہیں لیکن یہ البیلا طرز بیان اور عاشقانہ داستان آپ کو ہر جگہ نہیں ملے گی۔

قیمت صرف -/۳

آئینۂ حرم عکسی

مرتبہ :- مولانا محی الدین قادری الرزاقی

حجاج کرام کے لئے انمول تحفہ ـــــ جس میں مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ کے جملہ مقدس آثار کی پوری معلومات درج کی گئی ہیں ساتھ ہی ان کے نقشہ جات اور رنگین تصاویر بھی پیش کی گئی ہیں۔

باب اول میں :- سیرت نبوی پر جامع گفتگو کی گئی ہے۔ ساتھ ہی مسجد نبوی کی مختلف زمانوں میں اسکی توسیع کی مفصل تاریخ بیان کی گئی ہے۔

باب دوم میں :- مختصر آداب حاضری بارگاہ رحمۃ للعالمین مع سلام بحضور خیر الانام در فقائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

باب سوم میں :- نقشہ جنت البقیع و زیارت مع سلام

باب چہارم میں :- نظری نقشہ مدینۃ الرسول اور دیگر قابل زیارت مقامات کے احوال مع سلام ۲۵

ملنے کا پتہ :- منیجر الفرقان بکڈپو - ۳۱ نیا گاؤں مغربی نظیرآباد لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

چندہ سالانہ		ممالک غیر سے	
ہندوستان میں	۲۰/-	بحری ڈاک سے	۳ پونڈ
پاکستان، پاکستانی سکہ میں	۵۰/-	ہوائی ڈاک سے	۷ پونڈ
بنگلادیش سے	۲۲/-	ایک شمارہ کی قیمت ہندوستان میں	۲/-

الفرقان لکھنؤ

ماہنامہ

جلد (۵۰) | بابت شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ مطابق جون ۱۹۸۲ء | شمارہ (۶)

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری:۔ براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت:۔ الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں ان کی اطلاع اگلے مہینے کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ ۳۰ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں ۵۰ روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر اڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

الفرقان کے قارئین کو مختلف ذرائع سے سید الطائفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کی اطلاع ہو چکی ہو گی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کافی طویل عرصہ سے حضرت متعدد شدید امراض میں مبتلا تھے۔ اور دنیا بھر میں بلا مبالغہ لاکھوں اہلِ تعلق حضرت کے سایۂ مبارک کے بقا کے لیے ہمہ وقت دعا گو تھے۔ بالآخر ۲۴ مئی ۱۹۸۲ء کو وہ گھڑی آ ہی گئی، جس کا اندیشہ بے شمار بندگانِ خدا کو مضطرب و بے چین کر جاتا تھا ؎

اِن الذی تحذرین قد وقعا

مئی کے دوسرے عشرہ کے اواخر میں یہ خبر آئی تھی کہ مرض کا حملہ بہت شدید ہو گیا ہے۔ مسلسل غشی کی حالت ہے۔ پھر ۲۴ مئی کو سہ پہر کے وقت مدینہ منورہ سے یہ خبر آئی کہ حضرت کی حالت بہت نازک ہے، نبض نہیں مل رہی ہے۔ بلڈ پریشر انتہائی حد تک کم ہو گیا ہے۔ گلوکوز بھی نہیں چڑھ رہا ہے ــــ پھر چند گھنٹے بعد یہ خبر آ گئی کہ حضرت اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔

حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح میں دلائل النبوۃ للبیہقی کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے (مستدرک حاکم میں بھی یہ مضمون ایک دوسرے سیاق میں آیا ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا سے [illegible] جب اہلِ بیت اور صحابہ کرام شدید غم و حزن کی کیفیت میں تھے، حجرۂ مبارک کے ایک گوشے سے ایک آواز آئی، کہنے والا کہہ رہا تھا اِنّ فی اللہ عزاءً من کل مصیبة وخلفًا من کل هالك ودرکًا من کلِّ فائت، فباللہ فثقوا وایاہ فارجوا، وانّما المصاب

من حُرِم الثواب، ـــــ ہاتف غیبی کی اس ندا کا مفہوم یہ ہے کہ :ـــــ اللہ تعالیٰ کی ذات (کی محبت، اس سے لگاؤ اور اس کے دھیان) میں مصیبت کے وقت سکون و اطمینان کا سامان ہے۔ اور ہر جانے والے کا نعم البدل ہے اور ہر نقصان کی تلافی کا ذریعہ ہے۔ لہذا اللہ ہی پر بھروسہ کرو، اسی سے آس لگاؤ، اور جان لو کہ حقیقۃً مصیبت زدہ تو وہ ہے جو اجر و ثواب سے محروم رہے۔

سچ ہے! اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے فانی ہے، نہ کسی نبی کو بقا ہے نہ کسی ولی کو۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو اپنے دل میں اللہ کے تعلق کو اس طرح رچا بسا لے کہ اس کی امیدوں کا مرکز صرف وہی ایک ذات ہو جائے۔ ـــــ اس تعلق کا ایک ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر و رضا کی توفیق ملتی ہے ـــــ اور مصائب و حوادث، ترقی اور قرب الٰہی کا وسیلہ بن جاتے ہیں۔ ما أصاب من مصیبۃٍ الا باذن اللہ، ومن یؤمن باللہ یھدِ قلبہ،

تھوڑے ہی دن پہلے حضرت شیخؒ نے مخدوم گرامی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، کے نام ان کے خواہرزادہ مولانا سید محمد ثانی حسنی مرحوم کی وفات کی اطلاع پاکر ایک تعزیتی مکتوب میں لکھا تھا:

علی میاں! حضرت امام شافعیؒ کا وہ شعر یاد آرہا ہے جو انھوں نے حضرت امام عبدالرحمٰن بن مہدی کو ان کے صاحبزادے کی تعزیت میں لکھا تھا ؎

انی معزیک لا انی علی ثقۃٍ — من الحیاۃ ولکن سنۃ الدین

فما المعزی بباقٍ بعد میتہ — ولا المعزی ولو عاشا الی حین[1]

---

[1] شعر کا مفہوم یہ ہے کہ ـــ میں تمہاری تعزیت کر رہا ہوں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجھے اپنی زندگی کا کچھ بھروسہ ہے۔ بلکہ تعزیت ایک مسنون دینی عمل ہے ـــ ورنہ سچ تو یہ ہے کہ نہ تعزیت کرنے والا باقی رہے گا اور نہ وہ جس کی تعزیت کی جارہی ہے خواہ دونوں تھوڑے دن اور دنیا میں گزار لیں۔

علی میاں! حادثہ جانکاہ کی خبر سن کر دل پر کیا گذری بیان نہیں کر سکتا۔ ادھر آپ کی پیرانہ سالی اور پے در پے حادثات کا تسلسل اور بھی موجب رنج و قلق ہے۔ مگر محض رنج و قلق سے

نہ تو جانے والے کو فائدہ، نہ رہنے والے کو سکون۔۔۔۔ میں نے تو خبر سنتے ہی اپنے دستور کے موافق دوستوں کو ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی تاکید شروع کر دی کہ میرے یہاں یہی اصل تعزیت ہے اور اس کے بہت سے واقعات میری آپ بیتی میں گزر چکے ہیں۔۔۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، اجرِ جزیل عطا فرمائے، اور پسماندگان کو خصوصاً آپ کو صبرِ جمیل۔"

مکتوبِ شیخ کے اس اقتباس کے یہاں نقل کرنے سے مقصود اہلِ تعلق کی توجہ اس طرف مبذول کرانا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لیے دعاؤں اور ایصالِ ثواب کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے۔ خاص طور پر اللہ کے نیک بندوں کے لیے دعا کا اہتمام خود اپنے لیے خیر و برکت کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کے حق کے مطابق ہم سب کو اس کی توفیق دے اور قبول فرمائے۔

اللہ کے نیک بندے کسی زمانہ اور کسی علاقے کے ہوں، ان کے حالات و واقعات کا مطالعہ بہت سبق آموز ہوتا ہے۔ اور اپنے ہی زمانہ کے اہل اللہ کے حالات کا مطالعہ افادیت کے کچھ خاص پہلو رکھتا ہے کہ اس سے راہِ حق پر چلنے کی ایک تازہ اور عملی مثال سامنے آتی ہے۔ ۔۔۔ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر "الفرقان" اس دور کی متعدد دینی شخصیتوں کی یاد میں مخصوص نمبر شائع کر چکا ہے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ الفرقان اور صاحبِ الفرقان حضرت والد ماجد مدظلہٗ کا جس درجہ کا تعلق تھا، اس کے لحاظ سے یہ کام اور بھی زیادہ ضروری ہو جاتا ہے انہی وجوہ کے پیشِ نظر حضرت والد ماجد مدظلہٗ نے اس کام کا عزم فرما لیا ہے۔ آئندہ شمارہ اب ان شاء اللہ ذیقعدہ میں شائع ہوگا، جو رمضان، شوال اور ذیقعدہ کا مشترک شمارہ اور "حضرت شیخ الحدیث نمبر"[1] ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حسنِ نیت اور حسنِ عمل نصیب فرمائے۔ ناظرین کرام سے دعاؤں کی گزارش ہے۔

۔۔۔۔ خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

اس شمارے کی کاپیاں تیار ہو کر پریس جا رہی تھیں کہ مدینہ منورہ سے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کے خلیفہ مجاز اور معالج خاص ڈاکٹر اسماعیل میمنی کا مکتوب دستی ملا جس میں حضرتؒ کے آخری دنوں، آخری وقت اور نمازِ جنازہ و تدفین کا تفصیلی حال لکھا ہے۔ وہ مکتوب بھی اسی شمارے کے آخر میں شامل کیا جا رہا ہے۔

[1] اس خصوصی اشاعت کے بارے میں خاص اعلان صفحہ ۵۴ پر ملاحظہ فرمایا جائے۔

درسِ قرآن

محمد منظور نعمانی

سُورَةُ الفِيل

حمد و صلوٰۃ کے بعد

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ   بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيلِ ۝ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝ وَّأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کیسا معاملہ کیا تمھارے پروردگار نے اصحاب فیل کے ساتھ کیا اس نے ان کے داؤ کو بیکار نہیں کر دیا ــــــ اور اس نے بھیجے ان پر پرندے جھنڈ کے جھنڈ ــــ جو ان کو مارتے تھے کنکر کی پتھریاں ــــ پھر کر ڈالا ان کو جیسے کھایا ہوا بھوسہ۔

(سورۂ فیل)

(تفسیر و تشریح) اس سورت کے اولین اور خاص مخاطب قریش مکہ اور تمام اہل مکہ ہیں، اس میں اصحاب فیل کے واقعہ کا ذکر فرمایا گیا ہے جو قریش پر اور تمام مکہ والوں پر اللہ تعالیٰ کا انتہائی غیر معمولی انعام و احسان تھا اور اس میں اس کی قدرت کا خارق عادت طریقہ پر ظہور ہوا تھا ــــ اس واقعہ کا خاص سبق اور پیغام یہ تھا اور یہ ہے کہ اس دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کچھ نہیں، اصل کارفرما طاقت اور قدرت

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا بندوں کو چاہیئے کہ اسی کو معبود و مقصود بنائیں۔ اسی کی عبادت کریں اور اس کی عبادت و بندگی میں کسی کو شریک نہ کریں۔

اصحاب فیل کے اس واقعہ کی جو تفصیل تاریخ اور تفسیر کی کتابوں میں بیان کی گئی ہے وہ مختصراً یہ ہے کہ ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے کچھ پہلے یمن پر عیسائیوں کی حکومت تھی، جو شخص حاکم اور فرمانروا تھا اس کا نام ابرہہ تھا۔ یہ سخت متعصب قسم کا عیسائی تھا، علاقہ میں جو لوگ عیسائی نہیں تھے، وہ اگرچہ مکہ والوں کی طرح مشرک تھے لیکن اپنا دینی اور مذہبی سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جوڑتے تھے اور کعبہ مکرمہ کو اپنا قبلہ مانتے اور اس کی زیارت اور حج کے لیے مکہ جایا کرتے تھے ——— ابرہہ نے چاہا کہ کسی طرح مکہ مکرمہ کے کعبہ سے ان کا عقیدت کا رشتہ ختم ہو اور ان سب کو عیسائی بنا لیا جائے، اس غرض سے اس نے یمن کے دارالحکومت صنعاء میں ایک بڑا عظیم الشان اور بہت ہی شاندار کنیسہ یعنی گرجا تعمیر کرایا۔ اور چاہا کہ لوگ، بجائے کعبہ کے اس کو اپنا قبلہ اور دینی مرکز بنالیں، لیکن اس کی یہ اسکیم کامیاب نہیں ہوئی ——— اور عقیدہ اور عقیدت ایسی چیز نہیں ہے جس کو اس طرح کی تدبیروں سے بدلا جا سکے ——— خانہ کعبہ کی عمارت بالکل سیدھی سادی چوکور عمارت ہے۔ نہ گنبد ہے، نہ برج ہے، نہ نقش و نگار کچھ بھی نہیں، لیکن کوئی مسلمان جو اس کو قبلہ اور بیت اللہ سمجھتا ہے اس پر تیار نہیں ہو سکتا کہ اس کی جگہ ہماری دلی کی خوبصورت جامع مسجد کو یا آگرہ کے تاج محل کو یا امریکہ یا لندن کی کسی بڑی سے بڑی حسین و جمیل عمارت کو قبلہ اور بیت اللہ ماننے لگے ——— بہرحال خانہ کعبہ سے وابستگی رکھنے والے غالباً کسی ایک آدمی نے بھی ابرہہ کے بنائے ہوئے کنیسہ کو قبلہ نہیں مانا، بلکہ ان لوگوں میں اس کے خلاف غم و غصہ پیدا ہو گیا ——— بہرحال ابرہہ کی اسکیم ناکام ہو کے رہ گئی ——— اب شیطان نے اس کو یہ سمجھایا کہ کعبہ سے ان لوگوں کا تعلق جب ختم ہوگا جب کعبہ ہی کو ختم اور نیست و نابود کر دیا جائے ——— اسی زمانہ میں یہ واقعہ ہوا

یا غلط طور پر اس کا پروپیگنڈا کیا گیا کہ قریش کے کسی آدمی نے رات میں کعبہ میں گھس کر اُس میں غلاظت کردی اور اس کو ناپاک کردیا ـــ یہ بالکل ممکن ہے کہ کعبۃ اللہ کو ڈھانے کی غرض سے مکہ پر چڑھائی کرنے کا بہانہ تلاش کرنے کے لیے یہ جھوٹا پروپیگنڈا کرایا گیا ہو، ہمارے ملک میں فرقہ وارانہ فساد کرانے کے لیے اس طرح کے پروپیگنڈے سے خوب آگ لگائی جاتی ہے ـــ بہر حال واقعہ ہو یا خالی پروپیگنڈہ اسی کو بہانا بنا کر ابرہہ نے مکہ پر فوج کشی کا منصوبہ بنایا ـــ ابرہہ اگرچہ یمن کا با اختیار حکمراں تھا لیکن ایک طرح سے حبشہ کی عیسائی شہنشاہی کے ماتحت تھا. اس نے اپنی اس فوجی مہم کے سلسلہ میں حبشہ کی حکومت سے بھی مدد لی اور خاص طور سے ہاتھیوں کا ایک دستہ منگوایا، اور بیان کیا گیا ہے کہ ساٹھ ہزار کا لشکر جرار لیکر اس ناپاک ارادے سے مکہ کی طرف کوچ کیا. اس لشکر میں آگے ہاتھیوں والا دستہ رہتا تھا۔ یہ تدبیر غالباً عربوں کو دہشت زدہ کرنے کے لیے کی گئی تھی، کیونکہ عرب عوام کے لیے ہاتھی جیسی کوہ پیکر مخلوق بالکل نئی چیز تھی ـــ بہر حال یہ لشکر منزلیں طے کرتا ہوا مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ گیا اور اس نے کچھ فاصلہ پر ایک وادی میں پڑاؤ کیا ـــ جہاں لشکر نے پڑاؤ کیا اُس کے قریب مکہ والوں کے اونٹوں کی چراگاہ تھی جہاں اُن کے اونٹ چر رہے تھے۔ ان میں دو سو اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد خواجہ عبدالمطلب کے بھی تھے۔ لشکر والوں نے ان سارے اونٹوں کو مال غنیمت بنالیا ـــ ابرہہ کے لشکر کی اور اُس کی اس حرکت کی اطلاع بھی اہل مکہ کو ہوگئی۔

ابرہہ نے جہاں پڑاؤ کیا تھا وہاں سے اپنے ایک سفیر کے ذریعہ اہل مکہ کے پاس یہ پیام بھیجا کہ ہم صرف اس کعبہ کو ڈھانے اور ختم کرنے کے لیے آئے ہیں، تم سے جنگ کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے اس لیے تم لوگوں کے حق میں بہتر یہ ہے کہ تم کوئی مزاحمت نہ کرو بلکہ دور دور رہو۔ اگر مزاحمت کروگے تو ہمارا راستہ تو تم روک نہیں سکوگے البتہ سب کچل کے رہ جاؤگے ـــ اس لیے تمہارے لیے سلامتی اور عافیت کا راستہ یہی ہے

کہ تم الگ رہو ــــ ابرہہ کا سفیر یہ پیام لیکر مکہ آیا، اُس کو معلوم ہوا کہ یہاں کے سب سے بڑے سردار اور بزرگ قوم، خواجہ عبدالمطلب ہیں۔ جو بات کرنی ہو اُن سے کی جائے ــــ چنانچہ ابرہہ کا سفیر اُن سے ملا اور بات پہنچائی ــــ انھوں نے فرمایا کہ یہ کعبہ میرا یا ہم میں سے کسی کا گھر نہیں ہے۔ یہ "بیت اللہ" ہے جس کو اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم نے اللہ کے حکم سے بنایا تھا، اس کے ڈھانے کی کوشش کرنا اس اللہ سے لڑائی مول لینا ہے اس لیے تمہارے بادشاہ کو ہمارا نیک مشورہ یہ ہے کہ ایسا ارادہ نہ کریں واپس چلے جائیں ــــ (بعض تاریخی روایتوں میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اہل مکہ میں سے کچھ لوگوں نے یہ پیش کش بھی کی کہ ہم اپنے فلاں پیداواری علاقہ کی پیداوار کا اتنا حصہ یمن کی حکومت کو بطور خراج ادا کیا کریں گے)۔

سفیر خواجہ عبدالمطلب کی باتوں سے اور ان کی شخصیت سے کچھ متاثر ہوا، اُس نے کہا کہ بہتر یہ ہوگا کہ آپ میرے ساتھ چلیں اور خود ہی ہمارے بادشاہ (ابرہہ) سے بات کرلیں ــــ خواجہ عبدالمطلب اس کے ساتھ روانہ ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ظاہری وجاہت بھی دی تھی، ابرہہ نے دیکھا تو وہ بھی اُن کی وجاہت سے متاثر ہوا، اُن کا اکرام کیا، برابر میں بٹھایا اور کہا کہ آپ کو ہمارے سفیر کے ذریعہ ہمارا مقصد معلوم ہوچکا ہے۔ اب آپ جو کچھ کہنا چاہیں کہیں ــــ انھوں نے کہا کہ میرا ذاتی مسئلہ تو بس اتنا ہے کہ آپ کے لشکر والوں نے ہمارے اونٹ پکڑ لیے ہیں وہ ہم کو واپس دیدیے جائیں

ابرہہ نے کہا کہ آپ کو دیکھ کر تو میں نے آپ کو بڑا اور بلند خیال آدمی سمجھا تھا، لیکن آپ نے جو بات کی وہ تو بڑے آدمیوں والی بات نہیں ہے ــــ آپ کو یہ معلوم ہوچکا ہے کہ ہم آپکے کعبہ کو ڈھانے اور ختم کردینے کے لیے آئے ہیں، آپ نے اُس سلسلہ میں مجھ سے کچھ بھی نہیں کہا صرف اپنے اونٹوں کی واپسی کی بات کی ــــ خواجہ عبدالمطلب نے بڑی سنجیدگی سے کہا "اِنِّیْ اَنَا رَبُّ الْاِبِلِ وَاِنَّ لِلْبَیْتِ رَبًّا سَیَمْنَعُہٗ" (یعنی میری ملکیت کی چیز تو بس میرے یہ اونٹ ہیں، اس لیے میں نے اُن ہی کے بارے میں آپ سے کہا، رہا کعبہ تو اس کا جو مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا) (تاریخی روایات میں یہ بھی ذکر

کیا گیا ہے کہ اس گفتگو کے بعد ابرہہ نے وہ اونٹ واپس کرا دیے جو لشکر والوں نے پکڑ لیے تھے۔)

میرا خیال ہے کہ خواجہ عبد المطلب اور مکہ کے دوسرے ذمہ داروں نے یہ رویہ سوچ سمجھ کے اس لیے اختیار کیا تھا کہ ابرہہ کے لشکر کی مزاحمت کا ان کے لیے کوئی امکان نہیں تھا۔ اگر مزاحمت کرتے تو صرف کچلے جاتے اور جو ہونا تھا وہ ہو جاتا۔ ایسی حالت میں ابرہہ سے جنگ کرنے کا نہ خدا کا حکم تھا نہ عقل کا فتویٰ تھا ـــــ ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ معاملہ خدا کے سپرد کرتے اور اس کے سامنے روتے گڑگڑاتے ـــــ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ روایتوں میں ہے کہ انھوں نے خانہ کعبہ کا حلقہ پکڑ کر بہت ہی الحاح اور اضطراری کے ساتھ دعا کی اور لوگوں نے بھی دعائیں کیں۔

اُدھر یہ ہوا کہ ابرہہ نے منصوبے اور پروگرام کے مطابق خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لیے لشکر کو اس کی طرف بڑھنے کا حکم دیا، سب سے آگے ہاتھیوں والا دستہ تھا اور اس میں ایک ہاتھی جو سب سے بڑا تھا اور گویا سب ہاتھیوں کا سردار تھا اس کو آگے بڑھنا تھا، وہ جم کر کھڑا ہو گیا اور کسی طرح قدم بڑھانے پر تیار نہیں ہوا، کعبۃ اللہ کے رخ کے علاوہ جس رخ پر چلایا جاتا چلتا لیکن جب کعبہ کی طرف بڑھایا جاتا تو جم کے کھڑا ہو جاتا اور قدم نہ اٹھاتا۔ بالآخر وہ بیٹھ گیا، اور فیل بان کی ہر طرح کی کوششوں کے باوجود کھڑا نہیں ہوا ـــــ اسی اثنا میں چڑیوں کے غول کے غول کسی طرف سے آئے اور ابرہہ کے لشکر پر ان چڑیوں نے پتھریاں برسائیں، گویا اللہ تعالیٰ نے ابرہہ اور اس کے لشکر کو سنگسار کرنے کے لیے چڑیوں کا لشکر بھیجا ـــــ روایات میں ہے کہ یہ چڑیاں سمندر کی جانب سے آئی تھیں، یہ عجیب قسم کی چڑیاں تھیں جو اس دنیا میں کبھی نہیں دیکھی گئیں ان کا رنگ زردسا تھا اور یہ کبوتر سے کچھ چھوٹی تھیں، ان میں سے ہر چڑیا کی چونچ میں اور دونوں پنجوں میں کنکر کی ایک ایک پتھریا تھی۔ یہ پتھریاں وہ لشکر والوں پر گراتی تھیں اور وہ گولی کا کام کرتی تھیں۔ قرآن

مجید میں ان چڑیوں کے غولوں کو "طَیْرًا اَبَابِیْل" فرمایا گیا ہے۔ طیر کے معنی ہیں پرندے، چڑیاں، اور ابابیل کے معنی ہیں غول در غول، جھنڈ کے جھنڈ، پرے کے پرے۔ —— ہماری اردو زبان میں ایک چھوٹے سے پرند کو "ابابیل" کہتے ہیں، پرانے گھروں میں اس کے گھونسلے ہوتے ہیں اور عجیب قسم کے ہوتے ہیں وہ اکثر شام کو غروب آفتاب کے قریب نکلتا ہے —— یہاں وہ "ابابیل" مراد نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ میں نے کہا "ابابیل" کے معنی ہیں پرندوں کے غول کے غول اور چڑیوں کے پرے کے پرے۔ یہ گویا چڑیوں کی فوج تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کے ہاتھیوں والے لشکر کے مقابلہ کے لیے بلکہ اس کو فنا کرنے کے لیے بھیجا تھا —— ان چڑیوں کی اس سنگباری اور سنگساری سے ابرہہ کے لشکر کا یہ حال ہوا کہ وہ گویا بھوسہ بلکہ کھائے ہوئے بھوسے کی طرح ہو گیا (کعصفٍ ماکول) ہماری اردو زبان کا بھی محاورہ ہے کہ مار مار کے بھوسہ بنا دیا —— یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک خاص ظہور تھا۔ ابرہہ بڑے غرور کے ساتھ ہاتھیوں والا لشکر لیکر آیا تھا اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ اس کو اور اس کے لشکر کو ننھی منّی چڑیوں سے فنا کرا کے قدرت کا معجزہ دکھایا جائے۔

جیسا کہ میں نے شروع میں کہا تھا یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے کچھ ہی دنوں پہلے ظہور میں آیا تھا —— اس طرح کے معجزانہ واقعات اگر اللہ کے کسی پیغمبر کی تائید و تصدیق کے لیے ظاہر ہوں تو ان کو معجزہ کہا جاتا ہے۔ جیسے نوح علیہ السلام کی دعا سے طوفان آجانا، یا موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کا تعاقب کرتے ہوئے فرعون اور اس کے لشکر کا غرقاب ہو جانا، یا غزوۂ احزاب کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی آندھی کا آجانا جس نے دشمن کے ایسے بڑے طاقتور لشکر کو جس کا عالم اسباب میں مقابلہ نہیں کیا جاسکتا تھا بھاگنے پر مجبور کر دیا —— بہرحال اس طرح کے خارق عادت واقعات جب کسی پیغمبر کی تائید و مدد کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوں تو ان کو معجزہ کہا

جاتا ہے ——— اور اگر کسی پیغمبر کی بعثت یا اس کی دنیا میں آمد سے کچھ پہلے ظاہر ہوں تو ان کو "اِرْہاص" کہا جاتا ہے۔ یہ معجزانہ واقعات پیغمبر کی آمد یا بعثت کی تمہید ہوتے ہیں تو "اصحاب فیل" کا یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی تمہید تھا۔ اس سورۃ الفیل میں اسی واقعہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

"الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل" مطلب یہ ہے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے اصحاب الفیل کے ساتھ کیسا معاملہ کیا ——— یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے بھی پہلے کا ہے تو پھر یہ کیسے فرمایا گیا کہ "کیا تم نے نہیں دیکھا؟ آپ کے تو دیکھنے کا امکان ہی نہیں تھا ——— اس کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی واقعہ ایسا مشہور و متواتر ہو کہ اُس کے بارے میں کسی شک شبہ کی گنجائش ہی نہ ہو تو نہ دیکھنے والوں کے لیے بھی وہ گویا دیکھا بھالا واقعہ ہوتا ہے اور اُن کے سامنے اسی طرح ذکر کیا جاتا ہے جیسے وہ اُن کا دیکھا ہوا ہے ——— اس وقت افغانستان میں بڑی تعداد میں روسی فوج ہے اور افغان مجاہدین ان کا مقابلہ کر رہے ہیں، ظاہر ہے کہ ہم میں سے کسی نے کبھی نہیں دیکھا ہے لیکن چونکہ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس میں کسی کو شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ افغانستان میں کتنی بڑی تعداد میں روس کی فوج ہے اور افغان مجاہدین کیسی بہادری سے ان کا مقابلہ کر رہے ہیں اور کیسی قربانی دے رہے ہیں ——— الغرض چونکہ "اصحاب الفیل" کے اس واقعہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اُس علاقے کے اس زمانے کے سب ہی لوگوں کو ایسا ہی یقینی علم تھا جیسا کہ بچشم خود دیکھی ہوئی چیزوں کا ہوتا ہے اس لیے فرمایا گیا "اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ" علاوہ ازیں اس سورت کے نزول کے وقت یقیناً ایسے بہت لوگ زندہ تھے جنھوں نے یہ واقعہ بچشم خود دیکھا تھا ——— آگے واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔

"اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ" "کید" کے معنی ہیں خفیہ تدبیر ہماری اردو

زبان میں اس کا ترجمہ "داؤ" اور "چال" سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ تو آیت کا مطلب یہ
ہوا کہ کیا تمھارے اُس پروردگار نے ان "اصحاب فیل" (ابرہہ اور اس کے لشکر) کی
خفیہ تدبیر اور اس کے داؤ اور چال کو یکسر ناکام نہیں کر دیا اور خاک میں نہیں ملا دیا۔
بظاہر "کید" سے اشارہ اس طرف ہے کہ ابرہہ نے ساٹھ ہزار کا جرار لشکر اور اس میں
ہاتھیوں کا دستہ ساتھ لیکر یہ چال چلی تھی کہ مکہ والے دہشت زدہ ہو کر مقابلہ ہی نہ کریں گے
اور ہم کسی مزاحمت کے بغیر کعبہ کو ڈھا دینے اور نیست و نابود کر دینے میں کامیاب
ہو جائیں گے اور پھر لوگ ہمارے بنائے ہوئے کنیسہ ہی کو قبلہ بنا لیں گے ——— لیکن
اللہ تعالیٰ نے اُس کے اس منصوبے اور اس تدبیر اور چال کو خاک میں ملا دیا ——— آگے
اس کی وضاحت اور تفصیل سے فرمایا گیا ہے "وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ o
تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ o فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ o"

"طَيْرًا اَبَابِيْل" کی تشریح میں کر چکا ہوں "سِجِّيْل" کے متعلق اہل لغت نے
لکھا ہے کہ فارسی کے لفظ "سنگِ گل" کو عربی بنا لیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ ہوگا مٹی
سے بنا ہوا پتھر۔ یہ وہ ہوا جس کو ہم اپنی زبان میں کنکر کہتے ہیں "عصف" کے معنی
بھوسہ اور "ماکول" کھایا ہوا ——— تو ان تینوں آخری آیتوں کا مطلب یہ ہوا
کہ۔ تمھارے رب اور پروردگار نے "اصحاب فیل" یعنی ابرہہ اور اس کے ہاتھیوں
والے لشکر کو نیست و نابود کرنے کے لیے چڑیوں کے غول اور جھنڈ کے جھنڈ بھیج
دیے۔ جو ان کو کنکر کی پتھریوں سے مارتے تھے۔ پھر ان چڑیوں کی اس سنگباری کے ذریعہ
اللہ تعالیٰ نے ان "اصحاب فیل" کو بالکل بھوسہ کر دیا اور وہ بھی کھایا ہوا اور چبایا ہوا بھوسہ۔

یہ چڑیاں خدا کے غیبی لشکروں میں سے ایک لشکر تھا جس طرح قوم نوح پر طوفان بھیجا
گیا قوم عاد پر تباہ کن آندھیاں بھیجی گئیں جنھوں نے بستیوں کو نیست و نابود کر دیا۔ یہ سب
اللہ تعالیٰ کے غیبی لشکر تھے۔ قرآن مجید میں ہے "وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ" (اللہ
تعالیٰ کے لشکر لاتعداد ہیں اُن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا) اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت
سے فیصلہ فرماتا ہے کہ کس موقع پر کس لشکر سے کام لیا جائے "اصحاب فیل" کے بارہ میں حکمت
الٰہی کا تقاضا یہی تھا کہ ہاتھیوں والے لشکر کو چڑیوں سے نیست و نابود کرایا جائے۔

محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث (مسلسل)

علامات قیامت (۲)

[اس عنوان کے تحت پہلی قسط، جمادی الاخریٰ (اپریل) کے شمارے میں شائع ہوئی تھی، اس کے آگے دوسری قسط آج کی صحبت میں نذر ناظرین کی جا رہی ہے۔]

قیامت کی علامات کبریٰ۔ آفتاب کا جانب مغرب سے طلوع، دابۃ الارض کا خروج، دجال کا ظہور، حضرت مسیح کا نزول

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ الْاٰيٰتِ خُرُوْجًا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَخُرُوْجُ الدَّابَّةِ عَلَى النَّاسِ ضُحًى وَاَيُّهُمَا كَانَتْ قَبْلَ صَاحِبَتِهَا فَالْاُخْرٰى عَلٰى اِثْرِهَا قَرِيْبًا

رواہ مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے سب سے پہلے جس کا ظہور ہوگا وہ آفتاب کا طلوع ہونا ہے مغرب کی طرف سے اور

لوگوں کے سامنے چاشت کے وقت دابۃ الارض کا برآمد ہونا اور دونوں میں سے جو بھی پہلے ہو، دوسری اُس کے بعد متصلاً ہی ہوگی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ظاہر یہ ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا اُس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر اتنا ہی منکشف کیا گیا تھا کہ قیامت کی علاماتِ کبریٰ میں سے سب سے پہلے اِن دو غیر معمولی اور خارقِ عادت واقعات کا ظہور ہوگا، ایک یہ کہ آفتاب جو ہمیشہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے وہ ایک دن جانبِ مغرب سے طلوع ہوگا اور دوسرے یہ کہ ایک عجیب و غریب جانور (دابۃ الارض) کا خارقِ عادت طریقہ سے ظہور ہوگا ـــ اُس وقت تک آپ پر یہ منکشف نہیں فرمایا گیا تھا کہ ان میں سے کونسا واقعہ پہلے ہوگا اور کون بعد میں، اس لیے آپ نے فرمایا کہ ان میں سے جو بھی پہلے ہو دوسرا اس کے بعد متصلاً ہی ہوگا۔ ـــ گویا یہ دونوں واقعے ساتھ ساتھ ہوں گے۔

"دابۃ الارض" کے خروج کا ذکر قرآن مجید (سورۂ نمل کی آیت ۸۲) میں بھی فرمایا گیا ہے ـــ اس کے بارے میں بہت سی بے اصل باتیں عوام میں مشہور ہیں اور تفسیر کی بعض کتابوں میں بھی اُس سے متعلق رطب و یابس روایتیں لکھ دی گئی ہیں لیکن قرآن پاک کے ظاہری الفاظ اور قابلِ اعتبار روایات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمین پر چلنے اور دوڑنے والا جانور ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ خارقِ عادت طریقہ سے زمین سے پیدا فرمائے گا۔ (جس طرح حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کی ایک چٹان سے پیدا فرمائی تھی) اور وہ بحکم خداوندی انسانوں کی طرح کلام کرے گا اور ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم کرے گا ـــ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ کی صفا پہاڑی سے برآمد ہوگا۔

یہ دونوں واقعات جن کا اس حدیث میں ذکر ہے (آفتاب کا بجائے مشرق کے جانب مغرب سے طلوع ہونا اور کسی جانور (دابۃ الارض) کا توالد و تناسل کے عام معروف طریقہ کے بجائے زمین سے برآمد ہونا) بظاہر اُس نظامِ قدرت کے خلاف ہے

جو اس دنیا کا عام نظام ہے، اس لیے ایسے کم فہموں کو جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت سے آشنا نہیں ہیں ان کے بارہ میں شک شبہ ہو سکتا ہے لیکن ان کو سمجھنا چاہیے کہ یہ سب اس وقت ہوگا جب دنیا کا وہ نظام جس پر یہ دنیا چل رہی ہے ختم کیا جائیگا اور قیامت کا دور شروع ہوگا اور زمین و آسمان بھی فنا کر دیے جائیں گے اور دوسرا عالم برپا ہوگا پھر تو وہ سب کچھ سامنے آئے گا جو ہماری اس دنیا کے نظام سے بالکل مختلف ہوگا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قیامت کی "علامات خاصہ" اور "علامات کبریٰ" بھی دو طرح کی ہیں بعض وہ ہیں جن کا ظہور قیامت کے بالکل قریب میں ہوگا۔ گویا ان علامات کے ظہور ہی سے قیامت کی شروعات ہو جائے گی جس طرح صبح صادق کی نمود دن کی آمد کی علامت ہوتی ہے اور اسی سے دن کی آمد شروع ہو جاتی ہے۔ یہ دونوں علامتیں جن کا اس حدیث میں ذکر ہے اسی قبیل سے ہیں، اور اس قبیل کی علامتوں میں سب سے پہلے انہی کا ظہور ہوگا اور ان کا ظہور گویا اس کا اعلان ہوگا کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ابتک جس نظام پر چل رہی تھی، اب وہ ختم ہو گیا اور قیامت کا دور اور دوسرا نظام شروع ہو گیا ــــــ اور قیامت کی "علامات کبریٰ" میں سے بعض وہ ہیں جن کا ظہور قیامت سے کچھ مدت پہلے ہوگا اور وہ قرب قیامت کی علامت ہوں گے، دجال کا خروج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول (جن کا ذکر آگے درج ہونے والی حدیثوں میں آرہا ہے) قیامت کی اسی قسم کی علامات میں سے ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ اِذَا خَرَجْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِىْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَالدَّجَّالُ وَدَابَّةُ الْاَرْضِ ــــــ رواہ مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (قیامت کی نشانیوں میں سے) تین وہ ہیں جن کے ظہور کے

بعد کسی ایسے شخص کو جو پہلے ایمان نہیں لایا تھا اور ایمان کے ساتھ عمل صالح نہیں کیا تھا اُس کا ایمان لانا (اور نیک عمل کرنا) کوئی نفع نہیں پہنچائے گا۔ (اور کچھ کام نہ آئے گا، آفتاب کا طلوع ہونا مغرب کی جانب سے اور دجّال کا ظاہر ہو جانا اور دابّۃ الارض کا برآمد ہونا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ان تینوں نشانیوں کے ظہور کے بعد یہ بات کھل کر سب کے سامنے آجائے گی کہ اب دنیا کے نظام کے درہم برہم ہونے کا اور قیامت کا وقت قریب آگیا، اس لیے اُس وقت ایمان لانا یا گناہوں سے توبہ کرنا یا صدقہ خیرات جیسا کوئی نیک کام کرنا جو پہلے نہیں کیا گیا تھا ایسا ہو گا جیسا کہ موت کے دروازے پر پہنچ کر اور غیبی حقائق کا مشاہدہ کر کے کوئی ایمان لائے یا گناہوں سے توبہ کرے، یا صدقہ خیرات جیسا کوئی نیک کام کرے، اس لیے اس کا اعتبار نہ ہو گا اور وہ کام نہ آئے گا۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا بَيْنَ خَلْقِ آدَمَ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ أَمْرٌ أَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ۔

(رواہ مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عمران بن حُصَینؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ حضرت آدم کی پیدائش سے لیکر قیامت آنے تک کوئی امر (کوئی واقعہ اور حادثہ) دجّال کے فتنہ سے بڑا اور سخت نہ ہو گا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے اب تک اور اب سے قیامت تک اللہ کے بندوں کے لیے جو بے شمار فتنے پیدا ہوئے اور ہوں گے دجّال کا فتنہ ان میں سب سے عظیم و شدید ہو گا اور بندگانِ خدا کے لیے اس میں سخت ترین آزمائش ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ایمان پر قائم رکھے اور ایمان کے ساتھ اُٹھائے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا عَنِ الدَّجَّالِ مَا حَدَّثَ بِهِ نَبِيٌّ قَوْمَهُ

إِنَّهُ أَعْوَرُ وَإِنَّهُ يَجِيءُ مَعَهُ مِثْلُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَالَّتِي يَقُولُ إِنَّهَا الْجَنَّةُ هِيَ النَّارُ وَإِنِّي أُنْذِرُكُمْ كَمَا أَنْذَرَ نُوحٌ قَوْمَهُ ——— رواہ البخاری ومسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں دجال کے فتنہ کے بارے میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتلاؤں جو کسی پیغمبر نے اپنی امت کو نہیں بتلائی (سنو) وہ کانا ہوگا (اس کی آنکھ میں انگور کے دانے کی طرح ناخنہ پھولا ہوگا) اور اس کے ساتھ ایک چیز ہوگی جنت کی طرح اور ایک دوزخ کی طرح، پس وہ جس کو جنت بتائے گا وہ فی الحقیقت دوزخ ہوگی، اور میں تم کو دجال کے بارے میں آگاہی دیتا ہوں جیسی آگاہی اللہ کے پیغمبر نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دی تھی۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے ذخیرے میں مختلف صحابہ کرام سے دجال سے متعلق اتنی حدیثیں مروی ہیں جن سے مجموعی طور پر یہ بات قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے قریب دجال کے ظہور کی اطلاع دی ہے اور یہ کہ اس کا فتنہ بندگان خدا کے لیے عظیم ترین اور شدید ترین فتنہ ہوگا، وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور اس کے ثبوت میں عجیب وغریب کرشمے دکھائے گا ——— انہی کرشموں میں سے ایک یہ بھی ہوگا کہ اس کے ساتھ جنت کی طرح ایک نقلی جنت اور دوزخ کی طرح ایک نقلی دوزخ ہوگی ——— اور حقیقت یہ ہوگی کہ جس کو وہ جنت بتلائے گا وہ دوزخ ہوگی اور اسی طرح جس کو وہ دوزخ کہے گا وہ در حقیقت جنت ہوگی۔ ——— یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دجال کے ساتھ والی یہ دوزخ اور جنت صرف اس کی جادوگری، شعبدہ بازی اور نظر فریبی کا نتیجہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت سے ہماری آزمائش کے لیے شیطان پیدا فرمایا ہے، اور دجال پیدا فرمائے گا اسی طرح دجال کے ساتھ والی جنت اور دوزخ

بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہو ـــــ اسی کے ساتھ اُس کی دجالیت اور گذابیت کی ایک کھلی علامت یہ ہوگی کہ وہ آنکھ سے کانا ہوگا اور صحیح روایات میں ہے کہ اس کی آنکھ میں انگور کے دانے جیسا پھولا ہوگا جو سب کو نظر آئے گا۔ اس کے باوجود بہت سے خدا ناآشنا جو ایمان سے محروم ہوں گے یا جو بہت ضعیف الایمان ہوں گے اُس کی شعبدہ بازیوں اور استدراجی کرشموں سے متاثر ہو کر اس کے خدائی کے دعوے کو مان لیں گے، اور جنکو ایمان کی حقیقت نصیب ہوگی اُن کے لیے دجال کا ظہور اور اس کے خارق عادت کرشمے ایمان و یقین میں مزید ترقی اور اضافہ کا ذریعہ بنیں گے، وہ اس کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہی وہ دجال ہے جس کی خبر ہمارے پیغمبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، اس طرح دجال کا ظہور اُن کے لیے ترقی درجات کا وسیلہ بنے گا۔

دجال کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے خوارق:۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا قیامت سے پہلے دجال کے ظہور سے متعلق حدیث نبوی کے ذخیرہ میں اتنی روایتیں ہیں جنکے بعد اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ قیامت سے پہلے دجال کا ظہور ہوگا، اسی طرح ان روایات کی روشنی میں اس میں بھی کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور اس کے ہاتھ پر بڑے غیر معمولی اور محیر العقول قسم کے ایسے خارق عادت امور ظاہر ہوں گے جو بظاہر مافوق الفطرت اور کسی بشر اور کسی بھی مخلوق کی طاقت و قدرت سے باہر اور بالاتر ہوں گے ـــــ مثلاً یہ کہ اُس کے ساتھ جنت اور دوزخ ہوگی (جس کا مندرجہ بالا حدیث میں بھی ذکر ہے) اور مثلاً یہ کہ وہ بادلوں کو حکم دے گا کہ بارش برسے اور اس کے حکم کے مطابق اسی وقت بارش ہوگی ـــــ اور مثلاً یہ کہ وہ زمین کو حکم دے گا کہ کھیتی اُگے، اور اسی وقت زمین سے کھیتی اُگتی نظر آئے گی ـــــ اور مثلاً یہ کہ جو خدا ناشناس اور ظاہر پرست لوگ اس طرح کے خوارق دیکھ کر اس کو خدا مان لیں گے اُن کے دنیوی حالات بظاہر بہت ہی اچھے ہو جائیں گے اور وہ خوب پھولتے پھلتے نظر آئیں گے اور اس کے

برخلاف جو مومنین صادقین اس کے خدائی کے دعوے کو رد کر دیں گے اور اس کو دجال قرار دیں گے بظاہر اُن کے دنیوی حالات بہت ہی ناساز گار ہو جائیں گے اور وہ فقر و فاقے میں اور طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا نظر آئیں گے ―― اور مثلاً یہ کہ وہ ایک اچھے طاقتور جوان کو قتل کر کے اُس کے دو ٹکڑے کر دے گا اور پھر وہ اس کو اپنے حکم سے زندہ کر کے دکھا دے گا اور سب دیکھیں گے کہ وہ جیسا تندرست و توانا جوان تھا ویسا ہی ہو گیا ―― الغرض حدیث کی کتابوں میں دجال کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے اس طرح کے محیر العقول خوارق کی روایتیں بھی اتنی کثرت سے ہیں کہ اس بارے میں کبھی کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ اُس کے ہاتھ پر اس طرح کے خوارق ظاہر ہوں گے ―― اور یہی بندوں کے لیے امتحان اور آزمائش کا باعث ہوں گے۔

اس طرح کے خوارق اگر انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوں تو اُن کو معجزہ کہا جاتا ہے جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ وغیرہ انبیاء کرام کے وہ معجزات جن کا ذکر قرآن مجید میں بار بار فرمایا گیا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ شق القمر اور دوسرے معجزات جو حدیثوں میں مروی ہیں ―― اور اگر ایسے خوارق انبیاء علیہم السلام کے متبعین مومنین صالحین کے ہاتھ پر ظاہر ہوں تو ان کو کرامت کہا جاتا ہے، جیسے کہ قرآن پاک میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے اور اس امت محمدیہ کے اولیاء اللہ کے سیکڑوں بلکہ ہزاروں واقعات معلوم و معروف ہیں ―― اور اگر اس طرح کے خوارق کسی کافر و مشرک یا فاسق و فاجر داعی ضلالت کے ہاتھ پر ظاہر ہوں تو اُن کو استدراج کہا جاتا ہے، دجال کے ہاتھ پر جو خوارق ظاہر ہوں گے وہ استدراج ہی کے قبیل سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دار الامتحان بنایا ہے، انسان میں خیر کی بھی صلاحیت رکھی گئی ہے اور شر کی بھی، اور ہدایت اور دعوت الی الخیر کے لیے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے اور اُن کے نائبین قیامت تک یہ خدمت انجام دیتے

رہیں گے اور اضلال اور دعوت شر کے لیے شیطان اور انسانوں اور جنات میں سے اس کے چیلے چانٹے بھی پیدا کیے گئے جو قیامت تک اپنا کام کرتے رہیں گے ——— بنی آدم میں خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہدایت اور دعوت الی الخیر کا کمال ختم کر دیا گیا، اب آپ ہی کے نائبین کے ذریعہ قیامت تک ہدایت وارشاد اور دعوت الی الخیر کا سلسلہ جاری رہے گا ——— اور اضلال اور دعوت شر کا کمال دجال پر ختم ہوگا اور اسی لیے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور استدراج ایسے غیر معمولی اور محیر العقول خوارق دیے جائیں گے جو پہلے کسی داعی ضلال کو نہیں دیے گئے ——— یہ گویا بندوں کا آخری امتحان ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ یہ ظاہر فرمائے گا کہ سلسلہ نبوت وہدایت خاصکر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نائبین کی ہدایت وارشاد اور دعوت الی الخیر کی مخلصانہ کوششوں کے نتیجہ میں وہ صاحب استقامت بندے بھی اس دجالی دنیا میں موجود ہیں جن کے ایمان ویقین میں ایسے محیر العقول خوارق دیکھنے کے بعد بھی کوئی فرق نہیں آیا بلکہ ان کی ایمانی کیفیت میں اضافہ ہوا اور ان کو وہ مقام صدیقیت حاصل ہوا جو اس سخت امتحان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا ——— پھر اس دجالی فتنہ کو ختم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا جیسا کہ آگے درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہوگا ——— اور انہی حدیثوں کی تشریح میں ان شاء اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور نزول کے مسئلہ پر لکھا جائے گا۔

کتاب اللہ کا باب وصیت

جناب مولانا ثناء اللہ عمری ایم اے عثمانیہ

(۲)

[اس مضمون کی پہلی قسط گزشتہ شمارے میں شائع ہوئی تھی، اس سے ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ فاضل مضمون نگار نے اس میں قرآن مجید کی ان آیات کو ایک خاص ترتیب سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا بحکم خداوندی کسی پیغمبر کی زبان سے دین و شریعت سے متعلق اہم ہدایات وصیت کے عنوان سے دی گئی ہیں —— اس سلسلہ میں سورۂ شوریٰ، سورۂ بقرہ، سورۂ انعام اور سورۂ مریم کی آیات پہلی قسط میں آ چکی ہیں، جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہو چکا ان آیات میں توحید، حقوق اللہ، حقوق العباد اور اخلاق وغیرہ سے متعلق ان بنیادی ہدایات کا ذکر فرمایا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے جلیل القدر پیغمبروں حضرت ابراہیم موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کو اور ان کی وساطت سے ان کی امتوں کو اور امت محمدیہ کو بھی وصیت کے عنوان سے دی گئی ہیں۔ آخر میں سورۂ مریم کی آیات پیش کی گئی تھیں جن میں اس وصیت کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کی گئی تھی —— اس کے آگے اس زیر نظر دوسری قسط میں پڑھا جائے۔]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے، قرآن نے باب الوصایا میں آپ کے نام نامی کے بعد حضرت لقمان کا ذکر کیا ہے۔ جو بنی اسرائیل ہی کے ایک دانشور تھے، لقمان نام کی ایک پوری سورت موجود ہے" اس کے دوسرے رکوع میں اس اجمال کی پوری تفصیل موجود ہے۔ جو حضرت عیسیٰ کی وصیت میں ہم پڑھ چکے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ

مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ○ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ○ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ○ (۱۳-۱۹)

یاد کرو جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا تو اس نے کہا "بیٹا! خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے" اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا، اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے، (اسی لیے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا شکر بجا لا، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے، لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان، اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ، مگر پیروی اس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا، پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے، اس وقت میں تمھیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو" (اور لقمان نے کہا کہ) بیٹا! کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر بھی ہو اور کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی

ہو تو اللہ اسے نکال لائے گا، وہ باریک بین اور باخبر ہے، بیٹا! نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے، بدی سے منع کر، اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر، یہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے، اور لوگوں سے منھ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین میں اکڑ کر چل، اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا، اپنی چال میں اعتدال اختیار کر، اور اپنی آواز پست رکھ، سب آوازوں سے زیادہ بری آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے۔

طبری نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت لقمان حبشی غلام تھے، رنگ و روپ کے کالے کلوٹے تھے مگر رنگ ڈھنگ کے نرالے تھے، مرد صالح تھے پیغمبر نہیں تھے، بنی اسرائیل کے قاضی تھے، اصابت رائے اور عقل و فہم میں ممتاز تھے، آیت (۱۲) میں ارشاد ہے کہ ہم نے لقمان کو حکمت یعنی اصابت رائے اور جچی تلی باتوں کا علم عطا کیا تھا، آیت (۱۳) میں فرمایا کہ حضرت لقمان اپنے بیٹے کو پند و موعظت سنا رہے ہیں، شرک سے اجتناب کی نصیحت کر رہے ہیں، یہ حکمت کی بڑی سے بڑی بات ہے جو کہی جا سکتی ہے اور جو حضرت لقمان نے کہی، آیت ۱۴ اور ۱۵ جملہائے معترضہ ہیں، جو دو حقیقتوں کی نشاندہی کرتے ہیں، پہلی یہ کہ انسان اپنے والدین کا فرمانبردار ہو جو اس کے دنیا میں آنے کا سبب ہیں، دوسری یہ کہ وہ اس سبب میں ایسا کھو نہ جائے کہ مسبب الاسباب کی سرکشی لازم آئے، ان دونو ذمہ داریوں کی حدیں مقرر کر دی ہیں۔ اس حد فاصل کی تعیین کے بعد حضرت لقمان کی نصیحت آگے بڑھتی ہے، اور یہ ایسی جامع ہے کہ اس میں عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات غرض سبھی چیزیں آگئی ہیں، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اور عزم و ثبات کا تذکرہ بھی آگیا، شرک کے بعد انھوں نے جس بات کی قباحت ذہن نشین کرنی چاہی ہے، وہ رذائل اخلاق ہیں، وہ پہلے بری باتوں سے روکتے ہیں پھر نیکی کا حکم دیتے ہیں، جیسے طبیب مرض کا علاج پہلے کرتا ہے اور مقوی غذا دل

کا اثر بعد میں رکھتا ہے، کیونکہ مرض کی موجودگی میں بہتر سے بہتر غذا بھی مفید نہیں ہو سکتی، اسی طرح عقائد و اعمال کی اصلاح سے پہلے کسی قلب و دماغ میں حق کا بیج بارآور نہیں ہو سکتا، انداز بیان ملاحظہ ہو کہ حضرت لقمان لخت جگر کو نصیحت کر رہے ہیں، پہلی بات جو فرمائی وہ شرک کی نفی اور توحید باری کے التزام کی تھی، جوں ہی یہ بات ختم ہوئی باری تعالیٰ نے انھیں روک دیا، نصیحت کی باگ خود لے لی، اور جس باپ نے بیٹے کو توحید کی تلقین کی تھی اسی باپ کی خدمت و اطاعت کا درس دیا، جب یہ درس پورا ہو گیا تو نصیحت کی باگ دوبارہ حضرت لقمان نے سنبھال لی، قربان جائیے، اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے حقوق کی نگہداشت کس قدر محبوب ہے، سے

چہ لطف ہا کہ دریں شیوۂ نہانی نیست
عنایتے کہ تو داری بمن بیانی نیست

یہ سورۂ لقمان کی آیتیں تھیں، اس سے پہلے سورۂ عنکبوت میں بھی یہ مضمون وصیت ہی کے طور پر بیان ہوا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ (۸)

ہم نے انسان کو ہدایت کی ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے، لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسے (معبود) کو شریک ٹھہرائے جسے تو (میرے شریک کی حیثیت سے) نہیں جانتا تو ان کی اطاعت نہ کر، میری ہی طرف تم سب کو پلٹ کر آنا ہے، پھر میں تم کو بتادوں گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔

یہاں بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے، معاً بعد شرک سے اجتناب کا حکم بھی دیا ہے، پھر یاددہانی کی ہے کہ جہاں اللہ کی نافرمانی

لازم آتی ہو وہاں بندوں کی فرمانبرداری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگرچہ وہ والدین ہی کیوں نہ ہوں، (لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ)۔ "مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ" یعنی شرک ایک ایسا موقف ہے کہ علم صحیح اور عقل سلیم اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دے سکتے، یہاں خطاب عام انسانیت سے ہے۔

والدین کے ساتھ حسن معاملت کی وصیت سورۂ احقاف میں بھی کی گئی ہے

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُونَ شَهْرًا حَتّٰى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِي أَصْحٰبِ الْجَنَّةِ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۝ (۱۵-۱۶)

ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے، اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا، اور مشقت اٹھا کر ہی اس کو جنا، اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری طاقت کو پہنچا اور چالیس سال کا ہو گیا تو اس نے کہا "اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائیں، اور ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور میری اولاد کو بھی نیک بنا کر مجھے سکھ دے، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں، اور تابع فرمان (مسلم) بندوں میں سے ہوں" اس طرح کے لوگوں سے ہم ان کے بہترین اعمال کو قبول کرتے ہیں اور ان کی برائیوں سے درگزر کر جاتے ہیں، یہ

جنتی لوگوں میں شامل ہوں گے، اس سچے وعدے کے مطابق جو ان سے کیا جاتا رہا ہے۔

ان آیتوں میں مذکورہ بالا وصیت کے ساتھ ایام حمل و رضاعت کی مشقتیں بھی بیان کی گئی ہیں، جن کا حال سن کر سعادت مند اولاد والدین کی احسان مند اور اپنے پروردگار کی شکر گزار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی، تا آنکہ احسان مندی اور شکر گزاری کے یہ جذبات عمل صالح اور اولاد صالح کی دعا اور توبہ و انابت کے وعدے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس دعا کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔

روایت ہے کہ یہ آیتیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں، جو بعثت کے دو سال بعد چالیس برس کے ہو گئے تھے، وہ مشرف بہ اسلام ہوئے، بعد ازاں ان کے والدین، بیٹے عبد الرحمٰن اور پوتے ابو عتیق نے بھی اسلام قبول کر لیا، سچ ہے چراغ سے چراغ جلتا ہے۔

اہل کتاب کی طرح، مشرکین نے بھی جانوروں کی حلت و حرمت سے متعلق بعض باتیں بنا لی تھیں، قرآن نے ان کی تردید کی ہے، اور واضح کر دیا ہے کہ ان خود ساختہ معیاروں کا اللہ کی ذات کی طرف انتساب غلط، بے جا جسارت اور کھلی افترا پردازی ہے، اس ضمن میں فرمایا کہ یہ جو تم غلط باتیں بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہو، کیا اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان کی تلقین کی؟ وصیت کی؟ کیا تم اس حکم اور فیصلے کے عینی شاہد ہو؟ تمھارا مقصد نادان لوگوں کو گمراہ کرنے کے سوا کچھ نہیں، کبھی کسی جانور کو مردوں کے لیے حلال اور بیویوں کے لیے حرام قرار دیتے ہو، اس کی کوئی اصل نہیں اور نہ علتِ تحریم و تحلیل کا کہیں پتہ ہے چنانچہ سورۂ انعام ہی میں فرمایا:

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ وَصَّىٰكُمُ ٱللَّهُ بِهَٰذَا ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ ٱفْتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ ٱلنَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (۱۴۴)

ترجمہ: تم (جو بغیر کسی علم و اساس کے خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کہہ رہے ہو تو) کیا تم اس وقت خدا کے پاس حاضر تھے، جب اس نے تمھیں اس بارے میں حکم دیا تھا؟ پھر بتلاؤ اس آدمی سے زیادہ ظلم کرنے والا کون ہوا جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے خدا پر افترا پردازی کرے، اور اس کے پاس (اس بارے میں) کوئی علم نہ ہو؟ بلاشبہ خدا ان لوگوں پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا جو ظلم کرنے والے ہیں۔

سورۂ نساء میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ساتھ مسلمانوں کو بھی عذاب آخرت سے ڈرنے اور بچنے کی تاکید کی ہے، بصورت دیگر اس کی خدائی میں کچھ کمی واقع نہیں ہوگی، خود ہی خسارے میں رہیں گے۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَاِیَّاکُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ وَاِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَکَانَ اللّٰهُ غَنِیًّا حَمِیْدًا ۝ (۱۳۱)

اور (مسلمانو! یاد رکھو!) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لیے ہے، (اس کے سوا کوئی نہیں) ہم نے یقیناً ان لوگوں کو جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور (اسی طرح) خود تم کو بھی یہ حکم دیا کہ اللہ (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو، (اور احکام حق کی پیروی کرو) اور اگر (اس کا حکم) نہ مانوگے تو (اس سے اس کی خدائی کا تو کچھ نقصان ہونے والا نہیں، تم خود ہی نقصان اٹھاؤگے) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لیے ہے، وہ بے نیاز ہے (ساری ستائشوں سے) ستودہ!

قرآن کی تصریح کے مطابق ہر قوم میں نبی بھیجے گئے، اور ان نبیوں کو کتابیں دی گئیں، ان کے حاملین کو اہلِ کتاب کہا گیا، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری انسانیت کو اس بات کی وصیت فرمائی ہے کہ وہ اس کے عذاب کی سختی سے ڈرتے اور بچتے رہیں۔

دینِ حق اور اس کے چھوٹے بڑے اجزاء کی جو وصیت اللہ نے پیغمبروں کو فرمائی جیسے انھوں نے اپنی جسمانی اور روحانی اولاد تک پہنچایا، سلسلۂ نبوت کے ختم ہونے سے اس کی تعمیل کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا، اب یہ خیر امت کے افراد کا فرضِ منصبی ہے کہ رہتی دنیا تک اسے باقی رکھیں۔

سورۂ عصر میں اسی باہمی وصیت کو قوموں کی نجات کی ضمانت کہا گیا ہے، اور قسم کے ذریعہ سے یہ بات زور دے کر کہی گئی ہے کہ تاریخِ عالم اس حقیقت کا شاہدِ عدل ہے۔

وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (۱-۳)

زمانہ کی قسم، انسان درحقیقت بڑے خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم فرماتے ہیں:

"اسلام ایک مکمل مذہب کے تمام اجزاء کا مجموعہ ہے، اس لیے اس نے عقائد و عبادات کے سلسلے میں اخلاق کو بھی نمایاں جگہ دی، لیکن خاص طور پر جن اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دی وہ تمام تر فوجی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس نے صبر و توکل اور عزم و استقلال کی ہر موقع پر تعلیم دی، اور یہی چیزیں ایسی ہیں جن کے ذریعہ سے کوئی فوج میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہ سکتی ہے۔ اسلام دنیا میں حق و صداقت کی اشاعت کے لیے آیا۔ حق

وصداقت کا میدان صرف جہاد کے ذریعہ سے فتح ہو سکتا تھا، صبر جہاد کی حقیقت کے لیے اصل شرط ہے، پس اس نے (اسلام نے) ہمیشہ حق و صبر کو لازم و ملزوم قرار دیا۔ؔ

وصیت کا مضمون سورۂ بلد میں بھی بیان ہوا ہے:

وَمَا أَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ أَوْ إِطْعٰمٌ فِى يَوْمٍ ذِى مَسْغَبَةٍ ۝ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ (۱۲-۱۸)

اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا پھر (اس کے ساتھ یہ کہ) آدمی ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (خلق خدا پر) رحم کی تلقین کی، یہ لوگ ہیں دائیں بازو والے۔

سورۂ عصر میں حق اور صبر کی باہمی وصیت کی بات کہی گئی تھی، یہاں حق کی جگہ "مرحمت" کا لفظ آیا ہے، یعنی باہمی شفقت و محبت، پھر ان جذبات کے مظاہر اور تقاضے کئی ایک بیان کیے ہیں، معلوم ہوا اسلام کے "دست راست" (اصحاب المیمنہ) کہلانے کے وہی لوگ مستحق ہیں جو ایک دوسرے کو راہ حق میں صبر و شفقت کی تلقین کے علاوہ غلاموں کو آزاد کرنے، یتیموں اور مسکینوں کی خبر گیری کرنے کی وصیت بھی کرتے رہتے ہیں، ایمان کا ہفت خواں اسی طرح طے ہوا کرتا ہے اور اہل ایمان و اسلام کا شیوہ و شعار یہی ہے۔

ہم عرض کر چکے ہیں کہ وصیت علم فرائض کی ایک اصطلاح بھی ہے، اور اس مضمون میں ایسی وصیتوں سے اعتنا نہیں کیا گیا ہے تاہم آخیر میں ایک بات،

ؔ باقیات ترجمان القرآن ص ۱۰۹۔

کہنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وراثت وغیرہ سے متعلق وصیتوں کی تکمیل لازمی قرار دی ہے، چنانچہ سورۂ نساء میں اس سلسلے کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد فرمایا:

وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝ (۱۲)

(یہ ترکے کی تقسیم کے بارے میں) اللہ کی طرف سے وصیت اور حکم ہے اور (یقین رکھو) اللہ (بندوں کے مصالح کا) جاننے والا اور (ان کی کمزوریوں کے لیے اپنے احکام و قوانین میں) بہت بردبار ہے۔

یہاں وصیت بمعنی فرمان خداوندی ہے، اور ایسا فرمان ہے جو اصطلاحی وصیتوں کے نفاذ کے لیے جاری کیا گیا ہے، اس پر عمل درآمد لازمی ہے، ورنہ بازپرس ہو گی۔

حضرت مولانا قاضی قمر الدین محدث چکڑالوی رحمۃ اللہ علیہ

از جناب مولانا محمد عبد اللہ صاحب خطیب مسجد بھکر ضلع میانوالی (پاکستان)

اِن صاحبِ تذکرہ بزرگ، حضرت مولانا قاضی قمر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے (جو ہمارے اکابر میں سے ہیں) یہ عاجز راقم سطور مدیر الفرقان بھی ابتک بالکل ناواقف تھا، اندازہ ہے کہ ہمارے اس دور کے اہل علم میں سے شاذ و نادر ہی کوئی واقف ہوگا۔ حالانکہ ایسی شخصیتوں کا حق ہے کہ ہم ان سے اور ان کی صفات و امتیازات اور خدمات سے واقف ہوں، اُن کے لئے دعائے خیر کریں اور ان کی زندگی سے سبق لیں۔ جیسا کہ زیر نظر تذکرہ سے معلوم ہوگا یہ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رح (محشی بخاری و ترمذی وغیرہ) کے تلمیذ تھے جن کے تلامذہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فاضل مضمون نگار مولانا محمد عبد اللہ صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے یہ تحقیقی اور مستند تذکرہ لکھ کر ہم جیسوں کے لئے واقفیت کا سامان فراہم فرمایا ——

فتنۂ انکار حدیث اور فرقۂ "اہل قرآن" کے بانی مولوی عبد اللہ چکڑالوی کا نام سنا تھا اور بعض تحریریں بھی پڑھی تھیں، ان کا پورا حال بھی اس مضمون سے پہلی دفعہ معلوم ہوا جو بڑا سبق آموز اور اس کی عبرتناک مثال ہے کہ علم کے بارے میں اپنے متعلق زیادہ خوش فہمی اور ائمہ سلف کے اتباع سے بے نیازی کا زعم آدمی کو کہاں تک پہنچا دیتا ہے —— محمد منظور نعمانی

حضرت مولانا قاضی قمر الدین صاحب محدث چکڑالوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۲۳ رمضان المبارک ۱۲۷۴ھ (۱۸۵۸ء) کو چکڑالہ[1] کے قاضی خاندان میں ہوئی

---

[1] چکڑالہ ضلع میانوالی پنجاب کا مشہور قصبہ ہے جو میانوالی شہر سے مشرق کی طرف باقی صفحہ ۳۲ پر

آپ کے والد کا اسم گرامی قاضی محمد سلیمان تھا، آپ نے قرآن مجید ایک مقامی حافظ صاحب سے اور ابتدائی دینی کتابیں اپنے والد صاحب سے پڑھیں، پھر انگہ ضلع شاہپور میں کئی سال پڑھتے رہے، اس زمانہ میں انگہ کا درس پنجاب کا مشہور اور کامیاب درس تھا، آپ نے زیادہ کتابیں اسی درس میں پڑھیں، سنہ ۱۲۹۱ھ میں سہارنپور تشریف لے گئے، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ سے تفسیر و حدیث اور فنون کی بقیہ کتابیں پڑھیں، ذی الحجہ سنہ ۱۲۹۴ھ میں سند فضیلت حاصل کرکے وطن تشریف لائے، سنہ ۱۲۹۵ھ میں بستی قاضیانوالی ضلع مظفرگڑھ میں حکیم قاضی فقیر محمد صاحبؒ سے طب پڑھی، گھر آکر ابھی مطب شروع نہیں کیا تھا کہ آپ کے چچازاد بھائی قاضی غلام نبی المعروف مولوی عبد اللہ چکڑالوی کو تبدیلی مذہب کی وجہ سے افتاء و خطابت کے مناصب سے معزول کردیا گیا، علاقہ کے شرفاء اور ذمہ داروں کے اصرار پر آپ نے یہ ذمہ داریاں قبول فرمائیں، اور ساتھ ہی تدریس بھی شروع کردی، اللہ تعالیٰ نے آپ کے درس کو بہت جلد مقبولیت اور شہرت عطا فرمائی، دور دراز کے طلباء آنا شروع ہوگئے، ابتداء میں تمام درجوں کے اسباق خود پڑھاتے تھے، بعد میں ابتدائی اسباق منتہی طلباء کے سپرد کردیے اور دورۂ حدیث بھی پڑھانا شروع کردیا، اور عمر بھر یہی معمول رہا، ان علاقوں میں دوسرے علوم و فنون کے ساتھ کچھ حدیث کی کتابیں پڑھادی جاتی تھیں مگر باقاعدہ دورۂ حدیث کا اہتمام نہ ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ شرف آپ کو عطا فرمایا کہ آپ دورۂ حدیث کی تمام کتابیں باقاعدگی سے پڑھایا کرتے تھے، پنجاب سرحد اور افغانستان کے بہت سے طلباء جو دوسرے درسوں میں علوم و فنون کی تکمیل کرتے ـ دورۂ حدیث کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، علماء میں آپ کی محدثانہ شان مسلم اور نمایاں تھی، کتنے علماء

بقیہ صفحہ ۱۲ کا: میں تیس میل کے فاصلہ پر ہے، سنہ ۱۹۰۱ء میں میانوالی کو ضلع کا درجہ دیا گیا، اس سے پہلے میانوالی ضلع بنوں کی تحصیل تھی اور چکڑالہ بھی تحصیل میانوالی میں تھا۔

تھے جو معقولات و منقولات کے جامع تھے مگر حدیث شریف پڑھنے کے لئے اپنے طلباء کو آپ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔

کوئی تو بات ہے ساقی کے میکدے میں ضرور
جو دور دور سے میخوار آکے پیتے ہیں

آپ کا بیعت وارادت کا تعلق اُس زمانہ کی شہرہ آفاق خانقاہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان کے سجادہ نشین حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، پوری محنت اور مجاہدہ سے سلوک و تصوف کی منازل طے کیں، حضرت کو آپ کی علمی و روحانی استعداد پر اعتماد تھا، ہمیشہ آپ کو الطاف و عنایات اور دعوات و توجہات سے نوازتے رہے، اپنے چھوٹے فرزند صاحبزادہ سیف الدین صاحبؒ کو آپ سے تعلیم دلائی، حضرت صاحبزادہ خواجہ محمد سراج الدین صاحبؒ کی دستار فضیلت کی تقریب میں اُن کے اساتذہ کرام اور اپنے خلفاء کبار کے ساتھ آپ کی دستار بندی کرائی، حضرت مولانا سید اکبر علی شاہ دہلویؒ نے "مجموعہ فوائد عثمانی" کتاب مرتب کی اور حضرت سے تصحیح کی درخواست کی تو حضرت نے آپ سے تصحیح کرانے کا حکم فرمایا، "فرمودند کہ قاضی قمر الدین صاحب عنقریب ارادہ آمدن در خانقاہ شریف می دارند از وشاں صحت بکنانید" (مجموعہ فوائد عثمانی ص۵۲)

حضرت خواجہ محمد عثمان صاحبؒ نے ۱۳۱۴ھ میں سفر آخرت فرمایا تو آپ نے ان کے جانشین فرزند شیخ کامل حضرت خواجہ محمد سراج الدین صاحبؒ کے دست مبارک پر بیعت کی اور تکمیل سلوک کے بعد اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی شروع فرمادیا، اور علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی کی تعلیم اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی ترویج واشاعت کا فریضہ بھی پوری مستعدی سے سرانجام دیتے رہے، بہت سے خوش نصیب بندے آپ کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہری کے ساتھ باطنی دولت سے بھی مالا مال ہوئے، شیخ اول کی طرح شیخ ثانی حضرت خواجہ محمد سراج الدین صاحبؒ سے بھی کمال درجے عقیدت تھی اور حاضر باشی و

معیت کے ایک ایک لمحہ کو سرمایۂ سعادت سمجھتے تھے۔

نقر خواہی آں بصحبت قائم است
نہ زبان در کار آید نہ زدست

حضرت کے دل میں بھی آپ کی قدر و منزلت اور شفقت و محبت تھی، آپ کے ظاہری و باطنی کمالات کے قدر داں اور معترف تھے، بعض اوقات آپ کے اشتغال بالحدیث اور اکل حلال کا خاص طور پر تذکرہ کر کے علو شان اور بلندی درجات کا برملا اظہار فرمایا۔ حضرت نے ۱۹۰۶ء میں خانقاہ شریف غنڈان (علاقہ خراسان) کا سفر کیا تو آپ کو بھی ہمرکابی کا شرف بخشا، یہ خانقاہ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ اور اہل دل اور اصحاب درد کی امیدوں کا مرکز تھی، حضرت کے پہنچنے کی اطلاع پاکر چاروں طرف سے خلق خدا امنڈ پڑی، جب تک حضرت کا قیام رہا علاقے کے علمائے متبحرین اور صوفیائے کاملین کی بہت بڑی جماعت حاضرباش رہی، ان علماء میں اکثر کو مختصر وقایہ حفظ اور شرح وقایہ مستحضر تھی، حضرت کی خدمت میں مختلف علمی سوالات پیش ہوتے، باوجود اس کے کہ خود علوم کے بحر زخار تھے تمام سوالات کو آپ کی طرف محول فرماتے۔ حضرت نے ۱۳۲۶ھ میں سفر حج کا ارادہ فرمایا تو آپ کو بھی ساتھ چلنے کا فرمان بھیجا، آپ نے نہایت مختصر وقت میں تیاری کی اور اپنے شیخ کی سرپرستی و معیت میں حج اور زیارت حرمین شریفین کی سعادت کبریٰ حاصل کی۔

عامۃ المسلمین کی اصلاح کے لئے آپ نماز جمعہ کے بعد وعظ فرمایا کرتے تھے، وعظ سادہ اور پر تاثیر ہوتا تھا، جرائم پیشہ لوگ مجلس وعظ میں توبہ کرتے اور ان کی زندگیاں جرائم سے پاک اور اعمال صالحہ سے آراستہ ہو جاتی تھیں، ان میں بہت سے لوگ آپ سے بیعت ہو کر اللہ کی یاد میں لگ جاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی صحبت میں یہ فیضان اور تربیت میں یہ تاثیر رکھی تھی کہ آپ کے پاس پڑھنے والے طلباء کی عملی حالت بھی بہت جلدی سنور جاتی تھی، ان کی زندگیوں میں شریعت کا رنگ جھلکنے لگتا تھا

وہ سیرت وکردار میں سنت کے عملی نمونے نظر آتے تھے ، ایسے نیک سیرت طلباء کو آپ شہر کی مساجد میں امام بنا دیتے وہ تعلیم کے ساتھ امامت کی ذمہ داریاں بھی پوری کرتے تھے ، یہ طلباء وعظ نہیں کہتے تھے مگر ان کی عملی زندگی وعظ سے زیادہ اثر کرتی تھی ، ان کے پاکیزہ اخلاق اور عادات وخصائل سے لوگ متاثر ہوتے ، غفلت اور بے راہ روی دور ہوتی ، لوگ صوم وصلاۃ کے پابند ہو جاتے اور مساجد نمازیوں کی کثرت سے آباد اور پُررونق ہوتی تھیں ، آپ کے تلامذہ میں بلند پایہ مفسر ، محدث ، اور مشائخ طریقت ہوئے حضرت مولانا ابو السعد احمد خاں صاحبؒ بانی وسجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی ۔ حضرت مولانا ولی اللہ صاحبؒ انہی شریف ضلع گجرات ، حضرت مولانا غلام حسن صاحبؒ بانی وسجادہ نشین خانقاہ سواگ شریف ضلع مظفر گڑھ ، حضرت مولانا نور الزماں صاحب بانی وسجادہ نشین خانقاہ کوٹ چاندنہ ضلع میانوالی ، حضرت مولانا پیر فضل حسین شاہ صاحبؒ سجادہ نشین پہائی شریف ضلع میانوالی ، حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب (خلیفہ مجاز حضرت مولانا حسین علیؒ) غور غشتی ضلع اٹک ، حضرت مولانا محمد امیر صاحبؒ جھنڈیر ضلع جھنگ ، حضرت مولانا احمد دین صاحب کیلویؒ (خلیفہ مجاز حضرت مولانا احمد خانؒ) ضلع شاہ پور ، مولانا شاہ ولایت صاحبؒ ضلع اٹک ، حضرت مولانا رسول احمد صاحبؒ بھتر ال ضلع اٹک ، حضرت مولانا میاں محمد صاحب مجددی سجادہ نشین کنری ضلع شاہ پور ، یہ سب حضرات حضرت قاضی صاحب کے شاگرد اور اپنے وقت میں علم ومعرفت اور رشد وہدایت کے آفتاب وماہتاب تھے ان کے علاوہ بھی آپ کے اکثر شاگردوں نے علوم متداولہ میں رسوخ اور کمال حاصل کیا ، سلوک وتصوف میں کامل ہوئے ، مسند تدریس اور مسند ارشاد کو زینت بخشی ۔ آپ نے صرف ونحو اور دیگر موضوعات پر عربی اور فارسی میں کئی چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں مگر ایک آدھ کے سوا کسی کتاب کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی ، حاشیہ سنن ابی داود ، قمریہ ، سفر نامہ حجاز ، فرائد قمریہ شرح فوائد صمدیہ ، الضوابط السراجیہ ، اوقات نماز وغیرہ اب بھی غیر مطبوعہ آپ کے کتب خانہ میں موجود ہیں ۔

اللہ تعالےٰ نے آپ سے ایک بڑا کام یہ بھی لیا کہ آپ کے ذریعہ فتنۂ انکار حدیث

کا استیصال ہوا، اس فتنہ کے بانی آپ کے حقیقی چچا قاضی نور عالم صاحب مرحوم کے فرزند قاضی غلام نبی تھے، وہ ۱۲۸۲ھ میں علوم دینیہ کی تکمیل کر کے آئے اور چکڑالہ کے خطیب اور مفتی مقرر ہوئے، چکڑالہ اور ملحقہ بستیوں کے لوگ ایک ہی جگہ ان کی اقتداء میں جمعہ اور عیدین کی نمازیں پڑھا کرتے تھے، سب لوگ دل سے احترام کرتے اور اُن کے فتاویٰ کو تسلیم کرتے تھے، عرصہ بعد ان کے نظریات میں تبدیلی رونما ہونے لگی یہاں تک کہ پہلے انھوں نے اپنے استاد ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی کا عدم تقلید وانکار تقلید کا مسلک اپنا لیا اور اپنے آپ کو "اہلحدیث" کہلانے لگے، اس سے عام لوگوں میں اُن کے فتاویٰ کا اعتماد ختم ہو گیا اور لوگ کنارہ کش ہو گئے، محلہ کے مقتدیوں نے قرأت فاتحہ خلف الامام اور رفع یدین کی حد تک تو ساتھ دیا مگر قاضی غلام نبی نے اس کے بعد بعض ایسے مسائل بیان کئے جو لوگوں کے لئے موجب وحشت ہوئے تو عوام اُن سے متنفر ہو گئے، اور علاقہ بھر کے ذمہ دار لوگوں نے اتفاق کر کے ان کو خطابت وافتاء سے الگ کر دیا اور یہ ذمہ داریاں حضرت مولانا قاضی قمرالدین صاحبؒ کے سپرد کریں، قاضی غلام نبی نے انکار تقلید کے کچھ عرصہ بعد انکار حدیث کا فتنہ برپا کر دیا اور اپنے آپ کو اہلحدیث کی بجائے "اہل قرآن" کہلانے لگے، اس نئے باطل مذہب کی ایجاد کے بعد اپنا نام بھی بدل کر عبداللہ رکھ لیا، [1]

---

[1] قاضی غلام نبی نے سب سے پہلے اپنے دونوں صاحب علم بیٹوں (قاضی محمد ابراہیم اور قاضی محمد عیسیٰ) پر اپنی پیروی کے لئے دباؤ ڈالا، قاضی محمد ابراہیم نے صاف انکار کر دیا اور والد کی جائیداد سے محروم ہو گئے، جلال پور پیر والا ضلع ملتان میں جا کر امامت کر لی اور آسودگی کی زندگی گزاری، قاضی محمد عیسیٰ نے جائیداد سے محرومی کے ڈر سے وقتی طور پر حامی بھر لی اور اپنا لڑکا محمد یحییٰ بھی والد کے حوالے کر دیا، آزمائشی دور گزار کر خود تو اسلام اور مسلک حنفی پر قائم رہ گئے مگر اپنے بیٹے محمد یحییٰ کو واپس نہ لے سکے، محمد یحییٰ نے اپنے دادا قاضی غلام نبی سے ہی تعلیم پائی اور ان کے مذہب پر آخر دم تک قائم رہا۔

چکڑالہ میں حضرت مولانا نور خاں صاحبؒ بھی تھے جو متقی اور جید عالم تھے، حضرت خواجہ محمد عثمان صاحبؒ موسیٰ زئی شریف کے خلیفہ مجاز تھے، چکڑالہ کے غربی دیہات میں حضرت مولانا غلام صدیق صاحبؒ ڈھوک زمان والے تھے، جن کا اپنے علاقہ میں اثر تھا، لوگوں کو اُن سے عقیدت تھی، چکڑالہ سے مشرق میں چھ میل کے فاصلہ پر دنڈہ شاہ بلاول کے سجادہ نشین حضرت سید لال شاہ صاحبؒ تھے، حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ سے فیض یافتہ اور حضرت خواجہ محمد عثمان صاحبؒ سے مجاز تھے، بہت باکمال بزرگ تھے اور متوسلین کا سلسلہ بہت وسیع تھا، علاقہ میں ان بزرگوں کے اثرات تھے، دعائیں اور توجہات تھیں، ان حضرات سے وابستگی بھی لوگوں کے لئے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ تھی مگر میدان میں نکل کر تاریخ کے اس عظیم اور خطرناک فتنہ کی سرکوبی اور استیصال کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی خاندان کے لائق اور مایۂ ناز فرزند حضرت مولانا قاضی قمرالدین صاحبؒ کو منتخب فرمایا۔ قاضی غلام نبی جہاں بھی نظریۂ انکارِ حدیث کا پرچار کرنے جاتے آپ بھی وہاں تشریف لے جاتے، لوگوں کو ان کے غلط عقائد سے آگاہ کرتے اور حدیث وسنت کا مقام اور حجیت بیان فرماتے، قاضی غلام نبی مباحثے کا چیلنج کرتے تو آپ چیلنج قبول کرکے مباحثے میں ان کو لاجواب اور مبہوت کردیتے، قاضی غلام نبی برسہا برس اپنے علاقہ میں مارے مارے پھرے مگر آپ کی مبارک مساعی کی بدولت ان کی کوئی پذیرائی نہ ہوئی، اور وہ ایک آدھ کے سوا کسی کو اپنا ہمنوا نہ بنا سکے، انھوں نے پروگرام بنایا کہ اپنے علاقہ سے کچھ دور نکل کر شہروں اور بستیوں کے سردار اور رئیس لوگوں کو تبلیغ کی جائے، ایسے لوگ ہمنوا بن گئے تو غریب طبقہ آسانی سے مطیع ہو جائے گا، اس منصوبہ کے تحت ضلع اٹک کے معروف شہر پنڈی گھیب پہنچے، ملک اولیا خان کے بنگلہ میں تقریر کی، وہاں کے علماء اور عوام کے لئے ان کی تقریر میں نیا نظریہ اور نئی باتیں تھیں، لسان العرب، منتہی الارب، قاموس اور مغنی اللبیب وغیرہ کے حوالے دیکر قرآن مجید کا ترجمہ کرتے تھے، علماء کی بدولت سے ملک اولیا خان نے حضرت سید لال شاہ صاحبؒ کی

وساطت سے حضرت مولانا قاضی قمرالدین صاحبؒ کی خدمت میں قاصد بھیجا، حضرت قاضی صاحبؒ جب پنڈی گھیب پہنچے تو عصر کا وقت قریب تھا، اعلان ہو گیا، عصر کی نماز کے بعد ملک صاحب کے بنگلہ میں بہت بڑے اجتماع میں مباحثہ شروع ہوا، آپ نے قاضی غلام نبی کی ایک ایک بات کا قرآن مجید ہی سے رد کیا، اور اُن پر سوالات وارد کئے، وہ لاجواب ہو کر کہنے لگے "اب مغرب کا وقت قریب ہے میں کل صبح ان تمام سوالات کے جوابات دوں گا" صبح کے وقت لوگ ان کے جوابات سننے کے لئے جمع ہوئے مگر اطلاع ملی کہ وہ رات کی تاریکی میں پنڈی گھیب سے جا چکے ہیں، قریبی گاؤں "اخلاص" کے امام مسجد نے آکر بتایا کہ قاضی غلام نبی رات کو ہمارے گاؤں میں راستہ بھولے پھر رہے تھے، مجھ سے انھوں نے چکڑالہ کی طرف کا راستہ پوچھا میں نے گاؤں سے باہر ان کو راستہ پر لگا دیا اور وہ چکڑالہ کو چلے گئے۔

ایک دفعہ قاضی غلام نبی چکڑالہ سے تقریباً اسی میل دور فتح جنگ پہنچے، اپنی تقریر کا اعلان کرایا، لوگ جمع ہوئے، انھوں نے تقریر شروع کی، اس خیال سے کہ قاضی قمرالدین صاحبؒ اتنی دور میرے پیچھے کہاں پہنچیں گے، دوران تقریر چیلنج کیا کہ "کہاں ہے قاضی قمرالدین، لاؤ اس کو میرے مقابلہ میں" اتفاق سے حضرت قاضی قمرالدین صاحبؒ اُسی وقت اُن کے تعاقب میں پہنچے تھے، اور قاضی غلام نبی کی آپ پر نظر نہیں پڑی تھی، آپ چیلنج کے الفاظ سنکر ان کے سامنے تشریف لائے اور فرمایا کہ "جناب! حاضر ہوں" قاضی غلام نبی بوکھلا گئے اور بدحواسی کے عالم میں تہذیب سے گرے ہوئے الفاظ استعمال کئے، مگر آپ نے تحمل اور سنجیدگی سے گفتگو فرمائی، قاضی غلام نبی کے لئے فرار کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔

قاضی غلام نبی نے اپنی شکستوں کا انتقام لینے کے لئے جھوٹے مقدمات شروع کر دئے، اپنے گھر کے پردہ کی باڑ کو اپنے ہاتھوں سے آگ لگا دی اور چوکی پولیس میں رپٹ درج کرائی "کہ قاضی قمرالدین صاحب کے کہنے پر ان کی اہلیہ نے میری باڑ جلا دی ہے" قاضی غلام نبی کے بھائی قاضی غلام رسول اور حضرت قاضی

قمرالدین صاحب نے خانگی تقسیم کے مطابق اپنے اپنے حصہ زمین میں مکانات اور مسجد کی تعمیر شروع کی تو قاضی غلام نبی نے دعویٰ دائر کردیا کہ انہوں نے زائد زمین پر قبضہ کرلیا ہے، قاضی غلام نبی دونوں مقدموں میں جھوٹے ثابت ہوئے، ۱۳۱۳ھ ۱۸۹۵ء میں حضرت قاضی قمرالدین صاحب کی اہلیہ کے بھتیجے محمد شاہ صاحب پر ایک رشتہ دار سے زمین کا جھوٹا مقدمہ کرادیا، حضرت قاضی صاحب نے محمد شاہ صاحب کے سرپرست کی حیثیت سے مقدمہ کی پیروی کی اور ۱۳۱۵ھ میں محمد شاہ صاحب کے حق میں فیصلہ ہوا، سلہ حضرت مولانا قاضی قمرالدین صاحبؒ ۱۳۲۷ھ میں اپنے شیخ حضرت

سلہ قاضی غلام نبی کی اس جھوٹی مقدمہ بازی سے ان کی انسانی شرافت کا بھانڈہ پھوٹ گیا اور لوگوں میں اور زیادہ ذلیل و رسوا ہوئے، جب دینی اور دنیوی لحاظ سے اپنا اعتماد کھو بیٹھے اور کوئی عزت نہ رہی تو اپنے پوتے محمد یحییٰ کو ساتھ لے کر لاہور چلے گئے، وہاں اشاعت القرآن کے نام سے رسالہ جاری کیا اور مذہب اہل قرآن کے نام سے نظریہ انکار حدیث کا پرچار کرتے رہے، جب بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے کام کاج کے قابل نہ رہے تو لاہور کی سکونت ترک کردی اور اپنے عقیدت مند ڈاکٹر کے پاس ملتان چلے گئے، ڈاکٹر نے اپنی انیس ۱۹ سالہ لڑکی خدمت کے لئے پیش کی، قاضی غلام نبی نے ۱۹۱۴ء میں اس سے نکاح کرلیا اور اس کو ساتھ لے کر چکڑالہ آگئے، کچھ دنوں بعد بیماری نے زور پکڑا تو میانوالی سے ملحقہ گاؤں یارو خیل اپنے ایک پیروکار کے ہاں گئے، وہاں اس نوعمر اہلیہ سے ایک بچی بھی ہوئی، اوائل ۱۹۱۵ء میں یارو خیل میں ہی ان کی وفات ہوئی، اور وہیں ان کی وصیت کے مطابق ان کو دفن کردیا گیا، چکڑالہ کی سرزمین نے مرنے کے بعد بھی ان کو قبول نہ کیا اور آج بھی میری تحقیق کے مطابق چکڑالہ کے پورے علاقہ میں ایک متنفس بھی اُن کا پیروکار نہیں مگر ان کا آبائی وطن ہونے کی وجہ سے یہ بدنامی چکڑالہ کے ذمہ ایسی پڑی کہ آج بھی لوگ ان کے خلافِ اسلام نظریات کو چکڑالویت کا نام دیتے ہیں -

خواجہ محمد سراج الدین صاحبؒ کی خدمت میں وادیٔ سون کی خانقاہ میں حاضر ہوئے، ارادہ یہ تھا کہ رمضان شریف حضرت کی خدمت میں گزاریں گے مگر رجب کے اواخر میں بیمار ہوگئے اور بیماری نے ایسی شدت اختیار کی کہ حضرت نے آپ کو گھر پہنچانا ضروری خیال فرمایا، گھر پہنچکر اپنے تلمیذ رشید حضرت مولانا حکیم نور الزماں صاحبؒ کو علاج کی سعادت بخشی، علاج پوری محنت اور تسلسل سے ہوا مگر یہ بیماری مرض وفات ثابت ہوئی، حضرت نے رمضان شریف کے اختتام پر وادیٔ سون سے واپسی پر دریا خاں میں قیام فرمایا، ہر دوسرے دن آپ کی حالت معلوم کرنے کے لئے ایک خادم کو چکڑالہ بھیجتے، سفر زیادہ ہونے کی وجہ سے ہر خادم دوسرے دن واپس آتا تھا، ۱۱ر شوال کو خادم کی واپسی کا انتظار کئے بغیر خود ریل میں سوار ہوکر تقریباً نصف حصہ شب میں اسٹیشن مساں پہنچ گئے، اسٹیشن کے قریبی گاؤں شکر دڑی سے گھوڑی لی اور دس میل کا سفر گھوڑی سے طے کر کے سحری کے وقت چکڑالہ پہنچے، حضرت قاضی صاحب کے آخری لمحات تھے، اپنے شیخ کا دیدار کیا اور جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔

بچہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے   کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

حضرت کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور زبان مبارک سے شعر پڑھا۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد   روئے گل سیر ندیدیم وبہار آخر شد

۱۲ر شوال ۱۳۲۷ھ، ۲ر اکتوبر ۱۹۰۹ء کو دن میں حضرت نے نماز جنازہ پڑھائی اور علوم ومعارف کا یہ خزانہ لحد کے حوالے ہوگیا۔

آپ نے اپنی زندگی میں حضرت مولانا قاضی کلیم اللہ صاحبؒ کو اپنا جانشین مقرر فرما دیا تھا جو آپ کے شاگرد اور داماد تھے، معقولات ومنقولات کے جامع اور محقق عالم تھے، آپ کے فتاویٰ کو سند کی حیثیت حاصل تھی تقریباً ترپن سال اپنے استاد کی مسند پر جلوہ فرما رہے۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۶۲ء کو وصال ہوا۔ اللھم اغفر لھم وارحمھم۔

الی اللہ اشکو لا الی الناس انّنی

اری الارض تبقی والاخلاء تذھب

حضرت شیخ الحدیث رحؒ کے حادثۂ وفات کی کچھ تفصیل

ذیل میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ مجاز اور معالج خاص ڈاکٹر اسماعیل میمنی کا ایک مکتوب پیش کیا جا رہا ہے، جو ناچیز مدیر الفرقان کو آج ہی موصول ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کو اللہ جزائے خیر دے، ہم دور افتادگان کو ان کے اس مکتوب ہی کے ذریعہ وصال کی کچھ تفصیل معلوم ہوئی۔

نعمانی ۔ ۱۱ شعبان ۱۴۰۲ھ (۴ جون ۱۹۸۲ء)

باسمہ سبحانہ

از مدینہ منورہ علی منورہا الف الف صلوٰۃ و سلام

المخدوم المکرم زادت معالیکم
بعد سلام مسنون

کل یکم شعبان ۲۴ مئی بروز دوشنبہ شام پانچ بجکر چالیس منٹ پر یعنی مغرب سے ٹھیک ڈیڑھ گھنٹہ قبل حضرت اقدس شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ و اعلی اللہ مراتبہ کا وصال یہاں مدینہ منورہ میں ہوا۔ اس کی خبر تو بجلی کی طرح ساری دنیا میں پھیل گئی مگر ہر جگہ سے تفصیل کا مطالبہ ٹیلیفون پر برابر آ رہا ہے۔ اس لیے کچھ تفصیل لکھ رہا ہوں۔

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کی علالت کا سلسلہ تو کئی سال سے چل رہا تھا۔ ۱۲ مئی چہارشنبہ سے قبل صحت نسبتاً اچھی تھی کھانا بھی نوش فرماتے تھے گفتگو بھی ٹھیک طرح سے فرماتے تھے پوچھنے پر مشورہ بھی حسب سابق دیتے تھے۔ مولانا عاقل صاحب مسلم شریف کی تقریر کا، جو علمی کام کر رہے ہیں وہ روزانہ کا کام بعد عشاء حضرت کو سناتے، حضرت غور سے سنتے اور ضروری مشورہ بھی دیتے تھے۔ گویا صحت اچھی تھی البتہ ضعف بہت تھا جس کی وجہ سے حرم شریف صرف ایک نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔ شروع میں ظہر کی نماز میں اور پھر دھوپ میں تیزی ہو جانے کی وجہ سے عشاء کی نماز میں حرم شریف جانے کا معمول تھا۔ چہارشنبہ ۱۲ مئی کو حضرت کو بخار ۱۰۲ ڈگری تک ہو گیا۔ علاج وغیرہ سے بخار تو اتر گیا لیکن ضعف میں بہت اضافہ ہو گیا اور حرم شریف جانا چھوٹ گیا۔ استغراق زیادہ رہنے لگا۔ ۱۴ مئی کو نماز جمعہ حرم شریف کی جماعت کے ساتھ مدرسہ علوم شرعیہ کے صدر دروازہ میں ادا فرمائی، جہاں تک حرم شریف کی صفوں کا اتصال رہتا ہے۔ بخار کے بعد سے کھانا تقریباً چھوٹ گیا پینا کسی نہ کسی درجہ میں جاری رہا۔ جمعہ ۱۴ مئی سے روزانہ صبح و شام گلوکوز وغیرہ کی بوتلیں رگ میں دیجاتی رہیں جس کا سلسلہ وصال کے دن تک جاری رہا۔ دیگر علاج انجکشن وغیرہ بھی دیئے جاتے رہے۔ شنبہ ۱۵ مئی کو آنکھوں میں اور پیشاب میں یرقان محسوس ہوا۔ خون کا معائنہ کرایا گیا جس سے جگر اور گردہ میں مرض معلوم ہوا اور ان دونوں اعضاء کے عمل میں خلل کا بھی پتہ چلا۔ یکشنبہ ۱۶ مئی کی شب میں نیم بے ہوشی تھی دوسرے روز فجر سے مکمل بے ہوشی ہو گئی اتوار کا سارا دن مکمل بے ہوشی میں گزرا کہ جس کروٹ پر لٹا دیا جاتا اسی پر رہتے نہ آواز دیتے نہ حرکت نہ کھانسی وغیرہ۔ نبض اور بلڈ پریشر دیکھ کر اطمینان ہوتا کہ فوری خطرہ نہیں ہے۔ علاج وغیرہ مختلف تدبیریں ہوتی رہیں۔ اتوار کو شام بخاری شریف کا ختم کرایا گیا جو اتوار پیر دو روز میں ختم ہوا جس کے بعد صاحبزادہ مولانا طلحہ صاحب نے بہت الحاح کے ساتھ دعا کرائی۔ مکہ مکرمہ

میں شیخ محمد علوی مالکی کے یہاں بھی یٰسین شریف کا ختم ہوا۔ دوشنبہ ۱۷ مئی کو بے ہوشی تو تھی لیکن کل جیسی نہیں تھی بلکہ ہیجانی کیفیت تھی۔ صبح تو "اللہ اللہ" فرماتے رہے۔ ظہر کے بعد سے "یا کریم یا کریم یا" اور "کریم اور کریم" فرماتے رہے کبھی کبھی "یا حلیم یا کریم" بھی فرماتے رہے۔ یا کریم کی یہ آوازیں آخر وقت تک وقتاً فوقتاً دیتے رہے علاج کے سلسلے میں یہ ناکارہ دیگر ڈاکٹروں سے بھی برابر مشورہ کرتا رہا بالخصوص ڈاکٹر سید اشرف صاحب، ڈاکٹر ایوب صاحب، ڈاکٹر سلطان صاحب، ڈاکٹر منصور، ڈاکٹر عبد الاحد وغیرہ۔ خون وغیرہ کے معائنہ کے لیے ڈاکٹر انعام صاحب بہت تعاون فرماتے رہے۔ منگل ۱۸ مئی کو بے ہوشی تو نہیں رہی گفتگو فرماتے رہے نمازیں بھی حسب سابق ادا فرماتے۔ البتہ جگر اور گردہ کا عمل برابر کمزور ہوتا گیا۔ خون پیشاب کا معائنہ اور علاج و دیگر تدابیر ہوتی رہیں۔ غذا تقریباً بند تھی۔ رگ میں بوتلوں کے ذریعہ ہی غذا پانی گلوکوز وغیرہ دیا جاتا رہا۔ ۲۱ مئی کو نماز جمعہ حرم شریف کی جماعت کے ساتھ مدرسہ شرعیہ کے صدر دروازہ میں ادا فرمائی۔ اتوار ۲۳ مئی کی ظہر تک بظاہر طبیعت کچھ ٹھیک رہی۔ ۲۳ مئی کو بعد ظہر سوء تنفس کی تکلیف ہوئی جس کی فوری تدبیر کر لی گئی۔ مغرب سے آدھ گھنٹہ قبل جبکہ یہ ناکارہ اپنے مطب میں تھا حضرت کے خادم مولوی نجیب اللہ نے ٹیلیفون پر بتلایا کہ حضرت کی طبیعت خراب ہے چنانچہ یہ ناکارہ فوراً حاضر ہوا تو دیکھا کہ سوء تنفس کی تکلیف بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے حضرت کو بے چینی ہے۔ سانس لینے میں بہت دقت محسوس ہو رہی تھی۔ بندہ نے معائنہ کرکے ضروری انجکشن لگائے جس کے چند منٹ کے بعد سکون مل گیا اور سانس طبعی حالت پر آگئی۔ عشاء کے بعد بندہ کے گھر جانے تک طبیعت نسبتاً ٹھیک تھی۔ ۲۴ مئی فجر کے وقت بھی طبیعت نسبتاً ٹھیک تھی اور حضرت گفتگو بھی تھوڑی تھوڑی فرماتے رہے۔ البتہ تشویش کی بات یہ پیش آئی کہ کل ظہر کے بعد سے پیشاب بالکل نہیں آیا۔ صبح ۸ بجے دوبارہ سوء تنفس کی تکلیف شروع ہوئی اس کے لیے اور پیشاب کے لیے تدبیریں کی جانے لگیں جس سے ظہر عصر کے درمیان پیشاب تو آگیا۔ تنفس کے لیے انجکشن آکسیجن وغیرہ لگائے گئے۔ بارہ بجے دوپہر تک بے چینی رہی کبھی فرماتے بٹھا دو کبھی فرماتے لٹا دو کبھی فرماتے دوا لاؤ۔ وقتاً فوقتاً "یا کریم" اور "اوکریم" بھی بلند آواز سے فرماتے رہے۔ یہ ناکارہ چونکہ مسلسل پاس ہی بیٹھا رہا تو کبھی کبھی اس ناکارہ کا ہاتھ پکڑ کر زور سے دباتے۔ تقریباً گیارہ بجے جبکہ الحاج ابو الحسن نے تکیہ اونچا کیا تو بندہ کی طرف دیکھ کر فرمایا "ڈاکٹر صاحب ہیں" ابو الحسن نے کہا ہاں یہ ڈاکٹر اسماعیل ہیں۔" یہ سنکر بندہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ یہ آخری گفتگو تھی جو حضرت نے فرمائی اس کے بعد "یا کریم" "اوکریم" فرماتے رہے۔ ظہر تک یہ کیفیت رہی۔ ظہر کے بعد سے مکمل سکون ہو گیا جو آخر وقت تک رہا۔ یہ ناکارہ بار بار نبض بلڈ پریشر وغیرہ دیکھتا رہا۔ روح پرواز کرنے سے کچھ قبل صاحبزادہ مولانا طلحہ صاحب نے بندہ سے پوچھا کہ کیا یہ آخری وقت ہے۔ بندہ نے اثبات میں سر ہلایا تو انھوں نے بلند آواز سے اللہ اللہ کہنا شروع کر دیا۔ اسی حال میں حضرت نے دو مرتبہ آخری ہچکیاں لیں جس سے آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں اور روح پرواز کر گئی اس وقت ٹھیک پانچ بجکر چالیس منٹ ہوئے تھے یعنی مغرب سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللھم اجرنا فی مصیبتنا وعوضنا خیرا منھا للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شیئ عندہ بمقدار۔ ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقک یا شیخنا لمحزونون۔

جن کی ساری عمر اتباع سنت میں گزری اس کو تکوینی طور پر یہ اتباع بھی نصیب ہو گیا کہ دوشنبہ کو عصر مغرب کے درمیان وصال ہوا۔ اس وقت حاضرین کا جو حال تھا وہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ وصال کے وقت پاس موجود ہونے والوں میں صاحبزادہ محمد طلحہ صاحب، مولانا عاقل صاحب ان کے صاحبزادے الحاج ابو الحسن، مولوی نجیب اللہ صوفی اقبال، مولانا یوسف متالا، حکیم عبد القدوس، مولوی اسماعیل، مولوی نذیر، ڈاکٹر ایوب حاجی، ولدار اسعد عبد القدیر اور یہ ناکارہ تھے۔ فوراً ہی تجہیز و تکفین کے لیے انتظامات شروع ہو گئے۔ ڈاکٹر ایوب کو ہسپتال کا ورقہ لینے کے لیے اسی وقت بھیج دیا گیا۔ صاحبزادہ مولانا طلحہ صاحب مولانا عاقل صاحب و دیگر متعلقین و خدام کا مشورہ ہوا کہ تدفین عشاء کے بعد ہو یا فجر کے بعد کیونکہ بعض مخصوص احباب واعزہ کے مکہ مکرمہ سے پہنچنے کی اطلاع تھی چونکہ ان کی وہاں سے روانگی کا وقت معلوم تھا جس کے پیش نظر ان کا عشاء تک پہنچ جانا گویا یقینی تھا اس پر یہ طے ہوا کہ عشاء میں ہی نماز جنازہ ہو جانی چاہیے اور فجر تک مؤخر نہ کیا جائے۔ اس کا اعلان بھی کر دیا گیا لیکن اس کا بھی برابر افسوس رہے گا کہ وہ اعزہ جن کی آمد کا ہمیں شدت سے انتظار تھا وہ راستہ میں گاڑی خراب ہونے کی وجہ سے بروقت نہ پہنچ سکے اور چونکہ عشاء کا اعلان ہو چکا تھا اور مجمع بھی خوب جمع ہو چکا تھا۔ اس لیے عین وقت پر تبدیلی نہیں ہو سکتی تھی۔ ہر جگہ ٹیلیفون سے اطلاع کر دی گئی۔ مغرب کے بعد غسل دیا گیا جو مولانا عاقل صاحب اور مولانا یوسف متالا صاحب کی ہدایات اور مشوروں سے دیا گیا۔ غسل کے وقت خدام کا بڑا مجمع موجود تھا ہر شخص کی خواہش تھی کہ اس مبارک عمل میں شریک ہو۔ غسل میں شرکت کرنے والوں میں یہ حضرات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ مولانا یوسف متالا، الحاج ابو الحسن، مولوی نجیب اللہ، حکیم عبد القدوس، عزیز جعفر شاہ عطاء المہیمن ابن شاہ عطاء اللہ بخاری، صوفی اسلم، مولوی صدیق، مولوی حسان، قاضی ابرار، عبد المجید وغیرہ۔ ڈاکٹر محمد ایوب صاحب جو ورقہ لینے گئے تھے پورے دو گھنٹہ بعد آئے۔ اور بتلایا کہ ورقہ حاصل کرنے میں کچھ قانونی رکاوٹ ہو رہی ہے اور صاحبزادہ مولانا طلحہ صاحب کا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ مولانا طلحہ صاحب کو بھی ان کے ہمراہ بھیجا گیا۔ قبرستان والوں سے قبر کھودنے کو کہا گیا تو انھوں نے کہا کہ جب تک ہسپتال کا ورقہ نہ آ جائے ہم قبر نہیں کھود سکتے۔ اس وقت عشاء میں صرف پون گھنٹہ باقی تھا۔ دوبارہ مندرجہ بالا حضرات نے مشورہ کیا کہ اب بظاہر عشاء تک قبر کا تیار ہونا دشوار ہے لہذا فجر میں جنازہ ہو۔ اس کے فوراً بعد سید حبیب صاحب تشریف لائے انھوں نے فرمایا کہ میں خود جا کر قبر کی جگہ بتلا کر آیا ہوں اور قبر کھودنا شروع ہو گیا ہے تقریباً بیس منٹ کے بعد ہسپتال کا ورقہ بھی آ گیا اور قبر تیار ہو جانے کی اطلاع بھی آ گئی اور قبرستان والے مخصوص چارپائی بھی لے آئے۔ گویا عشاء کی اذان سے پندرہ منٹ قبل جنازہ بالکل تیار تھا لہذا پہلے مشورہ کے مطابق جنازہ کو باب السلام سے حرم شریف لیجایا گیا۔ عشاء کے فرضوں کے متصل بعد یہاں کی عام عادت کے مطابق حرم شریف کے امام شیخ عبد اللہ زاحم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع کی طرف باب جبرئیل سے نکل کر چلے۔ ہجوم بے پناہ تھا ایسا ہجوم کسی اور

بلکہ جنازہ میں شاید ہی دیکھا گیا ہو۔ قبر شریف حضرت کی منشا کے مطابق اہل بیت کے احاطہ اور حضرت سہارنپوریؒ کی قبر شریف کے قریب کھودی گئی تھی۔ صاحبزادہ مولانا طلحہ اور الحاج ابو الحسن قبر شریف کے اندر اترے اور اس کو بند کیا۔ اس طرح حضرت اقدس کی دیرینہ تمنا پوری ہوئی۔ ایک ایک خاص بات یہ دیکھی کہ وصال سے ایک روز قبل حضرت والا ہر ایک سے فرداً فرداً دریافت فرماتے رہے کہ تم کیا کام کرتے ہو۔ صوفی اقبال صاحب الحاج ابو الحسن سے اس ناکارہ سے براہ راست دریافت فرمایا۔ صاحبزادہ مولانا طلحہ صاحب دوسرے کمرے میں تھے تو خادم کو بھیجا کہ طلحہ سے پوچھ کر آ کہ تو کیا کام کرے ہر ایک نے کچھ نہ کچھ پڑھنے ذکر و تلاوت وغیرہ کا جواب دیا تو سکوت فرمایا بندہ سے دریافت فرمایا تو بندہ سے قبل ابو الحسن نے جواب دیا کہ یہ تو ابھی مطب جاکر مریضوں کا علاج کریں گے تو فرمایا کہ "یہ بھی کوئی کام ہے"۔ گویا آخری وقت تک بھی اپنے لوگوں کے متعلق فکر تھا کہ کیا کرتے ہیں۔

تدفین کے بعد حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے ایک مجاز نے دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے یفتح له ابواب الجنة الثمانیه (یعنی ان کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں) ایک اور صاحب نے دوسرے روز صبح روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہوئے محسوس کیا کہ گویا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ تمہارے شیخ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دی گئی ہے۔ ایسا انسان لاکھوں کروڑوں میں کوئی کوئی ہوتا ہے۔ فقط والسلام

(ڈاکٹر) اسماعیل غفرلہ

از مدینہ منورہ ۲رشعبان ۲۵رمئی

نوٹ:

آخر میں آپ کی خدمت میں اور آپ کی وساطت سے اور حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کے ہمیشہ کے تعزیت کے معمول کے مطابق جو جتنا زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب کرسکتا ہو ضرور کرے کہ یہی چیزیں حضرت کے لیے بھی نافع ہیں اور ایصال ثواب کرنے والوں کے لیے بھی۔

ادارہ الفرقان نے بنام خدا سید الطائفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ سے متعلق خصوصی اشاعت پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ تاکہ علمی فضل و کمال اور فقر و درویشی کی جامع، عہد حاضر کی اس نادرہ روزگار شخصیت کی مثالی زندگی کے سبق آموز پہلو محفوظ ہو جائیں اور مادیت، نفس پرستی اور آخرت سے بے فکری کے اس زمانے میں اخلاص و للّٰہیت اور غلبہ فکر آخرت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہماری آنکھوں کے سامنے آ جائے۔

ہماری کوشش ہے کہ دور حاضر کے اکابر علماء، خاص کر حضرت سے خصوصی تعلق رکھنے والے اصحاب علم و فضل کے مضامین اس اشاعت میں پیش کریں، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں ہم کو کامیاب فرمائے گا۔ آپ سے بھی دعا کی درخواست ہے۔ انشاء اللہ اس کی طباعت عکسی ہوگی۔

خریداروں اور ایجنٹ حضرات کی خدمت میں

(۱) یہ خاص نمبر تین ماہ جولائی، اگست، ستمبر (رمضان، شوال، ذیقعدہ) کا مشترک شمارہ ہوگا اور انشاء اللہ ستمبر (ذیقعدہ) میں شائع ہوگا۔ خریدار حضرات جولائی، اگست کے شماروں کا انتظار نہ فرمائیں۔

(۲) سالانہ خریدار حضرات کی خدمت میں یہ بغیر کسی اضافی قیمت کے پیش کیا جائے گا۔

(۳) ضخیم اور قیمتی ہونے کی وجہ سے عام ڈاک سے اس کے ضائع ہو جانے کا کافی خطرہ ہے، لہذا جو حضرات اس کو محفوظ طریقہ سے منگوانا چاہیں، تین روپے رجسٹری فیس منی آرڈر سے روانہ فرمائیں اور منی آرڈر کوپن میں اپنا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں، بصورت دیگر ضائع ہو جانے پر ادارہ دوبارہ بھیجنے سے معذور ہوگا۔

(۴) ایجنٹ حضرات اپنی مطلوبہ کاپیاں پہلے سے محفوظ کرالیں۔

(۵) ایجنسیوں کو یہ نمبر صرف وی پی ہی سے بھیجا جائے گا، ایجنسیوں کے علاوہ کسی کو وی پی نہیں بھیجا جا سکے گا۔

(۶) صفحات کے صحیح اندازہ نہ ہو سکنے کی وجہ سے ابھی اس خاص اشاعت کی قیمت متعین نہیں کی جا سکی ہے۔ خواہشمند حضرات اگست میں خط لکھ کر دریافت کر لیں۔ اگست سے پہلے نہ لکھا جائے۔

(۷) مشتہرین حضرات اشتہارات کا نرخ نامہ دفتر الفرقان سے طلب فرما سکتے ہیں۔

منیجر: الفرقان، ۳۱۰۔ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ۔ یوپی

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

جن لوگوں نے حضرتؒ کو نہیں پایا وہ ان ملفوظات کے مطالعہ سے آپ کو پوری طرح جان اور سمجھ سکتے ہیں۔ قیمت ۶/۵

کلمہ طیبہ کی حقیقت

اسلام کے کلمۂ دعوت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی ایمان افروز تشریح۔ قیمت ۲/۲۵

نماز کی حقیقت

نماز کے مقام اور اس کی روح حقیقت سے واقف ہونے کے لئے نیز اپنی نماز میں خشوع کی کیفیت پیدا کرنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ انتہائی مفید ہے۔ قیمت ۳/۵۰

برکات رمضان

ماہ رمضان اور اس کے خاص اعمال و وظائف، تراویح و اعتکاف وغیرہ کے فضائل و برکات اور ان کی روحانی تاثیرات کا نہایت مؤثر اور شوق انگیز بیان۔ قیمت -/۳

منتخب تقریریں

مولانا نعمانی مدظلہ کی ایمان افروز اصلاحی و تبلیغی تقریروں کا مجموعہ جو اپنے اندر افادیت کے ہزاروں پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ قیمت -/۱۰

آپ کون ہیں کیا ہیں؟ ——— اور آپ کی منزل کیا ہے؟

مولانا نعمانی کی ایک تقریر جس میں دینی مدارس کے طلباء کے لئے ایک جامع پیغام ہے۔ قیمت ۱/۵۰

میری طالب علمی

مولانا موصوف نے اس کتاب میں اپنی تعلیمی زندگی کے مختصر حالات بیان کئے ہیں۔ قیمت -/۱

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ اور ہندوستان کے علمائے حق پر اسکے اثرات

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف ان کے مذہبی و سیاسی دشمنوں کے عالمی پروپیگنڈے اور اس کے علمائے حق پر اثرات نیز انکشاف حقیقت کے بعد شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں ان کی رائے میں تبدیلی کی پوری تفصیل ——— تاریخی حقائق و شواہد کی روشنی میں۔ قیمت ۶/۵۰

قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟

ردّ قادیانیت پر لا جواب کتاب جو عام و خاص سب کے لئے یکساں تسلی بخش ہے۔ قیمت ۴/۵۰

قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

قادیانیت پر مولانا کا یہ مختصر رسالہ دریا بہ کوزہ کا مصداق اور قادیانیت کے زہر کا مجرب تریاق ہے۔ قیمت -/۲

بوارق الغیب

"علم غیب نبویؐ" کی تردید میں مولانا نعمانی مدظلہ کی معرکۃ الآرا و محققانہ تصنیف جس میں چالیس قرآنی آیتوں سے بریلوی مبتدعین کے اس عقیدے کا باطل اور خلاف قرآن ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت -/۱۳

فیصلہ کن مناظرہ

اکابر علمائے دیوبند پر مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے سنگین تکفیری الزامات کا تحقیقی جواب۔ قیمت -/۵

شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات

حضرت شاہ شہیدؒ جیسی مقدس ہستی پر معاندین اہل بدعت کے مکروہ الزامات کا تسلی بخش اور مدلل جواب۔

قیمت -/۳

مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف

مولانا محمد منظور نعمانی کی تازہ ترین تصنیف

اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے ـــــ جس میں مولانا موصوف نے (جو کہ "جماعت اسلامی" کے قیام سے بہت پہلے سے مودودی صاحب سے گہرا تعلق رکھتے تھے اور جماعت اسلامی کی تاسیس میں ان کے شریک اور پہلے رفیق تھے) مودودی صاحب کی ان باتوں اور نظریات کی نشاندہی کی ہے جو امت کے لیے اور بالخصوص ان کے متبعین کے لیے زیغ و ضلال اور فتنہ کا باعث بن سکتے ہیں۔

کتاب کے شروع میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا بصیرت افروز پیش لفظ ہے۔

قیمت -/۹

تبلیغی جماعت جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات

اس کتاب میں درج ذیل ۵ انتہائی اہم مضامین جمع کردیے گئے ہیں (۱) تبلیغی جماعت کی اصل دعوت، بنیادی مقصد اور طریق کار کی وضاحت (۲) تبلیغی جماعت سے متعلق ایک سی، آئی، ڈی افسر کے ایسے سوالات کا جواب جو بہت سے دلوں میں پیدا ہوتے ہوں گے (۳) مولانا مودودی کا ایک مضمون جس میں انھوں نے اپنا یہ تاثر پورے زور قلم کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ اس زمانہ میں احیاء دین کی جدوجہد کا صحیح طریقہ وہی ہے جو تبلیغی جماعت کا طریقہ ہے (۴) تبلیغی جماعت پر "جماعت اسلامی" کے حضرات کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات کا جواب (۵) بریلوی جماعت کی تاریخ اور تبلیغی جماعت کے خلاف بریلوی حضرات کی طرف سے لگائے جانے والے الزامات اور بہتانوں کی حقیقت۔　قیمت صرف -/۳

دیگر مصنفین کرام کی گراں قدر تصانیف

تجلیات ربانی

تلخیص و ترجمہ مکتوبات مجدد الف ثانیؒ

از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ان مکتوبات میں احسان و تصوف، تعمیر باطن، حق و باطل میں امتیاز، جہاد فی سبیل اللہ اور اقامت دین و ترویج شریعت کی ترغیب اور امت مسلمہ کی عام رہنمائی کا وہ سامان موجود ہے جو چار صدیوں سے امت کی رہنمائی کر رہا ہے۔

جلد اول -/۱۵　جلد دوم -/۱۳

مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ

از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے اور خلیفہ خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات کا ذخیرہ۔ جو حضرت خواجہ کے ارشاد و ہدایت، پورے کام کا آئینہ دار ہے۔ آخر میں شاہنشاہ ہند عالمگیرؒ کا مختصر تذکرہ بھی شامل ہے۔ قیمت -/۱۲

تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ مع خلفاء و صاحبزادگانؒ

مرتبہ، مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ، ان کے دو نوں صاحبزادگان خواجہ عبداللہ و خواجہ عبیداللہ۔ اور اکابر خلفاء تاج العارفین شیخ تاج سنبھلی، خواجہ الہ داد، خواجہ ابرار شیخ حسام الدین کی سوانح حیات، صفات و امتیازات اور کارناموں کی تفصیل۔ قیمت -/۵.۵۰

تذکرہ حضرت مولانا محمد یوسفؒ

مصنفہ

حضرت مولانا مرحوم کی غیر معمولی دینی اور ایمانی خصوصیات کا مرقع۔

ان کی مشہور تبلیغی دعوت کے فکری اور علمی پہلوؤں کو سمجھنے کا مستند ذریعہ اور امت کے لیے ایک انقلاب آفریں پیغام۔

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کی خصوصی اشاعت۔ نیا ایڈیشن عمدہ طباعت اور خوبصورت کور سے مزین۔ قیمت -/۱۱

قرآن مجید، حمائلیں اور پارے وقاعدے

قرآن مجید مترجم اشرفی حوالہ ع۲ مترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ رنگین طباعت مجلد پلاسٹک ۲۷/- مجلد ریگزین ۴۳/-

قرآن مجید مترجم دو حاشی۔ ترجمہ از مولانا محمود الحسن صاحب۔ حاشیہ پر تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مجلد ریگزین ۲۰×۳۰ سائز ہدیہ صرف ۵۰/-

قرآن مجید مترجم ع۱۸ ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانویؒ ۴۰/-

حمائل شریف مصری عکسی پریس والی حوالہ ع۵۲۶ ہدیہ ۱۹/-

قرآن مجید ع۳ سائز ۲۰×۳۰ (مجلد ریگزین) ۳۳/۵۰

قرآن مجید حافظی ع۱۲۶ سائز ۲۰×۲۶ ۲۴/-

قرآن مجید ع۵۲ ۲۰×۲۶ سائز ۲۳/-

ہر دلعزیز قرآن مجید ۲۰×۲۶ سائز ۲۰/-

قرآنمجید رنگین بابردار دفتی مجلد ۳۵/-

حمائل شریف ع۲۳ عکسی ۸۵۱ صفحات سائز ۲۰×۲۲/۱۶ ۲۰/-

پارہ عم تا لایحب اللہ خورد و کلاں فی ۱/-

یسرنا القرآن کلاں ۲/۱۵ خورد ۱/۲۵

قاعدہ بغدادی ۴ ورقی -/۳۰

تفاسیر قرآن اور علوم قرآنی

تفسیر بیان القرآن کمل غیر مجلد ۱۸۰/-

تفسیر ماجدی تا پارہ ع۱۱ ۴۰/-

ترجمان القرآن مکمل ۱۷۰/-

تفسیر رشیدی ۳/-

فضائل قرآن ۲/-

لغات القرآن مکمل ۸۰/-

تعلیم القرآن ۷/۵۰

تیسیر القرآن ۱۰/-

مفتاح القرآن مکمل ۱۰/۷۰

قصص القرآن مکمل ۸۰/-

قاموس القرآن ۲۵/-

ارض القرآن مکمل ۲۳/-

قرآن مجید کی پہلی کتاب ۲/۲۵

حدیث وعلوم حدیث

ترجمان السنہ مکمل ۱۰۰/-

شمائل ترمذی مع خصائل نبوی ۲۰/-

حدیث کا درایتی معیار ۲۰/-

تقریر بخاری اول ۱۵/- دوم ۱۳/۵۰

زاد سفر اول ۱۶/- دوم ۲۰/-

موطا امام مالک عربی ۴۵/-

بزم پیغمبر ۲/۵۰

انتخاب الترغیب والترہیب اول ۲۰/-

دوم ۲۰/-

حدیث کا بنیادی کردار ۳/-

فقہ وفتاویٰ

منتخبات نظام الفتاویٰ ۳۰/-

احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت ۱۲/-

حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ ۱۰/-

بہشتی زیور ۲۵/-

علم الفقہ ۴۰/-

تاریخ فقہ اسلامی ۱۹/-

تاریخ علم فقہ ۵/-

فتاویٰ فرنگی محل ۱۰/-

مسئلے مسائل

کتاب الصلوٰۃ ۱۰/-

خیرۃ الفقہ ۱/۵۰

ارکان اسلام ۵/-

معاشرتی مسائل ۱۲/-

مسائل وضو ۲/-

اعتکاف فضائل مسائل ۱/۵۰

رمضان وعید کے مسائل ۱/-

فضائل ومسائل رمضان

برکات رمضان ۳/-

فضائل رمضان ۳/-

اکابر کا رمضان ۲/۵۰

ماہ رمضان ۴/-

سیرت نبویؐ

سیرۃ النبی مکمل ۷ جلدیں -/۲۰۸
قائد بدر واحد -/۱۵
نبی رحمتؐ -/۳۵
سیرت طیبہ -/۱۲
پہلی تقریر سیرت -/۵
دوسری تقریر سیرت ۶/۵۰
شمائل ترمذی -/۲۰
رحمت عالمؐ -/۵
آخری نبی ۱/۵۰
محسن عالمؐ ۱/۵۰
وفات النبیؐ ۳/۵۰
ہمارے حضورؐ -/۴
کاروان مدینہ -/۱۲
نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب (ورلڈ اسلامک) -/۹
" " کلاں -/۱۳
پیغمبر اسلام ۱/۷۵
رسول اکرم ۴/۵۰
رسول عربی ۴/۵۰
نفحۂ عنبریہ بذکر میلاد خیر البریہ -/۳
رحمۃ للعالمین -/۳
سیرت الرسول -/۲
آخری نبی -/۲

سیر وسوانح

الفاروق -/۲۰
المامون -/۱۰
الغزالی -/۱۰
حکمائے اسلام اول -/۲۰ دوم -/۱۴
حیاۃ الصحابہ مکمل -/۷۵
خلفائے راشدین -/۱۶
سیرت عمر بن عبد العزیز -/۸
سیرت خلفائے راشدین -/۱۰
امام اعظم ابو حنیفہ -/۲۰
الانور -/۴۰ تابعین -/۲۰
سیرت الصدیقؓ ۳/۵۰
سیرت العزیزؒ -/۲
رسول اللہﷺ کی صاحبزادیاں ۳/۵۰
چار ستارے -/۸
سو بڑے آدمی -/۱۰
سیرت سید احمد شہیدؒ -/۵۰
ولی کامل -/۹
پرانے چراغ اول -/۱۸ دوم -/۲۵
تاریخ دعوت وعزیمت مکمل -/۸۲
جب ایمان کی بہار آئی -/۱۲
حیات عبد الحئیؒ -/۱۵
ذکر زبیر -/۲
سیرت حضرت علی زین العابدینؓ -/۵
انوار معصومیہ (پاکستانی) -/۲۵
حیات خلیل -/۲۵

تذکرے

تذکرۃ الخلیل -/۲۰
تذکرہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ۲/۲۵
تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ ۷/۵۰
تذکرہ مجدد الف ثانیؒ -/۱۲
تذکرہ مولانا فضل رحمٰنؒ -/۶
تذکرہ مولانا ادریس ندویؒ -/۱۰
تذکرہ مولوی محمد ہارون کاندھلویؒ -/۳
تذکرہ اولیاء ۳/۵۰
تذکرہ شاہ طیب بنارسی -/۳
تذکرۃ المشائخ ۷/۵۰

تاریخی کتابیں

اسلام کا سیاسی نظام -/۱۳
اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں -/۲۰
بزم تیموریہ اول -/۲۰ دوم -/۱۲
بزم مملوکیہ -/۱۲
بزم صوفیہ -/۲۵
تاریخ اسلام مکمل (از شاہ معین الدین صاحب) -/۶۹
تاریخ ادبیات ایران -/۲۸
خلافت راشدہ کا اقتصادی جائزہ -/۱۳
اسلام اور غیر اسلامی تہذیب -/۱۰
عروج وزوال کا الٰہی نظام -/۹
بزم رفتہ کی سچی کہانیاں اول -/۱۰
" " دوم -/۸

نعتیہ مجموعے اور دعائیں

- کلید باب رحمت ۲/-
- بادۂ وحدت ۱/-
- حمد و سلام اور منتخب نعتیں ۳/-
- پھول ہی پھول ۱/۵۰ تجلیات ۵/-
- مدینہ کی گلیاں ۱/۲۵
- سرِ درِ جاوداں ۵/-
- ظہور قدسی ۱/۲۵
- گلدستۂ ذوق -/۸۰
- گلستان حرم ۱/۵۰
- منتخب سلام ۱/۲۵
- نور یزداں ۱/۲۵
- رسول اللہؐ کی نعتیں و سلام ۳/۵۰
- زمزمۂ نعت ۱/-
- گلزار مدینہ -/۶۰ بہار حرم ۱/-
- عقیدت کے پھول -/۶۰
- عرفان محبت ۱۴/-
- عرش ۱/- فردوس ۱/۲۵
- گلدستۂ نعت ۱/-
- زاد الصلوٰۃ ۲/-
- مسنون دعائیں (از مولانا عاشق الٰہی) ۲/-
- مسنون و مقبول دعائیں ۲/-
- دعائیں (مولانا علی میاں) ۲/-
- صبح و شام کی دعائیں ۱/-
- مسنون دعائیں (انگریزی) ۶/-
- الحزب الاعظم مع اردو ۱۲/۵۰، مکمل ۶/۵۰

ردِ شرک و بدعت

- انگشت بوسی سے بائبل بوسی تک ۲/۵۰
- اصلاح المسلمین ۱/۷۵
- زلزلہ پر زلزلہ ۱/-
- اسلام اور کفر کی حقیقت ۱۲/-
- انوار سنت ۱/۵۰
- تحریک وہابیت پر ایک نظر -/۷۵
- بہار تعزیہ و بدعات مروجہ -/۶۰
- چراغ سنت ۴/-
- فاتحہ کی حقیقت ۱/-
- تکفیر کے پردے میں ۸/-
- تعزیہ علماء کی نظر میں ۱/-
- گلدستۂ توحید ۳/۵۰
- وہابی کی پہچان -/۴۰
- رضا خانیت کا تنقیدی جائزہ ۹/-
- دیوبند سے بریلی تک ۱۰/-
- زلزلہ در زلزلہ ۷/۵۰
- ماحی شرک و بدعات ۱/۲۵
- شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات ۳/-
- فیصلہ کن مناظرہ ۵/-
- بوارق الغیب ۱۳/-
- حق نما -/۸۰ بلاغ المبین ۷/۵۰
- راہ سنت ۱۵/-
- حق پر کون ہے ۳/۵۰
- باطل شکن ۳/۵۰

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کچھ گرانقدر تصانیف

- نبی رحمت ۳۵/- انگریزی ۴۵/-
- سیرت سید احمد شہیدؒ مکمل ۵۰/-
- نقوش اقبال ۱۴/- انگریزی ۲۵/-
- کاروان مدینہ ۱۲/-
- ارکان اربعہ ۲۰/- انگریزی ۳۵/-
- پرانے چراغ اول ۱۸/- دوم ۲۵/-
- دریائے کابل سے یرموک تک ۱۴/-
- مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں ۱۶/- انگریزی ۶/-
- مذہب و تمدن ۷/- انگریزی ۸/-
- تاریخ دعوت و عزیمت مکمل ۸۳/-
- 〃 〃 انگریزی ۷۵/-
- جب ایمان کی بہار آئی ۱۲/-
- دو ہفتہ مغرب اقصیٰ مراکش میں ۶/-
- نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں ۷/-
- عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح ۷/-
- معرکۂ ایمان و مادیت ۶/- انگریزی ۱۵/-
- ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں ۵/- انگریزی ۱۵/-
- انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ۱۵/-
- پاجا سراغ زندگی ۱۳/-
- حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب ۶/-
- تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک ۱۰/-
- مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی ۱۲/-
- علم کا مقام ۱/-
- خواتین اور دین کی خدمات ۲/-

مختلف موضوعات پر اہم کتابیں

- آپ تقریر کیسے کریں؟ اول ۲/۵۰
- 〃 〃 دوم ۳/۵۰
- ام الامراض ۵/-
- اصلاحی تقریریں ۳/-
- اکابر کا سلوک و احسان ۵/-
- قرآن پاک اور اجرام فلکیہ ۲/۲۵
- امت کے لیے لمحہ فکریہ ۱/۷۵
- ادلۂ کاملہ ۱/-
- اعتکاف ۱/۵۰
- تبرکات ۵/-
- بیان اللسان ۲۰/-
- بنیادی قرآنی تعلیم ۶/-
- پردے کے شرعی احکام ۲/۵۰
- پڑوسی کے حقوق ۱/۲۵
- تاجدار مدینہ کی شہزادیاں ۳/-
- تبلیغی چالیس سبق -/۵۰
- تقریر کیسے کریں اول ۳/- دوم ۴/-
- تعلیم الدین ۳/۵۰
- حیات فخر الاسلام ۶/-
- کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات ۶/۵۰
- حقوق الاسلام -/۵۰
- تمدن اسلام کی کہانی ۱/۵۰
- مذہب اور سائنس ۱۶/-
- روداد چمن ۱۵/-
- تصویر کا دوسرا رخ ۲/-

- حقوق والدین ۲/۵۰
- حضرات انبیاء کرام اور صحابہ عظام مودودی صاحب کی نظر میں ۱/۵۰
- خلاصہ و تسہیل قصد السبیل ۱/۵۰
- کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے ۴/-
- عربی بول چال (عربی اردو انگریزی) ۶/-
- ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ۸/-
- احکام المیت ۴۰/-
- تسہیل الصرف اول ۴/۵۰
- 〃 دوم ۲/-
- تسہیل المنطق ۱/۴۰
- تسہیل التجوید ۲/-
- فن اسماء الرجال ۳/۵۰
- کلام صوفی ۲۵/-
- سلاسل طیبہ ۱/۲۵
- گلشن اخلاق ۱۰/-
- مفاوضات رشیدیہ ۲/-
- عربی میں نعتیہ کلام ۱۰/-
- حسن معاشرت ۳/۵۰
- المائدہ (آسمانی روٹی) ۱/-
- میدان محشر ۵/-
- فضائل استغفار -/۷۵
- اصلاح نیت ۳/-
- خلق عظیم ۲/۵۰
- شان رب العالمین ۳/۵۰

- غار حرا کا پیغام -/۴۰
- آپ بیتی مولانا عبدالماجد دریابادی ۲۵/-
- اسلام کی باتیں ۴/-
- رویت ہلال رمضان و عید کے مسائل و دلائل ۱/-
- ایمان کی باتیں ۵/-
- دوزخ کا کھٹکا ۸/-
- حقوق البیت ۲/-
- اسلام اور عہد حاضر ۱۰/-
- جنت کی ضمانت ۳/-
- بچوں کی قصص الانبیاء اول ۵/-
- رسول اللہ کے تین سو معجزات ۴/-
- ہماری دعا کیوں قبول نہیں ہوتی ۴/-
- حادثہ کربلا ۱/۵۰
- وفات سرور کائنات ۲/۵۰
- عورت اور پردہ ۵/۵۰ قرینۂ تمدن ۱۵/-
- معلم القرآن ۲/۱۵
- مسئلہ تعدد ازدواج ۱/۲۵
- مسائل وضو ۲/-
- تبلیغی نصاب اول سادہ ۲۰/-
- 〃 ریگزین ۲۴/- پلاسٹک ۲۵/-
- دوم پلاسٹک ۲۷/-
- فضائل ذکر ۵/- فضائل تبلیغ ۱/۵۰
- حضرت مولانا یوسف بنوری اور تبلیغی جماعت ۱/-

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
فضائل رمضان	3/-	مردوں اور عورتوں کے مخصوص مسائل	2/50	ارشادات شیخ الاسلام	5/-
فضائل قرآن مجید	3/-	فیوض الخالق	1/20	فوائد مکیہ	1/50
فضائل درود شریف	2/-	شریعت یا جہالت	15/-	بلوغ المرام	8/-
فضائل نماز	3/-	وفیات ماجد	15/-	اسلامی حکومت کی کہانی	1/50
فضائل حج	8/-	مجاہد اعظم صلاح الدین ایوبی	8/-	فضائل نکاح	1/50
ارکان اسلام	5/-	نماز اور دیگر ضروری مسائل	1/50	فضائل اخلاق و اخلاص	1/75
حل المشکلات	3/50	نماز مترجم پاکٹ سائز	-/60	فرقہ وارانہ فسادات اور مسلمان	2/-
میری نماز	2/50	مزید المجید	3/-	نبوت نے انسانیت کو کیا دیا	2/-
مسلمان خاوند	4/-	صحائف معرفت	9/-	مفتاح التبلیغ	6/50
قرآن پر ظلم	1/50	نماز کیا ہے ؟	-/40	معرفت الٰہیہ	25/-
عورتوں کی نماز	2/-	قرآن اور حدیث	4/50	مقالات صوفیہ	7/-
حکایات صحابہ	5/-	معرفت التجوید	-/50	خاصان خدا	4/-
تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات	7/-	مظہر التجوید	2/-	خدا کا ذکر	3/-
تبلیغی سات نمبر	4/-	نزہۃ القاری 1/50 آسان تجوید	1/-	شیعہ اور قرآن	12/-
مسلمان بیوی	4/-	تبلیغی نصاب (ہندی)	40/-	الکلام الحسن	3/75
حضرت جی کی یادگار تقریریں	5/-	تجارت اور اسلام	3/-	اکابر کا تقویٰ	8/-
کرامات صحابہ	5/-	دار المصنفین کی ادبی خدمات	20/-	فضل الباری	5/50
اسلام میں پردے کی حقیقت	2/50	احکام اسلام عقل کی روشنی میں	10/-	شیخ حسن البنا	2/-
تاریخ سیدنا حسین رض	6/-	انفاس عیسیٰ	36/-	ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں	10/-
پریشانیوں کا شرعی علاج	6/-	الیس منکم رجل رشید	6/-	آئینۂ حرم	25/-
تبلیغی تقریریں	2/50	قاتلان حسین کی خانہ تلاشی	4/-	السنۃ الجلیلۃ فی الچشتیۃ العلیۃ	10/-
جنت کا کھٹ	2/75	شریعت اور طریقت	15/-	ایک نہایت عجیب و عبرتناک واقعہ	1/-
بھو باتیں	2/50	گوہرین نامہ	6/-	حقیقت کی روشنی 2/50 حضرات صحابہ کا معیار حق	1/-
خدا کی جنت غیر مجلد 3/- مجلد	3/75	اخلاق اور فلسفۂ اخلاق	25/-	بیاض یعقوبی	12/-
دس جنتی	2/-	بیماری اور اس کا روحانی علاج	10/-	بیاض اشرفی	9/-

ملنے کا پتہ:- الفرقان بک ڈپو۔ ۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

Regd. No. LW/NP-62

Monthly 'ALFURQAN' 31, Naya Gaon West Lucknow-226001

VOL. 50 NO. 6 JUNE 1982 Phone : 45547

ناشر: الفرقان بکڈپو ۳۱ نظیر آباد نیا گاؤں مغربی لکھنؤ ۲۲۶۰۰۱

الفرقان لکھنؤ

مدیر

محمد منظور نعمانی

سالانہ چندہ

ہندستان سے ۲۰/-
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۵۰/-
بنگلادیش سے ۲۲/-

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ممالک غیر سے

بحری ڈاک سے ۳ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۷ پونڈ
ایک شمارہ کی قیمت ہندستان میں ۲/-
اس شمارہ کی قیمت 4/-

جلد (۵۰) | بابت ماہ رمضان شوال ۱۴۰۲ھ مطابق جولائی اگست ۱۹۸۲ء | شمارہ ۷، ۸

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہئے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری:- براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت:- الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔ اس کی اطلاع مہینے کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہئے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ ۳۰ روپے ہندستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں مبلغ ۵۰ روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و اڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱- نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

حضرت شیخ الحدیث نمبر

کچھ ضروری باتیں

جولائی و اگست کا یہ شمارہ ہمارے سابقہ اعلان اور آپ کی توقع کے برخلاف آپ کو ملے گا کیونکہ ہم نے گذشتہ شمارے میں اعلان کیا تھا کہ اب جولائی، اگست اور ستمبر کے شماروں کی جگہ ستمبر میں "حضرت شیخ الحدیث نمبر" ہی شائع کیا جائے گا۔

لیکن

پھر مضامین کی آمد، کتابت اور دوسرے مراحل کی رفتار سے اندازہ ہوا کہ اس پروگرام پر عمل نہ کیا جا سکے گا، بصورت دیگر بعض اہم مضامین رہ جائیں گے۔ چنانچہ یہ طے کیا گیا کہ جولائی و اگست کا یہ شمارہ مشترک طور پر شائع کر دیا جائے اس کے بعد ستمبر، اکتوبر، نومبر اور دسمبر کے شماروں کی جگہ دسمبر میں حضرت شیخ الحدیث نمبر شائع کیا جائے اور اس طرح الفرقان کی پچاسویں جلد تذکرۂ شیخ پر ختم کی جائے

چنانچہ:

اس پروگرام کے مطابق جولائی و اگست کا یہ شمارہ حاضر خدمت ہے۔ حضرت شیخ الحدیث نمبر کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے اس شمارہ کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ الفرقان کے مستقل کاتب اس ماہ مسلسل بخار سے علیل رہے ہیں، اس وجہ سے یہ شمارہ مختلف کاتبوں سے لکھوانا پڑا ہے اور تاخیر بھی ہوئی ہے جس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، جولائی و اگست کے اس شمارے کے بعد دسمبر میں "شیخ الحدیث نمبر" شائع ہوگا، قارئین کرام اس سے قبل کسی شمارے کا انتظار نہ فرمائیں۔

حضرت شیخ الحدیث نمبر

ایک جھلک

بانی و مدیر الفرقان حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کی رہنمائی میں ہماری پوری کوشش ہے کہ اس نمبر کو زیادہ سے زیادہ معیاری اور وقیع مضامین کا مجموعہ بنایا جائے اور یہ تذکرہ دعوت و اصلاح کے عظیم مقاصد کے لئے مفید ہو۔

حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کے مضمون کے علاوہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی دامت برکاتہم کا ایک انتہائی اہم مضمون جو آج کل حضرت موصوف لکھ رہے ہیں، انشاء اللہ اس نمبر کی زینت بنے گا۔ مولانا تقی الدین ندوی مظاہری کا حضرت کی محدثانہ شان پر ایک بہت وقیع مضمون آچکا ہے۔ مولانا قاضی زین العابدین سجاد صاحب اور مولانا برہان الدین سنبھلی (استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء) کے مضامین بھی موصول ہو چکے ہیں۔ ایک بہت اہم تحفہ اس نمبر میں حضرت شیخ کی آپ بیتی کی تلخیص کی شکل میں انشاء اللہ پیش کیا جائے گا جو مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کے قلم اشہب رواں کی ایک نئی کاوش ہوگی۔ الفرقان کے دیرینہ رفیق و سرپرست مولانا نسیم احمد فریدی امروہی مدظلہ، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی اور پاکستان سے حضرت مولانا محمد اشرف صاحب اور حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب دامت برکاتہم اور بعض دیگر حضرات کے مضامین بھی متوقع ہیں۔ علاوہ ازیں ہم اس کے لئے بھی کوشاں ہیں کہ حضرت کی تحریر کے عکس سے بھی اس گلدستہ کی سجاوٹ میں اضافہ کریں۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے اور اخلاص کے ساتھ یہ خدمت ہم سے لے لے۔ ناظرین کرام سے بھی دعاؤں اور مشوروں کی درخواست ہے۔

ضخامت، طباعت اور قیمت :-

انشاء اللہ یہ نمبر سوا تین سو صفحات پر مشتمل ہوگا۔ اور اعلیٰ کاغذ پر فوٹو آفسٹ کے ذریعہ اسے طبع کرایا جائے گا۔ قیمت فی شمارہ: ۱۸/ روپے طے کی گئی ہے۔

شیخ الحدیث نمبر

کے شائقین توجہ فرمائیں

- یہ نمبر انشاء اللہ خریداروں کی خدمت میں بلا کسی اضافی قیمت کے پیش کیا جائے گا۔
- الفرقان کا سالانہ چندہ ۲۰/- روپے ہے لیکن نمبر سے جاری کرانے والوں کے لئے چندہ میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔
- جو حضرات اب سے خریداری کا سلسلہ شروع کرنا چاہیں وہ ستمبر ۸۲ء تا اگست ۸۳ء کے لئے ایک سال کا چندہ ۳۰/- روپے اور شیخ الحدیث نمبر کی رجسٹری فیس ۳/- روپے یعنی جملہ ۳۳/- روپے ارسال فرمائیں۔
- جون کے شمارے میں ہم نے اپنے قارئین سے گذارش کی تھی کہ اس ضخیم اور قیمتی نمبر کو محفوظ طریقے پر حاصل کرنے کے لئے رجسٹری فیس ۳/- روپے ارسال فرمائیں۔ ہم مکرر گذارش کرتے ہیں کہ جن حضرات نے اب تک یہ فیس نہ بھیجی ہو وہ بذریعہ منی آرڈر فوراً رجسٹری فیس روانہ فرما دیں، سادہ ڈاک سے ضائع ہونے پر عام شماروں کی طرح یہ نمبر دوبارہ نہیں بھیجا جا سکے گا۔
- خریداران یا ایجنٹ حضرات میں سے جن کے ذمہ ادارہ الفرقان کا کچھ بقایا واجب الادا ہو اُن سے گذارش ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ ماہ اکتوبر تک اُسے ادا کر دیں، ورنہ یہ نمبر ان کی خدمت میں ارسال نہیں کیا جا سکے گا۔
- وی پی کے ذریعے نمبر منگوانے کے لئے کم از کم چوتھائی رقم پیشگی بھیجنا ضروری ہے۔
- پیشگی رقم بھیج کر ایک سے چار تک نمبر منگوانے والے حضرات تین روپے رجسٹری فیس کے ہمراہ ۵۰ پیسے فی کاپی برائے محصول ڈاک بھیجیں۔

پاکستانی حضرات کے لئے

- قدیم خریداروں سے گذارش ہے کہ وہ مبلغ ۴/- روپے (رجسٹری فیس) ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو ارسال فرما کر منی آرڈر رسید ہم کو روانہ کر دیں تاکہ نمبر ان کی خدمت میں رجسٹری سے ارسال کیا جا سکے۔
- جو حضرات اب سے خریدار بننے کے خواہشمند ہوں وہ ستمبر ۸۲ء تا اگست ۸۳ء کے لئے ایک سال کا چندہ مبلغ ۶۵/- روپے اور ۴/- روپے رجسٹری فیس یعنی جملہ ۶۹/- روپے ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو ارسال فرما کر منی آرڈر رسید ہمیں براہ راست روانہ کریں۔

سعودی عرب

اور دیگر عرب ممالک میں مقیم حضرات ۲ دو برطانوی پونڈ یا ۱۵ ریال کی مساوی رقم بذریعہ ڈرافٹ ارسال فرما کر یہ نمبر بذریعہ ہوائی ڈاک طلب فرما سکتے ہیں۔ ڈرافٹ صرف الفرقان (ALFURQAN) کے نام بنوا کر لکھنؤ کے کسی بینک کی معرفت روانہ کریں۔

اور اگر اس نمبر سے خریداری کا سلسلہ شروع فرمانا چاہیں تو آٹھ برطانوی پونڈ یا ۵۵ ریال کی مساوی رقم ارسال فرمادیں۔

امریکہ، افریقہ اور یورپ

کے تمام حضرات ڈھائی پونڈ (۵۰/ روپے) ارسال فرما کر یہ نمبر بذریعہ ہوائی جہاز طلب فرما سکتے ہیں

خصوصی رعایتوں کی شرح

۵ عدد نمبر طلب کرنے پر محصول ڈاک ہمارے ذمہ ہوگا۔

۶ سے ۱۰ تک نمبر طلب کرنے پر ۱۵٪ فیصد رعایت دی جائے گی محصول ڈاک و اخراجات پیکنگ بذمہ خریدار ہوگا۔

۱۱ سے ۲۵ تک نمبر طلب کرنے پر ۲۵٪ فیصد رعایت دی جائے گی محصول ڈاک و اخراجات پیکنگ بذمہ خریدار ہوگا

۲۶ سے ۹۹ " " " " ۳۳٪ " " " " " " "

۱۰۰ یا اس سے زائد " " " ۴۰٪ " " " " " " "

نوٹ: ہماری درخواست ہے کہ زیادہ تعداد میں نمبر طلب کرنے والے حضرات ریلوے کا نظام انتہائی خراب ہونے کے باعث بذریعہ ٹرانسپورٹ ہی طلب فرمائیں۔

یاد رکھیں:-

جواب طلب امور کے لئے جوابی پوسٹ کارڈ لکھیں۔

قدیم خریداران خط یا منی آرڈر بھیجتے وقت اپنے صاف اور مکمل پتہ کے ساتھ اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں

ناظم ادارۂ الفرقان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

قضیۂ دارالعلوم کا خاتمہ بالخیر:-

یہ عاجز اسی شوال کے مہینے میں عمر کی ۷۹ منزلیں طے کر کے ۸۰ ویں منزل کی سرحد میں داخل ہوا ہے۔ شعور کی عمر بھی ستّر سے کم نہیں ہے۔ اس طویل مدت میں رب کریم کی اس شان رحمت کا بارہا تجربہ ہوا ہے کہ کسی معاملہ میں مسلسل ناکامیوں کے بعد امید بالکل منقطع ہو گئی پھر اچانک رحمت خداوندی کا کرشمہ ظاہر ہوا اور بالکل غیر متوقع طور پر کامیابی نصیب ہو گئی —— لیکن اس سلسلہ کا غالباً سب سے اہم اور انتہائی مسرت بخش تجربہ وہ ہے جو اسی ہفتے (شوال کے آخری ہفتے) میں ہوا۔

دارالعلوم دیوبند کا قضیہ نامرضیہ اس عاجز کے لیے (اور غالباً ہر اس شخص کے لیے جو دارالعلوم اور جماعت دیوبند سے للّٰہی تعلق رکھتا ہے) سوہان روح بنا ہوا تھا، اس لیے ایسے سب لوگوں کی انتہائی خواہش تھی کہ کسی طرح یہ قضیہ خوبصورتی کے ساتھ طے ہو جائے۔ مختلف محترم (موقر) افراد اور طبقات کی طرف سے مصالحت کے لئے بار بار کوششیں بھی ہوئیں لیکن وہ سب ناکامی پر ختم ہوئیں (ان کوششوں اور ان کے انجام کا ذکر کسی قدر تفصیل سے الفرقان کے مارچ کے شمارے میں کیا جا چکا ہے اور اسی سے ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ معاملہ سے تعلق رکھنے والے کس عنصر کے منفی اور تخریبی رویہ نے ان کوششوں کو کامیاب نہیں ہونے دیا) بہر حال ان مخلصانہ کوششوں کی ناکامی کے بعد مصالحت اور خوبصورتی کے ساتھ معاملہ

کے ختم ہونے کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی، لیکن مئی کے آخری عشرہ میں ہماری جماعت دیوبند کے دو محترم حضرات پاکستان سے صرف مصالحت ہی کی غرض سے دیوبند تشریف لائے اور ان کی مخلصانہ کوشش بظاہر ایسے غیر معمولی طریقہ پر کامیاب ہوئی کہ ہم لوگوں نے اس کو "لطیفۂ غیبی" سمجھا لیکن افسوس کہ اس کا انجام پہلی کوششوں سے بھی زیادہ المناک ہوا۔۔ اس کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ:۔

جامعہ اشرفیہ لاہور" کے شیخ الحدیث جناب مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی (خلف حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند) اور لاہور کی شاہی جامع مسجد کے امام وخطیب مولانا عبدالقادر آزاد صاحب، جیسا کہ عرض کیا گیا دارالعلوم دیوبند کے قضیہ میں مصالحت ہی کے لیے تشریف لائے اور اپنے مشن میں اس حد تک کامیاب ہو گئے کہ دارالعلوم کے موجودہ مہتمم مولانا مرغوب الرحمن صاحب اور نائبین اہتمام مولانا محمد عثمان صاحب و مولانا نصیر احمد خاں صاحب اور صدر المدرسین مولانا معراج الحق صاحب، اور دوسری طرف سے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، کو مصالحت کے ایک فارمولے پر متفق کر لیا۔ قاری صاحب نے اس پر اپنے قلم سے تحریر فرمایا کہ "میں اس کو بصدق دل قبول کرتا ہوں" اور دستخط فرما دیے۔ دوسرے فریق کے حضرات کے بھی دستخط ہو گئے۔ محترم قاری صاحب نے اظہار مسرت و تشکر کے طور پر جناب مولانا محمد مالک صاحب و مولانا عبدالقادر صاحب کو دس دس روپے مٹھائی کے عنوان سے عنایت فرمائے، دوسری طرف سے مولانا مرغوب الرحمن صاحب نے بھی ہدیہ پیش کیا۔

راقم سطور کو اسی دن ٹیلیفون سے لکھنؤ اس کارروائی کی خوشخبری دی گئی اور ایک صاحب کے ذریعہ دستاویز مصالحت کی فوٹو کاپی بھی بھیجی گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس اطلاع سے اور پھر اس فوٹو کاپی کو دیکھ کر ایسی خوشی ہوئی کہ زندگی میں بہت کم موقعوں پر ایسی خوشی ہوئی ہوگی۔ اگلے ہی دن اخبارات میں بھی خبر شائع ہو گئی اور ملک کے طول وعرض میں ہماری جماعت کے عوام و خواص میں مسرت کی لہر دوڑ گئی، مبارکباد کے تار اور خطوط بھی چل پڑے۔۔۔ مولانا محمد مالک صاحب اور مولانا عبدالقادر آزاد صاحب، اہل پاکستان کو یہ خوشخبری سنانے کے لیے اسی دن ہوائی جہاز سے لاہور روانہ ہو گئے۔ وہاں ان دونوں حضرات نے پریس کانفرنس کی اور اس کے اگلے

ہی دن اخبارات کے ذریعہ وہاں کے وابستگان جماعت دیوبند کو بھی یہ مسرت بخش خبر مل گئی، قدرتی طور پر ان سب کے لیے وہ دن یوم العید ہو گیا۔

لیکن محترم قاری صاحب کے حلقہ کے جن لوگوں نے ان کی کبرسنی کی کیفیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے مصالحت کی اس سے پہلی کوششوں کو کامیاب نہیں ہونے دیا تھا (اور جو فی الحقیقت سارے فتنہ کی جڑ بنیاد ہیں) انھوں نے پاکستانی حضرات کی اس کوشش کو بھی کامیابی اور تکمیل کے بعد ناکام بنا دیا اور خود قاری صاحب کے وقار و اعتبار کو اتنا مجروح کیا کہ کوئی دشمن بھی ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا ___ ہوا یہ کہ حضرت قاری صاحب کے ایک خاص معتمد اور گویا دست راست، جن کو انھوں نے اپنی جگہ قائم مقام مہتمم بنا کر کار اہتمام ان کے سپرد کر دیا تھا، ان کی طرف سے معاہدہ کی تکمیل اور دستاویز مصالحت پر فریقین کے دستخط ہو جانے کے ۳۔۴ ہی دن بعد ایک اشتہار شائع ہو گیا جس کے ذریعہ مصالحت کی اس کارروائی کو ملیامیٹ اور کالعدم کر دیا گیا، پھر اسی پر بس نہیں کیا گیا، بلکہ محترم قاری صاحب کے حلقہ کے اُن لوگوں نے (جن کے بارہ میں خدا ہی جانتا ہے کہ وہ ان کے نادان دوست ہیں یا دانا دشمن) اُن کو اس پر آمادہ کر دیا کہ وہ ایک نیا سنگین دعویٰ مجلس شوریٰ کے ارکان اور ان کے ہمنوا بعض دوسرے لوگوں کے خلاف عدالت میں دائر کردیں چنانچہ ۳۰ مئی کو ایک دعویٰ محترم قاری صاحب کی طرف سے سول جج سہارنپور کی عدالت میں ۲۲ افراد کے خلاف دائر ہو گیا جن میں بارہ ۱۲ مجلس شوریٰ کے ارکان ہیں۔ ان میں یہ گنہگار راقم سطور بھی ہے۔ ہماری جماعت کے اس دور کے بلا استثنا سب سے بڑے صاحب علم و فضل محدث عصر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی بھی ہیں۔ نیز مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، جناب الحاج نواب عبید الرحمٰن خاں شیروانی (سابق وائس چانسلر و خازن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) اور حضرت مولانا عبد الحلیم جونپوری (خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادیؒ) اور مولانا محمد سعید بزرگ (مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) اور مولانا عبد القادر مالیگانوی اور جناب حاجی علاء الدین صاحب (تاجر بمبئی) بھی ہیں۔ دار العلوم کے صدر المدرسین مولانا معراج الحق صاحب اور مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب اور نائب مہتمم مولانا محمد عثمان صاحب بھی ہیں۔ (یہ سب حضرات مجلس شوریٰ

کے ارکان ہیں) ان کے علاوہ جن حضرات کے خلاف یہ دعوی دائر کیا گیا ہے ان میں مولانا اسعد میاں مدنی اور ان کے دونوں چھوٹے بھائی مولانا ارشد میاں مدنی اور مولوی اسجد میاں مدنی بھی ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ محترم قاری صاحب کی طرف سے ان سب کے خلاف دعویٰ یہ دائر کیا گیا کہ ان لوگوں نے دارالعلوم پر ــــ جس کا میں متولی ہوں ــــ ناجائز قبضہ کر لیا ہے اور اس کے فلاں فلاں دفتروں میں اتنی اتنی نقد رقمیں تھیں (جن کی مقدار لاکھوں تک پہنچتی ہے) وہ سب لوٹ لی ہیں۔ ان لوگوں سے وہ رقمیں مجھے دلوائی جائیں اور ان کو دارالعلوم سے بے دخل کر کے مجھ کو قبضہ دلایا جائے۔

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ مولانا قاری محمد طیب صاحب نے مصالحت کے جس فارمولے کو بصدق دل قبول فرما کر دستخط کئے تھے، اس کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ جو مقدمات عدالت میں دائر ہیں وہ واپس لے لئے جائیں گے۔ اس پر عمل اس طرح ہوا کہ یہ نیا "شریفانہ دعوی" ۳۰ مئی کو دائر ہو گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون) اس کے بعد مصالحت و مفاہمت کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔

شر کے بعد پھر خیر

۱۵-۱۶-۱۷ اگست کو دارالعلوم کی مجلس شوری کا جلسہ موجودہ مہتمم مولانا مرغوب الرحمن صاحب نے لکھنؤ میں بلایا تھا۔ اس میں مجلس شوری کو اپنی مقرر کردہ تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ اور سفارش پر مولانا قاری محمد طیب صاحب کے بارے میں فیصلہ کرنا ناگزیر تھا اور وہ فیصلہ خود ارکان شوری کے لیے بھی انتہائی ناخوش گوار اور بہت تکلیف دہ ہوتا، لیکن دارالعلوم کے حق اور اس کے بارے میں ہم ارکان کی ذمہ داری کا تقاضا تھا کہ اس کڑوے گھونٹ کے پینے پر اگر ہم مجبور ہوں تو پی لیں۔

پروگرام کے مطابق ۱۵ اگست کو ۹ بجے صبح شوری کا جلسہ شروع ہوا۔ ٹھیک اس وقت جب مذکورہ بالا تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کی بات شروع ہوئی، اللہ تعالی کی رحمت کا ظہور ہوا ــــ معلوم ہوا کہ بمبئی کے دو موقر حضرات جو مولانا قاری محمد طیب صاحب کے خواص اہل تعلق میں سے ہیں (جناب عزیز الحق صاحب چودھری اور جناب صوفی عبد الرحمن صاحب) تشریف لائے ہوئے ہیں اور

وہ دار العلوم اور قاری صاحب کے بارے میں ارکان شوریٰ سے گفتگو فرمانا چاہتے ہیں اور ان کی کوئی تحریر بھی ان کے ساتھ ہے (یہ دونوں حضرات اس عاجز راقم سطور اور رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب کے شناساؤں میں ہیں) ـــــ بہر حال ان حضرات سے ملاقات ہوئی کچھ گفتگو کے بعد ان صاحبان نے ایک لفافہ عنایت فرمایا جس میں ارکان شوری کے نام لکھا ہوا حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا مکتوب گرامی تھا جس میں انھوں نے دار العلوم کے منصب اہتمام سے استعفا تحریر فرمایا ہے ـــــ

جہاں تک اس عاجز کا اندازہ ہے، قاری صاحب کی اصل فطرت اور ذوق و مزاج وہی ہے جو اس استعفا نامہ کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ پچھلے عرصہ میں جو ایسی باتیں ان کی طرف سے سامنے آئیں جو ہمارے نزدیک ان کی فطرت و مزاج کے خلاف تھیں (جن میں سے بعض کا الفرقان میں بھی ذکر ہوا ہے) راقم سطور کا خیال ہے کہ وہ صرف اس وجہ سے ظہور میں آئیں کہ کبر سنی کے اثر سے جس طرح ان کے ظاہری قویٰ میں ضعف آیا ہے اسی طرح فکر و فہم اور قوت فیصلہ کی صلاحیت بھی متاثر ہوئی ہے (اور یہ بالکل فطری چیز ہے) اس صورت حال کی وجہ سے بعض غلط کار مفاد پرست لوگ اُن کا اعتماد اور تقرب حاصل کر لینے میں کامیاب ہو گئے، اور جو ناشدنی باتیں ہوئیں وہ انھی کی وجہ سے ہوئیں ـــ خدا کرے کہ اب آئندہ ایسی کوئی بات نہ ہو۔ ہم میں سے جس سے بھی اس سلسلہ میں جو غلطی ہوئی ہو اور حدود سے تجاوز ہوا ہو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمائے اب ناظرین کرام محترم مولانا قاری محمد طیب صاحب کا وہ مکتوب گرامی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

ارکان مجلس شوریٰ دارالعلوم کے نام
مولانا قاری محمد طیب صاحب کا استعفا نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بگرامی خدمت فیضدرجت حضرات اراکین شوریٰ دارالعلوم دیوبند
دامت برکاتہم

سلام مسنون، نیاز مقرون۔ آج سے اٹھاون سال قبل حضرات اکابر رحمہم اللہ کے حسب الحکم احقر نے اپنی طالب علمانہ افتادِ طبع کے برخلاف محض تعمیلاً للامر کار اہتمام دارالعلوم سنبھالا۔ آپ حضرات میں چند بزرگ ابھی وہ بھی بحمداللہ موجود ہیں جو اس دور کے اکابر رحمہم اللہ کے طرز تربیت و شفقت اپنے خوردوں کے ساتھ اور اصاغر کا مطیعانہ طرز عمل اپنے بڑوں کے ساتھ دیکھنے والوں میں سے ہیں۔ ان کو شاہد بنا کر یہ کہنے میں احقر اپنے آپ کو حق بجانب جانتا ہے کہ دارالعلوم کے اس تعلق کے بارے میں از اول تا آخر یہی اعتقاد و یقین قلب میں راسخ رہا کہ یہ اپنی آخرت ہے دنیا نہیں ہے اسی اعتقاد و یقین پر یہ اٹھاون سال کا زمانہ گزرا۔

لیکن اجلاس صد سالہ کے بعد ایسے امور پیش آئے کہ جن کا تصور و خیال بھی خدام و وابستگان دارالعلوم کے وہم و گمان میں نہیں آسکتا تھا، فتنوں کا ایک عظیم سیلاب اٹھا جس میں بہت سی چیزیں احقر کے ذوق اور حضرات اراکین شوریٰ کے ساتھ احقر کے باحترام قدیم تعامل کے بھی خلاف پیش آگئیں۔ احقر کا دارالعلوم کے ساتھ جو روحانی اور خادمانہ تعلق و رابطہ ہے جو زندگی کی آخری سانس تک باقی رہے گا، اس کے تحت کبھی بھی کسی ممکن خدمت سے دریغ نہ ہوگا لیکن بحالات موجودہ احقر اس رسمی تعلق سے استعفا پیش کرتا ہے، فتنہ کے دوران جو غلطیاں ہوئیں اور ایسے حالات میں فریقین سے ہوتی ہیں میں ان سے معذرت کرتا ہوں۔

زیادہ احترامات۔

محمد طیب غفرلہ
از دیوبند
۹/اگست ۱۹۸۲ء

مجلس شوریٰ نے اس استعفے پر اپنے اطمینان و مسرت کا اظہار اور خداوند کریم کا شکر ادا کرتے ہوئے ایک مفصل تجویز کے ذریعہ اس کو منظور کر لیا۔ امید ہے کہ اس کے بعد کوئی ایسا شاخسانہ پیدا نہ ہوگا جیسا کہ پاکستانی حضرات کی کوشش کے نتیجہ میں ہونے والی مصالحت کی تکمیل اور دستاویز معاہدہ پر دستخط ہو جانے کے بعد ہوا تھا ــــ یہ بھی امید ہے کہ اس استعفے کے بعد وہ سب مقدمات اور دعوے بھی واپس لے لیے جائیں گے جو خود مولانا قاری محمد طیب صاحب کی طرف سے سہارنپور کی عدالت میں اور ان کے حلقہ کے بعض دوسرے لوگوں کے نام سے دہلی ہائی کورٹ اور الہ آباد ہائی کورٹ میں دائر کئے گئے تھے۔ اس کے بعد انشاء اللہ اس نامبارک قضیہ کا خاتمہ بالخیر ہو جائے گا اور ہم سب کو (خود محترم قاری صاحب کو بھی) اس عذابِ دنیا سے نجات مل جائے گی۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے!

"قضیہ دارالعلوم کے خاتمہ بالخیر" کے سلسلہ میں مجلس شوریٰ کے جلسہ کے بعد ہی وہ لکھ دیا گیا تھا جو ناظرین نے اب تک پڑھا، کتابت کے لیے بھی دیدیا گیا تھا اور جیسا کہ عرض کیا گیا بڑا اطمینان اور بڑی مسرت تھی کہ یہ تکلیف دہ قضیہ جو ہمارے لئے شرمناک بھی تھا، مولانا محمد طیب صاحب کے استعفے کے بعد ختم ہو گیا ــــ لیکن اس اطمینان اور خوشی پر دس دن بھی نہ گزرے تھے کہ کل ۲۷ اگست کے اخبارات سے معلوم ہوا کہ موصوف نے کسی خبر رساں ایجنسی کو بیان دیا ہے کہ "میں نے دارالعلوم کے اہتمام سے استعفا نہیں دیا ہے، میں بدستور مہتمم ہوں"۔

اخبار میں یہ پڑھ کر حیرت ہوئی، کیونکہ استعفے کی جو تحریر عزیز الحق صاحب چودھری اور صوفی عبدالرحمٰن نے مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کی تھی وہ بلاشبہ مولانا محمد طیب صاحب ہی کے قلم کی لکھی ہوئی تھی۔

آج ۲۸ اگست کو مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب (موجودہ مہتمم دارالعلوم) کے بھیجے ہوئے ایک صاحب دیوبند سے آئے اور ان کے نام لکھے ہوئے مولانا محمد طیب صاحب کے چھ صفحے کے

ایک طویل خط کی فوٹو کاپی لائے، اس میں انھوں نے یہ تو اقرار کیا ہے کہ وہ استعفا نامہ جو عزیز الحق صاحب چودھری اور صوفی عبدالرحمن صاحب نے مجلس شوریٰ کو پہنچایا وہ انھی کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ لیکن پورے خط میں یہ ثابت فرمانے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ دارالعلوم کے عہدۂ اہتمام سے استعفا نہیں ہے بلکہ کسی "سوسائٹی" کی رکنیت سے استعفا ہے، اور اس استعفا نامہ کے شروع میں انھوں نے مجلس شوریٰ کے اراکین کو مخاطب کرتے ہوئے جو یہ عبارت لکھی ہے۔

"بگرامی خدمت فیضدرجت حضرات اراکین شوریٰ دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم"

اس میں شوریٰ کے لفظ سے ان کا مطلب وہ سوسائٹی ہے۔ یا بدیع العجائب!

استعفا نامہ کا اصل متن اوپر لفظ بلفظ نقل کیا جا چکا ہے، ناظرین بھی غور فرمائیں کیا اس میں کسی سوسائٹی کا ذکر یا کوئی اشارہ بھی ہے؟ اور کیا اس مہمل اور بے تکی تاویل کی کچھ بھی گنجائش ہے۔

اصل بات جو معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ قاری صاحب نے بمبئی کے اپنے مخلصوں کا مخلصانہ مشورہ قبول فرما کر اپنے حلقہ کے فتنہ پرداز لوگوں سے چھپا کر استعفا لکھ دیا تھا بعد میں جب ان لوگوں کو استعفے کا علم ہوا تو انھوں نے قاری صاحب پر دباؤ ڈالا اور ایک وکیل صاحب نے سبز باغ دکھایا کہ اگر آپ استعفے سے انکار کر دیں تو عدالت آپ کو دارالعلوم کا مہتمم مان کر دارالعلوم پر قبضہ دلا دے گی۔ اس طرح قاری صاحب کو آمادہ کیا گیا کہ وہ استعفے سے انکار کر دیں اور پھر چھ صفحے کا یہ عجیب و غریب خط ان کی طرف سے لکھا گیا۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ یہ خط نہ قاری صاحب کا لکھا ہوا ہے، نہ مضمون ان کا ہے، نہ ان کی زبان میں ہے، غالباً یہ کسی وکیل ہی نے لکھا یا لکھوایا ہے اور قاری صاحب نے بغیر اس کو پڑھے اور بلا سنے اس پر دستخط فرما دیئے ہیں۔ اسی خط میں اس کی ناقابل تردید شہادت اور دلیل یہ ہے کہ عزیز الحق صاحب اور صوفی عبدالرحمن صاحب کے متعلق اس میں لکھا گیا ہے کہ:-

"وہ حضرات اردو کی ایک لائن نہ پڑھ سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں۔"

حالانکہ صوفی عبدالرحمن صاحب نہ صرف یہ کہ اردو لکھ پڑھ سکتے ہیں بلکہ اردو میں انھوں نے چند دینی و اصلاحی رسالے تصنیف کئے ہیں جو شائع ہو چکے ہیں، ان میں سے دو کا نام یاد ہے، ایک "المائدہ" اور دوسرا "راہ امن" یہ دونوں رسالے اردو میں ہیں اور خیر سے ان پر قاری محمد طیب صاحب

کی تقریظ بھی چھپی ہوئی ہے اور جہاں تک معلوم ہے صوفی صاحب قاری صاحب سے خط و کتابت بھی اردو ہی میں کرتے ہیں۔ اگر قاری صاحب نے یہ خط جوان کی طرف سے لکھا گیا ہے پڑھا یا سنا ہی ہوتا تو کم از کم اس فاش غلطی کی تو اصلاح کرا دیتے۔

بہرحال چونکہ اس پر دستخط قاری صاحب ہی کے ہیں اور انہی کی طرف سے وہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو رجسٹرڈ بھیجا گیا ہے اس لئے قانون اور ضابطہ کے لحاظ سے وہ انہی کی تحریر سمجھا جائے گا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ حالات اور حقائق سے واقف جو شخص بھی اس خط کی بنیاد پر قاری صاحب کے بارے میں رائے قائم کرے گا وہ بہت بری رائے ہوگی ۔۔ کیسے ظالم ہیں وہ لوگ جوان کے ہمدرد بن کر ان کے ساتھ یہ کھیل کھیل رہے ہیں اور ان سے ایسے غلط کام کرا رہے ہیں۔

عبرت اور سبق

دارالعلوم دیوبند کے اس قضیہ نامرضیہ کے بارے میں اب تک جو کچھ ہوتا رہا ہے اور اب آخر میں قاری صاحب کے اس خط کی صورت میں جو کچھ سامنے آیا ہے اس کا سب سے بڑا سبق ہم سب کے لئے یہ ہے کہ کچھ خبر نہیں کہ کل ہمارا کیا حال ہو "ہیچو بید بر سر ایمان خود لرزم"۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہماری سب سے بڑی فکر اور اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا اور التجا یہ ہو کہ ایمان سلامت رہے، خدا کے خوف اور آخرت کے محاسبہ کی فکر سے دل خالی نہ ہو، اسی حال میں موت آئے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مغفرت و رحمت کا معاملہ فرمائے۔

فاطر السمٰوٰت والارض انت ولیّ فی الدنیا والاٰخرۃ توفنا مسلمین و

الحقنا بالصّٰلحین

درس قرآن
محمد منظور نعمانی

سُورۃُ القُریش

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ
لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ○ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ○
فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ○ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ
جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ○

قریش کی دلچسپی اور وابستگی کی وجہ سے ——— (یعنی) اُن کی دلچسپی اور وابستگی کی وجہ سے جاڑے اور گرمی کے سفر سے ——— بس ان کو چاہیے کہ وہ عبادت کریں اس بیت (کعبہ) کے مالک کی، جس نے ان کو کھلایا بھوک میں، اور امن دیا خوف سے۔ (سورۃ قریش)

(تفسیر وتشریح) یہ سورۂ قریش، اس سے پہلی سورۃ الفیل کا گویا ضمیمہ یا تتمہ ہے۔ اُس میں اہل مکہ خاصکر قریش پر ہونے والے اللہ تعالیٰ کے اس عظیم انعام واحسان کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ جب ابرہہ نے اُن کے مقدس معبد کعبۃ اللہ کو تباہ وبرباد کرنے کے لیے ہاتھیوں والے لشکر کے ساتھ چڑھائی کی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت فرمائی اور چڑیوں کی شکل میں اپنا غیبی لشکر بھیج کر ابرہہ کے لشکر کو صرف شکست ہی نہیں دی بلکہ اُن کو تہس نہس کر دیا اور ان کا بھوسہ بنا دیا ———
اب اس سورۂ قریش میں، اُنہی پر ہونے والے ایک دوسرے خاص انعام کا ذکر فرما کر ان کو فرض شکر ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے

کہ وہ اُس ربِّ کعبہ کی عبادت کریں جس نے ان کو کھانا عطا فرما کر بھوک کے عذاب سے نجات دی اور خوف سے امن عطا فرمایا۔

اس سورۂ "قریش" کے مضمون اور پیغام کو سمجھنے کے لیے ایک بات تو یہ پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ مکہ میں اگرچہ قریش کے علاوہ دوسرے قبیلے بھی آباد تھے لیکن سرداری اور قیادت کا مقام قریش ہی کو حاصل تھا، اور اس کی وجہ سے صورتِ حال یہ تھی کہ کسی چیز کے قبول کر لینے یا رد کر دینے کے بارے میں قریش جو رویہ اختیار کرتے، امید کی جاتی کہ دوسرے لوگ بھی وہی رویہ اختیار کریں گے ـــــ دوسری بات یہ سامنے رہنی چاہیے کہ مکہ والوں کی معاش کا زیادہ تر دارومدار تجارت پر تھا اور یہ تجارت بھی قریش ہی کے ہاتھ میں تھی۔ خود مکہ معظمہ اور اُس کے آس پاس کے علاقہ کا حال یہ تھا کہ نہ وہاں زراعت تھی نہ کوئی اور ایسی چیز جس سے لوگوں کی معاشی ضرورتیں پوری ہوتیں، تجارت واحد ذریعۂ معاش تھا۔ قریش میں جو سرمایہ دار تھے وہ تو تجارت کرتے ہی تھے لیکن جن کے پاس اپنے سرمایہ نہیں تھا وہ بھی سرمایہ والوں کے ایجنٹ کے طور پر کام کرتے تھے، پھر اُن میں جو فیاض اور اہلِ سخاوت تھے وہ تجارتی منافع ہی کے بل پر غریبوں مفلسوں کی بھی مدد کرتے تھے ـــــ اس طرح قریش کی تجارت سے سب کو سہارا ملتا تھا ـــــ اس تجارت کا نظام یہ تھا کہ حجاز جس کا مرکزی شہر مکہ معظمہ تھا اور ہے اس کے ایک طرف شام تھا جو سرد ملک ہے اور دوسری طرف یمن جو گرم علاقہ ہے۔ قریش کے تجارتی قافلے گرمی کے موسم میں شام کی طرف اور سردی کے زمانہ میں یمن کی طرف جاتے اور ایک ملک کی پیداوار اور مصنوعات دوسرے ملک تک پہنچاتے اور خود حجاز کے علاقہ میں بھی فروخت کرتے ـــــ اُس زمانے میں یہ راستے مامون نہیں تھے، تجارتی قافلے لُٹ بھی جاتے تھے، لیکن چونکہ ان علاقوں میں عام طور سے وہ لوگ آباد تھے جو مکہ کے کعبہ کی عظمت اور تقدس کا عقیدہ رکھتے اور اس کو "بیت اللہ" مانتے تھے، اور قریش کے بارے میں جانتے تھے کہ یہ اسی

کعبہ کے خادم اور پڑوسی ہیں اور حج کے زمانہ میں دور دراز سے آنے والے حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں اس لیے اُن کے تجارتی قافلوں سے وہ تعرض نہیں کرتے تھے بلکہ اُن کی خاطر مدارات ہوتی تھی —— پھر ان تجارتی سفروں کی وجہ سے قریش گرمی کے موسم میں مکہ معظمہ کی سخت گرمی سے اور سردی کے موسم میں وہاں کی سخت سردی سے بھی محفوظ رہتے تھے اس وجہ سے یہ دونوں سفر قریش بڑے ذوق شوق سے کرتے تھے اور یہ ان کی معاشی ضرورت ہونے کے علاوہ ان کی مرغوب و محبوب تفریح بھی تھی —— اور ظاہر ہے کہ یہ ساری نعمتیں اور سہولتیں ان کو خانہ کعبہ ہی کے طفیل، فی الحقیقت رب کعبہ کی طرف سے حاصل ہو رہی تھیں —— تو اس سورہ میں بھی ان سب باتوں کی طرف اجمالی اشارہ کرتے ہوئے قریش سے فرمایا گیا ہے کہ اس کعبہ کے طفیل رب کعبہ کی طرف سے جو نوازشیں تم پر ہو رہی ہیں کہ ان تجارتی سفروں کے ذریعہ تمہارا معاشی اور غذائی مسئلہ حل ہو رہا ہے اور بھوک کے عذاب سے تم کو نجات ملی ہوئی ہے اور تمہارے قافلے امن و اطمینان کے ساتھ چلتے ہیں اُن کو وہ خوف و خطر نہیں ہوتا جو دوسروں کو ہوتا ہے اور یہ سفر تم کو مرغوب بھی ہیں تو اس رب کا حق ہے کہ تم رب کعبہ ہی کی عبادت اور بندگی کرو جس کے فضل و کرم سے تم کو یہ سب کچھ حاصل ہو رہا ہے —— بس یہی اس سورت کا پیغام اور حاصل ہے۔
اب ذرا الفاظ کی روشنی میں بھی اس مطلب اور پیغام کو سمجھ لیا جائے ——

فرمایا گیا ہے لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اِلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۝ "مطلب یہ کہ قریش مکہ کو سردی اور گرمی کے اپنے تجارتی سفروں سے جو دلچسپی اور وابستگی ہے، اور اس سے جو منافع اُن کو حاصل ہوتے ہیں اُن کا حق ہے کہ "فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝" یعنی قریش کو ان تجارتی سفروں کی وجہ سے جو نعمتیں اور سہولتیں کعبہ کی نسبت سے رب کعبہ کی طرف سے حاصل ہو رہی ہیں ان کا حق ہے اور ان کو لازم ہے کہ وہ "ربَّ هٰذَا الْبَیْتِ" یعنی کعبہ کے وحدہٗ لا شریک لہٗ خداوند ہی کی عبادت اور بندگی کریں،

ان کو جو کچھ مل رہا ہے اُس کے کرم سے مل رہا ہے۔

اِس سورت کا خاص تعلق اگرچہ قریش مکہ سے ہے لیکن اس کا ہر اُس بندہ کو جو اس دنیا میں اللہ کی نعمتوں سے فیضیاب ہو رہا ہے، کھا پی رہا ہے، امن و امان کی فضا میں زندگی بسر کر رہا ہے، یہ سبق اور پیغام ہے کہ وہ عیش دنیا میں مست ہو کر اُس خداوند کریم کو نہ بھولے جس کے کرم سے اس کو یہ سب کچھ نصیب ہے، اس کا شکر ادا کرے، اسی کی عبادت اور بندگی کرے ـــــ خود شکر بھی عبادت ہے ـــــ فرمایا گیا ہے "كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ٥" اس آیت سے معلوم ہوا کہ شکر بھی عبادت ہے۔

اس کے ساتھ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اگر ایسے بندوں نے جنکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھانے پینے اور امن و اطمینان جیسی نعمتیں مل رہی ہیں ان نعمتوں کا حق ادا نہیں کیا اللہ اور اس کے حق کو بھلا دیا تو ہو سکتا ہے کہ ان کو ان نعمتوں سے محروم کر دیا جائے۔ قرآن پاک میں ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے "ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ٥" یعنی اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتا ہے ایک بستی تھی جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن و اطمینان کی نعمت نصیب تھی اور اُس کے لیے رزق ہر جگہ سے وافر آجاتا تھا، پھر اُس بستی والوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے اُن کے اس کرتوت کی بنا پر اُن کو بھوک اور خوف کی مصیبتوں میں مبتلا کر دیا اور رزق کی فراوانی اور امن و اطمینان کی نعمت اُن سے چھین لی گئی۔

اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دے کہ کبھی اس حقیقت کو نہ بھولیں کہ ہم کو جو نعمتیں نصیب ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے مل رہی ہیں اور ان کا حق ہے کہ ہم رب کریم کا شکر ادا کریں اور اسی کی عبادت اور بندگی کریں، اس صورت میں ہم دنیا اور آخرت میں اس کی نوازشوں کے مستحق ہوں گے ـــــ والحمد للہ رب العٰلمین۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

خطاب عید الفطر

اس سال بھی حضرت والد ماجد مدظلہ نے نماز عید دار العلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں ادا کی، اور حسب معمول بعد نماز خطاب بھی فرمایا، جو ریکارڈ کر لیا گیا تھا، اسی کی مدد سے اس کو قلمبند کر لیا گیا ـــــ اس کے بعد والد ماجد مدظلہ نے اس پر نظر ثانی فرمائی اور اصلاح اور تکمیل فائدہ کے لیے کچھ حذف و اضافہ بھی فرمایا ـــــ اب یہ ناظرین الفرقان کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ان کے لیے نافع بنائے اور توفیق دے کہ وہ دوسروں کو پہنچا کر اجر و ثواب حاصل کریں۔

خلیل الرحمان سجاد ندوی

خطبہ مسنونہ کے بعد

میرے بھائیو، عزیزو، دوستو!

ابھی ہمارے محترم مولانا محمد برہان الدین صاحب نے نماز پڑھائی، انھوں نے دوسری رکعت میں سورۂ غاشیہ پڑھی، اس کی آخری آیت تھی "اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابَهُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝ ـــــ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، "سن لو، آگاہ ہو جاؤ، یہ بات بالکل یقینی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس دنیا کی زندگی ختم کرنے کے بعد سب کو ہمارے پاس آنا ہے، اور پھر ہم کو سب کا حساب چکانا ہے ـــــ اس مختصر سی آیت میں جو عظیم حقیقت بیان فرمائی گئی ہے وہ قرآن مجید کا نہایت اہم سبق اور پیغام ہے جو مختلف الفاظ اور انداز میں سیکڑوں جگہ دہرایا گیا ہے۔

یہاں تک کہ قرآن مجید کی سب سے آخری آیت جو (صحیح بخاری کی روایت کے مطابق) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند روز پہلے مرض وفات ہی میں نازل ہوئی اور اسی پر نزول قرآن کا سلسلہ ختم ہوا، اس کا خاص سبق اور پیغام بھی یہی ہے، وہ سورۂ بقرہ کی یہ آیت ہے "وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝" اس آیت کا پیغام بھی یہی ہے کہ اے لوگو اس دن کی فکر کرو جب تم خدا کے حضور میں واپس کیے جاؤ گے، پھر جس نے اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ کیا اور کمایا ہو گا اس کو اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر کوئی ظلم نہ ہو گا، کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو گی ——— اس دن اس خداوند علیم وخبیر کے سامنے ہماری پیشی ہو گی، جو ہمارے ظاہر و باطن سے پوری طرح باخبر ہے ہمارا کوئی عمل، کوئی حرکت اور کوئی بات بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے ——— ہم آپ کچھ اور یاد رکھیں یا نہ رکھیں قرآن پاک کی یہ آخری آیت جس کی حیثیت آخری آگاہی اور وصیت کی ہے ہر وقت ہمارے سامنے اور ہمیں یاد رہنی چاہیے۔ "وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝" اگر قرآن پاک کا یہ آخری پیغام بھی ہمیں یاد رہے تو ہماری زندگیاں وہ نہ رہیں جو اس وقت ہیں ——— ہمارے سارے بگاڑ کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ ہم اس حقیقت سے غافل ہیں ——— میرے بھائیو! اس حقیقت کا یقین جب دل میں اتر جاتا ہے اور بیٹھ جاتا ہے تو اس کو غفلت سے نجات مل جاتی ہے اور اس حقیقت کی یاد اور اس کا دھیان اس کو ان گناہوں سے روکتا ہے جو آدمی کو جہنمی بناتے ہیں۔

آج عید کا دن ہے بلاشبہ خوشی کا دن ہے، لیکن حق یہ ہے کہ یہاں کی خوشی نہ حقیقی خوشی ہے نہ یہاں کا غم حقیقی غم ہے، خوشی تو اسی خوش نصیب بندے کو ہو گی جو کل قیامت کے میدان میں جہاں سارے انس و جن جمع ہوں گے۔ ہزاروں سال حساب اور فیصلہ کے انتظار میں گزر جائیں گے! ہر شخص فکر میں ڈوبا ہوا ہو گا نفسی نفسی کا عالم ہو گا، فرار کی کوئی راہ نہ ہو گی، تو اس دن خوشی اس خوش نصیب بندے کو ہو گی جو

اپنے مالک سے نجات اور مغفرت و رحمت کا اور داخلۂ جنت کا پروانہ پالیگا ——
اور غم اور مصیبتوں کے پہاڑ اس پر ٹوٹ پڑیں گے جو کفر و شرک یا اپنے ناقابل معافی
گناہوں کی وجہ سے مغفرت اور رحمت کا مستحق نہ ہو گا۔ اور اس کے ہاتھ پاؤں اور
سارے اعضاء ساری مخلوق کے سامنے اس کی بد اعمالیوں اور مجرمانہ حرکتوں کی گواہی
دیں گے اور وہ دردناک سزاؤں کے لیے جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

میرے بھائیو اور دوستو! یہ وہ آگاہی ہے جس سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے،
تمام انبیاء علیہم السلام اسی آگاہی کے لیے بھیجے گئے اور ہر ایک نے اپنی امت کو
یہی آگاہی دی —— (رُسُلاً مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ) —— میرے بھائیو! اللہ
تعالیٰ میں رحمت کی صفت بھی ہے اور بے انتہا ہے وہ رحمٰن و رحیم اور ارحم الراحمین
ہے، وہ بندوں کے لیے ایسا مہربان ہے کہ ماں باپ بھی اولاد کے حق میں اتنے مہربان
نہیں ہوتے۔ لیکن یاد رہے کہ اسی کے ساتھ وہ عادل و حکیم اور قہار و جبار بھی ہے مجرموں
کے لیے "عزیز ذو انتقام" بھی ہے —— قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی ان دونوں شانوں
کو جا بجا بیان فرمایا گیا ہے —— ایک جگہ ارشاد ہے —— "نَبِّئْ عِبَادِيْ أَنِّيْ أَنَا
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ وَأَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيْمُ ○ یعنی اے پیغمبر میرے بندوں
کو بتلادو اور جتلادو کہ میری شان یہ ہے کہ میں بہت بخشنے والا، معاف کرنے والا
اور انتہائی مہربان ہوں، اور مجرموں کے لیے میرا عذاب بھی بڑا دردناک ہے۔

آج کے اس مبارک دن میں جبکہ کل رمضان مبارک ختم ہوا ہے اور ہم آپ نے
ابھی عید کی نماز پڑھی ہے اور اللہ کے اس گھر میں حاضر ہیں ہم قیامت کے دن کی دربار
خداوندی کی حاضری کو یاد کریں جبکہ ہمارا اعمالنامہ سامنے رکھ دیا جائے گا، ہمارے
ہاتھ پاؤں ہمارے خلاف گواہی دیں گے تو اس وقت ہمارا کیا حال ہو گا؟ ہم خود اس
وقت اپنی زندگیوں اور اپنے اعمال کا جائزہ لیں —— میں اپنی زندگی پر نگاہ ڈالتا
ہوں تو سر سے پاؤں تک گناہوں اور قصوروں میں ڈوبا ہوا پاتا ہوں، ہاں اللہ تعالیٰ کا
کرم ہے، مجھے کچھ نماز، روزہ نصیب ہے، لیکن جب میں اپنی نمازوں کو جانچتا ہوں،

روزوں کو اور دوسرے ایسے اعمال کو جانچتا ہوں تو قصور ہی قصور نظر آتا ہے۔ اور بھی ہر طرح کے قصور اور گناہ اپنے اندر دیکھتا ہوں۔ آپ میں سے بھی بہت سے بھائیوں کا کم و بیش کچھ ایسا ہی حال ہو گا —— پھر ہمارے آپ کے لیے نجات کا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت میں حصہ پانے کا راستہ کیا ہے؟

قرآن پاک نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے کہ اگر گناہگار قصور وار بندے سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے اپنے قصوروں گناہوں کی معافی اور بخشش مانگیں اور آئندہ کے لیے گناہوں سے بچنے کا پکا ارادہ کریں (جس کا نام توبہ ہے) تو اللہ تعالیٰ سارے گناہ معاف فرما دے گا اور اُن کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرمائے گا۔

ایک جگہ فرمایا گیا ہے "فَمَنْ تَابَ مِن بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ" (جس نے اپنے نفس پر ظلم کرنے اور گناہ کرنے کے بعد توبہ کر لی اور اپنا رویہ درست کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا، بخش دے گا اور رحمت فرمائے گا، وہ غفور رحیم ہے) ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے "وَمَن يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا" (مطلب یہ ہے کہ جو بندہ کوئی برا کام کرے یا کوئی بڑا گناہ کر کے اپنے نفس پر ظلم کرے، اس کے بعد سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت معاف فرمانے والا، مغفرت فرمانے والا اور نہایت مہربان پائے گا۔)

اور ایک اور آیت میں تو یہ خوشخبری ایسے انداز میں سنائی گئی کہ ہم گناہگاروں کی روح وجد میں آجانی چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے —— وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِن بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ٥ —— ارشاد ہے کہ اے ہمارے پیغمبر! اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تمھارے پاس ہمارے ایمان والے بندے آئیں تو ان کو کہو "سلامٌ علیکم" (تم پر سلامتی ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے)، (سنو!)، تمھارے

پروردگار نے تمھارے لیے اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے (اس کا فیصلہ ہے کہ) تم میں سے جو کوئی نا عاقبت اندیشی اور غفلت سے کوئی برا کام، کوئی گناہ کر لے پھر اس کے بعد سچے دل سے اس سے توبہ کر لے تو (اس کو اطمینان رکھنا چاہیے کہ) اللہ تعالیٰ (ایسے بندوں کے لیے) غفور رحیم ہے بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

اور ایک آیت میں تو یہ اشارہ فرمایا گیا ہے کہ جب قصوروار بندہ سچے دل سے اپنے گناہ و قصور سے توبہ کر لیتا ہے اور اپنی اصلاح کر لیتا ہے تو صرف اتنا ہی نہیں کہ اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دیتا ہے۔ فرمایا گیا ہے "فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ" جو گناہ گار بندہ سچے دل سے اللہ کے حضور میں توبہ کر لے وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں ——— اور ایک روایت میں ہے "كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ" گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے وقت بے گناہ تھا۔

میرے بھائیو میرے دوستو! ہم سے زیادہ کوئی بد نصیب اور بدبخت نہیں اگر ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات اور اعلانات سنکر بھی اپنے گناہوں سے توبہ نہ کریں، اور اپنی زندگی کی اصلاح اور اللہ کو راضی کرنے اور اس کے عذاب سے بچنے کی فکر نہ کریں۔

لیکن میرے بھائیو! "توبہ" صرف زبان سے توبہ توبہ کہنے کا نام نہیں ہے توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گناہ پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر دل میں ندامت ہو، پچھتاوا ہو، رنج و افسوس ہو اور سچے دل سے اللہ سے معافی چاہے اور اس وقت دل کا یہ ارادہ اور فیصلہ ہو کہ اب ان شاء اللہ یہ گناہ نہیں کروں گا ——— اگر یہ بات نصیب ہو جائے تو یقین کر لے کہ میرے رحیم و کریم پروردگار نے معاف فرما دیا، کیونکہ قرآن پاک نے اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بتلایا ہے ـــــ پھر اگر بالفرض غفلت یا نفس یا شیطان کی شرارت سے پھر وہ گناہ ہو جائے تو کبھی مایوس نہ ہو، پھر اسی طرح سچے دل سے توبہ کرے، اگر بار بار بھی توبہ ٹوٹے تو کبھی مایوس نہ ہو، قرآن پاک اور رسول اللہ کے ارشادات سے یہی معلوم ہوا ہے کہ اگر بالفرض ہزار بار توبہ ٹوٹنے کے بعد بھی بندہ سچے دل سے توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا اور کبھی بھی یہ نہ فرمائے گا کہ بے حیا بندے اب تو اس قابل نہیں رہا کہ تیری توبہ قبول کی جائے ـــــ لیکن یہ شرط ہے کہ توبہ صرف زبانی توبہ نہ ہو سچے دل سے ہو ـــــ یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت ہے۔ میرے بھائیو! ہمارے آپ کے لیے توبہ کا دروازہ رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ـــــ میں سب سے پہلے خود اپنے سے، اور اس کے بعد آپ بھائیوں سے کہتا ہوں کہ آج کے اس مبارک دن میں، اللہ کے اس گھر سے ہم سب توبہ کر کے سچی توبہ کر کے اٹھیں تو پھر سب کی عید ہے اور اصلی اور حقیقی عید ہے۔

ہاں! ایک بات، یہ بھی یاد رکھیے کہ توبہ اور استغفار سے وہی گناہ معاف ہوتے ہیں جن کا تعلق صرف حق اللہ سے ہو، اور ان میں بس اللہ کی نافرمانی ہوئی ہو، جیسے شراب ہے، زنا ہے، بدنظری ہے، حرام غذا کھانا ہے، نماز روزہ وغیرہ میں کوتاہی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جن گناہوں کا تعلق حقوق العباد سے ہو، جیسے کسی بندے پر ہم سے ظلم ہو جائے، کسی کا ہم نے حق مار لیا ہو، کسی کو گالی دی ہو، مار اپیٹا ہو، کسی کی غیبت کی ہو، جھوٹا الزام لگایا ہو، تو ایسے گناہ صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتے۔ اُن کے لیے ضروری ہے کہ یا تو حق ادا کیا جائے، یا صاحب حق سے معاف کرا لیا جائے ـــــ اس لحاظ سے حقوق العباد کا مسئلہ زیادہ سنگین ہے۔

ـــــ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد سن لیجیے اور اس کو یاد رکھیے:ـــــ حضور کا طریقہ تھا کہ جب کوئی بات صحابہ کرام کو اہتمام سے بتلانا اور سمجھانا چاہتے تو پہلے اُن سے سوال فرماتے تھے، پھر خود جواب بتلاتے تھے ـــــ اسی طریقہ کے مطابق آپ نے ایک مجلس میں صحابہ کرام سے فرمایا۔

مَنِ الْمُفْلِسُ فِيكُمْ؟ ـ بتلاؤ تم لوگ مفلس اور غریب و نادار کس کو سمجھتے ہو؟ ــــــ عرض کیا گیا کہ حضرت ہم تو مفلس اور غریب اُس کو سمجھتے ہیں جس بیچارے کے پاس روپیہ پیسہ نہو خالی ہاتھ ہو، ــــــ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حقیقت میں سب سے زیادہ غریب اور مفلس وہ آدمی ہے جو قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ اُس نے دنیا میں نماز روزہ صدقہ خیرات جیسے نیک اعمال خوب کیے ہوں گے اور اس کے ساتھ ان اعمال حسنہ کا ذخیرہ ہو گا ــــــ لیکن اسی کے ساتھ اس کا حال یہ ہو گا کہ "وَقَدْ ضَرَبَ هٰذَا وَشَتَمَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا" یعنی دنیا میں کسی کو اُس نے مارا پیٹا ہو گا، کسی کو گالیاں دی ہوں گی اور اس کا دل دکھایا ہو گا، کسی کا مال مار لیا ہو گا وغیرہ وغیرہ ــــــ پھر آخرت کی خداوندی عدالت میں ان کا معاملہ پیش ہو گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہو گا کہ اس کی نیکیاں (نماز روزہ وغیرہ) ان مظلوموں کو دی جائیں، ــــــ حضور نے فرمایا کہ ــــــ اس کی ساری نیکیاں ان مظلوموں کو دلوادی جائیں گی، اس کا سارا ذخیرہ ان مظلوموں میں تقسیم ہو جائے گا، اور بعض مظلوموں کا حق اس کے بعد بھی باقی رہے گا، تو حکم ہو گا کہ اب ان مظلوموں کے گناہ اس شخص پر لاد دیے جائیں، چنانچہ ایسا ہی ہو گا اور اس کے بعد اس کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ غالباً حدیث کے آخری الفاظ ہیں "ثم طرح فی جهنم"۔

میرے بھائیو! حقوق العباد کی اہمیت اور سنگینی کے لیے بس یہ ایک حدیث کافی ہے۔ اسی کے ساتھ حضور کا ایک عمل اور واقعہ بھی یاد رکھیے۔ روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً مرض وفات میں فرمایا کہ اگر کسی کا مجھ پر کوئی حق ہو، مجھ سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو، تو وہ اس دنیا ہی میں مجھ سے بدلہ لے لے اور اپنا حق وصول کر لے ــــــ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضور ایک دفعہ آپ نے چھڑی یا قمچی میری پیٹھ پر ماری تھی، آپ نے فرمایا کہ میں حاضر ہوں اسی طرح مار کر بدلہ لے لو! انھوں نے عرض کیا کہ اس وقت میرے جسم پر کپڑا نہیں تھا، آپ نے کمر سے کپڑا اٹھا دیا اور فرمایا کہ اسی طرح مار کر بدلہ لے لو! انھوں نے بڑھ کر پشت مبارک

کو چوم لیا اور عرض کیا کہ میں نے تو اس وقت یہ بات بس اس غرض سے کہی تھی میرا مقصد حاصل ہو گیا۔

بہرحال حقوق العباد کے بارے میں یہ ہے ہمارے لیے حضورؐ کی تعلیم اور آپ کا اسوۂ حسنہ ـــــ اللہ تعالیٰ مجھے بھی توفیق دے اور آپ بھائیوں کو بھی کہ اگر کسی کا کوئی حق ہمارے ذمہ ہے، ہم سے کسی کو کوئی تکلیف اور ایذا پہنچی ہے، ہم نے کسی کی غیبت کی ہے تو معاف کرائیں یا حق ادا کریں، اور دنیا کی جھوٹی عزت و ذلت کا بالکل خیال نہ کریں، اصل عزت و ذلت آخرت کی ہے۔ ہمارے نفسوں کے لیے اگرچہ یہ بہت مشکل ہے لیکن میرے بھائیو آخرت کے عذاب اور آخرت کی ذلت و رسوائی سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے ـــــ اگر ہم سے نماز روزہ میں کوتاہی ہوئی ہے تو وہ استغفار و توبہ سے انشاء اللہ ضرور معاف ہو جائے گی، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ارحم الراحمین اپنی رحمت سے یا کسی بندے کی دعا سے بخش دیں اور ہم عذاب سے بچ جائیں۔ لیکن حقوق العباد کا مسئلہ بہت مشکل ہے۔ اس معاملے میں غفلت برتنا خود اپنے اوپر سخت ظلم ہے ـــــ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ بھائیوں کو توفیق دے کہ اپنے پر یہ ظلم نہ کریں ـــــ ہم آپ سوچیں کہ اپنے کسی بھائی سے معافی مانگ لینا آسان ہے یا آخرت کا عذاب بھگتنا ـــــ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے "وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ" دوسری جگہ ہے "وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ"۔ ایک اور جگہ ہے "وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ" ـــــ واقعہ یہ ہے کہ آخرت کے عذاب کا وہاں کی ذلت و رسوائی کا یہاں ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

میرے بھائیو! دوستو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی لیے آئے تھے اور آپ کی یہی تعلیم اور ہدایت تھی کہ ہم اس طرح زندگی گزاریں کہ اللہ تعالیٰ کی پوری فرمانبرداری ہو۔ اس کے حقوق بھی ادا ہوں اور اس کے بندوں کے بھی۔

میرے بھائیو! ہم حقیقی مومن و مسلم جب ہی ہوں گے جب ہمیں اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کی بھی فکر ہو اور اس کے حکم کے مطابق اس کے بندوں اور اس کی

مخلوق کے حقوق ادا کرنے کی بھی فکر ہو۔ اور جب کبھی ہم سے اس میں قصور اور کوتاہی ہو تو اس کی تلافی کی فکر کریں۔ اس وقت کی ہماری یہ زندگی جس میں ان باتوں کی کوئی فکر نہیں ہے، ایمانی زندگی نہیں ہے، سچے مومنوں کی زندگی نہیں ہے ——— ہم لوگوں کی، مسلمان کہلانے والی امت کی حالت اس وقت یہ ہے کہ نماز و زکوٰۃ جیسے دین کے بنیادی ارکان فکر کے ساتھ ادا کرنے والے دس فیصدی بھی مشکل سے نکلیں گے، گناہوں سے بچنے اور خاص کر حقوق العباد کے معاملہ میں احتیاط کرنے والے شاید پانچ فیصدی بھی نہ ہوں گے۔

میرے بھائیو! جو شخص مسلمان ہے اور کلمہ پڑھتا ہے اس نے گویا اللہ سے عہد کیا ہے کہ میں تیرا بندہ اور تیرے رسول کا امتی ہوں، تیرے حکموں پر اور تیرے پیغمبر کی لائی ہوئی شریعت پر چلوں گا، پھر جب وہ اس کے خلاف زندگی گزارتا ہے تو وہ اللہ سے کیے ہوئے عہد کا توڑنے والا ہے ——— آج اس امت میں میرا اندازہ ہے کہ نوے فیصدی اسی حال میں ہیں ——— جب کسی امت کا یہ حال ہو تو وہ اجتماعی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نصرت کی حقدار نہیں رہتی، بلکہ اس پر کبھی کبھی دنیا میں بھی خدا کی طرف سے مار پڑتی ہے، تاکہ اس کو ہوش آئے اور وہ اپنی اصلاح کی فکر کرے۔

قرآن پاک میں جا بجا بنی اسرائیل کا ذکر ہے یہ اللہ کے پیغمبروں اور اس کی کتابوں پر ایمان لانے والے اپنے وقت کے مسلمان تھے، انھوں نے خدا کے حکموں اور اس کے پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت پر چلنے کا عہد کیا تھا، لیکن پھر ان میں اسی طرح کا بگاڑ آیا جس طرح کا بگاڑ ہماری امت میں ہے، تو پھر ان پر خدا کی طرف سے مار پڑی ——— سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے ہی رکوع میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بنی اسرائیل پر جو پیغمبروں کی نسل سے بھی تھے، کافروں کو مسلط فرمادیا جنھوں نے ان کو بری طرح تباہ و برباد کیا ——— یہ اللہ تعالیٰ کا قانون و دستور اور اس کی سنت ہے "وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝" کسی امت اور

کسی قوم سے اللہ تعالیٰ کا رشتہ نہیں اس کا قانون بے لاگ ہے۔

آج پورے عالم اسلام میں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ مسلمانوں کی وہی حالت ہے جو ہماری ہے۔ اللہ کے احکام اور اس کی شریعت پر چلنے والے، آخرت کی فکر رکھنے والے میرا اندازہ ہے کہ دس فیصد بھی نہیں ہیں اکثریت بلکہ غالب اکثریت نافرمانوں کی ہے۔ یہ وہی حالت ہے جو بنی اسرائیل کی ہو گئی تھی، انہی کے بارے میں فرمایا گیا ہے "وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ" (اور بڑی تعداد ان میں نافرمانوں کی ہے۔) سورۂ حدید میں ہم مسلمانوں کو آگاہی دی گئی تھی، فرمایا گیا تھا

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝ (کیا ایمان والوں کے لیے اس کا وقت ابھی نہیں آیا کہ اُن کے دلوں میں اللہ کی یاد اور اس کے دھیان سے اور جو کلام حق اُس کی طرف سے نازل ہوا ہے اُس سے متاثر ہو کر خشوع کی کیفیت پیدا ہو، اور وہ اُن لوگوں کی طرح نہ ہوں جن کو پہلے اللہ کی کتاب عطا ہوئی تھی، اس کے بعد اُن پر طویل مدت گزر گئی پھر اُن کے دل سخت اور بے حس ہو گئے، اور اُن میں بڑی تعداد میں نافرمان ہیں۔)

اس آیت کا مطلب اور پیغام یہی ہے کہ اے ایمان والو تم اگلے زمانے کے اُن اہل کتاب کی طرح نہ ہو جائیو جن میں بعد میں بگاڑ آگیا اور ان میں کثرت نافرمانوں کی، فاسقوں فاجروں کی ہو گئی —— جب کسی امت کا یہ حال ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نظر سے گر جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ٹھیٹ کافروں کے مقابلہ میں بھی اس کی مدد نہیں کرتا —— آج کل اخبارات میں جو خبریں بیروت اور لبنان سے متعلق آرہی ہیں میں کبھی ان کو پڑھ کر روتا ہوں، آپ میں سے بھی بہت سے روتے ہوں گے۔ لیکن قرآن مجید نے سنۃ اللہ یہی بتلائی ہے، اور یہی آج ہمارے سامنے ہے، آج کی مسلمان کہلانے والی امت اللہ تعالیٰ کی نصرت اور غیبی مدد کا استحقاق کھو چکی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ایک موقعہ پر

حضور سے دریافت کیا تھا کہ اَفَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ ؟ کیا ہم پر ایسی حالت میں بھی تباہیاں آئیں گی جب کہ ہم میں اللہ کے نیک بندے بھی ہوں گے ؟ آپ نے ارشاد فرمایا "نعم اذا کثر الخبث" (ہاں جب ان میں خبیثوں کی یعنی بدکاروں، خدا کے نافرمانوں کی کثرت ہو گی —

یہاں ایک بات یاد رکھیے۔ آخرت کے لیے تو اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ ہر شخص کے ذاتی اور انفرادی حال اور عمل کے مطابق اس کے لیے جنت یا دوزخ کا ثواب یا عذاب کا فیصلہ کیا جائے گا، ہر ایک کا حساب الگ الگ ہو گا" وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا" اور" مَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ" لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اگر کسی قوم اور امت میں اکثریت، غالب اکثریت اللہ کے صالح اور فرمانبردار بندوں کی ہو گی (تو اگرچہ اس میں کچھ بُرے اور بدکار بھی ہوں) تو اللہ تعالیٰ اس کے دشمنوں کے مقابلہ میں اس دنیا میں اس امت اور اس قوم کی مدد فرمائے گا اور اس کو دشمنوں کے ہاتھوں برباد نہ ہونے دے گا بلکہ اس کو غالب کرے گا۔ قرآن پاک میں جابجا اس کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ فرمایا گیا ہے۔" إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا" — دوسری جگہ فرمایا گیا ہے "كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ" — اور" إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ" اور فرمایا گیا ہے" وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ" اِن سب آیتوں میں جو وعدہ اور جو اعلان فرمایا گیا ہے وہ مسلمان کہلانے والی کسی قوم کے بارے میں نہیں فرمایا گیا ہے بلکہ ایمان والوں کے لیے فرمایا گیا ہے "ایمان" قرآن پاک کی خاص اصطلاح ہے۔ قرآن پاک میں" مومنین" ان لوگوں کو کہا گیا ہے جن کے دلوں میں اللہ و رسول کے بارے میں اور آخرت کے بارہ میں ایمان و یقین ہو اور ان کی زندگی ایمانی زندگی ہو، تو جس امت اور قوم کا یہ حال ہو اس کے لیے اِن آیتوں میں اعلان فرمایا گیا ہے اور یہ گویا خداوندی منشور ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی مدد فرمائے گا اور ان کے دشمن ان کو پامال نہیں

کر سکیں گے ____ قرآن پاک کی خاص اصطلاح اور زبان میں ایسے لوگوں کو "مومنین" نہیں کہا جاتا جنکی زندگی میں خدا اور رسول کی نافرمانی اور فسق و فجور کا غلبہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے نہیں آئے تھے کہ دنیا میں اپنے کو مسلمان کہنے اور کہلانے والی ایک نئی قوم پیدا ہو جائے جس میں دوسری قوموں کی طرح ہر طرح اور ہر قماش کے اور ہر سیرت اور کردار کے لوگ ہوں، آپ اس لیے آئے تھے کہ ایک ایسی امت وجود میں آئے جس میں ایمان ہو اور جس کی زندگی ایمان والی ہو۔ تقوے والی ہو۔ صحابہ کرام کی پوری جماعت کا یہی حال تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی وہ مددیں ہوئیں جو ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں ____ لیکن آج کی مسلمان قوم کا سروے کر کے دیکھ لیا جائے اس کا حال وہ ہے جو بنی اسرائیل کا ہو گیا تھا ____ اس لیے ہمارے ساتھ اللہ کی طرف سے وہی معاملہ ہو رہا ہے جو بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا تھا، خود قرآن مجید میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دنیا میں بدترین کافروں کے ہاتھ سے بھی سزا دلوائی ____ بلکہ قرآن مجید ہی میں یہ بھی ہے کہ اُن میں سے بعض پر خدا کا ایسا غضب نازل ہوا کہ وہ بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ کر دیے گئے۔ "فَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ" ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے "فَلَمَّا عَتَوْا عَمَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ○" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے بندروں کی شکل میں مسخ کیے جانے کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے، ان کا جرم جس کی یہ سزا دی گئی کفر یا شرک نہیں تھا بلکہ سرکشی کے ساتھ نافرمانی تھی (یہاں میں یہ بتلا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ جو بندروں یا سوروں کی شکل میں مسخ کیے گئے تھے، ایک حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ وہ چند ہی دنوں میں مر کر ختم ہو گئے تھے، ورنہ ان جانوروں کی نسل پہلے سے موجود تھی اور موجود ہے۔)

اس اُمت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کی یہ خاص رحمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ ہو گیا ہے کہ دنیا میں اس کو اس طرح کا عذاب نہیں دیا جائے گا، رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع دی ہے کہ میری امت میں خسف و مسخ نہیں ہوگا ـــــ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے ورنہ آج کی مسلمان کہلانے والی قوم میں وہ سب جرائم ہو رہے ہیں وہ سب معصیتیں ہو رہی ہیں جن پر بنی اسرائیل کے مجرمین مسخ کیے گئے تھے۔

اب ہمارے آپ کے سامنے سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں اور کیا کر سکتے ہیں؟ میں عرض کرتا ہوں کہ سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اپنی اصلاح کا فیصلہ کریں ــــ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ دنیا کے کاروبار چھوڑ کے مسجدوں میں بیٹھ جائیں۔ زندگی کی اصلاح کا مطلب صرف یہ ہے کہ خدا کی فرمانبرداری اور شریعت کی تابعداری کا فیصلہ کرلیں، اپنے عقائد، اپنے اعمال واخلاق اور اپنی معاشرت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وہدایت کے مطابق بنانے کی فکر اور کوشش کریں ـــــ ابتک جو گناہ اور غلط کام ہوتے رہے اُن سے سچے دل سے توبہ کریں، اور اگر پھر گناہ ہوجائے تو پھر توبہ کریں ـــــ اسی کے ساتھ اس کی کوشش کریں کہ یہ فکر و کوشش امت میں عام ہو جائے اور اس کے لیے دل سے دعائیں بھی کرتے رہیں اور یقین رکھیں کہ ہم خود تو کچھ بھی نہیں اللہ تعالیٰ ہی قدرت ہے کہ ہماری ناچیز کوششوں کے نتیجہ میں امت میں اصلاح کی فکر و کوشش کو اور پھر ایمان اور ایمان والی زندگی کو عام فرمادے۔

میرے بھائیو عزیزو، دوستو! دنیا اور آخرت میں امت محمدیہ کی صلاح وفلاح کا یہی اور صرف یہی راستہ ہے ـــــ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب امت میں ایمان اور ایمانی زندگی عام ہوجائے گی تو اس کے سارے مسائل اللہ تعالےٰ کی قدرت سے آپ سے آپ حل ہو جائیں گے اور اس کو خود کچھ کرنا نہیں پڑے گا۔ ـــــ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون اور سنت نہیں ہے ـــــ اُس کا قانون اور اس کی سنت یہ ہے کہ ایمان اور ایمانی زندگی والی امت جب اپنے مقاصد و مسائل

کے لیے امکانی جدوجہد کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس کی جدوجہد کو صحیح راستہ پر ڈالے گا اور اس کے ساتھ اپنی غیبی مدد شامل فرمادے گا، پھر اسباب و وسائل کی کمی اور کمزوری کے باوجود اس غیبی مدد سے اُس امت کو اپنے طاقتور سے طاقتور دشمنوں کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہوگی ـــــ صحابہ کرام کو اُس وقت کی روم اور ایران کی اعلیٰ درجہ کی طاقتور شہنشاہیوں کے مقابلہ میں جو فتح اور کامیابی حاصل ہوئی وہ اسی سنۃ اللہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے حاصل ہوئی تھی۔ اُس دور میں اِن دونوں شہنشاہیوں کی وہی حیثیت تھی جو آج ہمارے دور میں امریکہ اور روس کی ہے ـــــ لیکن آج کے ہم مسلمانوں کا یہ حال ڈھکا چھپا نہیں ہے کہ ہم میں سے جو میدان میں بھی ہیں یا جن کے لیے اس کے خطرات ہیں اُن کا یقین اللہ کی غیبی مدد سے زیادہ امریکہ یا روس کی مدد پر ہے بلکہ خدا ہی جانتا ہے کہ خدا کی غیبی مدد کے وہ قائل بھی ہیں یا نہیں ـــــ ایسی صورت میں ہم خدا کی غیبی مدد کے کس طرح مستحق ہوسکتے ہیں؟۔

میں آخر میں پھر عرض کرتا ہوں کہ ہمارے آپ کے لیے آخرت میں نجات و جنت اور دنیا میں عزت کی زندگی حاصل کرنے کا راستہ یہی ہے کہ غفلت اور معصیت کی زندگی سے توبہ کر کے ایمان والی زندگی کو اپنائیں اور امت میں اس کو عام کرنے کی فکر و کوشش میں لگ جائیں۔

اللہ تعالیٰ مجھ کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے اور آپ سب بھائیوں کو بھی ـــــ

اس کے بعد اجتماعی تجدید ایمان و توبہ اور طویل دعا پر خطاب ختم ہوا۔

اخلاق و عادات

——— مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

کسی شخص کے اخلاق و عادات کو جاننے کے چار طریقے ہیں۔ ایک اُن کے اہل خانہ کا بیان، دوسرے، اس کے ساتھیوں اور رفیقوں کی شہادت، تیسرے خود اس کی زندگی کے حالات۔ اور چوتھے اس کے دشمنوں اور مخالفوں کے بیانات و اعتراضات ——— محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ان چاروں ذرائع کی معلومات سے اخلاق و عادات کی اعلیٰ ترین سطح پہ نظر آتی ہے۔

اعلیٰ اخلاق کیا ہیں۔؟

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ "حسن اخلاق" کی تعریف کیا ہے۔؟ (جس پر آنحضرتؐ کی تعلیم و تربیت میں بے حد زور ہے)

آنحضرتؐ نے اس کے جواب میں قرآن کی آیت پڑھی۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ

(الاعراف - ۱۹۹)

پھر اس کی مختصر تشریح فرمائی کہ "مطلب یہ ہے کہ جو تم سے کٹے تم اس سے جڑو، (صلہ رحمی)۔ جو تمہیں محروم کرے تم اس کو دو، جو تم پر ظلم کرے تم اس کو معاف کر دو۔"[۱]

اخلاقیات کی اصولی تقسیم

امام غزالیؒ نے اسی ذیل میں لکھا ہے کہ "اخلاق کے اصولی اور جامع شعبے چار ہیں۔ حکمت، شجاعت، عفت اور عدل"۔ پھر ان چاروں کی تشریح یوں کی ہے کہ:- حکمت، نفس انسانی کی اس حالت اور صلاحیت کا نام ہے جس کے ذریعہ تمام اختیاری افعال (کاموں) میں صحیح اور غلط اور خوب و بد کی تمیز کی جا سکے۔

عدل، اس قوت کا نام ہے جس سے آدمی غضب اور خواہش پر کنٹرول کرے، اور تقاضائے حکمت کے مطابق کہیں ان دونوں چیزوں (غضب اور خواہش) کی باگ کھینچے اور کہیں ڈھیلی چھوڑے۔ شجاعت کا مطلب یہ ہے کہ قوت غضب عقل کے تابع ہو، اور عفت سے مراد یہ ہے کہ خواہش اور شہوت کو عقل اور شریعت کے آداب ملحوظ ہو جائیں۔

بس یہ چار باتیں جب پیمانہ اعتدال کے ساتھ جمع ہو جاتی ہیں تو اخلاق و اطوار کی تمام اعلیٰ اور نفیس شکلیں ایسے انسان میں رونما ہوتی ہیں۔ ....

اور ان چہار گانہ اصول اخلاق کی، کمال اعتدال کے ساتھ جامعیت، نوع انسانی میں جس واحد شخصیت کو حاصل ہوئی ـــــ وہ شخصیت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے"[۲]

---

[۱] امام غزالی۔ احیاء العلوم ج ۳ ص ۵۳ [۲] ایضاً ص ۴۷

آنحضرتؐ کے اخلاق اہل خانہ کی زبانی

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے پوچھا گیا (اس وقت جبکہ آنحضرتؐ اس دنیا سے کوچ فرما چکے تھے، اور پوچھنے والے نے آپ کا زمانہ نہیں پایا تھا) کہ ـــ ام المومنین! آنحضرتؐ کے اخلاق کے بارے میں کچھ بتلائیے۔ آپ نے فرمایا:۔ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے۔؟ پوچھنے والے نے عرض کیا، پڑھتا تو ہوں فرمایا، (پھر پوچھنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟) آپ کے اخلاق عین ان اخلاق کا عکس تھے جو قرآن سکھاتا ہے۔ صاحب تفسیر روح المعانی (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ نسائی اور مسند احمد و دارمی کے حوالے سے) یہ روایت نقل کرنے کے بعد حضرت عائشہ رضؓ کے قول کا مطلب بیان فرماتے ہیں کہ قرآن میں جس قدر بھی اچھے خصائل بیان ہوئے ہیں وہ سب آپ کے اندر تھے اور جن باتوں کو قرآن مجید نے رذائل اور برائیوں میں شمار کیا ہے، ان سب سے آپ دور تھے۔ ؎

یہی روایت مسند ابن ابی شیبہ، مسلم اور مستدرک حاکم وغیرہ میں یوں ہے کہ آنحضرتؐ کا اخلاق عین قرآن تھا۔ کیا تم قرآن میں نہیں پڑھتے کہ:۔ ـــ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم۔ ۴) گویا اس آیت کے ذریعہ خود قرآن سے دلیل ملتی ہے کہ آپ کا اخلاق قرآن کی تعلیمات کا عین عکس تھا۔ کیونکہ قرآن جس اخلاقی کیفیت کو "عظیم" کہے وہ وہی ہو سکتی ہے جس کی تعلیم قرآن نے دی ہے۔

بعض اہل علم نے قرآن کی اس آیت کے الفاظ میں پوشیدہ ایک خاص نکتہ بھی محسوس کیا ہے اور اس سے امام غزالیؒ کے اس نظریۂ اخلاق کی تائید ہوتی ہے، جس کا حوالہ ابھی گذرا۔ یہ نکتہ یہ ہے کہ عام طور پر "اعلیٰ اخلاق" کے لئے

؎ روح المعانی ج ۲۹ ص ۲۰۔ مواہب لدنیہ ج ۱ ص ۲۸۸

"کریمانہ" کا وصف لایا جاتا ہے (یعنی کریمانہ اخلاق" بولتے ہیں۔ لہٰذا یہاں اس عام عرف کے مطابق "خلقِ کریم" کا موقع تھا)۔ مگر قرآن نے "کریم" کے بجائے لفظ "عظیم" بولا، تو یہ اس لئے کہ "کریمانہ اخلاق" "اعلیٰ اخلاق" کا صرف ایک شعبہ ہیں، جس میں صرف شرافت و نرمی اور کشادہ دلی کے مظاہر شامل ہیں۔ لیکن آنحضرت ؐ کی بلندیٔ اخلاق میں اس سے بہت زیادہ وسعت اور جامعیت تھی اور جتنی چیزیں بھی علمائے اخلاق کے یہاں بلندیٔ اخلاق میں داخل ہیں۔ آپؐ کی ذات ان سب کی بدرجہ اتم جامع تھی۔ جس میں نرمی کے ساتھ ساتھ سختی کے موقع پر سختی بھی شامل ہے (چنانچہ آپ قرآن ہی کے بیان کے مطابق ایک طرف "بالمؤمنین رؤف رحیم" (توبہ - ۱۲۸) تھے تو دوسری طرف "یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم" (توبہ - ۷۳) کے حکم سے ان دشمنانِ حق کے لئے سختی کے موقع پر پوری طرح سخت بھی تھے) میرے خیال میں اس نکتہ کے اندر آنحضرتؐ کے اخلاق کی جامعیت کی بات تو برحق ہے، مگر اس آیت کا موقع و محل یہ نہیں بتاتا کہ یہاں "عظیم" کے لفظ سے اس جامعیت کی طرف اشارہ مقصود ہے بلکہ "مجنونیت" کی نفی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، جو اس سے پہلے کی ایک آیت میں آئی ہے، قرین قیاس یہ ہے کہ یہاں آپؐ کی نبوت اور آپؐ کے پیغام کی حقانیت کا اثبات مقصود ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں جو منقول ہے اس سے گویا اسی خیال کی تائید بھی ہوتی ہے۔ البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر) میں حضرت ابن عباس کے شاگرد عوفی کی روایت سے منقول ہے کہ آپؓ نے "خلق عظیم" کی تفسیر "دین عظیم" سے فرمائی۔

اور یہ سختی کا پہلو صرف کفار و مشرکین ہی کے لئے نہیں تھا بلکہ جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت میں ہے:- "آپؐ کو میں نے کسی ظلم و زیادتی کا بدلہ لیتے ہوئے (اور اس پر غصہ ہوتے ہوئے) نہیں دیکھا، البتہ اگر کہیں حدود الٰہی کی بے حرمتی دیکھتے تو آپؐ سے بڑھ کر غصہ میں آنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔" [۱]

---

[۱] کنز العمال۔

ناگواری کے اظہار اور تنبیہ کی مخصوص شان

محرمات یا حدود الٰہی کی خلاف ورزی کے علاوہ اگر کوئی قابل تنبیہ یا قابل اصلاح بات آپؐ کے علم میں کسی مسلمان کے بارے میں آتی تو حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ خاص اس کا نام لے کر تنبیہ نہیں فرماتے تھے بلکہ عام پیرائے میں فرماتے کہ "مابال اقوام یقولون کذا وکذا" (یہ لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ایسی اور ایسی باتیں ان سے متعلق سننے میں آتی ہیں۔؟) [1]

حضرت انس بن مالک جو ایک کم عمر خدمت گار کی حیثیت سے اہل خانہ ہی میں تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے جن کے کپڑوں پر پیلے (زعفرانی) رنگ کا اثر تھا۔ (جسے آپ مردوں کے لئے پسند نہیں فرماتے تھے) تو آپؐ نے ان سے تو نہیں کہا۔ کیونکہ کسی کے منہ پر آپ اُسے ناگوار ہونے والی (یا شرمندہ کرنے والی) بات نہیں فرماتے تھے۔ البتہ جب وہ چلے گئے، تب باقی لوگوں سے فرمایا: "کیا اچھا ہوتا کہ تم لوگ ان سے کہتے کہ اس رنگ کو دھو ڈالیں۔"
——— (قاضی عیاض۔ شفاء)

اہلِ خانہ کے ساتھ حسنِ معاشرت

حضرت عائشہؓ سے ان کی بھتیجی نے دریافت کیا کہ پھوپھی جان! آنحضرتؐ جب آپ لوگوں کے ساتھ خلوت فرماتے تو آپ کا رنگ کیا ہوتا تھا۔؟ فرمایا وہی جو مردوں کا اپنی عورتوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ البتہ آپ نہایت مہربان اور نرم خو تھے، برابر ہنسی اور مسکراہٹ کے ساتھ پیش آنا آپ کا شیوہ تھا۔
——— (کنز العمال بحوالہ خرائطی از ابن عساکر)

---

[1] ابوداؤد

حضرت انسؓ راوی ہیں ــــ جن کے متعلق پھر یاد کر لیجئے کہ اہل خانہ ہی میں داخل ہیں ــــ کہ میں نے کسی اور شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر اپنے اہل خانہ کے ساتھ مہربان نہیں دیکھا۔ (کنز العمال بحوالہ مسلم)

حضرت عائشہؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں ہوتے تو کیا کرتے تھے؟ فرمایا، "ایک آدمی تھے (بالکل عام آدمیوں کی طرح رہتے) اگر ضرورت ہوتی تو، اپنا جوتہ ٹانکتے۔ اپنے کپڑے میں پیوند لگاتے۔ بکری کا دودھ دُوہتے۔ غرض جو کچھ بھی ایک آدمی اپنے گھر میں کرتا ہے آپ وہ سب کچھ کرتے۔" ــــ (بخاری۔ ادب المفرد)

معلوم ہوا اپنے کاموں کا بار گھر والوں پر نہیں ڈالتے تھے۔

خدام کے ساتھ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: میں نے دس برس آنحضرت کی خدمت کی۔ (۹ برس کے تھے کہ والدہ نے آنحضرت کی خدمت میں دے دیا تھا) پس قسم ہے خدائے پاک کی کہ کبھی کسی کام کے بارے میں مجھ سے نہیں فرمایا کہ کیا کیوں کیا؟ اور نہ کبھی یہ کہ کیوں نہیں کیا۔؟ خود تو مجھے کسی بات پر ملامت فرماتے ہی نہ تھے، گھر والوں میں سے بھی کوئی کسی بات پر کچھ کہتا تو فرماتے، "جانے دو، جو کچھ ہوتا ہے قضاء و قدر کے فیصلے سے ہوتا ہے۔" (کنز العمال بحوالہ جامع عبد الرزاق)

اصحاب اور عامۂ مسلمین کے ساتھ

امام غزالی نقل کرتے ہیں کہ "جو بھی مسلمان ملتا، سلام کرنے میں آپ پہل کرتے اصحاب خاص میں سے کوئی ملتا تو مصافحہ کے لئے پہلے ہاتھ بڑھاتے۔ پھر اس کا ہاتھ تھام کر انگلیوں میں انگلیاں ڈال لیتے اور گرمجوشی سے دباتے۔"

ــــــــــــ (احیاء العلوم)

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ "جب کسی سے مصافحہ فرماتے تو جب تک وہ خود ہاتھ نہ چھوڑتا، آپ نہ چھوڑتے تھے، نہ اس کی طرف سے رُخ موڑتے، اور کبھی نہیں دیکھا گیا کہ اپنے ہم مجلس کے آگے گھٹنے پھیلا کر بیٹھے ہوں"۔

———— (کنز العمال بحوالہ ابن عساکر)

حضرت انسؓ ہی کی روایت ہے کہ جب آپ کے اصحاب میں سے کوئی ملتا اور کھڑا ہو جاتا تو آپ بھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور جب تک وہ ہی نہ ہٹے، آپ اس جگہ سے نہیں ہٹتے تھے۔

(کنز العمال بحوالہ ابن سعد)

حضرت انس کی ایک اور روایت ہے کہ جب کسی ساتھی کو تین دن تک نہ دیکھتے تھے تو اس کے بارے میں دریافت فرماتے۔ اگر پتہ چلتا کہ کہیں باہر گئے ہوئے ہیں تو خیر و عافیت کی دُعا فرماتے۔ اور معلوم ہوتا کہ مدینے ہی میں ہیں تو ان کے گھر تشریف لے جاتے۔ کسی کے مریض ہونے کا پتہ چلتا تو اس کی عیادت فرماتے۔

———— (کنز العمال بحوالہ مسند ابو یعلیٰ)

حضرت سہل بن حنیفؓ کا بیان ہے کہ کمزور اور غریب مسلمان سے ملنے کے لئے جاتے۔ ان کے مریضوں کی عیادت فرماتے، اور جنازوں میں شریک ہوتے۔

———— (کنز العمال بحوالہ ابن ماجہ، طبرانی، مسند ابو یعلیٰ، مستدرک حاکم)

حضرت جریرؓ کا بیان ہے کہ "عورتوں کے پاس سے گزر ہوتا تو انھیں سلام کرتے"۔

———— (کنز العمال بحوالہ مسند احمد)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ "آپؐ انصار کے گھروں پر تشریف لے جاتے۔ ان کے بچوں کو سلام فرماتے، اور سر وں پر دستِ شفقت پھیرتے"۔

———— (کنز العمال بحوالہ نسائی، ابن ماجہ)

اپنے اصحاب سے کوئی امتیاز نہ فرماتے، نہ ان سے اپنا کام لیتے بلکہ اجتماعی کاموں میں ہر سطح پر ان کے ساتھ شریک ہوتے۔ چنانچہ صحابہ کرام کے بیانات گواہ ہیں کہ: ————

ان کے درمیان اس طرح بیٹھتے کہ آپؐ کی خدمت میں کبھی باہر سے آنے والے اجنبی کو پوچھنا پڑتا کہ تم میں سے محمد کون ہیں۔؟ اور اس پر صحابہ آپؐ کی طرف اشارہ کرکے بتاتے۔ ——— (اعقاد مصطفیٰ زرقار)

سفر ہجرت کے بیان میں آتا ہے کہ جب آپؐ اور ابوبکر صدیقؓ مدینے کی پہلی بستی کے قریب پہونچے اور اطلاع پاکر اس بستی کے انصار آپ کے استقبال کے لئے دوڑ پڑے تو وہ نہیں پہچان پا رہے تھے کہ ان دو میں سے ان کے سرکار کون ہیں، اگر اتنے میں دھوپ کی شدت دیکھ کر ابوبکر صدیقؓ آنحضرتؐ پر چادر کا سایہ کرکے کھڑے ہو گئے۔ تب انصار کو اندازہ ہوا کہ کون رسولؐ ہے اور کون اس کا رفیق۔ ——— (رحمۃ اللعالمین جلد اوّل)

مدینے میں پہونچ کر جب مسجد (مسجد نبوی) کی تعمیر فرمائی تو اس تعمیری عمل میں آپ بھی برابر اپنے جاں نثار اصحاب کے دوش بدوش رہے، انھوں نے اس کے لئے پتھر ڈھوئے تو آپؐ بھی پتھر ڈھوتے ہوئے نظر آئے۔ ——— (ایضاً صحیح بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ)

غزوۂ خندق میں ۲½ میل لمبی دفاعی خندق کھودنا طے ہوئی تو اس کی کھدائی میں اس طرح شریک عمل رہے کہ حالات کی سختی اور تنگی کی وجہ سے اگر کسی صحابی کے بھوکے پیٹ پر ایک پتھر بندھا تھا اور اس نے ہمت اور استقامت طلبی کے لئے آپ کو اپنا یہ حال دکھایا تو اس نے جواب میں دیکھا کہ آقا کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہیں۔ بعض صحابیوں کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ کے سینے اور پیٹ کے بال اس کھدائی کی گرد میں چھپ گئے تھے۔ ——— (ایضاً)

غزوات کے سفر میں لشکر کا پڑاؤ ہوتا اور کھانے پکانے کا سلسلہ شروع ہوتا تو جو افراد اس سلسلے کے مختلف کام آپس میں بانٹتے ان میں خود آنحضرتؐ بھی ہوتے تھے۔ ایک سفر کی روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے بکری کو ذبح کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ دوسرے نے کہا کہ میں اس کی کھال اتاروں گا۔ تیسرے نے

کہا: "پکاؤں گا میں"۔ آنحضرت نے فرمایا۔ "اور پکانے کے لیے لکڑیاں میں چن کر لاؤں گا"۔ اصحاب نے عرض کیا۔ "حضرت ہم آپ کی طرف سے کافی ہیں"۔ فرمایا: "میں جانتا ہوں کہ بے شک تم کافی ہو۔ مگر مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تم سے ممتاز ہو کر رہوں اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کو بھی یہ بات ناپسند ہے کہ اس کا بندہ اپنے ساتھیوں سے کچھ اوپر کی سطح پر رہے"۔

(زرقانی ج ۴ ص ۶۵)

حضرت ابوہریرہ جو مشہور ترین مساکین صحابہ میں سے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تشریف لے گئے۔ میں ساتھ تھا۔ آپ نے ایک پاجامہ (کا کپڑا) خریدا۔ دوکان دار کود کر بیچھے آیا اور دست بوس ہونے لگا۔ آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، اور فرمایا: یہ کام عجمی اپنے بادشاہوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں اور میں بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تمھیں میں کا ایک آدمی ہوں یہ کہہ کر آپ نے کپڑا اٹھایا۔ تب میں اسے لے لینے کے لیے بڑھا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ جس کی چیز ہو اسی کو اٹھانا چاہیے۔ لہذا میں ہی لے کر چلوں گا"۔

(مقالہ علیوہ)

ایک دفعہ شاہ حبشہ نجاشی کے یہاں سے سفارت آئی، آپ نے اس کو اپنے یہاں مہمان رکھا اور مہمان داری کے تمام کام بہ نفس نفیس خود انجام دیئے۔ صحابہ کے عرض کرنے پر کہ ہم یہ خدمت انجام دیں گے، آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گزاری کی ہے، اس لیے میں خود ان کی خدمت گزاری کرنا چاہتا ہوں"۔

(شرح شفا)

عُقبہ ابن عامر رض بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار ایک پہاڑی درے سے گزر رہے تھے، میں ہمرکاب تھا۔ آپ نے فرمایا کہ "آؤ اب تم سوار ہو جاؤ۔ میں نے اس کو گستاخی سمجھا کہ آنحضرت پیدل چلیں اور میں سواری پہ ہوں۔ اس پہ آپ نے دوبارہ ارشاد فرمایا، اور اب انکار خلافِ ادب تھا چنانچہ آنحضرت اُتر پڑے اور میں سوار ہو کر چلے

(نسائی)

اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ سنن ابو داؤد میں ہے۔ آنحضرت سعد بن عبادہؓ صحابی سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی میں انھوں نے اپنے بیٹے قیس کو ساتھ کر دیا۔ آنحضرت نے قیس سے کہا کہ تم بھی سوار ہو جاؤ۔ انھوں نے اس میں بے ادبی محسوس کی تو ارشاد فرمایا کہ: "سوار ہو جاؤ یا گھر واپس ہو جاؤ۔ چنانچہ انھوں نے واپس ہونا پسند کیا۔" ——— (کتاب الادب)

کسی حد تک اس عدم امتیاز ہی کی بنا پر اپنی نوعیت کا یہ ایک بالکل یگانہ واقعہ بھی ہمیں آپ کی سیرت میں ملتا ہے جس کے راوی حضرت انسؓ ہیں کہ:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان پر سے گزرے جہاں ایک عورت ایک قبر پر بیٹھی رو رہی تھی۔ آنحضرت نے فرمایا! "اللہ سے ڈر اور صبر کر۔" جواب ملا کہ اپنا کام کرو۔ تمھیں میرے دکھ کی خبر نہیں ہے۔" آں حضرت یہ جواب پاکر آگے بڑھ گئے۔ فوراً ہی پیچھے سے ایک دوسرا آدمی گزرا، جس نے اس عورت سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے کیا کہہ رہے تھے۔؟ عورت بولی۔ میں نے تو نہیں پہچانا کون تھا۔ اس نے کہا: ارے یہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تھے ..... " الخ ——— (بخاری)

اصل واقعہ میں جہاں زیادہ دخل اس عورت کے خاص حال کا رہا ہوگا وہاں اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ آنحضرت کے سادہ اور غیر ممتاز رہنے کی کیفیت کو بھی اس میں ضرور دخل تھا، اور واقعہ کا یہ ضمنی پہلو کہ آپ نے یہ جواب سنا اور خاموشی سے آگے بڑھ گئے۔ یہ تو جہاں آپ کی حلیمی اور وسعت اخلاق کو ظاہر کرتا ہے وہیں عدم امتیاز کی خو کو بھی اور زیادہ روشن کرتا ہے۔ اس موقع پر عدم امتیاز کا شیوہ ایسے سخت امتحان میں آیا تھا کہ اگر یہ ذرا بھی کمزور ہوتا تو جواب دے جاتا اور آپ اس عورت سے، نرم زبان ہی میں سہی، یہ کہتے نظر آ سکتے تھے کہ خدا کی بندی! مجھے پہچانتی نہیں! مگر ایسا مضبوط یہ شیوہ اور اس "خلق عظیم" کا ایک شعبہ تھا، جس کی گواہی قرآن پاک نے دی ہے، کہ

آپ کی زبان سے یہ نرم اظہار بھی نہ سنا گیا۔

صحابہ کے ساتھ گھل مل کر بیٹھنے اور ان کے جائز انسانی بہاؤ کا ساتھ دینے میں آپ کی مجلسی زندگی کی یہ تصویر بھی اسی ضمن میں پیش کی جا سکتی ہے جو ہمیں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت سے ملتی ہے کہ "ہم اگر کچھ دنیا کی باتیں کر رہے ہوتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ بھی باتیں کرتے۔ ہم آخرت کا ذکر کرنے لگتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ آخرت کی گفتگو فرماتے۔ ہم کھانے پینے کے تذکروں کی طرف متوجہ ہوتے تو آپ اس میں بھی ہمارا ساتھ دیتے"۔ —— (شمائل ترمذی)

اصحاب و خدّام کی شہادتِ حال

یہ جو کچھ گزرا صحابۂ کرام اور خدام کے بیان اور زبانِ قال کی شہادت تھی۔ اب زبانِ حال کی شہادت سنیئے جو پہلے سے بھی زیادہ حسنِ اخلاق نبوی ؐ کا ثبوت فراہم کرتی اور خود ان زبانی شہادتوں کے پورے طور سے سچّا ہونے کی گواہی دیتی ہے:-

۱۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بالکل کم سنی میں، غلام کے طور پر، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے آنحضرت کی نذر کیے گئے۔ ان کی غلامی کا قصہ سیرت کی کتابوں کا لازمی حصہ اور اس لیے مشہور ہے کہ یہ شریف عربی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ بُردہ فروشی کے طور پر ناحق غلام بنا کر حضرت خدیجہ تک پہونچ گئے تھے۔ آنحضرت ان کے شریفانہ اطوار و عادات کو بہت پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انھیں آپ کی پسند اور محبت کی نذر کر دیا۔ اور یہ آپؐ کی شفقت و محبت کے زیر سایہ پلے اور بڑھے۔ ان کے گھر والوں کو، جو مدت سے ان کی جدائی میں تڑپ رہے تھے اور تلاش میں سرگرداں تھے، ان کا پتہ چلا اور اسی کے ساتھ آنحضرت کے کریمانہ اخلاق کا بھی۔ والد اپنے چچا اور بڑے بھائی کے ساتھ مدینہ پہونچے اور آنحضرت کے اخلاق کا واسطہ دے کر ان کے طلب گار

ہوئے۔ آنحضرت نے فرمایا، اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو شوق سے لے جاؤ وہ بلائے گئے اور معاملے سے آگاہ کئے گئے۔ لیکن کیا انھیں آنحضرت کی غلامی سے آزاد ہو کر اپنے گھر والوں کے ساتھ جانا پسند آیا۔؟ نہیں! انھوں نے کہا۔ میں اس غلامی پر کسی آزادی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ باپ اور چچا نے عار دلائی کہ آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو۔؟ لیکن ان کے لئے یہ بات قابل غور ہی نہ ہوئی، اور گھر والوں کو ان کی رضا پر راضی ہونا پڑا ـــــ بے شک یہ تاثیر ایمانی بھی تھی۔ مگر اس میں آنحضرت کی اخلاقی تسخیر کے دخل سے کوئی کم سواد ہی انکار کرسکتا ہے۔ اور خود قرآن بھی اہل ایمان ہی کے بارے میں کہتا ہے:۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۔ (آل عمران - ۱۵۹)

ترجمہ: "اگر آپ درشت خو اور سخت مزاج ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے تتر بتر ہو جاتے"۔

۲۔ ثوبان، آنحضرت کے آزاد کردہ غلام (مولی) تھے۔ یمن کے حمیر HIMYER جیسے نامور قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ آنحضرت نے انھیں آزادی دینے کے لئے خریدا اور آزاد کر کے فرمایا کہ تمھیں اختیار ہے کہ اپنے قبیلے میں واپس چلے جاؤ یا میرے ساتھ رہو۔ انھوں نے بھی حضرت زید کی طرح آپ کے پاس رہنا پسند کیا۔ اور سفر و حضر کے خدمت گار ہوئے۔ ایک رات کہیں آپ سے دور اور الگ گزر گئی۔ رات بھر سو نہیں سکے۔ صبح ہوتے ہوتے مدینہ میں پہونچ گئے اور نماز فجر آپ کے ساتھ پڑھی۔ آپ کی نظر ان پر پڑی تو چہرے پر گریہ وزاری کے آثار تھے۔ آنحضرت نے پوچھا، کیا بات ہے، کس غم میں یہ حال ہو رہا ہے۔؟ جواب دیا کہ ایک رات دور رہا، تو ایسا لگا کہ ساری عمر سے فراق میں ہوں، اور اس کی وجہ سے اب یہ غم ستا رہا ہے کہ جب اس زندگی کی ایک رات کی جدائی ناقابل برداشت ہو گئی تو آخرت میں میرا کیا ہوگا جبکہ آپ تو انبیاء و مرسلین کے درجے میں ہوں گے اور مجھے اگر جنت میں داخلہ ملا بھی تو آپ سے کہیں بہت نیچے کے درجہ میں ملے گا۔ پھر کیسے میں آپ سے

اس ابدی اور لافانی زندگی میں مل سکوں گا۔؟ روایت کہتی ہے کہ محبت کی اس تڑپ نے آنحضرت کو بھی رُلا دیا۔ اور مفسرین کہتے ہیں کہ ثوبان کا اس موقع پر رونا اور بے چین ہونا ہی سورہ نسا رکی اس آیت (۶۹) کے نزول کا باعث ہوا کہ "ومن یطع اللہ والرسول فأولٰئك مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصٰلحین وحسن أولٰئك رفیقا۔"

۳۔ اسی آیت کے سلسلے میں ایک روایت آتی ہے کہ عبداللہ بن یزید صحابیؓ نے ایک دن خدمت اقدس میں عرض کیا کہ حضور مجھے اہل و مال سے زیادہ پیارے ہیں۔ جب مجھے یاد آجاتے ہیں تو میں اپنے گھر میں ٹک نہیں سکتا، اور جبھی چین پاتا ہوں جب حضور کو دیکھ لیتا ہوں۔ مگر جب اپنی موت کا تصور کرتا ہوں تو پریشان ہو جاتا ہوں کہ حضور تو فردوس بریں میں انبیاء کے بلند درجہ پر ہوں گے۔ اور میں اگر پہونچا بھی تو بہشت کے کسی ادنیٰ مقام میں ہوں گا اور وہاں کیسے دیدار پاسکوں گا۔ اس پر آنحضرتؐ نے سورۂ نسار کی یہی آیت اُن کی تسلی کے لئے پڑھ کر سُنائی۔ ومن یطع اللہ ورسولہ الخ ——— (رحمت للعالمین ج ۲)

۴۔ ترمذی میں اسی آیت کے سلسلے میں اور دوسرے صحابی کے بارے میں روایت ہے کہ وہ خدمت نبوی میں آتے تو جب تک رہتے حضور ہی کی جانب تاک لگائے رہتے۔ آنحضرت نے ان کی اس خاص کیفیت کو محسوس کر کے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے۔؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ دُنیا ہی میں اس دیدار کی بہار لوٹ لوں، ورنہ آخرت میں تو حضور کے بلند مقام تک ہماری رسائی نہ ہوگی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی روایت کا ایک جزو ہے جو ہمارے اس قول کی تائید بہم پہونچاتا ہے کہ صحابہ میں جذبات محبت محض ایمان کی تاثیر سے نہ تھے بلکہ ان میں آنحضرتؐ کے اخلاق کی تسخیر کو بھی پورا دخل تھا، اور وہ جزو یہ ہے کہ حضورؐ نے ان صحابی سے فرمایا کہ اگر تم سے ہو سکے تو ایسی زندگی بسر کرو

جس کی صبح و شام میں تمہارے دل کے اندر کسی کے لئے کینہ و کدورت نہ ہو۔ اور یہی میرا طریقہ اور میری پسند ہے۔ میرے طریقہ اور میری پسند کو زندہ رکھنا ہی مجھ سے محبت ہے۔" ——— (رحمۃ للعالمین ج ۲)

اہل ذوق اور اہل فہم روایت کے اس جزو کے اندر اس حقیقت کا سراغ پا سکتے ہیں کہ آنحضرت سے آپ کے اصحاب کی اس کیفیت محبت کا راز، اُن کے ایمانی جذبات کے ساتھ ساتھ، آنحضرت کا اخلاقی مقام بھی تھا

صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کے سفیر عروہ بن مسعود ثقفی اصحاب نبوی کی محبت اور تعظیم کے جو مناظر دیکھ کر مبہوت رہ گیا تھا کہ آپ کے وضو کے پانی پر سب کے سب یوں گرتے ہیں جیسے ابھی لڑ پڑیں گے، اور آپ کا لعاب دہن بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے، ہاتھوں ہاتھ لیتے اور منھ پر مل لیتے ہیں۔ حضور کوئی حکم دیتے ہیں تو سب سانس روک کر اور نگاہیں نیچی کر کے سُنتے ہیں۔ غرض وہ عظمت و منزلت حاصل ہے جو اس کے مشاہدے کے مطابق روم و ایران کے قیصر و کسریٰ کو ان کے اپنے دربار میں کبھی حاصل نہیں۔ تو اس محبت کے راز میں بھی یہی اخلاقی تسخیر، تاثیر ایمانی کے ساتھ شامل تھی، اور اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہی تسخیر تھی جو آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب کی ایمانی وابستگی کو پختہ تر کرتی تھی، اور ہم جیسا کہ اوپر حوالہ دے چکے ہیں۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۵۹ ولو کنت فظاً غلیظ القلب الخ اس کی گواہ ہے۔

اخلاق کا حُسن انسان کے چہرے کو بھی نورانی اور پُرکشش اور پُراثر بناتا ہے بشرطیکہ وہ اخلاق ایمانی اخلاق ہوں۔ مدینے کے یہودی عالم عبد اللہ بن سلام کا واقعہ مشہور ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو ان کا بیان ہے کہ میں آپ کو دیکھنے کے لئے گیا اور بس جیسے ہی میری پُرتجسس نگاہ آپ کے چہرے پر پڑی، میرے دل نے کہا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے (مدعی نبوت) انسان کا نہیں ہو سکتا ——— (ترمذی)۔ چنانچہ یہ دیدار ہی ان کے ایمان

لانے کے لئے کافی ہو گیا ——— اور اس واقعہ کو اگر ذہن میں رکھ لیا جائے تو حسب ذیل قسم کی روایات میں کسی مبالغہ آمیزی اور محض خوش عقیدگی کا خیال کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

رُبَیِّعؓ بنت معوذ ایک صحابیہ ہیں۔ ان سے عمار بن یاسرؓ کے پوتے نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ حلیہ بیان کیجئے۔ انھوں نے ایک جملے میں جواب دیا کہ "اگر تم آپ کو دیکھتے تو یوں لگتا کہ جیسے سورج نکلا ہوا دیکھ رہے ہو"

——— (ترمذی)

جابر بن سمرہ صحابیؓ کہتے ہیں کہ ایک چاندنی رات تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سرخ حلّہ اوڑھے ہوئے لیٹے تھے۔ اور میرا حال یہ تھا کہ کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی آپ کے چہرۂ انور کو۔ اس مقابلے میں مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی بالآخر زیادہ حسین نظر آئے۔ ——— (رحمۃ للعالمین ج ۲)

غیروں اور دشمنوں کی شہادت

یہ تو اپنوں اور ایمان لانے والوں کی شہادت قال وحال تھی۔ اب غیروں اور دشمنوں کی سنیے:-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے جو پہلو اس قدر ثابت شدہ اور مشہور و مانے ہوئے ہیں جن کے لئے کسی کتاب کے حوالے کی ضرورت نہیں۔ وہ وہ ہیں جو تقریباً تمام اخلاقیات کی جڑ اور بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی صداقت، امانت، عدل، عفت اور عفو و احسان اور یہ اس لئے کسی کتاب کے حوالے سے بے نیاز ہیں کہ ان کی شہادت آپ کے دشمنوں نے دی ہے، وہ جس طرح دشمنی کا دور شروع ہونے سے پہلے آپ کے ان اوصاف کے قائل تھے اسی طرح بعد میں ان کے منکر کبھی نہیں ہو سکے۔ مگر ہم ایک علمی مقالہ کی ضرورت کی حد تک حوالوں سے مکمل بے نیازی بھی نہیں برتیں گے۔

صداقت اور امانت

یہ آپ کے وہ دو اخلاقی وصف ہیں جن کی بنا پر نوجوانی ہی سے آپ اپنی قوم (قریش) میں صادق و امین کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ بلکہ قاضی سلیمان منصور پوری مصنف "رحمۃ للعالمین" کے بیان کے مطابق لوگ آپ کا نام لینے کے بجائے انہی میں سے کسی ایک لقب سے آپ کا ذکر کرتے تھے۔ (ج ا ص ۴۳)

نبوت سے پانچ سال پہلے کا مشہور واقعہ ہے کہ قریش نے کعبہ کی ازسرِ نو تعمیر کی۔ اس تعمیر کے شرف میں قریش کے تمام خاندان شریک تھے۔ آخری مرحلہ جب حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کرنے کا آیا تو اس میں سب کے ہاتھ ظاہر ہے کہ نہیں لگ سکتے تھے، اور کوئی خاندان اس کے لئے تیار نہیں تھا کہ وہ اس شرف سے محروم رہ جائے۔ اندیشہ ہوا کہ آپس میں جنگ کی نوبت آجائے گی؛ ایسی مقدس جگہ اور جنگ۔؟ کچھ سمجھ داروں نے ایک تجویز رکھی جو سب نے قبول کرلی، اور وہ یہ کہ اس وقت سے جو آدمی سب سے پہلے مسجد حرام میں آئے اس کو حکم بنایا جائے، اور اس کے فیصلے کو سب مان لیں۔ ان کی قسمت کی خوبی کہ سب سے پہلے داخل ہونے والا وہ "آدمی" محمد تھا صلی اللہ علیہ وسلم جس کو یہ سب بالاتفاق صادق و امین مانتے تھے۔ اس "آدمی" پر نگاہیں پڑیں اور سب کی زبان سے خوشی کا نعرہ بلند ہوا کہ "ھذا محمدٌ ھذا الامین رضیناہ" (یہ تو محمد ہے، مانا ہوا "امین"۔ ہم سب اس پر راضی ہیں)[1]۔ اور پھر اس کے فیصلے سے خیر و خوبی یہ قصہ تمام ہو گیا۔

اس واقعہ سے دس برس پہلے جب عمر شریف ۲۵ سال تھی، قریش کی معزز بیوہ خدیجۃ الکبریٰ کے دل میں، آپ سے اپنی تجارت کے سلسلے میں ایک سفر کرانے

---

[1] بخاری باب بدء الوحی (آغاز وحی)

کے بعد آپ کی زوجیت میں آنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اپنی ایک سہیلی کو آپ کا عندیہ معلوم کرنے اور راہ ہموار کرنے کی مہم سپرد کی۔ یہ اپنی مہم میں کامیاب ہوئیں اور آپ کو رضامند کر لیا۔ اس کے بعد ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق حضرت خدیجہؓ نے خود بات پکی کرنے کے لئے آپ کو تشریف آوری کی دعوت دی اور اس موقع پر اپنی خواہش کی وجہ یوں بیان کی کہ "مجھے آپ کی زوجیت کی خواہش آپ کے پاکیزہ اخلاق اور صداقت کلام کی وجہ سے ہوئی ہے"۔ [1]

ابو جہل کا نام دشمنوں میں سرفہرست ہے وہ خود آنحضرت سے کہتا تھا کہ "ہم تجھے جھوٹا نہیں کہتے بلکہ جو دعوت و تعلیم تو پیش کر رہا ہے اس سے ہمیں انکار ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ سورۂ انعام کی آیت ۳۳ "فانھم لا یکذبونک ولکن الظٰلمین بآیٰت اللہ یجحدون"۔ اسی موقعہ پر نازل ہوئی۔ [2]

جنگِ بدر کے لئے نکلنے والے قریشی لشکر کو جب ابو سفیان کا یہ خط بدر پہونچنے سے پہلے ہی مل گیا کہ ہمارا قافلہ بسلامت نکل آیا ہے لہٰذا اب تم لوگ واپس آجاؤ۔ تو قدرتی طور پر سرداران لشکر میں کچھ کی رائے یہی ہوگئی کہ واپس ہو جایا جائے، بلا وجہ جنگ کرنے سے کیا فائدہ؟ اس رائے کا نمائندہ اخنس بن شریق تھا۔ دوسری طرف ابو جہل کو اصرار تھا کہ نہیں ہم بدر پہونچیں گے۔ اس موقع کا ایک مکالمہ ان دونوں کے درمیان نقل ہوا ہے۔ اخنس نے ابو جہل کو تنہائی میں لے جا کر کہا کہ "ابو الحکم (ابو جہل کی کنیت) دیکھ یہاں میرے اور تیرے سوا کوئی نہیں جو ہماری بات سنتا ہو، تو مجھے بتا کہ محمد صادق ہے یا کاذب ہے؟" جواب میں ابو جہل نے کہا: "بیشک محمد صادق اور سچا انسان ہے، اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا"۔ [3]

---

[1] عبد الرؤف دانا پوری، اصح السیر ص ۱۰۰ [2] ترمذی، تفسیر قرطبی [3] قاضی عیاض۔ شفاء

نامی گرامی دشمنوں میں ایک ۔ بلکہ سرداری کے لحاظ سے سب سے اونچا ۔ نام ابوسفیان کا ہے ۔ قسمت میں اسلام تھا اس لیے فتح مکہ کے وقت سے رول بدل گیا ، اور مسلمان ہو گئے ۔ فتح مکہ سے پہلے صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہان عالم کے نام دعوتی خطوط ارسال فرمائے ۔ انھی میں ایک خط شاہ روم ہرقل کو بھی تحریر فرمایا گیا ۔ ہرقل اس وقت بیت المقدس میں آیا ہوا تھا ، جو سلطنت کے صوبہ شام کا علاقہ تھا ۔ ہرقل نے خط کو اہمیت دی ۔ آنحضرت کے سفیر سے آپ کے بارے میں کچھ معلومات کرنے کے بعد اسے مزید تقاضہ ہوا کہ اس نبی آنحضرت کے شہر کا کوئی دوسرا شخص دستیاب ہو تو اس سے کچھ مزید تحقیقات کرے ۔ اس کے حکم پر علاقے میں تلاش کی گئی کہ ایسا کوئی شخص مل جائے ۔ اتفاق سے ابوسفیان ایک تجارتی قافلے میں اس وقت شام گئے ہوئے تھے ۔ اور یہ بات معلوم ہی تھی کہ اہل مکہ بغرض تجارت یہاں آیا کرتے ہیں ۔ ان تک رسائی ہو گئی اور شاہ کا پیغام انھیں پہونچایا گیا ۔ یہ مع اپنے ساتھیوں کے دربار میں پہونچے ۔ ہرقل نے ابوسفیان ، سردار قافلہ ، کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے ، ان کے ساتھیوں سے کہا کہ میں تمھارے اس ساتھی سے کچھ باتیں پوچھوں گا ۔ اگر کوئی جواب یہ غلط دے تو تمھارے ذمہ ہے کہ مجھے صحیح بات بتاؤ ۔ ہرقل نے کئی ایک سوالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیے ۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ " نبوت کے دعوے سے پہلے کیا یہ شخص جھوٹ بولا کرتا تھا ۔ یا کبھی اس کو جھوٹ بولنے کی تہمت ہی دی گئی تھی ۔ ؟ " اس دشمن جانی ابوسفیان نے کہا کہ نہیں ، کبھی نہیں "

——— اور اس کے ساتھ یہ بات اور جان لینی چاہیے کہ خود ابوسفیان ہی کا بیان ہے کہ مجھے اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی میری بات کو غلط کہدے گا تو میں ضرور کچھ جھوٹ ملاتا ، مگر اس ڈر کی وجہ سے ایسا نہ کر سکا ۔[۱]

---

[۱] بخاری کتاب الجہاد ۔ کتاب الشہادت ۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ باتیں، جو ابوسفیان کو خواہی نخواہی آنحضرتؐ کے بارے میں کہنا پڑیں وہ سب ایسی تھیں کہ اپنے کافر ساتھیوں کی طرف سے بھی ان کے بارے میں غلط بیانی پر ٹوک دیئے جانے کا پورا خطرہ ابوسفیان کو تھا ــــ اور انہی میں سے ایک آنحضرتؐ کے صادق یا کاذب ہونے کی بات تھی۔ اس سے بڑھ کر ایک شخص کی صداقت ناقابلِ انکار ہونے کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔؟

عیسائی مستشرقین بہت سادہ بن کر کہتے ہیں کہ اگر ایسا اہم کوئی مکالمہ شاہ روم سے ہوا ہوتا تو ہماری تاریخی کتابوں اور دستاویزوں میں اس کا ذکر لازماً ہوتا، جو کہ نہیں ہے۔ مگر جن لوگوں نے نبی آخر الزماں کے بارے میں اپنے پیغمبروں کی لائی ہوئی کتابوں اور ان کی دی ہوئی بشارتوں کا ایک ایک لفظ کھرچ کر یا بدل کر رکھ دینے میں کوئی باک نہیں محسوس کیا، کیا ان سے انسانی دستاویزوں اور کتابوں کے بارے میں یہ امید کی جا سکتی ہے کہ یہاں وہ اس نبیؐ کے حق میں جانے والی باتوں کو سلامت چھوڑ دیں گے۔؟

یہ شہادتیں دشمنوں کی زبان سے صدق و امانت کے بارے میں تھیں، اور صدق و امانت وہ اوصاف ہیں کہ اگر ان کے معنیٰ کی پوری وسعت کو سمجھا جائے تو کسی شخص کے اندر ان کی اس اعلیٰ پیمانہ پر موجودگی تمام ہی اوصافِ حسنہ کی ضمانت دینے کے لئے کافی ہے۔ "امانت" کا لفظ قرآنِ مجید میں پورے نظامِ دین و شریعت کے لئے استعمال ہوا ہے، اور کوئی اعلیٰ و پسندیدہ انسانی وصف و خلق نہیں ہے، جو اس نظام سے باہر رہ جاتا ہو، اس قرآنی استعمال کے لئے دیکھئے سورہ احزاب کی آیت ۷۲، "انا عرضنا الامانۃ ......" الخ۔ اور خود اہلِ مکہ کے قول میں، تعمیرِ کعبہ کے موقع پر جھگڑے کے سلسلے میں، جو آپ کے لئے "الامین" کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کا محلِ استعمال بھی خود بتا رہا ہے کہ عربوں کی زبان میں "امانت" کا مطلب صرف مالی امانتداری نہیں ہوتا ہے، بلکہ ہر معاملہ میں ایمانداری اور احساسِ ذمہ داری اس کا مطلب ہے۔ ورنہ وہاں کسی مالی امانت داری کا سوال نہیں تھا، بلکہ عدل و

انصاف اور ایمان داری واحساسِ ذمّہ داری کا سوال تھا۔

الغرض مزید ضرورت نہیں ہے کہ آپؐ کے اوصاف و اخلاقِ حسنہ کے سلسلہ میں کچھ ایسی شہادتیں بھی ان دشمنوں کی زبان سے نقل کی جائیں جن میں صدق و امانت کے علاوہ بھی تعریف اور اعتراف خوبی کا کوئی اور لفظ پایا جاتا ہو۔ مگر مزید الفاظ والی شہادتیں بھی موجود ہیں جن میں سے ایک نقل کی جاتی ہے۔

نبوت کے بعد جب قریش اپنی گستاخیوں اور ایذارسانیوں سے آپؐ کا حوصلہ پست کرنے میں ناکام رہے اور دیکھا کہ مرکز عرب ہونے کی وجہ سے جو آئے دن مختلف قبائل کے لوگ، خصوصاً حج کے موقع پر، مکہ میں آتے ہیں اور آپؐ کی شخصیت اور تبلیغ و دعوت سے متاثر ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں تو اس سلسلے میں بہت سوچ و بچار کے بعد اس قسم کی تجویزیں لائی گئیں کہ آنے والوں سے کہا جائے کہ یہ شخص کاہن ہے، شاعر ہے، دیوانہ ہے، ساحر ہے۔ ان گستاخوں اور ایذا دہندوں کی پارٹی کے اہم ارکان میں سے بعض نے ہر ہر تجویز کی کمزوری ظاہر کر کے اسے رد کیا۔ نضر بن حارث نامی ایک رکن نے خاص طور سے "ساحر" بتانے کی تجویز پر کہا کہ "محمد بچپن ہی سے تم سب میں زیادہ پسندیدہ، سب سے زیادہ سچا، سب سے بڑھ کر امانت دار مانا جاتا ہے۔ اب جو اس کی داڑھی کے بال پک گئے اور اس نے اپنی تعلیم تمہارے سامنے پیش کی تو تم نے کہہ دیا کہ وہ ساحر ہے۔ نہیں نہیں، بخدا وہ ساحر تو نہیں"۔[۱]

"بچپن ہی سے تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ" کے الفاظ میں کونسی مثبت یا منفی انسانی خوبی ہے جو نہیں آجاتی؟ اور ایسی جامع مگر اجمالی تعریف کی کسی حد تک وہ شرح اور تفصیل ہے جو آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت خدیجہ کی زبان پر بے ساختہ اس وقت آئی جب آپ کو "نبوت" کا اولین تجربہ ہوا اور

---

[۱] شفا قاضی عیاض ص۱۱

آپ اس کے خوف سے گھبرائے اور طرح طرح کے خوف لیے ہوئے گھر میں داخل ہوتے ہی لیٹ گئے۔ اور خدیجۃ الکبریٰ سے کہا کہ میرے اوپر کوئی کپڑا ڈال دو۔ اور پھر طبیعت میں ذرا سکون ہونے پر ان سے اس دن کے اس نئے تجربے کا کچھ ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہو گیا ہے۔ اس وقت خدیجۃ الکبریٰ کی زبان پر بے اختیار آپ کی تسلی کے لیے جو الفاظ جاری ہوئے وہ یہ تھے:

"نہیں! قسم ہے خدائے پاک کی، وہ پاک ذات آپ کو کبھی رُسوا نہ کرے گی۔ آپ رشتوں کا حق ادا کرتے ہیں، دوسروں کی غم خواری میں خود تکلیف اٹھاتے ہیں، حاجت مندوں کا سہارا بنتے ہیں۔ مہمان کی مدارات کرتے ہیں اور آفت زدوں کی دست گیری فرماتے ہیں۔"

(بخاری۔ باب آغاز وحی)

تسلی کے لئے ان الفاظ کا حضرت خدیجہ کی زبان پر آنا صاف دلیل ہے اس بات کی کہ یہ آپ کے نہایت اُجلے اور روشن اوصاف تھے۔ پندرہ برس سے حضرت خدیجہ خود انھیں آپ کی زوجیت میں آکر دیکھ رہی تھیں، اور اس سے پیشتر آپ کی جو اچھی شہرت انھیں معلوم تھی، اس کی بنا پر، یاد کر لیجئے کہ زوجیت میں آنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے انھوں نے اسی اچھی شہرت کا حوالہ "اعلیٰ اور پاکیزہ اخلاق اور صدق کلام" سے دیا تھا۔

الغرض ایک انسان میں جن اعلیٰ ترین اوصاف کا تصور کیا جا سکتا ہے وہ قبلِ نبوت بھی آپ کے لئے مسلّم تھے اور نبوت کے بعد بھی بدترین دشمنوں تک گویا ان کا برملا اقرار رہا ہے، یا کم از کم انکار کی جرأت کسی موقع پر نہیں ہوئی۔ (باقی)

کعبۃ اللہ سے دور رہنے والے نمازی

استقبالِ قبلہ کس طرح کریں؟

(از مولانا محمد برہان الدین سنبھلی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

[یہ مضمون دراصل ایک سوال کے جواب میں لکھا گیا تھا لیکن چونکہ اس کی نوعیت مستقل مقالہ کی ہے اور اس میں مسئلہ پر کلام اصولی انداز میں کیا گیا ہے اس لئے سوال کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔]

تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز کی حالت میں نمازی کا قبلہ کی طرف رخ ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ نماز کی صحت کی شرطوں میں سے ایک اہم شرط استقبال قبلہ (قبلہ کی طرف رخ ہونا) بھی ہے۔ علامہ ابن رشد مالکیؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب بدایۃ المجتہد میں بیان کیا ہے:

اتفق المسلمون علی ان التوجہ نحو البیت شرط من شروط صحۃ الصلوٰۃ (۱)

تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ بیت اللہ کی طرف رخ ہونا صحت نماز کی شرطوں میں سے ہے۔

اور جب یہ شرطِ صحت ہے تو اس کے بغیر بلا عذر نماز بھی صحیح نہ ہوگی۔ چنانچہ تمام متعلقہ کتابوں میں اسکی صراحت بھی ملتی ہے مثلاً فقہ شافعی کی مشہور کتاب۔ شرح منہاج (لجلال الدین محمد بن احمد

---

(۱) بدایۃ ج ۱ ص ۱۰۸

المحلی الشافعی) میں ہے۔

(استقبال القبلة) أي الكعبة (شرط لصلاة القادر) عليه فلا تصح صلاته بدونه إجماعاً (۱)

چونکہ استقبال قبلہ یعنی کعبۃ اللہ کی طرف رخ کرنا۔ نماز کی صحت کے لئے شرط ہے اس لئے اس کے بغیر نماز بالاجماع صحیح نہ ہوگی۔

یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ قبلہ کی طرف نمازی کے رخ کا ضروری ہونا قرآن مجید کی متعدد آیات سے جو سورہ بقرہ میں آئی ہیں۔ معلوم ہوا ہے جن میں سے ایک یہ ہے (وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ) اگر نمازی کعبۃ اللہ کے پاس ہی نماز پڑھ رہا ہے کہ کعبہ اس کے سامنے ہے تب تو بعینہ کعبۃ اللہ ہی کی طرف اس کا رخ (سینہ) ہونا ضروری ہے۔ بنا بریں اتنا ترچھا ہونے سے کہ کعبۃ اللہ کی عمارت کا کوئی حصہ بھی سینہ کے مقابل نہ رہے۔ نماز فاسد ہو جائے گی۔

لیکن نمازی اگر کعبۃ اللہ سے دور ہے تو پھر بعینہ کعبۃ اللہ کی طرف رخ ہونا ضروری نہیں۔ کیونکہ سمت کا ایسا صحیح تعین کہ سینہ کا رخ ٹھیک کعبۃ اللہ کی عمارت کی طرف رہے بغیر آلات کی مدد کے دور سے تقریباً ناممکن ہے اس وجہ سے دور والوں کے لئے بس قبلہ کی سمت کی طرف رخ کرلینا ہی کافی ہے۔ اُن کی نماز اسی طرح صحیح ہو جائے گی (چاہے بعد میں کسی ذریعہ سے یہ پتہ چل جائے کہ ٹھیک کعبۃ اللہ کی طرف رخ نہیں رہا)

یہ بات بھی اکثر علماء اسلام کے درمیان متفق علیہ نظر آتی ہے۔ اس پر علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی اپنے "فتاویٰ" میں تفصیلی کلام کیا ہے (۲) اور اسی کو ترجیح دی ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا

---

(۱) شرح منہاج ص۲۶۔ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب "المغنی" ص۴۴۲ ج۱ میں بھی استقبال قبلہ کو شرط بتایا گیا ہے (۲) مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ جلد ۲۲ از صفحہ ۲۰۶ تا ۲۱۶۔

ہے کہ قبلہ سے دور رہنے والوں کے لئے قبلہ کی سمت کا تعین کس طرح ہو؟ اللہ تعالیٰ فقہاء کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے اس سوال کا جواب بھی بہت تفصیلی اور اطمینان بخش دیدیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سمت قبلہ کے تعین کی حسب ذیل چار شکلیں ہیں

(۱) کسی جگہ صحابہ یا تابعین کی بنائی ہوئی مسجدیں یا قبلہ کی تعیین کے لئے ان حضرات ہی کی مقرر کردہ دیگر علامتیں ہوں تو پھر سمت قبلہ کے بارے میں ان ہی مسجدوں اور علامتوں پر اعتماد کیا جائے گا۔ اور ان ہی کے رخ پر نماز پڑھنا ضروری ہوگا۔ اس لئے کہ ان برگزیدہ حضرات نے بہت تحقیق اور پوری کوششوں کے بعد ہی ان علامتوں کے ذریعہ قبلہ کی سمت کا تعین کیا تھا۔ تو ان کی مقرر کردہ علامتوں پر اعتماد نہ کرنا سلف سے بدگمانی اور ان پر بد اعتمادی ہوگی۔ اس بارے میں فقہائے احناف تو اتنے آگے چلے گئے ہیں کہ اگر کسی ہیئت داں کی تحقیق اس کے خلاف ہو تب بھی سلف کی مقرر کردہ علامتوں ہی پر اعتماد کیا جائے گا۔ ہیئت داں کی بات پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "رد المحتار شرح درمختار" میں نقل کیا ہے (ماتن کے اس قول کے تحت کہ شہروں اور بستیوں میں صحابہ اور تابعین کی مقرر کردہ علامتوں — محاریب — ہی کو قبلہ کا درجہ حاصل ہوگا۔)

فلا یجوز التحری معها.... بل علینا اتباعهم ولا یعتمد قول الفلکی العالم البصیر الثقة۔ ان فیها انحرافا۔

صحابہ اور تابعین کی مقرر قبلہ کی علامتوں کی موجودگی میں تحری (اپنے اندازہ سے قبلہ کی تعیین) جائز نہ ہوگی بلکہ انہی کا اتباع کرنا ہم پر ضروری

خلافا للشافعیه .... وکل خیر فی اتباع السلف " (۱)

ہے اسلئے کسی قابل اعتماد ماہر ہیئت داں کے بھی ایسے قول پر اعتماد نہیں کیا جائے گا جس میں یہ کہا گیا ہو کہ صحابہ وتابعین کی مقرر کردہ علامتیں قبلہ کی سمت سے ہٹی ہوئی ہیں اس میں امام شافعی کے متبعین اختلاف کرتے ہیں۔ سلف کے اتباع ہی میں ہر طرح خیر ہے۔

تقریباً یہی بات علامہ ابن قدامہ حنبلی کے کلام سے بھی مترشح ہوتی ہے۔ موصوف " المغنی " میں لکھتے ہیں۔

لو کان فی مصر أو قریة ففرضه التوجه إلی محاریبهم وقبلتهم المنصوبة لان هذه القبل ینصبها أهل الخبرة والمعرفة (۲)

اگر نمازی کسی شہر یا بستی میں ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس شہر یا بستی میں جو قبلہ بتانے والی علامتیں ہیں ان ہی کو قبلہ سمجھے۔ کیونکہ یہ جاننے والوں اور باخبر لوگوں ہی کی مقرر کردہ ہوتی ہیں۔

ابن قدامہ کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شہروں اور قصبات کی محرابوں کو قبلہ سمجھنے اور اس کی طرف نماز پڑھنے کو ضروری سمجھنا اس بنیاد پر ہے کہ وہ محرابیں ایسی تحقیق کے بعد بنائی گئی ہیں کہ قبلہ ادھر ہی ہے اور یہ تحقیق جن لوگوں نے کی ہے وہ اس کے اہل بھی تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کہیں (صحابہ وتابعین کے علاوہ کسی اور نے) قبلہ کی سمت بتانے والی علامتیں ناواقف لوگوں نے مقرر کر دی ہیں۔ اور ان کا غلط ہونا قابل اعتماد اور ماہرین فن کی تحقیق سے یقینی طور پر معلوم ہو گیا تو پھر اس غلط سمت کو نماز

---

(۱) ردالمحتار صفحہ ۲۸۸ ج ۱۔ (۲) المغنی صفحہ ۴۵۷ ج ۱۔

پڑھنا صحیح نہ ہوگا بلکہ صحیح سمت ہی کی طرف نماز پڑھنا ضروری ہوگا البتہ وہ نمازیں جو غلطی واضح ہونے سے پہلے پڑھ لی گئی تھیں۔ صحیح ہو جائیں گی۔ (آگے آنے والی بحث سے اس پر مزید روشنی پڑے گی)

(۲) جس مقام پر قدیم محرابیں اور قبلہ کی علامتیں موجود نہ ہوں وہاں مقامی لوگوں میں سے جو دیندار قبلہ کی سمت سے باخبر ہوں ان سے دریافت کرنا اور ان کی بتائی ہوئی سمت کو قبلہ سمجھنا ضروری ہوگا جیسا کہ شامی (ردالمحتار) میں ہے۔

إن لم يكن ثم محاريب قديمة فيسأل من يعلم بالقبلة ممن تقبل شهادته من أهل ذلك المكان ممن يكون بحضرته .... ويقبل فيها قول الواحد العدل (۱)

جس جگہ قدیم محرابیں (قبلہ کی علامتیں) نہ ہوں تو نمازی وہاں کے رہنے والے کسی ایسے شخص سے سمت قبلہ معلوم کرے جس کی گواہی شرعاً معتبر ہو سکتی ہو اور وہ قبلہ کی سمت جانتا ہو (ایک شخص کا بھی قول کافی ہوگا)۔

لیکن جو شخص قبلہ سے واقف نہ ہو اس سے دریافت کرنا یا اس کا بتانا معتبر نہیں ہے (أما غير العالم بها فلا فائدة في سواله (۲)

(۳) اگر کسی جگہ قبلہ بتانے والی (قابل اعتماد اور واقف لوگوں کی مقرر کردہ) علامتیں بھی نہ ہوں اور نہ کوئی ایسا شخص موجود ہو جو قبلہ کا صحیح علم رکھتا ہو تو جن قرائن اور دلائل (مثلاً ستاروں، چاند اور سورج یا اصطرلاب وغیرہ) کی مدد سے قبلہ کا تعین ہو سکتا ہے اگر ان سے یہ واقف ہے تو انہی کے ذریعے سمت قبلہ کا تعین کر کے نماز پڑھنا ضروری ہوگا جیسا کہ المغنی میں ہے۔

الثالث من فرضه الاجتهاد وهو

جس شخص کو نہ تو کوئی قبلہ بتانے والا ملے،

---

(۱) ردالمحتار صفحہ ۲۸۹ ج ۱۔ (۲) ایضاً۔

من عدم الحالتين وهو عالم بالادلة (۱)

اور وہ ایسے شہر میں ہے جس میں مساجد ہیں تو اگر وہ قبلہ کا رخ معلوم کرنے کا طریقہ جانتا ہے تو وہ اسی طریقہ سے رخ دریافت کرکے نماز پڑھے (مفہوم)۔

فمن كان من أهل الاجتهاد إذا خفيت عليه القبلة في السفر ولم يجد مخبراً ففرضه الصلاة الى جهة يؤدي اجتهاده (۲)

اور جو خود اس کی صلاحیت نہیں رکھتا لیکن ساتھیوں میں سے کوئی ایک شخص بھی اگر اہلیت رکھتا ہے تو وہ اہل اپنی مہارت سے قبلہ کی تعیین کرے اور بقیہ لوگ اس کا اتباع کریں، شرح منہاج میں ہے:-

(ومن عجز عن الاجتهاد وتعلم الادلة .... قلد ثقة .... عارفا) بها (۳)

جو شخص قبلہ کی تعیین کا فن نہیں جانتا وہ کسی جاننے والے کا اتباع کرے۔

پھر اگر بعد میں یہ ثابت ہو جائے کہ غلط سمت کی طرف نماز پڑھی گئی تو بھی (نماز مکمل ہو جانے کے بعد) اس کا لوٹانا اکثر علماء کے نزدیک ضروری نہیں۔ البتہ اگر درمیان میں ہی علم ہو جائے تو نماز کی حالت میں ہی اس طرف رخ پھیر لے جو بعد میں صحیح سمت قبلہ ثابت ہوئی ہے۔ اس کے بعد کی تمام نمازیں اسی صحیح رخ کی طرف پڑھنا ضروری ہوگا۔ المغنی میں ہے۔

وإذا صلى بالاجتهاد الى جهة ثم علم أنه قد أخطأ القبلة لم يكن عليه إعادة ...... وكذلك المقلد الذي صلى بتقليده وبهذا قال مالك وابوحنيفة والشافعي في أحد قوليه (۴)

اگر اجتہاد (دلائل و قرائن سے قبلہ کی تعیین) سے نماز پڑھی پھر معلوم ہوا کہ غلط سمت کی طرف پڑھ لی تو نماز کا لوٹانا ضروری نہیں ہے، اسی طرح جن لوگوں نے کسی ماہر کے اتباع میں نماز پڑھی ان پر بھی لوٹانا ضروری نہیں۔ یہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے۔

---

(۱) المغنی ص ۴۵۷ ج ۱۔ (۲) ایضا ص ۴۶۶ ج ۱۔ (۳) شرح منہاج ص ۲۸ (۴) المغنی ص ۴۸۱ ج ۱

اور ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے (امام احمد کا مسلک تو یہاں اصلاً بیان ہی ہوا ہے)۔

اس صورت میں اگر جماعت کے اندر موجود دو تین شخص قبلہ کی تعیین کا فن جانتے ہوں اور ان میں باہم اختلاف رائے ہو جائے تو جاننے والے کے لئے تو یہی ضروری ہے کہ وہ اپنی تحقیق پر عمل کرے، نہ جاننے والے ان میں سے جسے زیادہ قابل اعتماد سمجھیں اس کے قول پر عمل کریں جیساکہ فقہ شافعی کی مشہور کتاب۔ مہذب (لابی اسحاق ابراھیم بن علی الفیروزآبادی) میں ہے۔

وإن اختلف علیه اجتهاد رجلین قلّد أوثقهما (۱)

اگر دو ماہر شخصوں کی رائے قبلہ کی تعیین میں الگ الگ ہو تو زیادہ قابل اعتماد کی رائے پر عمل کرے

لیکن کسی ماہر کی خود اپنی تحقیق بعد میں بدل جائے اور جس سمت کو پہلے قبلہ سمجھتا تھا اب اس سے مخالف سمت کو (دلائل و قرائن سے) قبلہ سمجھنے لگے تو پھر اس کے بعد کی نمازیں دوسری رائے کے مطابق پڑھے لیکن پہلی تحقیق کے مطابق (رائے بدلنے سے پہلے) پڑھی ہوئی نمازوں کا لوٹانا ضروری نہیں ہوگا۔ جیساکہ شرح منہاج میں ہے:۔

(وإن تغیر اجتهاده) فظهر له الصواب فی جهة غیر جهة الأول (عمل بالثانی ولا قضاء) لما فعله بالأول (۲)

اگر کسی ماہر کی رائے بدل جائے اور یہ ظاہر ہو کہ صحیح سمت دوسری ہے تو پھر دوسری سمت ہی کی طرف نماز پڑھے۔ پہلی رائے پر پڑھی ہوئی نماز کی قضا نہ کرے۔

(۴) مذکورہ بالا تینوں صورتوں کی عدم موجودگی میں نمازی تحری سے یعنی اندازہ کرکے اپنے قلبی رجحان پر نماز پڑھے گا اور وہی سمت قبلہ کے حکم میں ہوگی۔ فقہ حنفی کی مشہور و معتبر کتاب بدائع الصنائع

---

(۱) مہذب صفحہ ۶۸ ج ۱۔ (۲) منہاج ص ۴۸۔

میں ہے۔

وإن كان عاجزاً بسبب الاشتباه، وهو أن يكون في المفازة في ليلة مظلمة أو لا علم له بالأمارات الدالة على القبلة ..... فان لم يكن بحضرته أحد جاز له التحري (۱)

جو شخص سمت قبلہ کی تعیین خود نہیں کر سکتا اور نہ کوئی وہاں بتانے والا ہے یا جنگل میں ہے (جہاں عموماً مسجدیں یا قبلہ کی علامات نہیں ہوتیں) تو وہ قلبی رجحان سے قبلہ کا تعین کر سکتا ہے۔

صاحب کتاب علامہ کاسانی نے تحری سے (قلبی رجحان اور اپنے اندازہ کے مطابق) نماز پڑھنے کے جواز پر استدلال قرآن مجید کی آیت "أينما تولوا فثم وجه الله (بقرہ)" اور صحابہ کرام کے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آنے والے۔ ایک واقعہ سے کیا ہے (۲)۔ چونکہ اس حالت میں تحری ہی قبلہ کے حکم میں ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص (اشتباہ کی صورت میں) بغیر تحری کئے نماز پڑھ لے گا تو نماز نہ ہو گی اور تحری سے پڑھی گئی نماز کے بعد پتہ چلے کہ وہ غلط سمت تھی تو حنفیہ کے نزدیک نماز کا لوٹانا ضروری نہ ہوگا۔ ہدایہ میں ہے۔

فإن علم أنه أخطأ بعد ما صلى لا يعيدها۔ (۳)

اگر نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ (سمت قبلہ میں) غلطی ہو گئی ہے تو بھی نماز نہ لوٹائے۔

البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں نماز کا لوٹانا ضروری

---

(۱) بدائع صفحہ ۱۱۸ ج ۱۔ (۲) یہ حدیث علامہ زیلعی کی تخریج کے مطابق ابو داؤد طیالسی، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عامر بن ربیعہ صحابی رسولؐ سے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں انھیں قبلہ کا پتہ چلانا مشکل ہو گیا تھا۔ اندازہ سے نماز پڑھ لی۔ بعد میں پتہ چلا کہ غلط سمت کی طرف نماز پڑھ لی گئی تھی۔ اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی اور اللہ کے رسولؐ نے یہ بھی فرمایا کہ تمہاری نماز درست ہو گئی (قد مضت صلاتكم) درایہ بر حاشیہ ہدایہ صفحہ ۸۰ ج ۱۔ (۳) ہدایہ صفحہ ۸۰ ج ۱۔

ہوگا بشرطیکہ یہ معلوم ہو جائے کہ بالکل قبلہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھ لی گئی تھی۔ قبلہ سے تھوڑا سا داہنی یا بائیں جانب رخ ہٹا رہا تو نماز کا لوٹانا ان کے نزدیک بھی ضروری نہیں جیسا کہ بدائع میں ہے۔

وإن ظهر أنه صلى مستدبر الكعبة يجزيه عندنا وعند الشافعي لا يجزيه[1]

اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کعبہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھی تھی تب بھی ہمارے نزدیک اسکی نماز ہو جائیگی اور امام شافعی کے نزدیک نہیں ہوگی۔

فقہ شافعی کی معتبر کتاب مہذب میں بھی تقریباً یہی حکم۔ لبتہ زیادہ عمومی انداز میں۔ بیان کیا گیا ہے۔

وإن صلى إلى جهة ثم بان له أن القبلة في يمينها أو شمالها لم يعد لأن الخطأ في اليمين والشمال لا يعلم قطعا ولا ينقض به الاجتهاد۔[2]

نماز پڑھ چکنے کے بعد اگر یہ معلوم ہوا کہ قبلہ سے داہنے یا بائیں جانب پڑھ لی گئی ہے تو نماز نہ لوٹائے۔

یہاں یہ بتا دینا غالباً بے محل نہ ہوگا کہ کعبۃ اللہ سے دور کے نمازیوں کا اگر سمت کعبہ سے تھوڑا سا رخ پھر جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے بھی اپنے مجموعہ فتاویٰ میں یہ صراحت کر دی ہے۔

لو كان منحرفا انحرافا يسيرا لم يقدح ذلك في الاستقبال[3]

تھوڑا سا رخ بدل جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(اور یہ تصریح دوسرے علماء کے کلام میں بھی ملتی ہے) لیکن اتنا رخ نہ پھرے کہ کعبہ کی طرف پیشانی کا کوئی بھی حصہ نہ رہے۔ اگر پیشانی کے کسی بھی حصہ کا رخ کعبۃ اللہ کے محاذات میں رہے تو نماز صحیح ہو جائیگی[4]

---

(۱) بدائع ص ۱۱۹ ج ۱ - (۲) مہذب ص ۶۸ ج ۱ - (۳) مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۲۱۶ ج ۲۲ - (۴) شامی ص ۲۸۸ ج ۱

حاصل کلام یہ کہ جس شکل میں جو سمت قبلہ قرار دی گئی ہے اسی کی طرف نمازی کا رخ ہونا ضروری ہے۔ اگر غلطی معلوم ہو جانے کے بعد بھی صحیح سمت کی طرف رخ کرکے نماز نہیں پڑھی تو نماز ادا نہ ہوگی۔ اس لئے صحیح سمت کی طرف رخ کرکے دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہوگا (معمولی سا انحراف قابل معافی ہے) اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ غلط سمت کی طرف اگر کہیں مسجد بن گئی ہے تو اس کو صحیح کرنا ضروری ہے، اگر بالفرض کسی وجہ سے تعمیر میں ایسی تبدیلی کرنا مشکل ہو تو نمازیوں کو نماز بہرحال صحیح رخ پر پڑھنا چاہئے۔ اور عام نمازیوں کو اس پر متنبہ اور متوجہ رکھنے کے لئے کوئی مستقل انتظام کرنا ضروری ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک مخلص بندہ (حاجی محمد یعقوب صاحب مرحوم)

بمبئی شہر کا کسی زمانہ میں اہل بدعت کے اثر سے یہ حال تھا کہ علماء دیوبند کا نام لینا اور ان کے ساتھ تعلق ظاہر کرنا خطرہ کو دعوت دینا تھا، پھر مختلف حضرات کی اصلاحی کوششوں اور سب سے زیادہ عومی دعوت و تبلیغ کی مسلسل محنت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے فضا ایسی بدلی کہ کہا جا سکتا ہے کہ وہاں کے قریباً تمام ہی باشعور مسلمانوں کا تعلق اہل حق اور علمائے حق سے ہے اور ان میں ایسے اصحاب صلاح بھی ہیں جن کے متعلق گمان کیا جاتا ہے کہ وہ خاصان خدا میں سے ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک انھیں میں اللہ کے ایک مخلص بندے اور ہمارے مخلص دوست مرحوم مغفور حاجی محمد یعقوب صاحب بھی تھے۔ دیکھنے میں وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ تھے جس پر کھال منڈھی ہوئی تھی اور گزر بسر کے لیے ایک چھوٹی سی دکان تھی لیکن دن اور رات کے بڑے حصہ میں فی سبیل اللہ اتنے کام انجام دیتے تھے کہ مجھ جیسے چار آدمی بھی مشکل ہی سے انجام دے سکتے۔ ان کے کسی دوست نے ان کو فارغ اور آرام کرتا ہوا شاید ہی کبھی دیکھا ہو۔ ہمہ وقت دینی کاموں اور اہل دین کے کاموں میں مشغول رہتے۔ دوکان پر بیٹھنے کا زیادہ وقت بھی انھیں کاموں میں صرف ہوتا۔ عبادت اللہ کے بندوں کی (خاص کر حاجیوں اور تبلیغی کام کرنے والوں کی) خدمت، دین کی محنت، معاملہ فہمی اور حسن انتظام جیسی صفات کا ایسا جامع انسان میں نے نہیں دیکھا۔ اس عاجز کے نزدیک وہ اللہ کے اُن بندوں میں سے تھے جن کو نہ کوئی "حضرت" کہتا ہے، نہ اُن کو کوئی شیخ و مرشد کی حیثیت سے جانتا ہے لیکن امید ہے کہ انشاء اللہ آخرت میں معلوم ہوگا کہ ان کا مقام و درجہ کیا ہے۔ ایسے ہی بندگان خدا اس امت کا جوہر ہیں۔

اس ماہ اگست کی ۱۰ تاریخ کو حاجی صاحب اس دنیا سے عالم آخرت کی طرف منتقل ہو گئے، آخری وقت کا جو حال ان لوگوں نے بیان کیا اور لکھا ہے جو اس وقت ان کے پاس تھے وہ بڑا ہی قابل رشک اور لائق شکر ہے۔ آسمان کی طرف دیکھ کر ہنسے، کلمہ شریف پڑھا اور رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ اس عاجز کے لئے اگر سفر مشکل نہ ہوتا تو ان کے اہل و عیال کی تعزیت کے لئے بمبئی کا سفر کرتا۔ ناظرین کرام سے اپنے خصوصی تعلق کے واسطے سے بھی دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

محمد منظور نعمانی

رہنمائے تلاوت

از سید محمود حسن صاحب مرحوم

میری دلی خواہش اور قرآن پاک کی تلاوت کا شوق رکھنے والے ہر مسلمان بھائی سے اپیل اور گزارش ہے کہ وہ تلاوت میں غلطیوں سے بچنے کے لئے اس کتاب کو ضرور پڑھیں اور اس سے رہنمائی حاصل کریں۔ ——— (حضرت مولانا محمد منظور نعمانی۔ پیش لفظ

بلاشبہ قرآن کریم کو تجوید کے قواعد کے مطابق پڑھنا ضروری ہے ——— لیکن ہمارے برصغیر کے اکثر عوام ان قواعد سے اور ان کی اہمیت سے ناواقفی کی وجہ سے قرآن مجید کی تلاوت میں بہت غلطیاں کرتے ہیں جو بسا اوقات بہت سنگین ہوتی ہیں۔

اردو میں اب تک اس سلسلہ میں ایسی کوئی کتاب نہیں لکھی جسے پڑھ کر عوام خصوصًا اسکولوں، کالجوں میں تعلیم یافتہ حضرات ان قواعد کو سیکھ سکتے ——— بہرائچ کے سید محمود حسن صاحب مرحوم کو اللہ نے یہ توفیق دی اور انھوں نے ایک کتاب اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے تصنیف کی۔ اس کتاب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ حروف والفاظ یا حرکات کی آوازیں سمجھانے کے لئے ہندی اور انگریزی سے بھی مدد لی گئی ہے۔ زبان بہت سادہ ہے جسے بقول مصنف "معمولی پڑھے لکھے بچے، جوان بوڑھے اور ہندی ذریعہ تعلیم کے پڑھے ہوئے انگریزی داں نوجوان اور موجودہ طالب علم سب ہی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اسی طرح عام حافظ صاحبان مساجد کے امام اور مکاتب و مدارس میں قرآن شریف پڑھانے والے حضرات کے لئے بھی یہ کتاب نہایت ضروری ہے۔

پیش لفظ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کے قلم سے ہے ——— فوٹو آفسیٹ کی طباعت کے ساتھ اعلا کاغذ پر عنقریب شائع ہو رہی ہے۔

ضخامت ۱۶۸ صفحات ـ سائز ۱۸×۲۲/۸   قیمت ـ بارہ روپے صرف

Regd No. LW/NP-62

Monthly 'ALFURQAN' 31, Naya Gaon West Lucknow-226018

VOL. 50 NO. 7, 8 JULY, AUGUST 1982 Phone: 45547

ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
خصوصی اشاعت
بیادگار
ولادت ۱۳۱۵ھ
وفات ۱۴۰۲ھ
شیخ الحدیث حضرت مولانا
رحمۃ اللہ علیہ
محمد زکریا
مدیر مسئول
حضرت مولانا
محمد منظور نعمانی
مرتب
خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

پچاسویں جلد کا آخر شمارہ
ستمبر تا دسمبر ۱۹۸۲ء مطابق ذیقعدہ ۱۴۰۲ تا صفر ۱۴۰۳ھ
ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
خصوصی اشاعت بیاد گار
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ
مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
مرتب
خلیل الرحمن سجاد ندوی
۱۸ روپے
سالانہ چندہ
اس خصوصی اشاعت سے خریداری قبول کرنیوالوں کے لئے ۳۳/-
پاکستان بیرونی ممالک کے حضرات اندر ملاحظہ فرمائیں
سالانہ چندہ
جنوری ۸۳ء یا اس کے بعد خریداری قبول کرنے والوں کے لئے ۲۰/-
اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو
اس کا مطلب ہے آپ کی خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی پی روانہ کیا جائے گا۔ منیجر
دفتر ماہنامہ الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی نظیر آباد لکھنؤ

فہرست مضامین

افتتاحیہ — اور — کلمۂ شکر

——— از حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات

اس وقت جبکہ یہ سطریں سپردِ قلم کی جارہی ہیں، ۱۴۰۳ھ کا پہلا مہینہ محرم الحرام ہے۔ اب سے ٹھیک پچاس سال پہلے "الفرقان" بریلی سے جاری ہوا تھا، اور ۱۳۵۳ھ کے اسی مہینے محرم الحرام میں اس کا پہلا شمارہ شائع ہوا تھا۔ یہ عاجز انشا پردازی اور مضمون نگاری کے میدان میں اپنی بے صلاحیتی اور درماندگی سے جو بخوبی اچھی طرح واقف ہے اور اپنی بے سروسامانی کی وہ حالت بھی پوری طرح یاد ہے جس میں اس کے اجراء کا فیصلہ کیا گیا تھا، اس لئے کامل نصف صدی تک اس کے زندہ اور جاری رہنے کو اس خداوند قادر و کریم کی قدرت و رحمت کا معجزہ ہی سمجھتا ہے، جس کی شان ہے یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ فلک الحمد یا ربی ولک الشکر۔

پچاس سال کی اس طویل مدت میں راقم سطور کے قلم سے اندازہ ہے کہ دس ہزار صفحات تو ضرور لکھے گئے ہوں گے، ان میں جو کچھ حق لکھا گیا اور دین کی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صحیح ترجمانی کی گئی اس کو رب کریم قبول فرمائے اور جو غلطیاں ہوئیں

ان کو معاف فرمائے اور ان کے ضرر سے اپنے بندوں کے قلوب کی حفاظت فرمائے
- إنّهٗ غفورٌ شکورٌ ۔

یہ خاص اشاعت تو "شیخ الحدیث نمبر" ہے اس لئے اس میں تو نہیں، لیکن اگر زندگی رہی اور اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو آئندہ کسی اشاعت میں ان شاء اللہ ذکر کیا جائے گا کہ انتہائی بے سروسامانی کی حالت اور مضمون نگاری کے فن سے قطعی نابلد ہونے کے باوجود اب سے نصف صدی پہلے کس خاص ضرورت اور داعیہ سے "الفرقان" کے اجراء کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ تاہم اپنے مخلص ناظرین کو اتنا اس وقت بھی بتلا دینے کو جی چاہتا ہے کہ جب وہ جاری ہوا تو اس کا خاص موضوع اس وقت کے خاص حالات میں دین حق کی حمایت، توحید و سنت کی دعوت، مشرکانہ رسوم و بدعات کے خلاف جدوجہد اور اہل بدعت خاص طور پر بریلوی حضرات کی طرف سے داعیان توحید و سنت پر ہونے والے حملوں کی مدافعت تھا ـــــ بریلی میں کوئی اچھا پریس نہیں تھا اس لئے اس کی کتابت تو بریلی میں ہوتی تھی اور میں خود کاپیاں لے کر چھپوانے کے لئے دہلی جاتا تھا ـــــ جب اس کے پہلے شمارہ کی کاپیاں لے کر دہلی پہونچا اور بعض دوستوں سے "جامعہ پریس" میں چھپوانے کا فیصلہ کر کے پریس کے اس وقت کے مالک خانصاحب عبداللطیف صاحب سے (جن سے پہلے سے بھی کچھ تعارف اور تعلق تھا) اس سلسلہ میں بات کی اور کاپیاں ان کو دینے لگا تو انھوں نے بڑے خلوص کے ساتھ فرمایا کہ مولانا! میری ایک حیثیت یہ ہے کہ میں یہ پریس چلا رہا ہوں، اس لحاظ سے مجھے چاہئے کہ میں آپ کا کام فوراً ہاتھ میں لے لوں اور آپ کا رسالہ چھاپ کر چھپائی آپ سے وصول کروں، لیکن مجھے آپ سے مخلصانہ تعلق بھی ہے اس لئے میں اپنے تجربہ کی بنا پر آپ کو مشورہ دینا ضروری سمجھتا ہوں ـــــ اس ایک ڈیڑھ سال میں کئی ایک دینی مذہبی رسالے نئے جاری ہوئے، میرے ہی پریس میں چھپتے تھے۔ کسی کے دو تین نمبر نکل سکے، کسی کے چار پانچ، کسی کے اس سے ایک دو زیادہ، اور پھر بند ہو گئے کیونکہ وہ لوگ اس سے زیادہ خسارہ برداشت نہیں کر سکتے تھے ـــــ اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس سرمائے کا اتنا انتظام ہے کہ دو تین سال تک رسالہ خسارہ کے ساتھ

جاری رکھ سکیں، تب تو آپ اس کو شروع کریں، اور اگر اتنا انتظام نہیں ہے تو اس کا خیال چھوڑ دیں۔ اس شمارہ کی کتابت پر جو کچھ خرچ آپ کر چکے بس اسی کا نقصان برداشت کر لیں ـــــ میں نے خاں صاحب کے اس مخلصانہ مشورہ کا شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس طرف سے اطمینان ہے۔ ـــــ خاں صاحب نے کاپیاں لے لیں اور دوسرے یا تیسرے دن میں چھپا چھپایا رسالہ لے کر بریلی واپس آگیا ـــــ اور واقعہ یہ تھا کہ میرے پاس صرف اتنا انتظام تھا کہ بس دو مہینے کے شمارے چھپ سکتے تھے ـــــ وہ توکل تو مجھے اب تک نصیب نہیں جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ـــــ "وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ" (جو بندہ اللہ پر توکل کرے اس کی کار برآری کے لئے اللہ کافی ہے) لیکن اس وقت بس اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید کر کے میں نے خاں صاحب سے وہ بات کہہ دی تھی ـــــ بہرحال الفرقان کا پہلا شمارہ پروگرام کے مطابق ماہ محرم میں شائع ہو گیا اس وقت صرف رسالہ کی کتابت، طباعت، کاغذ اور ڈاک کا خرچ تھا جو ساٹھ ستر روپے سے زیادہ نہ ہوتا تھا[1] اس کے سوا کوئی خرچ نہیں تھا۔ راقم سطور خود ہی اس کا ایڈیٹر تھا اور خود ہی محرر اور خود ہی چپراسی، میری ضروریات کا کوئی تعلق رسالہ سے نہیں تھا۔ (رسالہ ۴۸ صفحات کا ہوتا تھا اور سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا)۔

یہ پہلا شمارہ پانچ سو کی تعداد میں چھپوایا گیا تھا، یہ اپنے حلقۂ تعارف و تعلق میں کچھ حضرات کو نمونے کے طور پر بھیج دیا گیا، اس کے بعد اگلے مہینے صفر میں دوسرا شمارہ بھی خود دہلی جا کر اتنی ہی تعداد میں چھپوایا۔ وہ بھی ان ہی حضرات کو بھیج دیا گیا جن کو پہلا شمارہ گیا تھا ـــــ تیسرا شمارہ چھپوانے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ پر میں نے یہ بات بالکل ظاہر نہیں ہونے دی تھی کہ میں اس بے سروسامانی کی حالت میں رسالہ جاری کر رہا ہوں۔ وہ اس لائن سے بالکل واقف نہ تھے۔ وہ ایک تاجر اور زمین دار تھے، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ

---

[1] ملحوظ رہے کہ کاغذ کی قیمت، کتابت طباعت کی اُجرت اور محصول ڈاک میں اس وقت کے مقابلہ میں اتنا اضافہ ہو گیا ہے کہ جو کام اس وقت ساٹھ ستر روپے میں ہو جاتا تھا اب کم از کم ہزار بارہ سو میں ہو سکے گا۔

کی خاص توفیق سے دیندار بلکہ ذاکر شاغل تھے اور میرے ساتھ ان کو غیر معمولی شفقت و محبت تھی، اگر ان کو معلوم و محسوس ہو جاتا تو وہ بطیب خاطر مجھے اتنا عنایت فرما دیتے جو سال دو سال کے لئے کافی ہوتا۔ لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ صورت حال ان کے علم میں آئے ــــ اس موقع پر میں اس بات کے ذکر کو احسان شناسی کے تقاضے سے نامناسب نہیں سمجھتا کہ اس صورت حال اور اپنی ضرورت کا تذکرہ میں نے اپنی پہلی مرحومہ رفیقۂ حیات (مولوی عتیق الرحمٰن اور حفیظ الرحمٰن سلمہم اللہ تعالیٰ کی والدہ ماجدہ مرحومہ) سے کیا اور کہا کہ کیا تمہارے پاس کچھ روپے ہیں جو مجھے قرض دے سکو۔؟ (اللہ تعالیٰ ان کو اپنی خاص الخاص رحمت سے نوازے) انھوں نے کہا کہ ستر بہتر ہوں گے، اور اسی وقت نکال کر انھوں نے میرے حوالے کر دیئے ــــ انہی روپیوں سے میں نے دہلی جا کر ماہ ربیع الاوّل کا تیسرا شمارہ چھپوایا۔ اس کو کچھ زیادہ تعداد میں نمونے کے طور پر بھیجا گیا۔ اس کے بعد سے خریداروں کے منی آرڈر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسی رفتار سے آنے لگے کہ گاڑی کسی طرح چلتی رہی، اور مختلف احوال و ادوار سے گزرتے ہوئے آج اس سفر پر پورے پچاس سال ہو گئے۔ اس مدت میں بے شمار نشیب و فراز آئے۔ کئی کئی بار حالات کی ناسازگاری اور گوناگوں دشواریوں کی وجہ سے الفرقان کا اجرار بہت مشکل سا نظر آنے لگا ــــ یہ داستان بھی کافی سبق آموز ہے۔ شاید کسی آئندہ فرصت میں اپنے ناظرین کو سنانے کا موقع ملے۔

درمیان میں تقریباً پندرہ سال ایسے بھی گزرے کہ میری جگہ عملی طور پر مولوی عتیق الرحمٰن سلمہ اللہ تعالیٰ ہی اس کے مدیر اور ذمہ دار رہے۔ لیکن پھر جب مسلسل خرابی صحت کی وجہ سے وہ اس حال میں نہیں رہے[1] تو وہ ذمہ داری پھر مجھے سنبھالنی پڑی۔

اپنی عمر اور اپنے خاص حالات کی وجہ سے کئی سال سے الفرقان کا کام میرے لئے بہت

---

[1] مولوی عتیق الرحمٰن سلمہ کو اس خرابی صحت ہی کی وجہ سے لندن میں قیام کرنا پڑا ہے، وہ اب بھی وہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو لکھنے کی بہت اچھی صلاحیت دی تھی۔ میں تو جو کچھ لکھتا ہوں گویا زبردستی لکھتا ہوں ــــ یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید ۝

بار بار ہاتھا میں نے طے کرلیا تھا کہ اگر زندگی رہی تو زیادہ سے زیادہ بس اس وقت تک اس گاڑی کو کھینچتے رہنے کی کوشش کرتا رہوں گا جب تک الفرقان کی عمر کے پچاس سال پورے ہوں، اس کے بعد میں اپنے کو اس بار سے بہرحال سبکدوش کرلوں گا خواہ اس کی صورت یہی ہو کر اس کو بند کرنے کا فیصلہ کرنا پڑے ـــــ میرے سب سے چھوٹے لڑکے مولوی خلیل الرحمٰن سجاد سلمہ اللہ تعالیٰ، جو مدینہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، جب وہ اب سے دو ڈھائی سال پہلے تعطیل میں یہاں آئے تھے تو میں نے اپنے اس ارادے بلکہ فیصلے کا ان سے ذکر کیا انھوں نے رائے ظاہر کی کہ الفرقان" بند کرنے کے بارے میں نہ سوچا جائے۔ میں ان شاء اللہ سال ڈیڑھ سال بعد آجاؤں گا، پھر یا تو الفرقان کا کام اپنے ذمے لے لوں گا یا شاید اللہ تعالیٰ کوئی اور بہتر انتظام فرما دے۔ چنانچہ گزشتہ ماہ رجب میں وہ آ گئے، اور اس وقت سے الفرقان کی ترتیب و تیاری کا کام وہی کر رہے ہیں۔

یہ شیخ الحدیث نمبر

ہمارے اکابر و اسلاف کی صف کی آخری شخصیت مخدومنا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کے وصال کے چند روز بعد ہی کے دل میں الفرقان کی اس خاص اشاعت کا داعیہ پیدا ہوا، پھر کچھ اور احباب و مخلصین کی طرف سے اس کی فرمائش آئی مجھے تجربہ ہے کہ اس طرح کی خاص اشاعتوں کے لئے کتنا کام کرنا پڑتا ہے اور کیسی کیسی مشکلات پیش آتی ہیں، اس لئے میں تو ہمت نہیں کر سکتا تھا، انھوں نے ہی بنام خدا اس کا فیصلہ کیا ـــــ اپنے لئے میں نے سوچا تھا کہ حضرت شیخ کی آپ بیتی" جو قریباً ساڑھے سولہ سو صفحات پر سات حصوں میں شائع ہو چکی ہے (اور میرا خیال ہے کہ وہ کتابی شکل میں حضرت کی پوری زندگی کی گویا فلم ہے) اس نمبر کے لئے میں بس اس کے انتخاب اور تلخیص کا کام کروں گا تاکہ جن لوگوں سے یہ توقع نہیں کہ وہ آپ بیتی" کے سات حصوں کا مطالعہ کر سکیں وہ کم از کم اس انتخاب اور تلخیص ہی کے ذریعہ اس نادرۂ روزگار عظیم و مقبول شخصیت کی زندگی کی کچھ جھلک دیکھ لیں ـــــ یہ شعبان کا مہینہ تھا، میں نے سوچا تھا کہ ان شاء اللہ رمضان مبارک

کے بعد اطمینان سے انتخاب وتلخیص کا یہ کام کروں گا ـــــ لیکن غالباً اوائل رمضان المبارک ہی میں لندن سے مولوی عتیق الرحمٰن کا خط آیا، جس سے معلوم ہوا کہ شیخ الحدیث نمبر کے سلسلے میں انھوں نے اپنے لئے یہی کام تجویز کیا ہے۔ مجھے اس لئے بھی خوشی ہوئی کہ یہ لمبا کام مجھے نہیں کرنا پڑے گا، اور اس لیے بھی کہ مجھے یقین تھا کہ تلخیص و انتخاب کا کام وہ مجھ سے بہت اچھا کریں گے۔ وہ اس سے پہلے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے رفیق خاص مہاجر و مجاہد ظفر ایبک کی "آپ بیتی" اور مرحوم قاضی محمد عدیل عباسی صاحب کی کتاب "تحریک خلافت" کی تلخیص کا کام بہت اچھا کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کام کا خاص سلیقہ بخشا ہے ـــــ اُن کی اس اطلاع کے بعد میں مطمئن ہو گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ کافی عرصہ کے بعد جبکہ خیال تھا کہ وہ انتخاب و تلخیص کا کام بہت کچھ کر چکے ہوں گے اور عنقریب بھیجنے والے ہوں گے۔ ان کا خط آیا کہ اس درمیان میں میری طبیعت مسلسل ایسی ناساز رہی کہ میں کام شروع بھی نہیں کر سکا، اور اب بھی ایسا ہی حال ہے، مجھے امید نہیں ہے کہ اب میں اس کو وقت پر تیار کر کے بھیج سکوں گا ـــــ ان کی اس اطلاع کے بعد پھر میں نے خود ہی اس کے کرنے کا فیصلہ کیا۔ میرا خیال تھا کہ پوری آپ بیتی کے منتخب اقتباسات پچاس ساٹھ صفحات میں آجائیں گے لیکن ہوا یہ کہ بہت سی ایسی چیزوں کو چھوڑ دینے کے باوجود جن کو لینے کو جی چاہتا تھا، آپ بیتی کے سات حصوں یا سات نمبروں میں سے صرف چار اور پانچویں کے کچھ حصے کا انتخاب تقریباً اسّی صفحات پر آیا ہے جو اس نمبر میں ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں گے۔ (جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ ان شاء اللہ بعد میں کسی وقت شائع ہو سکے گا)۔

اس خاص اشاعت "شیخ الحدیث نمبر" کے کاموں میں اس عاجز کا حصہ بس اتنا ہی ہے کہ آپ بیتی کے انتخاب و تلخیص کے اوراق لکھ کر حوالے کر دیئے۔ باقی ترتیب وغیرہ کا سارا کام ـــ مولوی خلیل الرحمٰن سجاد سلمہٗ ہی نے کیا ہے۔ دوسرے حضرات کے جو مضامین شائع ہو رہے ہیں ایک دو کے سوا ان میں سے کسی کو یہ عاجز خود دیکھ بھی نہیں سکا، ان شاء اللہ عام ناظرین کرام کی طرح راقم سطور بھی شائع ہونے کے بعد ہی ان کا مطالعہ اور ان سے استفادہ کر سکے گا۔

ـــــ دعا ہے اور ناظرین کرام سے بھی اس دعا کی استدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے

اور اس کے مطالعہ سے اس کے بندوں میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے اعمال و اخلاق اور صفات حسنہ کی پیروی کا جذبہ پیدا ہو۔
آخری کلمہ اللہ تعالیٰ کی حمد وشکر ہے اور ہر قسم کی معصیتوں اور خطاؤں سے استغفار۔

ایک ضروری اطلاع اور گزارش

راقم سطور کی طرف سے گزشتہ چند برسوں میں بار بار اس کا اظہار و اعلان کیا جاتا رہا ہے کہ الفرقان اور کتب خانہ الفرقان کے انتظامی اور دفتری معاملات سے اب میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا دفتری اور انتظامی معاملات سے متعلق خط وکتابت ان کے منتظم (منیجر) ہی سے کی جائے ــــ اس کے باوجود بہت سے حضرات ان معاملات سے متعلق خطوط بھی اس عاجز کو لکھتے ہیں اور ان میں ایسی باتیں بھی لکھ دیتے ہیں جن کے جواب میں مجھ کو خط لکھنا اخلاقاً ضروری ہو جاتا ہے جو میری موجودہ حالت میں میرے لئے آسان نہیں ہے۔ لہٰذا آج پھر گزارش ہے کہ احباب کرام اس کا لحاظ فرمائیں اور اس کے بارے میں مجھے معذور سمجھیں۔

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اب سے کئی سال پہلے سے (جبکہ یہ عاجز سخت مریض ہوا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے شفاء اور زندگی بخشی، لیکن ایک درجہ میں معذور ہو گیا ہوں) دل پر اس کا سخت تقاضہ تھا کہ الفرقان اور کتب خانہ الفرقان کے انتظامی اور مالی معاملات سے اپنے کو بالکل فارغ الذہن اور ہر طرح کی مسئولیت سے سبکدوش کر دوں۔ چنانچہ میں نے بیع کے ایک معاہدہ کے تحت ان دونوں کی ملکیت ان ہی عزیزوں (محمد حسان نعمانی اور مولوی خلیل الرحمن سجاد ندوی) کو سپرد کر دی جن کے سپرد انتظامی و ادارتی ذمہ داری ہے ــــ لہٰذا الفرقان اور کتب خانہ الفرقان کے انتظامی، دفتری اور باقی سب معاملات سے متعلق اس عاجز سے کوئی خط وکتابت نہ کی جائے، براہ راست منیجر ہی کو لکھا جائے اور الفرقان کے مضامین وغیرہ کے بارہ میں بھی خط وکتابت مولوی خلیل الرحمن سجاد سلمہم اللہ تعالیٰ ہی سے کی جائے ــــ اس عاجز کے لئے جب تک ممکن ہوا اور اللہ تعالیٰ نے توفیق دی، "درس قرآن" اور "معارف الحدیث" وغیرہ کا سلسلہ انشاء اللہ جاری رہے گا۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ
۲۷ رمحرم الحرام ۱۴۰۳ھ
(۱۶ر نومبر ۱۹۸۲ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

خلیل الرحمٰن سجّاد ندوی

انسان کی فطرت ہے کہ وہ زندگی کے جس شعبہ کو اختیار کرے، اس میں کمال حاصل کرنے کے لئے اسے اس شعبہ کے ماہرین کی صحبت اور عملی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ صرف کتابی اور نظریاتی معلومات سے کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس فطری حقیقت کا مشاہدہ اپنے محدود سے محدود دائرہ کار میں ہر شخص صبح شام کرتا رہتا ہے۔

اس دُنیا میں انسان کو جو ذمہ داریاں انجام دینا ہوتی ہیں، ان میں سب سے زیادہ نازک، مشکل اور ضروری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ایسے طریقہ پر زندگی گزارے جس سے اس کے اپنے اندر پوشیدہ خیر کا پہلو اس کے اپنے اندر دل میں چھپے ہوئے شر کے پہلو پر مستقل طور پر غالب آجائے، اور وہ عالم آخرت میں ــ جو سارے وجود کا مقصود حقیقی ہے ــ کامیاب ہو کر جنت میں جانے کے لائق ہو جائے۔

یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جس سے کوئی انسان مستثنیٰ نہیں، خواہ وہ کسی طبقہ، برادری، خاندان یا پیشہ سے تعلق رکھتا ہو، اس لئے کہ یہ ہر انسان کی اپنی ضرورت ہے ــــ ایمان و یقین، نماز و روزہ، زکوٰۃ و حج، حُسنِ اخلاق و معاشرت، امانت و دیانت، دعوت و جہاد، تفکر و تدبر، ذکر و تسبیح۔ یہ سب اعمال و احکام اور پورا دینی نظام درحقیقت اسی ذمہ داری کی ادائیگی کے صحیح طریقہ کی طرف اس کی رہنمائی ہی کے لئے ہے۔

اس ذمہ داری کی اسی اہمیت اور انسان کے مذکورہ بالا فطری مزاج ہی کی وجہ سے، جس میں زمان و مکان کے تغیر سے کوئی فرق نہیں آیا کرتا، اللہ تعالیٰ نے اس نظامِ حیات کی طرف انسانوں کی رہنمائی کے لئے جہاں کتابوں اور صحیفوں کو نازل فرمایا وہیں ہزاروں منتخب انسانوں کو نبی و رسول کی حیثیت دے کر انسانوں کی تربیت کے لئے

مبعوث فرمایا ـــــ وجہ ظاہر ہے کہ یہی ہے کہ تربیت کے لئے کتاب اور انسانی نمونہ دونوں ضروری ہیں ہونا یہ چاہئے کہ کتاب اللہ کے اصولوں پر انسانوں کو پرکھا جائے اور جو اس معیار پر پورے اُتریں ان سے اس کے مفہوم اور پیغام کو سیکھا جائے۔

انسانوں میں سب سے زیادہ مکمل جامع اور معتدل و متوازن نمونہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ ہے۔ قیامت تک آنے والے انسانوں میں جس کی زندگی اس نمونہ سے جتنی قریب ہوگی سعادت و کامیابی اس سے اتنی ہی قریب ہوگی، اور آپ کے بے شمار معجزات اور دلائل نبوت میں سے ایک خود آپ کی سیرت مبارکہ بھی ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ، معاشرہ کا کوئی طبقہ اور انفرادی و اجتماعی زندگی کو پیش آنے والا کوئی حال ایسا نہیں جس کے بارے میں آپ کی زندگی کے صرف ۲۳ سالہ دورِ نبوت میں کامل ترین عملی نمونہ موجود نہ ہو۔ آپ کی سیرت مبارکہ سے سب سے زیادہ قریبی شباہت و مناسبت صحابۂ کرام کو حاصل ہوئی، جنھوں نے اپنی زندگی کے ایک ایک گوشہ کو آپ کی سیرت کی روشنی سے خوب خوب منور کیا، اور آپ کی ہر صفت کو اپنی زندگیوں میں اتارا ـــــ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک تاریخی اور فطری حقیقت ہے کہ سب صحابۂ کرام ذوق و مزاج اور طبعی میلان و رجحان کے لحاظ سے سو فیصد یکساں نہیں تھے، کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت خالد بن ولید اور حضرت حسان بن ثابت کا ذوق بالکل ایک تھا، یا حضرت معاویہ اور حضرت ابوذر غفاری ایک رنگ تھے؟ اسی طرح کون یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص اور حضرت ابوہریرہ کے مزاج میں کوئی فرق نہ تھا، کیا اس حقیقت سے انکار ممکن ہے کہ ثالث ثلاثہ" حضرت عمر فاروق۔ "ثانی اثنین" حضرت ابوبکر صدیق کے مزاج میں نمایاں فرق تھا ـــ؟ پھر کیا خود حضرت عمر کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر اپنے عالی مقام والد ماجد سے کچھ جدا ذوق نہیں رکھتے تھے؟ اور کیا اسی طرح حضرت حسن و حضرت حسین کے مزاج میں کچھ فرق نہ تھا؟ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ و تابعین سے روایت کئے جانے والے بیشتر تفسیری اقوال کے اختلاف کے بارہ میں کہا ہے کہ یہ اختلاف عموماً "اختلاف تنوع ہے" اختلاف تضاد نہیں" ـــــ ناچیز راقم سطور کے خیال میں یہی بات صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے علماء و مصلحین کے ذوق و مزاج کے اختلاف کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ذوق و مزاج کا یہ اختلاف ایک فطری حقیقت ہے

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست!

کامیاب ہے وہ شخص جس نے اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے سب کا احترام، سب کی قدر اور سب سے استفادہ کیا،

جس سے جو ملا وہ لے لیا اور اس کا ممنون ہوا، جو نہیں ملا اس کی شکایت میں اور اس انتظار میں کہ جہاں سب کچھ یکجا ملے گا وہیں سے لوں گا عمر عزیز ضائع نہیں کی، اور نہ بڑوں کے ذوقی و نظریاتی اختلافات میں حق و ناحق کے فیصلے کے نازک اور بسا اوقات بے فائدہ کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور وہ لوگ اعتدال سے ہٹ گئے جنھوں نے کسی ایک شخصیت یا حلقہ سے محبت و وابستگی کے دھوکے میں دوسری شخصیات کی تحقیر و تنقیص کی روش شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنالی۔ اس کا نتیجہ اگر کچھ نکلا تو یہی کہ ایسے لوگ خیر کثیر سے محروم رہ گئے اور حلقہ بندیوں اور گروہ بندیوں کے مہلک اثرات کی زد میں خود بھی آئے اور اس زہر کو اُمت کے بیمار جسم میں اور زیادہ پھیلانے کا سبب بھی بنے۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ان سطور کے لکھتے وقت راقم سطور کے ذہن میں کوئی مخصوص حلقہ یا گروہ نہیں ہے۔ ہمیں یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ یہ کمزوری ——— درجات کے فرق کے ساتھ ——— اکثر حلقوں میں پائی جاتی ہے۔

تربیت کے لئے عملی نمونوں کی ضرورت کی وضاحت، ایسے انسانوں کی خدمات کا اعتراف اور تذکرہ و تعارف اور شخصیات کے بارہ میں معتدل موقف کی دعوت، یہ تینوں عناصر الفرقان کے مزاج و مسلک اور اس کی دعوت کے اہم اجزاء ترکیبی ہیں۔ اس موقع پر ۵۰ سالہ زندگی میں اس کے صفحات پر شائع ہونے والے بے شمار مضامین کے علاوہ خاص طور پر حضرت مجدد الف ثانی، حضرت امام ولی اللہ دہلوی، حضرت شاہ اسمٰعیل شہید، حضرت مولانا محمد الیاس اور حضرت مولانا محمد یوسف (رحمہم اللہ) کی خدمات کے تعارف کے لئے شائع کی جانے والی خصوصی اشاعتوں کا حوالہ دیا جاسکتا ہے ——— علاوہ ازیں حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی، حضرت خواجہ باقی باللہ، حضرت خواجہ محمد معصوم، حضرت سیّد احمد شہید، حضرت گنگوہی اور حضرت تھانوی وغیرہ اکابر علماء و مشائخ کے تذکرے کا شرف بھی الفرقان کو وقتاً فوقتاً حاصل ہوتا رہا ہے۔

اسی زریں سلسلہ کی اس دور کی ایک عظیم المرتبت شخصیت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ کی تھی۔ ان کی حیات میں ان کا ذکر خیر الفرقان کے صفحات کی زینت بنتا رہا۔ یکم شعبان ۱۴۰۲ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ اس کے چند دن بعد میرے دل میں یہ خیال آیا کہ حضرت کی شخصیت، خدمات اور صفات و امتیازات کے تعارف کے لئے الفرقان کی ایک خصوصی اشاعت شائع ہونا چاہیے ——— اس خیال کو اس احساس

سے تقویت ہوئی کہ مختلف المزاج شخصیات اور حلقوں کے بارے میں جس متوازن طرزِ عمل کی ضرورت کے بارے میں ابتدائی سطروں میں عرض کیا گیا، اور جو اُمت کی اہم ضرورت ہے، اس کی بڑی واضح مثال حضرت شیخ کی زندگی میں ملتی ہے ــــ چنانچہ میں نے یہ خیال حضرت والد ماجد مدظلہٗ کی خدمت میں عرض کیا۔ انھوں نے فوراً اس سے اتفاق فرمایا۔ لیکن اس حکم کے ساتھ کہ اس کی ترتیب کی ذمہ داری تمھیں ہی انجام دینی ہوگی۔" فوری طور پر تو میرے دل میں یہی خیال آیا کہ کہاں اس عظیم المرتبت شخصیت کے متعلق خصوصی اشاعت کی ادارت کا بارِ گراں، اور کہاں اس ضعیف و عاجز کا دوشِ ناتواں! مگر پھر بعد میں اپنے لئے اس حکم کی تعمیل کو خاص طور پر باعثِ سعادت ہونے کا شعور اور اسی نیت سے اپنی بساط بھر انجام دینے کا عزم توفیقِ الٰہی نے دل میں آمادہ کیا، پھر بھی یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ ؏

اس حوصلے کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

اس خصوصی اشاعت میں شامل مضامین کو تین عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔ (۱) سوانح حیات اور صفات و امتیازات (۲) حضرت شیخ۔ ایک عالم و محدّث، (۳) حضرت شیخ ایک عارف و مصلح۔

پہلے عنوان کے تحت سب سے پہلے آپ مخدوم گرامی جناب مولانا نسیم احمد فریدی امروہی مدظلہٗ کا مضمون ملاحظہ فرمائیں گے جس میں نہایت اختصار کے ساتھ مولانا موصوف نے حضرت شیخ کی سوانح حیات کے اہم واقعات کو مرتب فرمایا ہے۔

برصغیر کے علماء و مشائخ کی تذکرہ نویسی مولانا کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ اس باب میں مولانا کی ذات مرجع اور سند کی حیثیت رکھتی ہے شدید ضعفِ بصر کی وجہ سے خود لکھنے پڑھنے سے معذوری کے باوجود مولانا الفرقان کے لیے برابر لکھتے رہتے ہیں۔ حضرت شیخ سے تو مولانا کو عقیدت و محبت ہی نہیں، ارادت و خلافت کا بھی تعلق تھا ــــ ناظرین کرام بھی مولانا کی صحت و عافیت اور حیات میں برکت کے لئے دعا فرمائیں ــ

اس کے بعد جناب مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کا مبسوط مضمون ہے جس میں بڑے علمی اور تحقیقی انداز سے نسب نامہ شیخ کے متعلق بعض مشہور اغلاط کی تصحیح کی گئی ہے۔ مضمون کے مطالعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس مضمون کی تیاری میں کتنی عرق ریزی سے کام لیا گیا ہے۔

اس کے بعد آپ حضرت والد ماجد مدظلہٗ کے قلم سے حضرت شیخ الحدیث کی آپ بیتی کی انتخاب و تلخیص ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس کے متعلق آپ خود انہی کی زبانی "افتتاحیہ" میں سُن چکے ہیں، لیکن یہاں اپنے اس

تاثر کا اظہار کیے بغیر نہیں رہا جاتا کہ اس سرگذشت کا ایک ایک لفظ دل میں اُترا جاتا ہے۔ کہیں حضرت شیخ کی قربانیوں، زہد و قناعت اور ایک مدرسہ سے وابستگی کو ـــ اور وہ بھی مخصوص طرز کی ـــ دوسری دوسری ساری پیش کشوں کے سامنے لائق توجہ ہی نہ سمجھنے کا عظیم کردار سامنے آتا ہے، اور یہیں سے ان عظیم کامیابیوں کا اندازہ بھی مل جاتا ہے جنھوں نے ان کے قدم چومے۔ اسی ضمن میں ان کے بچپن اور نوجوانی کے نازک دور میں اپنے والد ماجد کی سخت گیر طبیعت کو نہ صرف برداشت کرنے بلکہ اسے ایک عظیم احسان قرار دینے کا بلند کردار آتا ہے۔ اسی سرگذشت میں آپ یہ بھی پڑھیں گے کہ حدیث کی باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی تو اس شانِ عبدیت کے ساتھ کہ پڑھنے والا اور پڑھانے والے دونوں دُعاؤں میں لگ گئے۔ کیا خوب ہو کہ اس مثال کو ہم سب ـــ بالخصوص اساتذہ و طلبا ـــ ہر ایسے موقع پر یاد رکھیں کہ اسی طرح کی ادائیں ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچ لیا کرتی ہیں اور سعادت و فلاح کے بڑے بڑے فیصلے کروالیا کرتی ہیں ـــ دیرینہ تعلقات کا پاس و لحاظ، وضعداری اور واقعیت و حقیقت پسندی کی ایسی واضح مثال اس سرگذشت میں ہمارے سامنے آئی ہے کہ جب مجلسِ شوریٰ مظاہر علوم نے یہ فیصلہ کیا کہ مدرسہ کی نظامت دو حصوں (مالیات اور تعلیمات) میں تقسیم کر کے شعبہ تعلیمات کی نظامت حضرت شیخ کے سپرد کر دی جائے اور اس وقت کے ناظم عمومی حضرت مولانا عبداللطیف صاحب صرف مالیات کے ناظم رہیں تو حضرت شیخ نے صرف اس اندیشہ سے کہ اس سے شاید مولانا عبداللطیف صاحب کو ناگواری ہو، اور کہیں اس کی وجہ سے ان کے قریبی تعلق میں فرق نہ آجائے، اس تجویز کو قبول کرنے سے معذرت کر دی ـــ حقیقت یہ ہے کہ اس کردار کے بغیر اجتماعی کام دو دن نہیں نہیں چل سکتے، اور چلتے ہیں تو ایسے کر دلوں میں کدورت رہتی ہے۔ کاش! ہم اس سے سبق لیں۔

حوادث کے ذیل میں آپ حضرت شیخ کا یہ مزاج بھی دیکھیں گے کہ رسمی تعزیت سے بہت بُعد، صدمہ خواہ کیسا ہی شدید ہو، اللہ کے فیصلہ کے سامنے فوراً سر جھکا دینا اور فوری طور پر، دُعائے مغفرت، ایصالِ ثواب اور فکرِ آخرت کی طرف توجہ اور دوسروں کو بھی اسی طرف متوجہ ہونے کی تلقین۔

یہی سادگی اور تصنع و تکلف سے دُوری جو حضرت شیخ کا وصفِ راسخ تھا، تقریبات اور شادیوں میں بھی کارفرما نظر آتی ہے۔ اس پر غور کیجیے اور صحابہ کرام کے بارے میں کسی کہنے والے کے

اس قول کو دل میں تازہ کر لیجئے کہ وَأَقَلُّهُم تَكَلُّفًا" تکلّف ان کے اندر بہت کم تھا۔"

اس سرگزشت میں ان سب پُرکشش اوصاف کے تذکرہ کے بعد یہ تذکرہ بالکل صحیح جگہ پر آیا ہے کہ حضرت شیخ بڑان کے زمانہ کے علماء ربانیین کی کیسی عنایتیں اور شفقتیں تھیں! یہ کردار ہے ہی ایسی مقناطیسی کشش والا کہ صالحین کی محبت ومودت کو ہزاروں میل کے فاصلے سے کھینچ لے۔!

اس کے بعد آپ مخدومنا حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کا مضمون ملاحظہ فرمائیں گے جو حضرت مولانا مدظلہٗ کے قلم سے حضرت شیخ کی زیرتصنیف سوانح حیات کا ایک جزو ہے۔ اس مضمون کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ حضرت شیخ کی شخصیت کے کچھ ایسے اہم گوشے سامنے آئے ہیں جو غالبًا بہت سے لوگوں کے لئے نئے ہوں گے۔ حق کی شہادت میں اپنوں اور غیروں کا فرق کئے بغیر ایک ہی انداز، دردوالم، صراحت واستقامت اور قوت وعزیمت سے بھرپور، بے نفسی اور خلوص کے ساتھ، اور انسانی مزاج اور عصرِ حاضر کے رُخ کی صحیح تشخیص کرتے ہوئے صالحین سے محبّت واستفادہ، بزرگ، دین اور علم سے نسبت رکھنے والے ہر کام کی قدردانی، اپنے اکابر واسلاف کے ساتھ احسان شناسی اور مکمل وفاشعاری کا اور خدام واحباب کے ساتھ غیرمعمولی شفقت ومحبت کا تعلق، مدارس عربیہ سے گہرا شغف اور قلبی ربط۔ یہ ہیں وہ اہم گوشے جو اس مضمون سے پُوری وضاحت کے ساتھ سامنے آئے ہیں ____ اور اس کا یہ امتیاز الگ ہے کہ یہ سب حضرت شیخ کے مکتوبات ہی سے اخذ کیے گئے ہیں، اور کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا مدظلہٗ کے پاس ان کے نام حضرت شیخ کے جن تقریبًا چار سو خطوط کا انتہائی قیمتی ذخیرہ محفوظ ہے، اس مختصر اور انتہائی مفید مضمون میں ان کا عطر آگیا ہے۔

اس سلسلہ کا پانچواں مضمون جناب مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی مدظلہٗ کے قلم سے ہے۔ اس مضمون میں خصوصیت کے ساتھ ذات نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے حضرت شیخ کی والہانہ محبت، اتباع سنت کا غیرمعمولی اہتمام اور احادیث نبویہؐ کی خدمت پر روشنی ڈالی گئی ہے ____ اور آخر میں اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی مرجعیت ومحبوبیت کا تذکرہ اور آنکھوں دیکھا حال بھی ہے ____ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جن دنوں میں مولانا موصوف نے یہ مضمون لکھا، وہ ان دنوں اپنے جوان عمر داماد کے اچانک انتقال کے صدمہ سے دوچار تھے۔ ناظرین کرام مرحوم کے لئے مغفرت کی اور پسماندگان خصوصًا مولانا کی صاحبزادی صاحبہ کیلئے صبر ورضا کی توفیق کی دُعا فرمائیں۔

چھٹا مضمون استاذ گرامی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی زید مجدہ کے قلم سے ہے، اسمیں حضرت شیخ کی متعدد صفات و امتیازات کا تذکرہ ہے مثلاً علمی مشغولیت، دینی تربیت، اخلاق و محبت، مہمان نوازی، صبر و سکون اور فہم و فراست۔ اس مضمون کا اختتام بھی ان صفاتِ حسنہ کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے مقام محبوبیت کے تذکرہ پر ہوا ہے۔

اس کے بعد مولانا شمس تبریز صاحب کا مضمون ہے جس میں بڑے مدلل اور واضح انداز میں حضرت شیخ کے امتیازی وصف "وسعتِ قلبی اور توازن و اعتدال" کا تذکرہ ہے ضرورت ہے کہ اس مضمون کے مشتملات کو غور و تدبر سے پڑھا جائے اور یہی کشادہ دلی اور بلند نظری اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جس کے نتیجہ میں بقول مولانا شمس تبریز "حضرت شیخ الحدیث مختلف مذاق و مشرب کے معاصر علماء و مشائخ کی قدردانی، مرتبہ شناسی و حفظِ مراتب میں بھی بے نظیر تھے، جس کی وجہ سے متضاد طبائع کے بزرگ آپ کو اپنا معتمد علیہ اور متفقہ شخصیت سمجھتے تھے" ـــــ واقعہ یہ ہے کہ مختلف دینی اداروں اور "اخلاص کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی جو خدمت بھی کی جائے .... ان سب ہی کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھنے کے طرزِ عمل اور آپس کے نزاع اور ایک دوسرے کی آبروریزی کو انتہائی مہلک سمجھنے کے ساتھ ساتھ محض اختلافِ رائے کو مضر نہ سمجھنا" یہ سب وہ اوصاف ہیں جنھوں نے حضرت شیخ کو تاریخ کی ان شخصیتوں کی صف میں نمایاں مقام بخشا جنھوں نے اختلافات کی ظاہری اور مصنوعی ہیبت ناک شکل سے متاثر نہ ہونے بلکہ عملی طور پر ان کی خلیج کو پاٹنے کی سعی کرتے رہنے اور مختلف المزاج اشخاص سے بیک وقت استفادہ کرنے کا اسوہ قائم کیا، جو ولی اللہی طریقہ کا مابہ الامتیاز وصف ہے۔ مجھ جیسا ایک ادنیٰ مسلمان اگر حضرت کے اہل تعلق سے اسی روش پر استقامت اور اس طرزِ عمل کی ترویج و اشاعت کی سعی کی تمنا کرے تو امید ہے کہ اسے خلافِ ادب سمجھا جائیگا اور نہ اپنی حدود سے تجاوز!

اس سوانحی سلسلہ کا خاتمہ جناب افتخار احمد فریدی صاحب کے مضمون پر ہوا ہے جسمیں موصوف نے بڑے سادہ مگر موثر انداز میں حضرت کی بعض اہم صفات و خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے۔

دوسرے عنوان "حضرت شیخ ایک عالم و محدث" کے تحت تین مضامین ہیں، پہلا مضمون جناب مولانا تقی الدین ندوی مظاہری کا ہے۔ مولانا موصوف خود محدث کے جید عالم، ایک عربی یونیورسٹی میں حدیث کے استاذ

علم حدیث میں متعدد عربی اور اُردو کتابوں کے مصنف اور حضرت شیخ کے خاص تلامذہ اور متوسلین میں ہیں
علوم دینیہ خصوصاً حدیث کے اساتذہ و طلباء کے لئے یہ مضمون بڑے قیمتی فوائد پر مشتمل ہے۔ درس میں
حب رسول ﷺ اور سوز و گداز کی محسوس کیفیت، تمام ائمہ مجتہدین اور محدثین کرام کے ساتھ نہایت ادب و احترام
کا معاملہ، عربی الفاظ کا بامحاورہ ترجمہ، حشو و زوائد سے اجتناب کے ساتھ مسائل کا اجمالی ذکر، پھر تفصیلی تشریح
اور علمی نکات کے بیان کے ساتھ ساتھ تربیتی اشارے، حضرت شیخ کے درس کی خصوصیات بلاشبہ قابل تقلید ہیں۔

دوسرے مضمون میں جو مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے قلم سے ہے، فاضل مضمون نگار نے حضرت شیخ کی
دُواہم علمی تصنیفات کا جائزہ لیا ہے، اور بڑے معروضی انداز میں ان کی خصوصیات اور حضرت شیخ کے
طرز تصنیف پر روشنی ڈالی ہے۔

تیسرا مضمون استاذ گرامی مولانا برہان الدین سنبھلی زید مجدہ کے قلم سے ہے، جس میں مولانا موصوف نے
درس، تصنیف اور تربیت میں حضرت شیخ کے مخصوص طرز کا ذکر فرمایا ہے، بڑی وضاحت کے ساتھ حضرت
شیخ کی جامع علم و تربیت شخصیت کا تعارف اس مضمون سے ہوتا ہے۔ اس سے بلکہ ان تینوں مضامین کے
مطالعے سے امید ہے کہ حضرت کی زندگی کا وہ گوشہ ناظرین کرام کے سامنے بڑی حد تک واضح ہو جائے گا جس
کی وجہ سے بقول مولانا تقی الدین ندوی "زبان خلق نے نقارہ خدا بن کر انھیں شیخ الحدیث کا لقب دے کر خطاب عطا
کیا اور پھر یہ لقب ان کے اصل نام کا لازمی جزو اور اس کی علامت بن کر رہ گیا۔"

مولانا برہان الدین صاحب کے اس مضمون کے بعد تیسرا عنوان شروع ہوتا ہے "حضرت شیخ ایک
عارف و مصلح"۔ اس کے تحت سب سے پہلے آپ والد ماجد مدظلہ کے نام حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود گنگوہی
دامت برکاتہم کا ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیں گے جو انھوں نے والد ماجد کے نام ان کے اس خط کے جواب میں
بطور معذرت ارسال فرمایا تھا جس میں انھوں نے حضرت ممدوح سے حضرت شیخ کے متعلق کچھ تحریر فرمانے کی
درخواست کی تھی۔ اس معذرت نامہ میں نہایت عمیق اور بیش بہا نکات و معانی آگئے ہیں جن سے حضرت شیخ
کے مقام کی بھی وضاحت ہوتی ہے اور بہت سے حقائق کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے
ذکر شیخ شروع ہوتے ہی صاحب مکتوب کا قلم بے ارادہ ہی چل پڑا۔ خصوصیت سے اہل علم و ذوق حضرات
اس مکتوب سے انشاء اللہ خوب مستفید و محظوظ ہوں گے۔

اس کے بعد آپ حضرت شیخ کے ملفوظات کا ایک جدید انتخاب ملاحظہ فرمائیں گے۔

جیساکہ ناظرین الفرقان واقف ہیں، حضرت شیخ کے ملفوظات کے متعدد مجموعے آپ کی حیات ہی میں شائع ہو چکے تھے لیکن ہم نے ان مطبوعہ ملفوظات سے انتخاب کرنے کے بجائے غیر مطبوعہ ملفوظات کی اشاعت کو ترجیح دی ــــــ متعدد حضرات نے ملفوظات کے مجموعے ازراہِ عنایت ارسال کیے تھے، ہم ان سب کے ممنون ہیں۔ البتہ اشاعت کے لئے انتخاب ہم نے ایک ہی مجموعہ کا کیا ہے جو آپ ملاحظہ فرمائیں گے ــــــ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔

ملفوظات کے بعد آپ حضرت شیخ کے مکتوبات ملاحظہ فرمائیں گے۔ مکتوبات کے سلسلہ میں بھی ہماری یہی کوشش تھی کہ ان کا بھی جدید انتخاب ہی اس اشاعت میں شائع ہو، اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے غیر مطبوعہ مکتوباتِ شیخ کے متعدد مجموعے ہمیں حاصل ہو گئے، ایک گراں قدر مجموعہ تو ہمیں ان ہی مخلص بھائی نے بھیجا جنھوں نے ملفوظات کا مجموعہ ارسال کیا تھا۔ پھر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، کے نام حضرت شیخ کے خطوط کا ایک ضخیم اور بیش قیمت مجموعہ بھی راقم سطور کی نظر سے گزرا۔ پاکستان سے جناب نفیس الحسینی صاحب نے مولینا عبدالجلیل صاحب (برادر زادہ و خلیفہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ) کے نام حضرت شیخ کے مکتوبات کے مجموعہ سے انتخاب کر کے چند مکتوبات ارسال کئے۔ علاوہ ازیں مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کے نام مکتوبات کا مجموعہ بھی ان کے صاحبزادے مولانا سید محمد حمزہ حسنی کی عنایت سے ہمیں مل گیا تھا۔ اس اشاعت کی محدود گنجائش اور عام افادیت کے پیش نظر اس پورے ذخیرہ سے صرف چند منتخب مکتوبات آپ کے ملاحظہ کے لئے پیش کئے گئے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس اشاعت میں شائع ہونے والے متعدد مضامین میں حضرت شیخ کے بہت سے دوسرے مکتوبات بھی نقل کیے گئے ہیں۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس اشاعت میں شامل مکتوباتِ شیخ یا ان کے اقتباسات کی تعداد ۵۰ کے لگ بھگ ہے۔

ملفوظات و مکتوبات کے مطالعے سے آپ حضرت شیخ کی جامعیت، علمی مقام و مسلک، تزکیہ و تربیت میں ان کا طرز، توازن و اعتدال اور حکمت و تفقہ وغیرہ متعدد اوصاف کا براہ راست مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

اس عنوان کے تحت شائع ہونے والا تیسرا اور آخری مضمون، گویا مسک الختام برادر معظم مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کا وہ مضمون ہے جو انھوں نے ۳ سال قبل حضرت شیخ کے سفر برطانیہ کے بعد لکھا تھا جس میں اس دیارِ غیر میں حضرت شیخ کے قیام کے حالات اور اپنے تاثرات قلم بند کئے تھے۔ امید ہے کہ اس سے حضرت شیخ کی مصلحانہ زندگی کے آخری دور کا ایک ورق سامنے آجائے گا۔ بھائی صاحب مدظلہ، گزشتہ ۳،۴ ماہ

مسلسل زیادہ علیل رہے۔ اسی وجہ سے اس نمبر کیلئے لندن سے کچھ لکھ کر نہ بھیج سکے۔ امید ہے کہ اس مضمون سے یہ کمی بھی پوری ہوگی۔ ناظرین کرام سے ان کی صحت کے لئے دعاؤں کی درخواست ہے۔

اِس اشاعت میں بڑی کمی

عارف باللہ حضرت مولانا محمد اشرف خاں صاحب کے مضمون کی ہے حضرت والد ماجد مدظلہ نے رمضان المبارک ہی میں ان کو لکھ دیا تھا۔ جواب میں یہ اطلاع بھی مل گئی تھی کہ وہ مضمون تحریر فرما رہے ہیں ــــ اس کے بعد طویل عرصہ تک نہ مضمون ملا نہ کوئی اطلاع ملی، بالآخر لاہور سے بذریعہ فون اطلاع ملی کہ حضرت ممدوح کی شدید علالت کے باعث تاخیر ہوگئی، اب مضمون جلد ہی روانہ ہو جائے گا، چنانچہ پھر بڑے شوق کے ساتھ اس کا انتظار شروع ہوگیا ــــ ادھر پریس والوں کا یہ کہنا تھا کہ اگر آپ نے نومبر کے آخر تک تیار فلمیں نہ دیں تو پھر ہم ماہ دسمبر کے بعد ہی چھاپ سکیں گے ــــ باقی تمام مضامین کی کتابت ہو چکی تھی، مجبوراً آج یہ فیصلہ کیا گیا کہ اب مزید انتظار نہ کیا جائے کیونکہ کتابت شدہ کاپیوں کی فلم سازی کا کام دہلی میں ہونا ہے، اس کے لیے بھی کافی وقت درکار ہے۔ بہرحال واقعہ یہ ہے کہ ان کے مضمون کی کمی بہت محسوس کی جائے گی لیکن اللہ کی مشیت!

دو اور مضمون ایسے ہیں جن کے بارے میں ہمیں پوری توقع تھی اور جن کی کمی محسوس ہو رہی ہے، ایک مخدوم گرامی جناب مولانا سعید احمد اکبرآبادی مدظلہ کا تھا جو ہمارے ملک کے محکمۂ ڈاک کی خوش انتظامی کی نذر ہوگیا اور اپنی شدید مصروفیتوں اور مختلف ذمہ داریوں کی وجہ سے مولانا موصوف دوبارہ نہ لکھ سکے ــــ دوسرا مضمون حضرت شیخ کے اپنے اہل خانہ سے تعلق کے موضوع پر مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی صاحب کے قلم سے متوقع تھا، مگر اس اشاعت میں مولانا کا جو مبسوط مقالہ شائع ہو رہا ہے، اس کے لکھنے میں کافی وقت لگ گیا اور یہ دوسرا مضمون مکمل نہ ہو سکا انشاء اللہ یہ تینوں مضامین اور آپ بیتی کے انتخابات کا باقی حصہ مستقل کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا جو اس نمبر کا حصہ دوم ہوگا۔

جون کے شمارے میں اس خصوصی اشاعت کے اعلان کے بعد متعدد دیگر حضرات نے مضامین، نظمیں، اور قطعات تاریخ ارسال کئے۔ ہم ان سب حضرات کے ممنون ہیں اور گنجائش نہ ہونے کے باعث ان کے مرسلہ تحفوں کی عدم اشاعت کے لئے معذرت خواہ بھی ہیں، امید ہے کہ وہ سب حضرات ہمیں معذور تصور فرمائیں گے۔

حضرت والد ماجد مدظلہ نے بھی اپنا مستقل مضمون اسی وجہ سے روک لینے کا حکم دیا اور راقم سطور نے اپنی

بسالا کے مطابق جو کچھ لکھا تھا وہ بھی شائع نہیں کیا جارہا ہے۔ اس شمارہ میں گنجائش باقی نہ رہنے ہی کی وجہ سے حضرت شیخ کی تحریر کا عکس بھی شائع نہیں کیا جارہا ہے۔

بعض مضامین کے خاتمہ پر جو جگہ خالی بچی، اس میں حضرت شیخ کی شخصیت اور صفات و امتیازات کے متعلق کچھ مفید اشارات آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ امید ہے کہ اہل نظر ان کی اہمیت کا ادراک کرلیں گے۔ یہ بھی عرض کردوں کہ ان اشارات کا انتخاب حضرت والد ماجد مظلہٗ نے فرمایا ہے۔

آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ جیسا کہ ناظرین کرام واقف ہیں، یہ ناچیز راقم سطور رسائل و مجلات کی ترتیب و ادارت کے کاموں میں بالکل نومشق ہے اور اس قفس میں اک دم نووارد ہے، اور قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ اسی نومشقی کے دور میں حضرت شیخ الحدیث جیسی عالی مرتبت شخصیت کے متعلق الفرقان جیسے معیاری رسالہ کی خصوصی اشاعت کی ادارت کی نازک ذمہ داری اسکے کندھوں پر آپڑی اور وہ بھی اس طرح کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ !!

پس جو بھی کمی یا خامی اس اشاعت میں آپ کو نظر آئے اسے میری ناتجربہ کاری اور نومشقی ہی کا نتیجہ سمجھیے، اور اگر کوئی پہلو اطمینان بخش ہو تو یہ سر فضل ہے اللہ کا، برکت ہے صاحب تذکرہ کی اور ثمرہ ہے صاحب الفرقان کی رہنمائی اور شرکاء بزم کے اخلاص کا۔

کسی عام شخص کا بھی ایسا تعارف کرانا ممکن نہیں جو کہ خود قریب رہ کر اس کے مشاہدہ وادراک سے بے نیاز کردے یا سو فیصد اس کے قائم مقام ہوجائے، چہ جائیکہ اس جیسی کسی شخصیت کا جس کے متعلق آپ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے ـــــ ایسی شخصیت کے تعارف کی کامیابی کے لیے یہی کافی ہے کہ اس سے لوگوں میں عدم واقفیت کا اعتراف اور صحیح واقفیت حاصل کرنے کا طالبانہ جذبہ پیدا ہوجائے۔ اس سے زیادہ کی توقع ۵۰۰ صفحات کے رسالہ سے نہیں کی جانی چاہیئے ؎

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین بہار تو ز تنگی داماں گلہ دارد

باقی صفحہ ۱۷۰ پر

سوانح حیات اور صفات و امتیازات

ایک عظیم شخصیت ــ ایک اجمالی مطالعہ

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

نسیمے از حجاز آید کہ ناید — سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید
سر آمد روزگار "آں فقیہے" — وگر دانائے راز آید کہ ناید

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کی سوانح حیات کے بہت سے گوشے الفرقان کے شیخ الحدیث نمبر میں آئیں گے۔ لکھنے والے حضرت اقدسؒ کے تمام اہم حالات و وقائع پیش کریں گے۔ ان کے تدریسی، تبلیغی، مذہبی، سیاسی، اصلاحی اور معاشرتی کارناموں پر واقفانِ حال سیر حاصل روشنی ڈالیں گے اور حضرت قدس سرہ کے زہد و تقویٰ اور روحانیت و فراست کا ایمان افروز تذکرہ کریں گے۔ مجھ ناکارہ نے چاہا کہ اس بزم خاص میں میری بھی شرکت ہوجائے۔ حضرت مولانا نعمانی کو اپنے مختصر مقالے کی اطلاع دے کر تاخیر کے ساتھ اس بے کیف اور بے ربط تحریر کو پیش کر رہا ہوں۔ اختصار پیش نظر تھا اور ایک عظیم شخصیت کے واقعات زندگی تفصیل چاہتے تھے۔ اس کشمکش کے عالم میں اور معذوری و بے بضاعتی کی شمولیت میں یہ مختصر اور اجمالی سوانحی خاکہ پیش کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری اس حقیر کوشش کو شرف قبول بخشے اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کو بھرپور جزائے خیر اور جنت الفردوس سے نوازے۔ آمین۔

پیدائش : جناب محمد یوسف کاندھلوی کی صاحبزادی کے بطن سے حضرت مولانا یحییٰ کاندھلوی کا ایک صاحب کمال فرزند پیدا ہوا جو آگے چل کر ملت اسلامیہ کا ایک روشن چراغ اور نور کا مینارہ بننے والا تھا، جس کا نام محمد زکریا رکھا گیا اور جو جوانی ہی میں اپنے جواہر علمیہ کے باعث شیخ الحدیث کہلایا۔ حضرت شیخ الحدیث کی پیدائش ۱۱ رمضان ۱۳۱۵ھ کو شب پنجشنبہ میں ہوئی۔ تراویح کے بعد مبارکباد دینے والوں کا ایک بڑا مجمع مولانا محمد یحییٰ صاحب کے مکان پر موجود تھا۔ حضرت شیخ الحدیث آگے چل کر حافظ قرآن، مفسر قرآن، محدث بے نظیر، فقیہ بے بدل اور شیخ طریقت و معرفت ہوئے۔ حضرت شیخ کے دادا کا اسم مبارک مولانا محمد اسماعیل تھا۔ آپ کے تایا مولانا محمد میاں اور چچا مولانا محمد الیاس تھے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت : گنگوہ میں آپ کی ابتدائی تعلیم ہوئی اور آپ کی تربیت کا بھی وہیں پورا پورا خیال رکھا گیا۔ عجیب بات ہے کہ آپ نے ، برس کی عمر تک کسی مکتب میں سبق نہیں لیا۔ باپ کی تربیت اسی وقت سے شروع ہوگئی جب کہ آپ کا شعور بیدار ہو رہا تھا۔ ، برس کی عمر میں قرآن حفظ کرنا شروع کیا اور تھوڑی مدت میں حافظ قرآن ہوگئے۔ بہشتی زیور اور فارسی کی کچھ کتابیں اپنے چچا جان سے پڑھیں۔ حضرت گنگوہیؒ اس وقت گنگوہ میں آفتاب لب بام تھے اور عمر کا آخری زمانہ طے کر رہے تھے۔ ۱۳۲۳ھ میں ان کا وصال ہوا۔ حضرت شیخ عالم طفلی میں ہی اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ حضرت گنگوہیؒ کی مجلس میں جاتے تھے۔ اس وقت کے بہت سے واقعات حضرت شیخ الحدیثؒ نے "آپ بیتی" میں نقل فرمائے ہیں اور زبانی بھی سنائے جو بڑے دلچسپ ہیں۔ بعد میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کے ساتھ آپ سہارنپور آگئے اور خود مولانا یحییٰ صاحب نے اپنے ہونہار فرزند کو محنتی بننے کی ترغیب دی۔ حضرت مولانا یحییٰ کا انداز تعلیم و تربیت عجیب و غریب تھا۔ مولانا عبداللہ گنگوہی بھی حضرت مولانا یحییٰ کے شاگرد تھے اور چار سال کے قریب مدت میں انھوں نے مولانا عبداللہ گنگوہی کو تمام علوم دینیہ کی تکمیل کرادی تھی۔ یہی وہ مولانا عبداللہ ہیں جن کی دو

کتابیں[1] آج کل مدارس عربیہ کے ابتدائی نصاب میں داخل ہیں۔ کامیاب درس و تدریس کا دوسرا تجربہ خود اپنے فرزند شیخ الحدیث پر ہوا اور یہ انہی کی تعلیم و تربیت کا فیض تھا کہ حضرت شیخ الحدیث آفتاب علم بن کر چمکے۔ قطب عالم حضرت گنگوہیؒ کے روحانی فیوض و برکات اور گنگوہ کی نورانی فضا اور اس وقت کے مشائخ کا تذکرہ کے اثرات کو بھی شیخ الحدیث کی سیرت سازی میں بڑا دخل ہے۔ حضرت شیخ الحدیث کے والد ماجد نے آپ کی بڑی سخت نگرانی کی اور آپ کے اخلاق و اطوار کی درستگی میں بڑی دور بینی اور بلند نظری سے کام لیا۔ خود حضرت شیخ الحدیث اپنی مشہور کتاب "الاعتدال فی مراتب الرجال" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"میری ابتدائی تربیت جن اصولوں کے ماتحت ہوئی ہے وہ یہ تھے کہ مجھے سترہ سال کی عمر تک نہ کسی سے بولنے کی اجازت تھی نہ بلا معیت والد صاحب یا چچا جان کے کہیں جانے کی اجازت تھی اور اس کی بھی اجازت نہ تھی کہ میں اپنے اکابر کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی مجلس میں بلا والد صاحب اور چچا جان کے ساتھ ہوئے بیٹھ سکوں کہ مبادا میں سبق کی جماعت میں یا حضرت کی مجلس میں کسی پاس بیٹھنے والے سے کوئی بات کروں۔ مجھے دو تین آدمیوں کے سوا کسی سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ تنہا مکان جانے کی اجازت نہ تھی، یہاں تک کہ جماعت کی نماز میں بھی مخصوص حضرات کی زیر نگرانی شرکت کرتا تھا۔ اس دور کی آپ بیتی اگر میں سناؤں تو الف لیلیٰ بن جائے کہ کس قدر حکیمانہ اور مصلحت آمیز تشدد مجھ پر رہا اور کس قدر سخت مجرم قیدیوں کی سی زندگی گزری کہ زہریلی فضاؤں اور صحبتوں سے محفوظ رکھا جا سکے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے فضل نے مجھے نبھانے کی

---

[1] ۱۔ تیسیر المبتدی ۲۔ تیسیر المنطق

توفیق عطا فرمائی، جس کی برکات اب دنیا ہی میں پا رہا ہوں"۔

متوسط وانتہائی عربی تعلیم : حضرت شیخ الحدیث کے والد ماجد کا تقرر ۱۳۲۸ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں ایک مدرس و معلم کی حیثیت سے ہوا۔ اسی سال آپ سہارنپور آکر مظاہر علوم میں داخل ہوگئے جبکہ آپ کی عمر ۱۳ سال کی تھی۔ اور صرف میر، پنج گنج، فصول اکبری، کافیہ، مجموعہ اربعین، ترجمہ پارہ عم، قصیدہ بردہ، قصیدہ بانت سعاد۔ یہ کتابیں اپنے والد صاحب کی نگرانی میں تکمیل کو پہنچیں کتب معقول کے استاذ حضرت مولانا عبداللطیف ناظم مظاہر علوم اور مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلی تھے۔ ۱۳۳۲ھ میں دورۂ حدیث شریف کی ابتدا ہوئی اور ابن ماجہ کے علاوہ تمام کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ ابن ماجہ مولانا ثابت علی صاحب کے پاس پڑھی۔ ۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ حجاز مقدس چلے گئے تھے۔ حضرت مولانا خلیل احمدؒ کی ہندوستان واپسی پر ان سے دوبارہ بخاری شریف و ترمذی شریف پڑھی۔ شعبان ۱۳۳۴ھ میں آپ حدیث شریف کے علاوہ تمام درسیات سے فارغ ہوچکے تھے۔ شوال ۱۳۳۴ھ میں آپ نے دورۂ حدیث اپنے والد محترم سے پڑھا کیونکہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب حج کے لیے تشریف لے گئے تھے، اور واپسی نہیں ہوئی تھی۔ دورہ کی تعلیم کا زمانہ بڑے انہماک کے ساتھ مطالعہ میں گزارا، اور دو باتوں کا خصوصی اہتمام رکھا۔ ایک یہ کہ ناغہ نہ ہونے پائے۔ دوسرے بغیر وضو حدیث نہ پڑھی جائے۔

والد ماجد کا سانحۂ ارتحال : ۱۳۳۴ھ میں آپکے والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اب تمام تر ذمہ داریاں گھر کی اور متعلقین کی آپ پر آگئیں والد صاحب کے اوپر جو قرض تھا اس کو بھی ادا کرنے کا تہیہ کیا، چنانچہ وہ ادا ہوا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے سایۂ عاطفت اور ان کی رہنمائی میں اپنے ایام گزارنے لگے۔

عقد نکاح : حضرت مولانا محمد یحیٰی کی وفات کے بعد حضرت شیخ کی والدۂ ماجدہ کی سخت علالت کا سلسلہ بڑھتا گیا اور ان کی یہ خواہش ہوئی کہ اپنے اکلوتے فرزند کی تقریب شادی اپنے سامنے کرادیں۔ چنانچہ آپ کا نکاح مولانا رؤف الحسن صاحب کاندھلوی کی دختر نیک اختر سے ہوا۔ مولانا رؤف الحسن صاحب کی دوسری دختر حضرت مولانا الیاس صاحب کے عقد نکاح میں تھیں جو حضرت مولانا محمد یوسف کی والدہ ماجدہ تھیں۔ حضرت مولانا الیاس صاحب سے حضرت شیخ کے چار رشتے تھے۔ ایک یہ کہ دونوں چچا بھتیجے تھے، دوسرے دونوں آپس میں ہم زلف تھے یعنی مولانا رؤف الحسن صاحب کی ایک صاحبزادی حضرت مولانا الیاس صاحب کے عقد میں آئیں اور دوسری صاحبزادی شیخ الحدیث کی زوجہ بنیں۔ تیسرے دونوں آپس میں سمدھی بھی تھے اور وہ اس طرح کہ مولانا محمد الیاس صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد یوسف رح کی شادی حضرت شیخ کی صاحبزادی سے ہوئی۔ مولانا محمد ہارون مرحوم اسی رشتہ سے حضرت شیخ کے نواسے تھے۔ چوتھے یہ کہ مولانا محمد الیاس رح خسر اور حضرت شیخ داماد تھے۔ مولانا محمد طلحہ سلمہ اسی رشتہ سے حضرت مولانا محمد الیاس رح کے نواسے ہیں۔

اولاد : حضرت شیخ رح کی پہلی شادی مولانا رؤف الحسن کاندھلوی کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے پانچ صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے ہوئے[1]۔ صاحبزادیوں میں سے سب سے بڑی مولانا محمد یوسف رح کے نکاح میں آئیں۔ مولانا محمد ہارون مرحوم ابن مولانا

---

[1] مولانا محمد شاہد سلمہٗ ربہ نے احقر کے استفسار پر جو گرامی نامہ بھیجا اس میں یہ تحریر ہے: "پہلی اہلیہ مرحومہ سے تین صاحبزادے تھے۔

۱۔ محمد موسیٰ۔ یہ رمضان ۱۳۴۳ھ میں پیدا ہوئے، ۸ ماہ حیات رہ کر ۹ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ کو انتقال ہوا۔ (۲) محمد ہارون۔ رجب ۱۳۴۹ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔ مختصر عمر میں انتقال ہوا۔
۳۔ محمد یحیٰی۔ ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ میں تولد ہوئے اور مختصر عمر میں انتقال ہوا۔
(مکتوب مولانا شاہد بنام احقر)

محمد یوسفؒ ان ہی کے بطن سے تھے۔ دوسری مولانا انعام الحسن صاحب کی اہلیہ محترمہ ہیں۔ جن کے بطن سے مولانا زبیر سلمہ ہیں۔ تیسری مولانا حکیم الیاس صاحب سہارنپوری کو ہوئیں اُن کے صاحبزادوں میں مولانا محمد شاہد سلمہٗ اور ان کے بھائی بہن ہیں چوتھی لڑکی کا شادی کے بعد انتقال ہو گیا۔ پانچویں اور سب سے چھوٹی صاحبزادی کا نکاح مولانا محمد یوسف صاحب سے بڑی صاحبزادی کے انتقال کے بعد ہوا۔

حضرت شیخ کی دوسری زوجہ مولانا محمد الیاس صاحب کی صاحبزادی ہیں۔ ان کے بطن سے دو لڑکیاں اور ایک صاحبزادے میاں محمد طلحہ ہیں۔ ان میں سے ایک لڑکی کا نکاح مولانا محمد عاقل صاحب استاذ مظاہر علوم اور دوسری کا نکاح مولانا حافظ محمد سلمان صاحب استاذ مظاہر علوم سے ہوا۔

مظاہر علوم کی مدرسی : یکم محرم ۱۳۳۵ھ کو مظاہر علوم کے پندرہ روپے ماہوار پر استاذ مقرر ہوئے اس وقت حضرت شیخ کی عمر بیس سال کی تھی۔ کئی درس گاہوں کی طرف سے بڑی بڑی تنخواہوں کی پیش کش کی گئی مگر آپ کو مظاہر علوم چھوڑنا گوارا نہ ہوا اور اپنے استاذ و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے زیر سایہ رہنا ہی پسند کیا۔

پہلے سال اصول الشاشی اور علم الصیغہ اور چار پانچ سبق نحو و منطق اور فقہ کی ابتدائی کتابوں کے پڑھانے کے لیے سپرد ہوئے، بڑی محنت اور توجہ سے اپنے اسباق متعلقہ کو پڑھایا۔ جس کی وجہ سے تمام طلبہ نہایت خوش رہے۔ آپ کا طریقہ تعلیم بھی بڑا دلکش، جاذب توجہ اور اثر آفرین وذوق افزا تھا۔ تمام حلقۂ درس آپ کی طرف ہمہ تن متوجہ رہتا تھا اور بات بہت سہل اور آسان کر کے پیش کرتے تھے۔ تمام ضروری باتیں جو قابل یادداشت ہوتی تھیں ان کو اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان فرما دیتے تھے۔ اپنے والد ماجد سے جو طریقۂ تعلیم آپ نے حاصل کیا تھا اس کا کامیاب تجربہ آپ برابر کرتے رہے۔

حضرت سہارنپوریؒ سے بیعت : شوال ۱۳۳۳ھ میں جب حضرت اقدس سہارنپوری حجاز میں طویل قیام کے ارادے سے جارہے تھے اور بکثرت لوگ بیعت ہورہے تھے تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے حضرت سہارنپوری سے بیعت ہونے کا ارادہ کرلیا اور اپنے مربیّ و آقا سے درخواست کی۔ اس پر حضرت سہارنپوری نے ارشاد فرمایا کہ جب مغرب کے بعد نوافل سے فارغ ہوجاؤں تو آجانا مولانا عبداللہ گنگوہی نے بھی جو خلافت واجازت سے مشرف ہوچکے تھے تجدید بیعت کی درخواست کی تھی، دونوں حضرات وقت مقررہ پر حاضر ہوکر حضرت اقدس سہارنپوری سے بیعت ہوگئے۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری نے بھی اس بیعت کے منظر کو دیکھا اور حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری بھی اس موقع پر حاضر تھے۔

۱۳۴۴ھ میں حضرت اقدس سہارنپوری نوراللہ مرقدہٗ مستقل قیام کے ارادے سے حجاز تشریف لے گئے، شیخ بھی آپ کے ہمراہ تھے، حضرت سہارنپوری کا ہرمرتبہ کا سفر حجاز اس امید کے ساتھ ہوا کرتا تھا کہ شاید اس بار جنت البقیع کی مٹی نصیب ہو، ۱۳۴۴ھ کا یہ سفر حج آپ کا آخری سفر ثابت ہوا اور آپ ۱۳۴۶ھ میں جنت البقیع میں سپرد خاک ہوئے۔ حضرت شیخ کی ہندوستان کو واپسی حضرت اقدس کی حیات میں ہوچکی تھی۔ وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ میں حضرت اقدس سہارنپوریؒ نے بڑے اہتمام سے چاروں سلسلوں میں بیعت وارشاد کی آپ کو اجازت مرحمت فرمائی۔ اور اپنے سر سے عمامہ اتار کر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے برادر اکبر حضرت مولانا سید احمد فیض آبادیؒ ثم مدنی کو دیا تاکہ وہ حضرت شیخ کے سر پر باندھ دیں جب وہ عمامہ سر پر باندھا گیا تو شیخ کی شدت گریہ سے چیخیں نکل گئیں۔ حضرت پیرومرشد سہارنپوری بھی آبدیدہ ہوگئے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اس موقع پر بھی موجود تھے اور ان کو اس پورے واقعہ کی اطلاع تھی۔ ہندوستان میں تشہیر ہوجانے کے خوف سے حضرت شیخؒ نے حضرت رائے پوریؒ کے پاؤں پکڑے اور ان سے اس بات کا عہد

لینا چاہا کہ وہ ہندوستان پہنچ کر اس اجازت کی اطلاع نہ کریں، مگر حضرت رائے پوری اس حقیقت کے اخفا پر تیار نہ ہو سکے اور آپ کے ذریعہ اس کی تشہیر ہو گئی۔ پھر بھی حضرت شیخ نے عرصہ تک بیعت لینے سے پہلوتہی کی اور جو کوئی اس نیت سے آتا اس کو دوسرے مشائخ سے بیعت کراتے۔ بالآخر حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے حکم فرمانے سے یہ سلسلہ جاری ہوا اور ان ہی کے حکم سے سب سے پہلے آپ نے کاندھلہ میں اپنے خاندان کی مستورات کو بیعت کیا۔

شیخ الحدیث اور بذل المجہود: درحقیقت بذل المجہود کی ترتیب و طباعت کا کام بھی حضرت شیخ الحدیثؒ کا ایک زریں کارنامہ ہے جس نے ان کے اندر علم حدیث کا اعلیٰ درجہ کا ذوق پیدا کیا، اور ان کے درس حدیث کو بھی کامیاب سے کامیاب تر بنایا۔ مولانا محمد شاہد سلمہٗ حضرت شیخ کے متعلق تاریخ مشائخ چشت میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ نے جس طرح کامل طور سے اپنے آپ کو اپنے حضرت کے سپرد کیا اور اپنی دماغی اور علمی صلاحیتوں کو حضرت کی خاطر قربان کیا، اس کا ایک نمونہ بذل المجہود کی شکل میں آج ہزاروں صفحات پر بکھرا ہوا موجود ہے۔ حضرت شیخ کو اپنی دماغی صلاحیت، ذہنی ذکاوت اور اپنے بیش قیمت اوقات کا لحظ لحظہ اور لمحہ لمحہ اس کی نذر کرنا پڑا۔ خود حضرت سہارنپوریؒ نے اس کا بار بار اعتراف کیا اور بذل المجہود کی موجودہ شکل وصورت کو شیخ کا مرہون منت بتلایا۔ واقعہ یہ ہے کہ بذل المجہود، ابوداؤد کی ایک ایسی عظیم الشان شرح ہے جس نے حدیث پاک کی بالاتری کو برقرار رکھتے ہوئے مسلک حنفی کی حقانیت کو بھی اظہر من الشمس کیا ہے۔

تصنیفات وتالیفات: حضرت شیخ کی تصنیفات بڑی تعداد میں ہیں۔ ان سب کا ذکر کرنا مختصر سوانح حیات اور مختصر واقعات زندگی کے ساتھ مناسب نہیں۔ اس لیے چند اہم اور مشہور ومعروف اور قابل ذکر کتب کے اسماء پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ کی تصنیفات وتالیفات عربی اور اُردو دونوں زبانوں میں ہیں اور ان کی تاثیر، جاذبیت، شہرت ومقبولیت حافظ شیرازی کے اس مصرعے کی مصداق ہے۔ ع

قبول خاطر ولطف سخن خدا داد است

۱۔ خصائل نبوی: شمائل ترمذی کی وجد آفریں اور عشق انگیز اردو شرح ہے۔
۲۔ اوجز المسالک: موطا امام مالک کی ایک مستقل مقدمہ کے علاوہ چھ جلدوں میں بہترین عربی شرح ہے جس کو ۱۳۴۵ھ میں شروع کر کے ۱۳۷۹ھ میں ختم کیا گیا۔ حجاز کے مالکی علماء ومشائخ نے بھی اس شرح کو بہت پسند کیا۔
۳۔ لامع الدراری۔ تین جلدیں[۱] ۴۔ حاشیہ کوکب الدری۔ دو جلدیں[۲]
۵۔ الاعتدال فی مراتب الرجال ۶۔ حکایات صحابہ ۷۔ فضائل نماز
۸۔ فضائل ذکر۔ ۹۔ فضائل تبلیغ ۱۰۔ فضائل قرآن ۱۱۔ فضائل رمضان
۱۲۔ فضائل صدقات ۱۳۔ فضائل حج ۱۴۔ فضائل درود شریف
۱۵۔ قرآن اور جبریہ تعلیم ۱۶۔ حجۃ الوداع والعمرات۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع اور چاروں عمروں کا مفصل ومبسوط تذکرہ جو عربی زبان میں ہے اور بعد میں اس کا اُردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔

---

[۱] یہ کتاب حضرت گنگوہی کی تقاریر بخاری شریف کی تعریب ہے جس کو حضرت مولانا محمد یحییٰ نے معرّب مرتب اور حضرت شیخ نے حواشی اور مقدمہ سے مزین فرمایا ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔ اس کے اختتام پر حضرت شیخ نے ایک دعوت کا اہتمام کیا جس میں ایک ہزار سے زائد علماء، صلحاء، طلباء اور عقیدت مند عوام دور ونزدیک کے شریک ہوئے۔ اندرون خانہ بھی مہمان مستورات کو اس تقریب میں کھانا کھلایا گیا۔

[۲] یہ قطب عالم حضرت گنگوہیؒ کی تقریرات ترمذی کا مجموعہ ہے، اس کی تعریب بھی حضرت مولانا محمد یحییٰؒ نے کی تھی اور اس کتاب پر حضرت شیخ الحدیثؒ نے حاشیہ لکھا ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔

ان کے علاوہ بہت سے علمی وفنی نوادر ہیں جن میں سے بعض کو مکتوبات علمیہ اور مکتوبات تصوف وغیرہ سے موسوم کرکے مولانا شاہد میاں سلمہٗ نے شائع کرایا ہے۔ آئندہ بھی امید ہے کہ وہ حضرت شیخ کے تمام غیر مطبوعہ علمی سرمایہ کو اسی طرح سے طبع سے آراستہ کردیں گے جن میں کتب درسیہ کی شروح بھی ہیں اور اہم رسالے بھی ہیں جن کی رہنمائی میں طلبہ ومدرسین اپنے منازل تحقیق ومطالعہ کو بآسانی طے کرسکتے ہیں۔

یہ بات بھی عرض کردینا ضروری ہے کہ حضرت شیخ کی بہت سی تالیفات متعدد بار مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوکر شائع ہوئی ہیں۔ فضائل قرآن دس زبانوں میں فضائل رمضان گیارہ زبانوں میں، فضائل تبلیغ چودہ زبانوں میں، حکایات صحابہ تیرہ زبانوں میں فضائل نماز چودہ زبانوں میں، فضائل ذکر سات زبانوں میں، فضائل حج چار زبانوں میں، فضائل صدقات چھ زبانوں میں، فضائل درود شریف چار زبانوں میں۔

آخر میں صرف فضائل تبلیغ کے تراجم کی زبانوں کی تفصیل جو چودہ ہے پیش کرتا ہوں۔

۱۔ عربی ۲۔ برمی ۳۔ انگریزی ۴۔ ہندی ۵۔ مدراسی ۶۔ ملیالم ۷۔ تامل ۸۔ گجراتی ۹۔ ملیشیائی ۱۰۔ بنگالی ۱۱۔ فارسی ۱۲۔ تیلگو ۱۳۔ افریقہ میں بولی جانے والی ایک زبان سہالی (سہیلی) ۱۴۔ فرانسیسی۔

اسفار حج اور ہجرت: حضرت اقدسؒ نے مدینہ منورہ کا قیام اختیار کرنے اور ہجرت کی نیت[1] کرنے سے پہلے سات حج ادا کرلیے تھے جن کی تفصیلات کو میاں محمد شاہد سلمہٗ نے اپنے قلم سے لکھے ہوئے حالات شیخ میں درج کردیا ہے

---

[1] مولانا محمد شاہد سلمہٗ بجواب استفسار رقمطراز ہیں: "حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے ایک گرامی نامہ میں جو بندہ کے پاس محفوظ ہے تحریر فرمایا ہے کہ میں نے تابعیہ کی خبر سن کر ہجرت کی نیت کرلی۔ حضرتؒ نے اپنے ایک روزنامچہ میں ۱۲ر جون ۷۶ء ر شنبہ کی تاریخ میں تحریر فرمایا ہے کہ "آج کی تاریخ میں زکریا کا تابعیہ ملا"۔ ان دونوں باتوں کو ملانے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ۱۲ر جون ۷۶ء مطابق ۵ر رجب ۱۳۹۶ھ میں ہجرت کی نیت فرمائی صراحتاً کہیں تاریخ نیت ہجرت نہیں ملی۔" (مکتوب شاہد بنام احقر)

ان سات حجوں کے بعد بھی کئی حج ادا فرمائے۔

اعتکاف : آپ بیتی ۶ میں حضرت شیخ الحدیث نے لکھوایا ہے کہ۔
"اس ناکارہ کے پاس احباب کے رمضان گزارنے کا سلسلہ تو تقریباً ۳۰
۴۰ سال سے ہے۔ شروع میں تو دس بارہ آدمی ہوتے تھے اور اس ناکارہ
کا یہ معمول تھا کہ رمضان کے چند روز ان مہمانوں کو اپنے پاس رکھ کر
رائے پور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں رمضان
گزارنے کے واسطے بھیج دیتا اور ایک پرچہ بھی لکھ دیتا کہ ان کو حضرت کی
خدمت میں رمضان گزارنے کے واسطے بھیج رہا ہوں، اس کی وجہ سے
حضرت قدس سرہٗ کی توجہات عالیہ میرے مہمانوں پر خصوصی رہتی تھیں۔
"اس کے بعد مجمع ہر سال بڑھتا رہا، اس لیے رائے پور بھیجنے کا مستقل
اہتمام تو چھوٹ گیا کہ حضرت قدس سرہ کے بھی رمضان پاکستان وغیرہ میں
ہونے لگے۔ سنہ ۱۳۸۲ھ میں حضرت رائے پوریؒ کے وصال کی وجہ سے
مجمع میں اور اضافہ شروع ہوگیا۔ سنہ ۱۳۸۴ھ میں تو مولانا یوسف صاحبؒ کی
معیت کا اعتکاف چھوڑ کر ۱۵ نفر سہارنپور پہنچے، مگر یہاں جگہ نہیں تھی۔
ان بیچاروں کا اعتکاف بھی رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمائے۔ زکریا نے
اس سال پورے ماہ کا اعتکاف مدرسہ قدیم کی مسجد میں کیا تھا۔ اس وجہ سے
جگہ کی اور تنگی ہوگئی۔ اس لیے سنہ ۱۳۸۵ھ سے دارالطلبا جدید کی مسجد میں
رمضان گزارنا شروع کیا، وہاں بھی ہر سال مجمع بڑھتا ہی چلا گیا۔ چنانچہ اس
سال ۴۰ نفر معتکف تھے۔ آخر میں ۲۰۰ تک تعداد پہنچ گئی۔ سنہ ۱۳۸۶ھ میں
معتکفین ۲۰۰ تک شروع ہی سے ہوگئے۔ سنہ ۱۳۸۷ھ میں تقریباً ۵۰ نفر کو یہ کہہ کر
انکار کرنا پڑا کہ مسجد میں جگہ نہیں رہی۔ دارالطلبا جدید میں خیمے لگانے پڑے۔
طلبا کے جو حجرے خالی تھے ان میں مہمانوں کا ٹھہرانا شروع کیا۔

۱۳۸۹ھ میں اس ناکارہ کا حرمین شریفین میں رمضان گزرا۔ چونکہ ۱۳۹۳ھ کا رمضان بھی اس ناکارہ نے حرمین شریفین میں گزارا تھا اس لیے احباب کا اندازہ یہ تھا کہ ۱۳۹۴ھ میں مجمع بہت ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس سال شروع رمضان ہی سے آٹھ نو سو کا اندازہ تھا اور آخر رمضان میں عزیزی مولوی نصیرالدین نے کہا کہ آج اٹھارہ سو مہمان ہیں"۔

عمر کے آخری دور میں ایک مرتبہ فیصل آباد (لائل پور) میں اور دوسری مرتبہ جنوبی افریقہ میں بڑے مجمع کے ساتھ اعتکاف کیا۔ رمضان کی آخر تاریخوں میں خصوصاً ۲۷ کی شب میں سہارنپور میں ایک بڑا ہجوم ہوتا تھا۔ معتکفین میں سیکڑوں علماء، ہزاروں حفاظ و قرّاء، تہجد گزار، شب بیدار اور ذاکرین وشاغلین موجود ہوتے تھے۔ ہندوستان کے متعدد صوبوں اور علاقوں کے علاوہ بیرون ہند سے حتیٰ کہ حجاز مقدس سے بھی وابستگان حضرت شیخؒ رمضان میں سہارنپور آجاتے تھے۔

احقر کئی سال رمضان المبارک کے آخیر عشرہ میں ایک دو دن کے لیے خدمت بابرکت میں گیا ہے۔ عجیب نورانی عالم ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بارش کی طرح برستی محسوس ہوتی تھیں۔ حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد جب امسال پہلا رمضان آیا تو احقر دیوبند سے سہارنپور پہنچا۔ حضرت شیخؒ بہت یاد آئے اور ان کی مجالس بھی تصور میں آتی رہیں۔ حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی دامت برکاتہم نے امسال حضرت شیخؒ کی نیابت میں اعتکاف کیا اور ایک اچھا خاصا مجمع ان کی توجہ سے بھی جمع ہوگیا۔ ہرطرح کا انتظام معتکفین اور واردین کے لیے ان کی طرف سے کیا جاتا رہا جس کی وجہ سے آستانہ شیخ الحدیثؒ سے تعلق رکھنے والے مہجورین کو بہت کچھ تسلی وتشفی کا سامان بہم پہنچا۔

وفات: یکم شعبان ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۴ رمئی ۱۹۸۲ء کو پیر کے دن شام کے پانچ بج کر چالیس منٹ پر مدینہ منورہ میں حضرت اقدس کا وصال ہوا۔ کچھ کم ۸۵ سال کی عمر ہوئی۔ قبل نماز عشاء جنازہ باب السلام سے حرم شریف لے جایا گیا۔ بعد نماز

عشار حرم شریف کے امام شیخ عبداللہ زاحم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنازہ کو باب جبرئیل سے جنت البقیع[1] کی طرف لے کر چلے۔ بقول ڈاکٹر اسماعیل میمنی مدنی بے پناہ ہجوم تھا۔ ایسا ہجوم کسی اور شخص کے جنازے میں شاید ہی دیکھا گیا ہو۔ قبر شریف حضرت شیخ کی منشار کے مطابق اہل بیت رض کے احاطہ اور حضرت سہارنپوری رح کی قبر شریف کے قریب تیار کی گئی تھی۔ وہیں حضرت رحمۃ اللعالمین صلعم کے ظل عاطفت میں اور صحابہ رض واہل بیت رض اور اکابر امت رح کے زیر سایہ قیامت تک کے لیے آسودۂ خاک ہوئے، اور عمر بھر کی وہ تمنا پوری ہوئی جس کی خاطر روز و شب بے قرار و بے چین رہے اور بقول جگر مرادآبادی ؎

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا

حضرت شیخ رح کے تلامذہ اور خلفاء : حضرت شیخ کے تلامذہ اور درس حدیث کے مستفیدین کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ مظاہر علوم کی روئداد کو مطالعہ کیے بغیر ان کو احاطۂ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ ان میں بکثرت مشاہیر علماء و فضلاء اور درس و افتاء کے بہت سے ماہرین اور صاحب تصانیف حضرات بھی ہیں جنھوں نے ہندو بیرون ہند میں اپنے فیوض علمیہ سے طلبہ اور تشنگان علوم کو سیراب کیا ہے اور ان کے شاگردوں کے شاگرد بھی مسند درس پر متمکن ہو کر تمام اطراف عالم میں سلسلۂ فیض جاری کیے ہوئے ہیں۔

آپ کا سلسلۂ طریقت بھی دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ افراد جنھوں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی ہے، ان کی تعداد بلا مبالغہ لاکھوں تک پہنچ

---

[1] حضرت شیخ رح نے مولانا حاجی خورشید صاحب رامپوری کو مولانا ذوالفقار رامپوری مرحوم کی خبر وفات سے مطلع ہو کر ایک خط میں تحریر فرمایا ہے: "مولانا ذوالفقار صاحب کے حادثۂ انتقال پر قلق تو طبعی چیز ہے مگر موت کی جو کیفیت آپ نے لکھی اور جنت البقیع کا مستقل قیام قابل مسرت ہے۔"

گئی ہے۔ آپ کے مجازین کی تعداد صوفی محمد اقبال مدنی کی فہرست کے مطابق ۱۰۹ ہے۔ اس ناکارہ کے علاوہ سب کے سب صاحبانِ علم وفضل اور حاملان زہد وتقویٰ ہیں۔ ان میں چند حضرات وہ ہیں جو شریعت وطریقت کے آفتاب وماہتاب کہے جاسکتے ہیں۔ حضرت شیخ کو مسجدوں، درسگاہوں، کتب خانوں اور خانقاہوں کے آباد کرنے کا جس قدر خیال تھا اس کا اندازہ وہ اشخاص بخوبی لگا سکتے ہیں جنھوں نے براہِ راست حضرت والاؒ سے ملاقاتیں کی ہیں اور حضرت کی تصنیفات وتالیفات اور ملفوظات کا مطالعہ کیا ہے۔

صدیقی فطرت، صدیقی نسبت:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کی فطرت میں ترحم اور نرمی ودیعت رکھی ہے اور بعض کی فطرت میں شدت اور سختی، اس کا بہترین نمونہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بھی دونوں کے اس مزاجی فرق کا بار بار ظہور ہوا۔ ہر موقع پر صدیق اکبر کی طرف سے "ارحم امتی بامتی" کی شان ظاہر ہوئی۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض قبائل نے جو اسلام قبول کر چکے تھے ادائے زکوٰۃ سے انکار کیا تو صدیق اکبر نے اس کو دین میں فتنہ اور رخنہ سمجھا اور فرمایا "اینقص الدین وانا حیّ" (کیا میری زندگی ہی میں دین میں تراش خراش ہوگی) اور ان کے خلاف ایسا متشددانہ فیصلہ فرمایا کہ شروع میں فاروق اعظم نے بھی اس سے اتفاق نہیں کیا تو صدیق اکبر کو ان پر ایسا غصہ آیا کہ فرمایا "اجبارٌ فی الجاھلیۃ وخوارٌ فی الاسلام" (یہ کیا ہے تم کفر کی حالت میں تو بڑے بہادر اور تیس مار خاں تھے اور اسلام میں آکر بزدل ہو گئے۔)

حضرت شیخ الحدیث نسباً بھی صدیقی تھے اور مزاجاً بھی، لیکن جس چیز کو انھوں نے دین میں فتنہ اور رخنہ سمجھا اس کے بارے میں ان کے اندر وہی شدت پیدا ہوئی جو ان کے جدامجد صدیق اکبر میں پیدا ہوئی تھی۔ ـــــــــ محمد منظور نعمانی

کتاب المعاشرت والمعاملات حصہ دوم

اردو زبان میں حدیث نبوی کی عظیم الشان خدمت "معارف الحدیث" اب تک چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں عرصہ سے اہل شوق کو ساتویں جلد کا انتظار تھا، اب ہم یہ خوشخبری دیتے ہوئے بے حد مسرت محسوس کر رہے ہیں کہ احادیث نبوی کے اس دلکش جامع اور جدید انتخاب کی "ساتویں جلد" شائع ہو گئی ہے، اس جلد میں نکاح و طلاق اور ان کے متعلقات معاشی معاملات، سود، خرید فروخت، وقف، وصیت وغیرہ عدالت اور حکومت کے نظام کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تعلیمات کو مستند ذخیرۂ احادیث سے آسان اور عام فہم ترجمہ و تشریح کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ عکسی طباعت سے مزین۔ ۱۸×۲۲/۸ سائز، قیمت صرف ۱۸/- علاوہ محصول ڈاک۔

قرآن کی بیسک ریڈر یا رہنمائے تلاوت

○ از: سید محمود حسن ایڈوکیٹ

قرآن کریم کو صحیح اور تجوید کے قواعد کے مطابق پڑھنا ضروری ہے، ہم اکثر ان قواعد سے ناواقفی کی وجہ سے تلاوت میں بہت سنگین غلطیاں کرتے ہیں، اس کتاب میں ان قواعد کو نہایت آسان اور عام فہم انداز میں بتایا گیا ہے، ساتھ ہی حروف والفاظ با حرکات کی آوازیں سمجھانے کے لئے ہندی و انگریزی سے مدد لی گئی ہے۔ معمولی پڑھے لکھے بچے، جوان، بوڑھے اور ہندی ذریعۂ تعلیم کے پڑھے ہوئے انگریزی داں نوجوان اور اسکولوں، کالجوں نیز مدارس کے طلبہ و اساتذہ سب ہی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

مولانا محمد منظور نعمانی کے پیش لفظ کے ساتھ، عمدہ کاغذ پر عکسی طباعت، خوبصورت گرد پوش سے مزین۔
قیمت صرف ۱۲/-

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی
مفتی الٰہی بخش اکیڈمی (کاندھلہ)

حضرت شیخ الحدیثؒ کے اجداد

صحیح نسب نامہ اور حالات

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، اور خانوادۂ حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کا تعلق کاندھلہ (ضلع مظفر نگر یو،پی) کے ایک معزز و ممتاز صدیقی خاندان سے ہے، جو حضرت شیخ نظام الدین بدایونی دہلوی کے نامور معاصر حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی کی اولاد میں ہے مگر اس وقت تک غلطی سے حضرت شیخ قطب شاہ علوی کیرانوی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ آئندہ صفحات میں اس خاندان کا صحیح نسب نامہ، اور اس نسب کے متعلق مشہور مگر بے اصل روایتوں کی تحقیق اور حضرت شیخ الحدیث کے اجداد کا نسبتہً مفصل تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

تحقیق نسب

اس خاندان کا مشہور شجرۂ نسب، جس کی نقلیں اہل خاندان میں مروج ہیں، اور اس خاندان سے متعلق تمام تذکروں میں بھی موجود ہے، اس طرح ہے:
"حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، بن مولانا محمد یحییٰ، بن مولانا محمد اسمٰعیل،

ابن حکیم غلام حسین، بن کریم بخش، بن مولانا حکیم غلام محی الدین، بن مولانا محمد صالح
بن مولانا فیض محمد، بن مولانا شاہ محمد شریف، بن حضرت مولانا محمد اشرف، بن مولانا
شیخ جمال محمد، بن شیخ نور محمد عرف بابن شاہ، بن مولانا بہار الدین، بن مولانا شیخ محمد
بن شیخ محمد فاضل، بن شیخ قطب شاہ۔

مگر شجرہ کی یہ ترتیب درست نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ شجرہ کے آخر میں مذکورہ دو شخصیتوں شیخ محمد فاضل، اور شیخ قطب شاہ کا اس خاندان سے تعلق نہیں ہے۔ صدیقیان کاندھلہ کے نسب نامہ میں یہ دونوں نام بلاشبہ الحاقی ہیں۔ قدیم دستاویزات اور راقم سطور کی معلومات کے مطابق خانوادۂ مولینا محمد اشرف جھنجھانوی حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی کی اولاد میں ہے، اور اس کا صحیح سلسلۂ نسب اس طرح ہے:۔

مولانا محمد اشرف بن مولانا شیخ جمال محمد شاہ، بن شیخ نور محمد عرف بابن شاہ،
بن مولانا بہار الدین، بن مولانا شیخ محمد، بن مولانا کریم الدین مذکر، بن امام تاج مذکر،
بن امام حاج مذکر، بن حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی[۱]

معروف شجرہ کے صحیح نہ ہونے کی وجوہات، صحیح شجرہ کے مآخذ، اس خاندان کو کچھ اور نسب ناموں سے وابستہ کرنے کی کوشش۔ ان سب پہلوؤں پر قدیم دستاویزات، فرامین اور نسب ناموں کی روشنی میں ضروری معلومات نذر قارئین ہیں:۔

---

[۱] مولانا شیخ محمد سے قاضی ضیاء الدین سنامی تک یہ سلسلۂ نسب فرمان محمد بن فیروز شاہ تغلق مکتوبہ ۲۲ رجب ۷۹۳ھ کی پشت پر لکھا ہوا ہے۔ امام تاج، تاج الدین کا مخفف ہے۔ تاج الدین کے ایک صاحبزادے شیخ شہاب الدین تھے، ان کی اولاد کاکوری (لکھنؤ) میں آباد ہے۔ اس شاخ کے شجرہ کے لئے رجوع فرمائیے عباسیان کاکوری، محمد حسن عباسی ص ۲۶۶ (لکھنؤ ۱۳۶۴ھ)

قاضی ضیاء الدین سنامی کے متعدد لائق صاحبزادے تھے، احمد علی خیر آبادی کا قول ہے:۔
"قاضی (ضیاء الدین سنامی) چندیں پسران لائق داشت۔ نام یکے زین العابدین، پسرش قاضی معین الدین ایرجی" قصر عارفاں۔ مرتبہ ڈاکٹر آغا محمد باقر ص ۱۸۱ (لاہور ۱۹۶۵ء)

(۱)

حضرت قاضی قطب الدین عرف شیخ قطب شاہ، جو اس وقت تک خانوادہ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی و مولانا محمد اسمٰعیل جھنجھانوی کاندھلوی کے جد اعلیٰ لکھے جاتے ہیں، نویں صدی ہجری کے علماء میں ہیں۔ ان کے نام ایک فرمان مکتوبہ ۸۳۷ھ حاجی محمد محسن کاندھلوی (متوفی ۱۳۷۲ھ) کے پاس موجود تھا۔ حضرت شیخ الحدیث نے تحریر فرمایا ہے:

"ان (قطب شاہ) کے نام تغلق کا فرمان ۸۳۷ھ کا حاجی محسن کے پاس موجود ہے۔"[۱]

شجرہ علویان جھنجھانہ[۲] سے اس بیان کی ضمناً تصدیق ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ قاضی قطب الدین کیرانوی کو سلطان بہلول لودھی کے دور میں ۹ پرگنوں کا قاضی مقرر کیا گیا تھا[۳] لیکن اگر مذکورہ سن کتابت صحیح ہے تو یہ فرمان تغلق عہد حکومت کے بعد، اور سلطان بہلول لودھی کے زمانے سے کچھ پہلے کا ہوگا۔ ۸۳۷ھ میں مبارک شاہ بن خضر خاں کا بھتیجہ محمد شاہ بن فرید خاں تخت نشین تھا۔[۴] غالباً دو بادشاہوں محمد بن فیروز شاہ تغلق اور محمد بن فرید خاں میں ناموں کی یکسانیت اور آبائی نسبت میں لفظی مماثلت کی وجہ سے ان دونوں میں التباس ہوا، اور اس غلط فہمی کی وجہ سے

---

[۱] بیاض کبیر تالیف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ص۲۴ (فوٹو اسٹیٹ کاپی مملوکہ راقم سطور)

[۲] یہ شجرہ، صحیفۂ ابرار (ترجمہ خیر البیان و ملفوظات رزاقیہ) مترجمہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی کیرانوی صدر شعبہ اردو دلی یونیورسٹی، دہلی، کے آخر میں شامل ہے ص۵۳۵ تا ص۵۶۸ (مطبوعہ ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء) یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ شجرہ ڈاکٹر تنویر صاحب کا مرتب کیا ہوا نہیں ہے۔ ناشر کا اضافہ ہے اور ڈاکٹر صاحب بھی اس سے متفق نہیں ہیں۔

[۳] شجرہ ملحقہ صحیفۂ ابرار ص۵۳۶

[۴] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ، ملا محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ ص۱۷۹ جلد اول (کان پور ۱۳۰۱ھ) اور منتخب التواریخ، ملا عبد القادر بدایونی، اردو ترجمہ محمود احمد فاروقی ص۱۹۲-۱۹۶ (لاہور ۱۹۶۲ء)

شیخ قطب شاہ کے نام فرمان مکتوبہ ۸۳۶ھ کو فرمان محمد بن فیروز شاہ تغلق مکتوبہ ۷۹۳ھ خیال فرماکر حضرت نے اس جگہ اس کا حوالہ ذکر فرمادیا ہے۔ مگر حاجی محمد محسن کی فرامین کے اس امتیاز پر نظر تھی اسی لیے حاجی محسن مرحوم نے خاندان کے مفصل نسب نامہ[1] میں شیخ قطب شاہ اور اس فرمان مکتوبہ ۸۳۶ھ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

(۲)

قاضی قطب الدین کیرانوی[2] عرف شیخ قطب شاہ، اور شیخ محمد فاضل کے نام شجرۂ خاندان مفتی الٰہی بخش و مولانا محمد اسمٰعیل کے شجرہ میں کس طرح شامل ہوئے، اس کی تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ مولانا محمد اشرف جھنجھانوی کے والد ماجد تین بھائی تھے۔ مولانا شیخ جمال محمد، مولانا کمال محمد اور شیخ منصور۔ موخرالذکر یعنی شیخ منصور جھنجھانہ سے ترک سکونت کرکے کیرانہ آگئے تھے ان کے دو صاحبزادے ہوئے ابومحمد اور محمد فاضل[3]۔ محمد فاضل کے ایک صاحبزادے تھے روشن علی، ان کے تین لڑکے ہوئے — قاسم علی، مردان علی اور فضل علی — مگر خاندان میں مروج شجرہ میں (حاجی محمد محسن کا شجرہ مستثنیٰ ہے) شیخ روشن علی، اور شیخ محمد کو حقیقی بھائی، اور محمد فاضل کا صاحبزادہ لکھا گیا ہے، اور بعد کا تمام سلسلہ شیخ محمد سے وابستہ دکھایا گیا ہے۔

---

[1] یہ شجرہ کئی سال کی مسلسل محنت وتحقیق کے بعد سینکڑوں فرامین و دستاویزات کی روشنی میں، ہر اندراج کے ماخذ اور تفصیلات کے ساتھ ۱۳۶۳ھ میں مرتب ہوا ہے اور ڈور رجسٹر دو کے ۲۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ شجرہ ہمارے ذخیرہ کتب میں محفوظ ہے اور راقم سطور نے اس سے رہنمائی حاصل کی ہے۔

[2] قاضی قطب الدین عرف قطب شاہ کے صرف ایک صاحبزادے محمد سعید تھے، ان کی اولاد کی تفصیل کے لیے شجرہ علویان جھنجھانہ ملاحظہ ہو۔

[3] بی بی لاڈو بنت محمد فاضل بن شیخ منصور، بن شیخ بابن، اور شیخ حسن ولد ابومحمد بن شیخ منصور ساکن کیرانہ کی طرف سے "دو بیگھہ پنج بسوہ زمین، خرید مولانا جمال با برادران فرزندان میاں بابن" کا بیعنامہ بنام مولانا محمد شریف جھنجھانوی۔ مکتوبہ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۰۸۳ھ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔

اس اندراج سے غلطی کی بنیاد صاف معلوم ہو رہی ہے۔

معروف شجرہ کے سب سے پہلے مرتب یا تو شیخ منصور سے واقف نہیں تھے، یا غلطی سے ان کا نام شجرہ میں درج ہونے سے رہ گیا تھا اور ناقل شجرہ نے ناواقفیت کے سبب سے ابو محمد اور محمد فاضل کو ایک مرکب نام یعنی ابو محمد کو محمد فاضل کی کنیت خیال کرتے ہوئے شیخ محمد کے بعد محمد فاضل کے نام کا اضافہ کر دیا۔ اس کے بعد کسی اور ناقل نے اس شاخ کی کیرانوی نسبت کی وجہ سے قاضی قطب قطب الدین عرف قطب شاہ کا اضافہ کیا، اور یہی شجرہ اور اس کی نقلیں اہل خاندان کے سامنے رہیں، اور اس شجرہ پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کی وجہ سے کبھی قدیم دستاویزات سے رجوع نہیں کیا گیا، اسی لئے اس کا غلط و بے اصل ہونا بھی معلوم نہیں ہوا۔

صحیح یہی ہے کہ مولانا قاضی شیخ محمد، حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی کے پر پوتے ہیں۔ قاضی ضیاء الدین تک سلسلہ نسب فرمان محمد بن فیروز شاہ تغلق مکتوبہ ۷۹۳ھ کے حوالہ سے گزر گیا ہے مگر ایک بار پھر تازہ کر لیجئے۔

"مولانا محمد اشرف، بن مولانا جمال محمد بن شیخ نور محمد عرف بابن شاہ، بن مولانا بہاء الدین شاہ، بن مولانا شیخ محمد بن مولانا کریم الدین مذکر، بن امام تاج مذکر، بن امام حاج بن قاضی ضیاء الدین سنامی" اور اس کے بعد دونوں شجرے بیک نظر ملاحظہ ہوں۔

۱۔ صحیح شجرہ جو مطابق دستاویزات ہے:

۱۔ قاضی کریم الدین مذکر

۲۔ مولانا شیخ محمد

۳۔ مولانا قاضی بہاء الدین

۴۔ نور محمد عرف بابن شاہ

۵۔ مولانا جمال محمد — مولانا کمال محمد — شیخ منصور

۶۔ مولانا محمد اشرف — ابو محمد — محمد فاضل

۷۔ مولانا محمد شریف — روشن علی

۸۔ مولانا فیض محمد (جد مولانا محمد اسمٰعیل) — مولانا عبدالقادر (جد مفتی الٰہی بخش) — قاسم علی — مردان علی — فضل علی

۲۔ شجرہ جو غلط مگر معروف و مطبوعہ ہے:۔

۱۔ شیخ قطب شاہ

۲۔ شیخ محمد فاضل

۳۔ مولانا شیخ محمد — شیخ روشن علی اول

۴۔ مولانا شیخ بہار الدین — قاسم علی — مردان علی

۵۔ نور محمد عرف بابن شاہ

۶۔ مولانا جمال محمد

۷۔ مولانا محمد اشرف

۸۔ مولانا محمد شریف

۹۔ مولانا فیض محمد — حکیم عبدالقادر

(جد مولانا اسمٰعیل) — (جد مفتی الٰہی بخش)

سرسید احمد خاں کی ایک غیر مطبوعہ تحریر سے بھی خاندان مفتی الٰہی بخش کے مولانا قاضی شیخ محمد کی اولاد میں ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ سر سید احمد مولانا علاء الحسن کاندھلوی (م ۱۳۱۴ھ) کو عطا کئے گئے سرٹیفکیٹ میں لکھتے ہیں:۔

"یہ خاندان حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اوّل رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسل میں ہے (اب سے) پانسو برس گزرے بعہد سلطنت فیروز شاہ تغلق یہ خاندان ہندوستان کے اس حصہ میں آکر آباد ہوا۔ یہ خاندان اب تک ان اراضیات پر قابض ہے جو ان کو حسب اصلی فرمان رجب ۷۲۹ھ عطا کردہ محمد شاہ تغلق، جس کا زمانہ سلطنت بہت قلیل رہا ہے عطا کئے گئے ہیں۔" [۱]

---

[۱] یہ سرٹیفکیٹ ۱۸۹۳ء میں سرسید احمد خاں کے حسب ہدایت جسٹس سید محمود نے تحریر کیا، اور اس پر تصحیح اور اضافات غالباً سرسید احمد کے قلم سے ہیں۔ یہ مسودہ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔ میر ولایت حسین مولوی علاء الحسن کو یہ سرٹیفکیٹ عطا کرنے پر جسٹس سید محمود سے سخت خفا ہیں۔ معلومات کے لئے ملاحظہ فرمایئے: آپ بیتی میر ولایت حسین، بی اے، ایم اے۔ او کالج کی کہانی ص۱۱۰-۱۱۱ (علی گڑھ ۱۹۷۰ء)

سرسّید احمد کے گھرانے کے خانوادۂ مفتی الٰہی بخش سے بہت پُرانے اور کئی نسلوں سے تعلقات تھے، سرسّید احمد نے اسی سند میں لکھا ہے :۔

" اس خاندان اور میرے خاندان سے کئی نسلوں سے بہت زیادہ تعارف رہا ہے۔"

اور خود سرسید کو اسی خاندان کے ایک ممتاز فرد مولانا نورالحسن کاندھلوی سے تلمذ تھا[1]، اس لیے سرسّید کا مذکورہ بالا بیان بہت اہم ہے اور یقیناً معتبر اطلاعات پر مبنی ہوگا۔

(۳)

اس خاندان کے متعلق ایک اور بے سند روایت یہ مشہور ہے کہ اس کا سلسلۂ نسب حضرت امام فخرالدین رازی کے واسطہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے، مگر یہ روایت بھی درست نہیں ہے۔ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی لکھتے ہیں :۔

اعلم ان سلسلۃ نسبہ تصل الی الامام	جان لو کہ ان (مفتی الٰہی بخش) کا سلسلہ
فخرالدین الرازی من جہۃ الجدات	نسب ننہال کی طرف سے امام فخرالدین
والامام من جہۃ الاجداد فلیس فیہ الامام	رازی تک پہونچتا ہے، مگر ددھیال
المذکور[2]	کے شجرہ میں امام موصوف نہیں ہیں۔

حضرت امام رازی سے خاندانی نسبت کی پہلی اطلاع مولانا ریاض الحسن محمد سلیمان کاندھلوی (م ۱۳۲۵ھ) کی تحریر سے ملتی ہے۔ مولانا سلیمان کی اصل تحریر تو میری نظر سے نہیں گزری مگر اس کا فارسی ترجمہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے :۔

بدانکہ سلسلۂ نسب مفتی صاحبؒ	واضح ہو کہ حضرت مفتی صاحبؒ کا

---

[1] سرسید کے مولانا سے تلمذ و استفادہ کی تفصیل اور مولانا کے نام سرسیّد کے خطوط کے لئے رجوع فرمایئے حیات سرسید کا ایک گم شدہ ورق۔ از نورالحسن راشد، ماہنامہ "آج کل" دہلی۔ مئی ۱۹۷۵ء

[2] تذکرہ، الملحقہ شرح قصیدہ بانت سعاد از حضرت مفتی الٰہی بخش صہ (دہلی ۱۳۰۴ھ)

بہ امام رازی، وحضرت صدیق اکبرؓ — سلسلۂ نسب حضرت امام رازی اور

مادر سدؔ[1] — صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے

غالباً مولانا سلیمان نے یہ خیال اس شجرہ سے اخذ کیا ہے جو مولانا امام الدین کاندھلوی (م ۱۲۰۰ھ) کی تالیف رسالہ نسب اربعہ کے آخری صفحہ پر لکھا ہوا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ مولانا نے اس شجرہ کی وجہ سے مفتی الٰہی بخش کے حضرت امام رازی کی اولاد میں ہونے کا ذکر فرما دیا، اور یہ خیال نہیں کیا کہ کاتب شجرہ نے اس پر "نسب جد فاسد" کا عنوان دیا ہے، جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ شجرہ ننھیال کا ہے اور نسب کے معاملہ میں مادری سلسلہ پر اعتماد نہیں کیا جاتا ہے، یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ "نسب اربعہ" پر تحریر نسب نامہ حضرت مفتی الٰہی بخش کی والدہ ماجدہ کا نہیں ہے اور بعض شواہد کی وجہ سے راقم سطور کو اس میں بھی شبہ ہے کہ یہ شجرہ مولانا امام الدین کی والدۂ محترمہ کا ہو، کیونکہ حضرت مفتی الٰہی بخش کی والدہ محترمہ کا نام عظمت النساء اور مولانا امام الدین کی والدہ صاحبہ کا نام خانم ہے اور جو سلسلۂ نسب نسب اربعہ پر نقل ہوا ہے وہ مفتی الٰہی بخش اور مولانا امام الدین کی سوتیلی والدہ (مولانا محمد عرف شیخ الاسلام کی تیسری اہلیہ) بی بی ماہن کا ہے اور نسب نامہ یا فرائض کی تحریرات سے ان کی کسی اولاد کا سراغ نہیں ملا ہے۔

اور اگر مفتی الٰہی بخش کی والدہ ماجدہ کا سلسلۂ نسب بھی محترمہ بی بی ماہن کی شاخ سے وابستہ ہو تو اس وقت بھی حضرت مفتی صاحب کو امام رازی کی اولاد میں ذکر کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ شجرۂ منقول بر نسب اربعہ کے آخری نام اس طرح ہیں:۔

"قاضی ابوبکر بن امام فخرالدین بن امام قطب الدین بن میر احمد رازی بن سلطان

---

[1] تذکرۂ مفتی الٰہی بخش، مولانا احمد حسن کان پوری ص۹، (رسائل اختتام مثنوی مولانا روم، مطبوعہ کان پور ۱۳۱۹ھ) یہ تذکرہ مولانا سلیمان کی تالیف حالات مفتی الٰہی بخش کا فارسی ترجمہ ہے اصل اردو نسخہ مولف کے قلم سے ہمارے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے مگر اس کے کچھ اوراق ضائع ہو چکے ہیں۔

حضرت امام رازی کی اولاد میں ہونے کی روایت نزہۃ الخواطر مولانا عبدالحی حسنی ص۵۵، جلد ۷ (حیدرآباد ۱۳۷۸ھ) میں بھی نقل ہوئی ہے، غالباً اس کا ماخذ یہی تذکرہ مشمولہ اختتام مثنوی ہے۔

ابوسعید۔"
مگر حضرت امام فخر الدین رازی، مؤلف تفسیر کبیر (م ۶۰۶ھ) کے والد ماجد کا نام عمر، اور لقب ضیاء الدین ہے، اور سلسلۂ نسب اس طرح ہے "محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین"[1] حضرت امام کا صحیح سلسلۂ نسب معلوم ہو جانے کے بعد مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴)

شجرۂ علویان جھنجھانہ میں خاندان مولانا محمد اشرف جھنجھانوی کو علوی، اور مفتی ابوسعید رازی کی اولاد میں لکھا ہے اور مرتب شجرہ نے مفتی الٰہی بخش کے والد ماجد مولانا محمد عرف شیخ الاسلام کے کاندھلہ منتقل ہونے کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ

" اس کے بعد شیخ الاسلام نے اپنے حصہ کی کل جدی جائداد جو جھنجھانہ میں تھی، اپنے بھائیوں محمد مشائخ وغیرہ کو دے دی۔ اس تقسیم کے بعد مولانا محمد بخش عرف شیخ الاسلام نے مستقل طور پر کاندھلہ کی سکونت اختیار کر لی[2] آپ کی دختر بی مہرو کی شادی شیخ کریم الدین بن شیخ خیر الدین تھانوی سے ہوئی، اس طرح یہ حضرات اور ان کی اولاد کاندھلہ کے صدیقی خاندان میں رشتہ داری اور سکونت کی وجہ سے اپنے آپ کو صدیقی لکھنے لگے[3]"

---

[1] رجوع فرمایئے الفوائد البہیہ، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی ص۹۷ (لکھنؤ ۱۲۹۳ھ) اور الاعلام، خیر الدین زرکلی ص۳۱۳ ج۶ (بیروت ۱۹۷۹ء)

[2] یہ اطلاع بھی درست نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ اس خاندان کی یہ شاخ مولانا محمد عرف شیخ الاسلام کی ولادت سے پہلے جھنجھانہ سے ترک سکونت کر کے کاندھلہ آگئی تھی، مولانا محمد شیخ الاسلام کی دو مفصل تحریرات اس کے پس منظر اور وجوہات پر مشتمل ہمارے یہاں محفوظ ہیں، اور ان تحریرات پر ۲۸۔ ۳۰ شہادتیں بھی ثبت ہیں، ان دونوں تحریروں میں مولانا شیخ الاسلام نے وضاحت کی ہے کہ تولد من سائل در قصبہ کاندھلہ اتفاق افتاد۔"

[3] شجرۂ طیبہ صحیفہ ابرار ص۵۶

اس عبارت سے مرتب شجرہ نے یہ تاثر دیا ہے کہ اس خاندان کے اکابر نے کاندھلہ میں موجود حقیر جائداد حاصل کرنے کے لئے اپنی اصل نسبت ترک کر کے صدیقی لکھنا شروع کیا تھا، مگر یہ خیال غلط اور بہتان کے مترادف ہے، ہم اس رائے کو درست سمجھتے، اگر صدیقی لکھنے میں مولانا محمد عرف شیخ الاسلام، اور ان کے اخلاف منفرد ہوتے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ مولانا فیض محمد، ان کے صاحبزادے مولانا محمد ساجد، اور ان کے اہل خاندان جو ہمیشہ جھنجھانہ میں رہے اور حکیم شریف الدین جھنجھانوی کی اولاد جس میں مولوی وجاہت حسین وجاہت جھنجھانوی (ایڈیٹر ماہنامہ لسان العصر، و زمیندار لاہور) بھی شامل ہیں خود کو صدیقی لکھتے تھے[1] حالانکہ ان میں متعدد افراد مولانا شیخ الاسلام سے پہلے ہیں، اور جو بعد کے ہیں ان کی کاندھلہ میں کوئی عزیز داری نہیں تھی، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ پورا سلسلہ شیخ نور محمد عرف بابن شاہ کے ذریعہ سے حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی سے منسلک ہے اور قاضی صاحب کا صدیقی ہونا مورخین اور ماہرین انساب کے نزدیک معتبر ہے۔

۵

خانوادۂ مولانا محمد اشرف جھنجھانوی کا خاندان علویان سے نسبی رابطہ نہ ہونے کی تفصیلات گزر گئی ہیں، مگر مشائخ کاندھلہ کے پہلے ایڈیشن[2] اور صحیفۂ ابرار میں منقول اہل جھنجھانہ کے صدیقی و علوی خاندان کے مشترک نسب نامہ سے غلط فہمی کا بہت امکان ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جھنجھانہ کے علوی خاندان کے معروف و مطبوعہ شجرہ کے متعلق بھی اپنی ناچیز معلومات یہاں پیش کر دی جائیں۔

---

[1] مثلاً ملاحظہ ہو رسالہ اختلاف اللسان، وجاہت حسین وجاہت جھنجھانوی (لاہور ۱۹۰۶ء)

[2] مولانا احتشام الحسن کاندھلوی نے مشائخ کاندھلہ ۱۹۱۰ء (طبع اول۔ دہلی) میں حضرت ابوبکر صدیق تک سلسلۂ نسب درج کیا ہے اگرچہ بعینہٖ وہی شجرہ ہے جو صحیفۂ ابرار میں شامل ہے اور ان اطراف کے علوی گھرانوں میں مروج و مستعمل ہے۔ مولانا نے اس میں صرف یہ ترمیم فرمائی ہے کہ میر حسن ریاسی بن ابوالقاسم محمد الاکبر کو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے وابستہ کر دیا ہے مگر مولانا نے اس رائے اور اندراج سے رجوع فرما لیا تھا۔ مشائخ کاندھلہ کے بعد کے ایڈیشنوں میں یہ عبارت موجود نہیں ہے۔

خانوادۂ حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجھانوی (م ۹۴۹ھ) کے نسلاً علوی ہونے کی سب سے پہلی اساسی روایت خیرالبیان تالیف جمال محمد مزکی بن حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجھانوی (مولفہ ۱۰۲۴ھ تا ۱۰۳۴ھ) کی ہے جو خیرالبیان کے قدیم ترین مخطوطے مکتوبہ ۱۰۹۰ھ کا جو اقتباس صحیفۂ ابرار (ترجمہ خیرالبیان) میں نقل کیا گیا ہے اس میں بھی "جمال محمد بن عبدالرزاق العلوی القادری" تحریر[1] ہے مگر ہمارے ذخیرہ میں اہل جھنجھانہ کا ایک بیع نامہ مکتوبہ ۱۰۴۹ھ محفوظ ہے، اس دستاویز پر شاہ جمال محمد مزکی کی مہر اور ان کے صاحبزادے مزکی محمد کی دستخط، اور اس خاندان کی متعدد ممتاز شخصیتوں شاہ نجم الدین مزکی شاہ ابوالحیات مسلم، شاہ بختیار، عبدالرحمٰن عبدالمومن کے دستخط یا مہریں ثبت ہیں[2]۔ ایک مہر کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے صاف نہیں پڑھی گئی، جو حروف سمجھ میں آئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مہر شاید شاہ عبدالرزاق کے دوسرے صاحبزادے افضل جھنجھانوی (مولف بکٹ کہانی) کی ہو[3]، مگر ان میں سے کسی بھی مہر یا دستخط میں علوی نسبت مذکور نہیں ہے، دو شہادتوں الواقع کذالک مرتضیٰ میران کتبہ بخطہٖ اور سبحان میران کتبت بخطہٖ کا تبین کے سید یا علوی ہونے کا خیال ہوتا ہے، لیکن ان دونوں کا شجرۂ علویان جھنجھانہ میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ خانوادہ شاہ عبدالرزاق کے کسی بھی دستخط یا مہر میں علوی نسبت کا ذکر نہ ہونے سے شبہ ہوتا ہے کہ مخطوطہ خیرالبیان میں علوی نسبت کا اندراج کسی ناقل و کاتب کا اضافہ نہ ہو۔؟

ہمارے خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ خود حضرت شاہ عبدالرزاق[4] اور ان کے قریب العہد و معاصر تذکرہ نگاروں[5] نے بھی خاندان و نسب کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، اور شاہ عبدالرزاق کے

---

[1] صحیفہ ابرار ص۱۱ مذکورہ بالا مخطوطہ آصفیہ لائبریری حیدرآباد میں محفوظ ہے۔

[2] ان شخصیات کے متعلق معلومات کے لئے ملاحظہ فرمایئے، شجرہ ملحقہ صحیفہ ابرار ص۵۳۶ تا ص۵۴۲ اور مقدمہ صحائف معرفت مرتبہ ڈاکٹر تنویر احمد صاحب علوی ص۲ (جھنجھانہ ۱۳۸۸ھ)

[3] افضل جھنجھانوی، اردو ادب و تاریخ کی قدیم ترین اور ناقابل فراموش شخصیت ہیں۔ تفصیلات کے لیے مراجعت کیجئے پنجاب میں اردو، پروفیسر محمود خاں شیرانی، اور بکٹ کہانی افضل جھنجھانوی مرتبہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی

[4] صحائف معرفت، شاہ عبدالرزاق جھنجھانوی۔ اردو ترجمہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی ص۳

[5] ملاحظہ ہو: اخبار الاخیار، شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص۲۴۱-۲۴۶ (احمدی دہلی ۱۲۷۰ھ) آئین اکبری ابوالفضل ص۲۱۴ [illegible] ص۲۲۵-۲۲۸ [illegible] ۱۳۲۵ھ)

مزار پر کندہ کتبات میں بھی خاندان ونسب کی جانب کوئی اشارہ نہیں ہے۔[1]

اس خاندان کے تمام قلمی اور قدیم ترین مطبوعہ شجرہ کے نسخوں میں شیخ ابوسعید اور ان سے اوپر کے چار ناموں (جن کی ترتیب میں اختلاف ہے) کے ساتھ سلطان کا لاحقہ موجود ہے۔ مثلاً سلطان ابوسعید، سلطان اسحٰق اور سلطان محمد شریف، اور ایک نام جس پر تمام قلمی اور مطبوعہ نسخے متفق ہیں سلطان فرخ شاہ کا ہے مگر اس ترتیب سے شاہان عراق کا کوئی سلسلہ راقم سطور کو معلوم نہیں ہے۔

سلطان ابوسعید نامی دو معروف حکمراں سلطان ابوسعید بن ارسجائیتو خاں خدا بندہ، اور سلطان ابوسعید بن محمد بن میراں شاہ بن تیمور گزرے ہیں۔ مگر شاہ ابوسعید رازی کا ہندوستان میں ورود ۶۰۲ھ سے پہلے بیان کیا جاتا ہے[2] جو ان سلاطین کے عہد سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا ہے، تاہم سلطان ابوسعید بن محمد بن میراں بن تیمور، اور شجرۂ علویان میں مذکور سلطان ابوسعید بن مرجان شاہ[3] میں لفظی مناسبت اور اشتراک کی وجہ سے اس پر غور وفکر کی ضرورت ہے، مگر اس نسب کے بعد علوی نسبت کیونکر درست ہو سکتی ہے؟

ایک اور نام جو اختلاف ترتیب کے ساتھ تمام نسخوں میں موجود ہے سلطان فرخ شاہ کا ہے، مگر معروف فرخ شاہ فاروقی ہیں، حضرت بابا فرید گنج شکر، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت حاجی امداد اللہ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی انہی کی اولاد میں ہیں[4] ان فرخ شاہ

---

[1] یہ کتبات شاہ عبدالرزاق کے صاحبزادگان کی نگرانی میں نصب ہوئے ان کے متن اور تفصیلات کے لئے دیکھئے صحائف معرفت ص۵۵-۵۹

[2] ملفوظات رزاقیہ بتمہید از مولوی اشفاق حسین جھنجھانوی (فیروزپور ۱۳۰۳ھ)

[3] از شجرۂ مکتوبہ (۱۲۰۰ھ) بر صفحۂ آخر رسالۂ نسب اربعہ، مولانا امام الدین کاندھلوی۔

[4] تفصیلات کے لئے رجوع کیجئے، مراۃ الانساب ص۳۵، اشرف السوانح (سوانح حضرت تھانوی) خواجہ عزیز الحسن مجذوب ص۱۳تا۱۴، جلد اول (دہلی ۱۳۵۴ھ)۔ اشرف السوانح ص۱۱۶تا۱۲۱ جلد سوم (لکھنؤ ۱۳۵۰ھ) حضرت مجدد الف ثانی، مولانا زوار حسین شاہ ص۲۵تا۴۲ (کراچی ۱۳۹۲ھ) مقامات خیر (سوانح شاہ ابوالخیر) مولانا زید ابوالحسن فاروقی ص۲۴تا۳۳ (دہلی ۱۹۷۵ء)

کے علاوہ کوئی اور شاہ فرخ حسن کا سلسلۂ اسناد صحیح ہو کتب انساب میں مذکور نہیں ہیں۔

علویان جھنجھانہ کا سلسلۂ نسب حسن جاسی یا ریاسی (؟) بن محمد بن الحنفیہ کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے مگر علمائے انساب نے تصریح کی ہے کہ:۔

"سوائے جعفر بن محمد اور علی بن محمد کے محمد بن حنفیہ کے کسی بیٹے کی اولاد موجود نہیں ہے"۔[1]

نسب نامہ علویان جھنجھانہ کے آٹھ (قلمی) (مکتوبہ ۱۲۰۰ھ تا ۱۳۵۶ھ) اور چار مطبوعہ[2] نسخے راقم سطور کے سامنے ہیں، ان میں مفتی ابوسعید قادری سے محمد بن حنفیہ تک ۱۸ سے ۲۵ تک واسطے مذکور ہیں اور ناموں کی ترتیب میں بھی یکسانیت نہیں ہے۔ اور ایسا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں جس کی بنیاد پر کسی ایک کو صحیح قرار دیا جا سکے۔

مولانا قاضی شیخ محمدؒ کا کاندھلہ میں تقرر

حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی کے پرپوتے، مولانا کریم الدین ذکر، مراسم دینی کی نگہبانی اور امامت کے لئے کاندھلہ میں متعین تھے، اور رجب ۷۹۳ھ سے پہلے وفات پا چکے تھے، اور ان کے صاحبزادے مولانا قاضی شیخ محمد کاندھلہ ہی میں مقیم تھے، اور جب سلطان ابوالفتح محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق کا ۲۲ رجب ۷۹۳ھ میں کاندھلہ نزول ہوا تو سلطان نے ایک فرمان

---

[1] حاشیہ ترجمہ منتخب التواریخ۔ ملا عبدالقادر بدایونی ترجمہ محمود احمد فاروقی ص ۱۶۳ (لاہور ۱۹۶۲ء) بحوالہ عمدۃ المطالب فی انساب آل ابی طالب۔ نیز ملاحظہ ہو تحقیق الانساب، محمود احمد عباسی امروہوی ص ۱۲۵-۱۲۶ ماہنامہ اصلاح کھجوہ بہار ص ۳۹ جلد ۲۵ شمارہ اول، اور المعارف لابن قتیبہ ص ۹۵ تحقیق محمد اسمٰعیل عبداللہ انصاری (قاہرہ ۱۳۵۳ھ)۔

[2] حسام عبرت منظوم، منشی امداد علی تھانوی ص ۹ (بریلی ۱۳۲۷ھ) نور محمدی (سوانح میاں جی نور محمد جھنجھانوی) جناب نسیم احمد علوی ص ۳۲ (طبع سوم) حالات مشائخ کاندھلہ ص ۹-۱۰ (طبع اول) شجرہ مشمولہ صحیفہ ابرار۔

جاری کر کے مولانا شیخ محمد کو ان کے والد ماجد کی جگہ پر مقرر و متعین کیا۔ اس موقع پر جو فرمان جاری ہوا تھا اس کی ضروری عبارت حسب ذیل ہے:

"چوں حضرت فلک رفعت درگاہ عالی پناہ، آسمان جاہ بادشاہانہ، ماحدیث کر بر ظہر فرمان ہمایوں اعلیٰ مسطور است، بموقف عرض رسانیدند، ازراہ وفور مرحمت ثبت شد۔

عاطفت خسروانہ فرمودہ امر باصحاب مناصب دولت علی فرمان، وامر علیہا وکارکنان شتی مسائل دولت و معاملہ کا دھلہ[1] جنح امام افضل لتعالی المذکور آں از نقل فرمین بموجب حجبتہا پدر امام محمد، در قصبہ تعین داشت، واو برحمت حق پیوستہ مر آں جملہ لتعالی المذکور فرمان از نقل فرمین مذکور ر (؟) محمد پسر او مقرر و مستقر گیرند، وحکم فرمان مثبت شد۔"[2]

مظفر نگر گزیٹر[3]، حالات مشائخ کاندھلہ[4]، اور کاندھلہ کی شخصیات وتاریخ سے متعلق جملہ کتابوں میں فرمان تغلق مکتوبہ رجب ۹۳ھ کے حوالے سے تحریر ہے کہ سلطان نے ایک مسجد

---

[1] اس فرمان (مکتوبہ ۲۲ رجب ۹۳ھ) میں اور اس کے بعد سے جمادی الاولی ۱۰۷۴ھ تک تحریر شدہ تمام فرامین و دستاویزات میں کادھلہ (بغیر نون کے) لکھا ہوا ہے، اس کے بعد کی لکھی ہوئی صرف ایک تحریر (فرمان عالمگیر مکتوبہ ۲۵ محرم ۱۱۰۲ھ) میں کادھلہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام تحریرات میں کاندھلہ ہے۔ اچانک کادھلہ سے کاندھلہ کیوں ہوا، کچھ سراغ نہیں ملتا۔

[2] اس فرمان کو اس کے نادر و کمیاب رسم خط کی وجہ سے صاف پڑھنا اور استفادہ کرنا بہت دشوار ہے۔ راقم سطور نے اس کے متن کے لئے اس نقل پر اعتماد کیا ہے جو اس فرمان کی پشت پر لکھی ہوئی ہے۔ یہ نقل تقریباً پچاس سال پہلے متعدد اہل علم اور اصحاب ذوق کی مدد سے کرائی گئی تھی، اور راقم سطور کو اس کا بھی اعتراف ہے کہ وہ منقولہ بالا عبارت کے بعض الفاظ کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہا ہے۔

[3] Muzaffar Nagar Gazetteer Page No 278 Allahabad 1903

[4] حالات مشائخ کاندھلہ ۱۸

تعمیر کرنے کا حکم دیا، اور قاضی شیخ محمد کو ۲۰ ہزار بیگھ زمین کا فرمان عطا فرما کر کاندھلہ میں متعین کیا مگر اس فرمان مکتوبہ ۲ رجب ۹۳۰ھ سے قاضی شیخ محمد کو قاضی کریم الدین مذکر کے قائم مقام مقرر کرنے کی اطلاع تو ملتی ہے لیکن اس فرمان میں عطائے اراضی اور تعمیر مسجد کا کوئی ذکر نہیں ہے مذکورہ بالا عبارت کے علاوہ تمام فرمان سلطان کے القابات و خطابات سے پر ہے. ممکن ہے کہ عطائے اراضی اور تعمیر مسجد کا واقعہ اس سے پہلے ہوا ہو، یا اسی وقت دو فرمان جاری ہوئے ہوں مگر اب کوئی فرمان جس میں اراضی اور تعمیر مسجد کا ذکر ہو، راقم سطور کے علم میں نہیں ہے۔

مولانا شیخ محمد کے پوتے شیخ نور محمد عرف بابن شاہ کاندھلہ سے ترک وطن کر کے جھنجھانہ چلے گئے تھے، اس ترک وطن کی وجوہات و تفصیلات معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے تاہم بابن شاہ کے نام ، ۴۴ بیگھہ آراضی کا ایک فرمان مکتوبہ ۹۸۱ھ حاجی محمد محسن کاندھلوی کی نظر سے گزرا تھا. حاجی محسن مرحوم نے نسب نامہ خاندان میں اس کا حوالہ درج کیا ہے، مگر اس وقت اس فرمان کی نسبت کوئی اطلاع نہیں ہے۔

اور مولانا شیخ جمال محمد کے نام شاہجہاں کا ایک فرمان مکتوبہ ۱۹ ربیع الثانی ۱۰۶۸ھ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے. اس فرمان کے ذریعہ جمال محمد وغیرہ کو مساۃ لہری (؟) ساکن کاندھلہ کے ترکہ میں سے انچاس بیگھ زمین مدد معاش کے لئے عطا کی گئی ہے۔ افسوس اس فرمان سے مزید معلومات نہیں ملتی ہیں۔

ہر چند کہ مولانا قاضی شیخ محمد، مولانا شیخ بہار الدین شاہ اور مولانا جمال محمد شاہ کی نسبت مفصل یا مختصر معلومات دستیاب نہیں ہیں، مگر قدیم سے قدیم تر دستیاب کاغذات میں ان تینوں شخصیتوں کے نام کے ساتھ "مولانا شیخ" کا تعظیمی لاحقہ موجود ہے، اور علماء و صوفیاء کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد (دسویں گیارھویں صدی) میں، مولانا کا تعظیمی لفظ بہت احتیاط سے صرف ان افراد کے لئے استعمال ہوتا تھا جو علم و فضل میں یگانہ، اور درس و تدریس میں شہرۂ آفاق ہوں[1]۔

---

[1] اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی (مؤلفہ ۹۹۹ھ)، اور تذکرۂ گلزار ابرار محمد غوثی شطاری (مولفہ ۹۹۸ھ تا ۱۰۱۲ھ) کے مطالعہ سے اس کا واضح اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا محمد اشرف جھنجھانوی

مولانا محمد اشرف کی تعلیم و تربیت کی نسبت مفصل معلومات کا فقدان ہے۔ مولانا کے متعلق معلومات کا واحد ذریعہ وہ واقعات ہیں، جو مولانا کے پرپوتے مولانا محمد ساجد (م ۱۲۰۸ھ) کی تالیف "غرائب الهند" کے حوالے سے مفتی الٰہی بخش کاندھلوی نے اپنی بیاض میں نقل کئے ہیں، اس بیاض کے حوالے سے یہ واقعات مشائخ کاندھلہ میں بھی نقل ہو چکے ہیں۔ مگر راقم الحروف نے استفادہ کے لئے اصل بیاض[1] کو سامنے رکھا ہے، اور واقعات کو جوں کا توں مگر ترتیب میں معمولی سی ترمیم کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اور لفظی ترجمہ پر آزاد ترجمہ کو ترجیح دی ہے۔

مولانا محمد اشرف، علم و فضل، درس و استفادہ، معرفت و سلوک، استغنا اور ترک دُنیا میں فرد فرید تھے۔ مولانا سے قریب العہد بعض بیعناموں میں مولانا کے لئے "مشیخت پناہ، فضائل و کمالات دستگاہ" کے تعظیمی الفاظ موجود ہیں، جو اس وقت اعترافِ کمال کی بڑی سند سمجھے جاتے تھے۔

عِلم و فضل اور درس و تدریس

مولانا محمد اشرف کا علم و فضل میں مقام کتنا بلند، کس قدر شہرت، اور درس و تدریس میں مشغولیت کا کیا عالم تھا، اس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ علامہ عصر ملا عبدالحکیم سیال کوٹی (م ۱۰۶۷ھ) نے مولانا کے فضل و کمال کا شہرہ سنا تو دہلی جاتے ہوئے جھنجھانہ آئے جس وقت علامہ سیال کوٹی پہونچے تو مولانا محمد اشرف مطوّل کا درس دے رہے تھے۔ مولانا نے علامہ کی پذیرائی فرمائی، اور مختصر مدارات کے بعد دوبارہ سبق شروع فرما دیا۔ علامہ نے مولانا سے علمی مکالمہ شروع کیا۔ بحث کا سلسلہ طویل ہوا، اور مختلف مباحث پر گفتگو ہوئی۔ منقولات بھی زیر بحث آئے، پھر سلسلہ کلام اصولِ علوم پر پہونچا تو مولانا نے فرمایا، ہاں! اب ہمارے

---

[1] بیاض حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، ورق ۱۴۲، الف تا ورق ۱، ب (بیاض متفرقات اول)

موضوع پر آئے ہو۔ ! مولانا کے اس ارشاد پر علامہ نے شاید یہ خیال کیا کہ مولانا دوسرے مباحث میں بھی کسی سے کم نہیں ہیں، اور اس موضوع پر جس کو اپنا موضوع قرار دے رہے ہیں، ممکن ہے کہ مجھے خاموش کر دیں، اس لئے اسی مقام پر گفتگو ختم کر دی اور کہا:

"منکر نفوس قدسیہ بودم، حالا معلوم شد کہ دریں جہاں موجود اند"[1] — میں نفوس قدسیہ کے وجود کا منکر تھا مگر اس وقت معلوم ہوا کہ اس دُنیا میں موجود ہیں۔

اس گفتگو کے بعد علامہ نے حقہ کی حرمت میں اپنا تالیف کیا ہوا ایک رسالہ مولانا کے سامنے پیش کیا اور فرمایا:-

در علم ظاہر و باطن کامل ہستند، دریں باب چہ می فرمایند۔؟ — جناب، علم ظاہری و باطنی میں کامل ہیں اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔؟

مولانا نے فرمایا۔ مُباح ہے، کیونکہ اشیا میں اصل اباحت ہے اور حقہ خاص وعام میں رائج ہو چکا ہے[2] اس کو حرام کہنا زیادتی ہے، اس پر علامہ سیالکوٹی نے فرمایا، اگر حلال ہے تو میرے سامنے پیجئے۔ مولانا نے جواب میں فرمایا۔ میں ضعف دماغ کی وجہ سے اس سے سخت نفرت

---

[1] اسی طرح کا ایک واقعہ مولانا عبدالرحمٰن جامی (متوفی ۸۹۸ھ) کے ساتھ پیش آیا تھا۔ ہراۃ میں مُلّا علی قوشجی نے مولانا جامی کے سامنے چند مشکل سوالات پیش کئے۔ مولانا نے فی البدیہہ معقول جواب سے نوازا تو ملّا قوشجی خاموش ہو گئے اور کہا: "ازاں روز بازرا معلوم شد کہ نفس قدسی دریں عالم موجود بودہ است"۔ رشحات ملا حسین واعظ کاشفی ص۱۳۵ (لکھنؤ ۱۳۰۸ھ) نیز ملاحظہ فرمایئے الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ" مولانا عبدالحی فرنگی محلی ص۳۸ (لکھنؤ ۱۲۹۳ھ)

[2] اس وقت حقہ پینے کی وبا حد سے گزر گئی تھی، بقول ڈاکٹر محمد عمر:-

"ہر کس و ناکس تمباکو استعمال کرنے لگا تھا، یہاں تک کہ امرار، وزرار، شرفار، صلحار زہاد، فضلار، شعرار، فصحار، حکمار اور فقرار سب ہی اس کی طرف راغب ہو چکے تھے، اور دیگر اشیار خوردنی اور نوشیدنی پر اسے ترجیح دینے لگے تھے۔ تمباکو پینے کی لوگوں میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۶)

کرتا ہوں، اور علما کا قول کافی ہے، ہر مسئلہ پران کا عمل شرط نہیں ہے۔ علامہ پھر گویا ہوئے اگر قول کے ساتھ عمل بھی ہو تو کیا حرج ہے۔ اس پر مولانا نے ایک طالب علم کو طلب فرماکر حقہ پینے کا حکم دیا اور فرمایا،

دراجماع شرط اجماع مجتہدین است	اجماع میں علما مجتہدین کا اجماع شرط ہے
اجماع علما معتبر نیست، و بر تقدیر	عام علما کا اجماع معتبر نہیں ہے اگر علما کا
فرض و تسلیم اجماع راسند از کتاب یا	اجماع بھی سند تسلیم کرلیا جائے تو اسکے لئے
سنت درکار است، و درآنجا سند	کتاب و سنت سے سند کی ضرورت ہے اور اس
حرمت از کے خواہید"	مسئلہ پر حرمت کی دلیل کہاں سے آئے گی۔؛

مولانا کی تقریر کے بعد علامہ نے اپنا رسالہ چاک کر دیا۔

وادیٔ معرفت میں

مولانا ایک ندائے غیبی کا اشارہ پاکر شیخ و مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور بالآخر سلسلۂ قادریہ کے ایک بزرگ تک پہنچے، ان کے باطنی حالات کے کچھ تجربہ و مشاہدہ سے دل میں ان کی عقیدت پیدا ہوئی، مولانا نے ان سے کچھ علمی سوالات بھی کیے جس سے ان بزرگ کا علمی مقام بھی ان پر منکشف ہوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اتنی بری لت پیدا ہوچکی تھی کہ اس کے عادی کھانا پینا ترک کر سکتے تھے لیکن تمباکو ترک کرنا ان کے لئے ممکن نہ تھا"

______ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر ص۲۲۹ (دہلی ۱۹۷۵ء)

عہد جہانگیری میں تمباکو کا پینا قانونی طور پر ممنوع قرار دے دیا گیا۔ مگر شاہی حکم بھی اس فعل سے باز نہیں رکھ سکا، ایسے مجرموں کو شہر میں گشت کرایا جاتا، اور بعض کے ہونٹ تک کٹوا لیے گئے مگر اس سختی کے باوجود یہ مرض روز بروز بڑھتا گیا۔

بالآخر اس علمی مذاکرہ کے بعد مولانا، ان بزرگ سے بیعت ہوگئے، اورطریق قادریہ کے مطابق مجاہدے اور ریاضتیں کرتے رہے، دو سال کے بعد ان بزرگ نے ارشاد فرمایا، تمھارا باقی حصہ فلاں کے پاس ہے، اس ارشاد کے بعد بغدادی پیر سے رخصت ہوکر موخرالذکر بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے استفادہ کیا۔ ان بزرگ نے ایک اور شخصیت کی جانب رہنمائی فرمائی اور فرمایا جاؤ فلاں شخص سے کسب کمال کرو۔ ان کی خدمت میں نیاز حاصل کیا تو انھوں نے فرمایا۔ اب تم ہر طرح سے کامل ہوگئے ہو، وطن واپس جاؤ اور روحانی دولت کو اگر ظاہر کرنا چاہو تو مخلوق خدا کو بیعت کرو اور راہ ہدایت دکھاؤ، اور اگر چھپانا چاہو تو درس میں مشغول رہو، مولانا نے عرض کیا میں علم شریعت کی خدمت کرنا زیادہ پسند کرتا ہوں، اس پر ان بزرگ نے مولانا کو دعا سے نوازا اور فرمایا۔

"تاقیامت علم ظاہری از خاندان تو نخواہد رفت" قیامت تک ظاہری علم تیرے خاندان سے نہیں جائے گا۔

اس اجازت کے بعد پیر و مرشد سے رخصت ہوکر وطن آئے اور درس و تدریس میں مشغول ہوگئے اور کمال تربیت و سلوک اور اجازت بیعت کے باوصف بہت کم کسی کو بیعت فرماتے تھے۔ مولانا کا یہ معمول سن کر تھانیسر کے ایک بزرگ نے اپنے خادم کے ذریعہ جبہ اور ٹوپی مولانا کی خدمت میں روانہ کیا مگر زبانی کوئی پیغام نہیں بھیجا حضرت مولانا نے اس عطیہ پر پرانے جوتے رکھ کر واپس فرما دیا۔ حاضرین مجلس نے اس کا راز جاننا چاہا تو مولانا نے فرمایا، ان بزرگ کا مقصد یہ تھا کہ تم سلوک کی تکمیل کر چکے ہو، ہر طرح سے لائق بیعت و ارشاد ہو، لوگوں کو بیعت کرو اور خلافت و اجازت دو، میں نے اس کا جواب یہ بھیجا ہے کہ میں خود کو پرانے جوتوں سے بھی کمتر و حقیر سمجھتا ہوں اور بیعت و ارشاد کا اہل نہیں ہوں۔

---

[۱] مولف تفسیر کرتے وقت کے متعلق ان بزرگ کا ارشاد حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کے ایک ارشاد اور واقعہ کی بازگشت تھا جو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی نے نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص۱۹۱ (لکھنؤ ۱۳۰۲ھ)

توکّل واستغنا

شاہجہاں (دورِ حکومت ۱۰۳۸ھ تا ۱۰۶۹ھ) کے دورِ حکومت میں مولانا کے کمالات کا غلغلہ قلعہ معلّٰی تک پہونچا، تو شاہجہاں نے مولانا کو طلب کرنے کے لئے پالکی اور سوار جھنجھانہ بھیجے مولانا کو اس کی خبر ملی تو ایک روز صبح سویرے دہلی کے لئے روانہ ہو گئے۔ سوار فجر کے بعد مولانا کے دروازہ پر پہونچے اور مولانا کے منتظر رہے، جب ان کو مولانا کی دہلی کے لئے روانگی کا حال معلوم ہوا تو جھنجھانہ سے فوراً کوچ کیا اور دہلی واپس ہوئے۔ اس وقت مولانا بھی دہلی پہونچ چکے تھے مولانا نے اپنے معتقد ایک امیر کے توسط سے شاہجہاں سے ملاقات کی۔ بادشاہ نے (جملۃ الملک علامی) سعد اللہ خاں سے کہا کہ مولوی صاحب کا امتحان لو۔ سعد اللہ خاں نے مختلف علوم کے متعلق مسائل وسوالات دریافت کئے۔ جوابات سے مولانا کے تبحرِ علم کا اندازہ ہوا، تو بادشاہ کے حضور میں کہا:۔

"شیخ را دریائے یافتم کہ کنارہ او پیدا نیست۔"	میں نے شیخ کو علم کا ایک ایسا دریا پایا ہے جس کا ساحل معلوم نہیں۔"

اس علمی مذاکرہ کے بعد بادشاہ نے دو ہزار بیگھہ آراضی کا فرمان تیار کرا کے مولانا کی خدمت میں پیش کیا، مگر مولانا نے اس فرمان کو قبول کرنے سے معذرت فرمائی اور کہا:۔

خدا رازق ماست نہ بادشاہ، من برائے عمل بر آیۃ "اطیعوا اللہ واطیعوا الرّسول و اولی الامر منکم" آمدہ بودم نہ برائے تحصیل املاک۔	ہمارا رازق خدا ہے بادشاہ نہیں، میں تو اس آیت "تم اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو، اور رسول کا کہنا مانو، اور تم میں جو اہلِ حکومت ہیں ان کا بھی" (سورہ نساء ۵۹) پر عمل کرنے کی نیت سے آیا تھا، جائداد حاصل کرنے نہیں آیا۔

مولانا کے انکار فرمانے پر، مولانا کے متوسل امیر نے وہ فرمان مولانا کے صاحبزادگان کے نام منتقل کرا دیا تھا۔ اس فرمان کی نسبت مولانا احتشام الحسن کا یہ بیان درست نہیں کہ:۔

"شاہجہاں بادشاہ کا وہ فرمان مولانا محمد ساجد کے نام جاری ہوا جو آج بھی موجود ہے" [1]

مولانا محمد ساجد کی ولادت (۱۱۲۰ھ) سے پہلے عالمگیر کی بھی وفات ہو چکی تھی، اس لئے کس طرح ممکن ہے کہ مولانا محمد ساجد کے نام شاہجہاں کا فرمان جاری ہوتا۔ صحیح یہ ہے کہ مولانا محمد اشرف کے صاحبزادگان کے نام شاہجہاں کا یہ فرمان ۱۰۵۶ھ میں جاری ہوا تھا [2] اور عالمگیر کے بہت بعد بارھویں صدی ہجری کے وسط میں دربار شاہی سے اس کی توثیق و تجدید ہوئی تھی۔ یہی فرمان، یا توثیق نامہ مولانا احتشام الحسن کے پاس تھا، اور راقم سطور کی نظر سے بھی گذرا ہے، مگر اس کی تفصیلات قلم بند کرنے میں تساہل ہوا، اور اس وقت وہ فرمان میری دسترس سے دُور ہے۔

حضرت مولانا کے ترک دُنیا اور توکل و استغنا کا ایک اور واقعہ بھی ناقابل فراموش ہے۔ حضرت مولانا کے گھر میں اکثر فقر و فاقہ اور تنگ دستی کا بسیرا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ مولانا کا ایک مرید تقریباً دو سیر سونا لے کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں کیمیا جانتا ہوں آپ کے یہاں فقر و فاقہ رہتا ہے، بادشاہ کا وظیفہ قبول نہیں فرماتے ہیں، اس لئے میں یہ سونا طلبار کے خرچ کے لئے لایا ہوں۔ مولانا نے فرمایا، مسجد کی محراب میں دفن کردو ضرورت ہوگی تو لے لوں گا۔ کچھ دن کے بعد وہ مرید پھر آیا تو دیکھا کہ فقر و فاقہ اسی طرح ہے۔ اس حال کو دیکھ کر آنسو بھر آئے اور کہا کہ اگر وہ سونا خرچ میں آگیا ہے تو اور سونا موجود ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا، تم نے وہ سونا کس جگہ دفن کیا تھا۔ کہا، محراب میں۔ مولانا نے فرمایا، اسی جگہ دیکھو۔ دیکھا تو وہ سونا اسی طرح موجود تھا۔ مزید افسردہ و غمگین ہوا اور عرض کیا، حضرت اس کی قدر نہیں کرتے، لوگ کیمیا کی تلاش میں پھرتے ہیں، اگر حکم ہو تو حاضر کردوں۔ ؟ حضرت اس وقت ڈھیلے سے استنجا کر رہے تھے۔ وہی ڈھیلا ایک پتھر پر مارا، جو ڈھیلے کے اثر سے سونے میں تبدیل ہو گیا، اس پر حضرت

---

[1] حالات مشائخ کاندھلہ ص۱۶

[2] یہ فرمان (مکتوبہ ۱۰۵۶ھ) حاجی محمد محسن کاندھلوی (م ۱۳۴۲ھ) کی نظر سے گذرا تھا۔ حاجی محسن نے شجرۂ نسب کی ترتیب میں اس سے استفادہ کیا ہے اور اس فرمان کا حوالہ ذکر کیا ہے۔

مولانا نے فرمایا:

"ایں ہر دو را بخانہ خود ببر، فقر ما برائے متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقر اختیاری است نہ اضطراری"

ان دونوں کو اپنے گھر لے جاؤ، ہمارا فقر فاقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں، فقر اختیاری ہے فقر اضطراری نہیں ہے۔

مولانا محمد اشرف کی کوئی علمی تحریر یا یادگار راقم سطور کے علم میں نہیں ہے۔ مولانا کی تحریر فرمائی ہوئی دو کتابیں شرح عقائد (نسفی ؟) اور حاشیہ خیالی' ایام طالب علمی میں حضرت مفتی الٰہی بخش (ولادت ۱۱۶۲ھ۔ وفات ۱۲۴۵ھ) کی نظر سے گزری تھیں مفتی صاحب نے اپنی بیاض میں ان کا ذکر کیا ہے۔

حضرت مولانا کا صحیح سنہ وفات معلوم نہیں ہے، مگر بعض دستاویزات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سنہ ۱۰۶۰ھ کے قریب وفات ہو چکی تھی۔ مزار جھنجھانہ (مظفر نگر یوپی) میں موجود ہے۔

مولانا محمد اشرف کے دو صاحبزادے تھے، مولانا شاہ محمد شریف اور عبد المقتدر، موخرالذکر کے متعلق اس کے علاوہ کچھ معلوم نہیں کہ وہ سنہ ۱۰۹۶ھ تک حیات تھے، مولانا محمد شریف کا ذکر آئندہ سطور میں پڑھئے۔

مولانا محمّد شریف جھنجھانوی

مولانا محمد شریف کی نسبت بھی معلومات کا فقدان ہے۔ مگر مولانا کے دو، ہم عہد بیعنا موں میں مولانا کا نام جس طرح تحریر ہوا ہے اس سے یہ اندازہ کرنا غلط نہ ہوگا کہ مولانا بھی اپنے والد ماجد کی طرح علم و فضل اور سلوک و تصوف میں یگانہ تھے۔ ایک بیع نامہ میں "مشیخت و فضیلت پناہ"[1] اور دوسرے میں صرف "مشیخت پناہ میاں محمد شریف[2]" تحریر ہے۔

---

[1] بیع نامہ مکتوبہ ۱۰ جمادی الاولی سنہ ۱۰۸۲ھ منجانب شیخ اللہ یار بن عبد الرحیم کیرانوی (وکیل بی بی لاڈو)

[2] بیع نامہ مکتوبہ ۱۳ جمادی الاخری سنہ ۱۰۸۸ھ منجانب بی بی ہدیہ بنت حضرت مولانا محمد اشرف جھنجھانوی۔

مولانا محمد شریف کی نسبت خاندانی ذخیرہ میں کوئی اور معلومات راقم سطور کی نظر سے نہیں گزری،[1] مگر صوفیا و مشائخ کے ایک معروف تذکرہ "تاریخ الاولیاء" میں محدث جلیل حضرت شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (م ۹۹۸ھ) کے خلفاء کی فہرست میں "شاہ صوفی شریف جھنجھانی" کا ذکر ہے۔[2] مؤلف "تاریخ الاولیاء" نے اپنے آخذ کی جو طویل فہرست دی ہے اس سے یہ تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب محنت اور وسیع مطالعہ سے مرتب ہوئی ہے مگر جب تک اس روایت کا ماخذ معلوم نہ ہو یقین سے کچھ کہنا دشوار ہے، اگر یہ روایت درست ہے تو مولانا محمد شریف کی عمر یقیناً سو سال سے زائد ہوئی ہے کیونکہ ہبہ نامہ مسماۃ بی بی ہریہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ مولانا ۱۲ جمادی الاخری ۱۰۹۵ھ تک حیات تھے۔

مولانا محمد شریف کے تین صاحبزادے تھے۔ مولانا شیخ ابوالحسن جو ۱۰۸۳ھ تک حیات تھے اور لاولد فوت ہوئے، دوسرے مولانا حکیم عبدالقادر جو مفتی الٰہی بخش کے جد ہیں، اور مولانا فیض محمد جو مولانا محمد الیاس و حضرت شیخ الحدیث کے اجداد میں ہیں۔

مولانا فیض محمد جھنجھانوی

مولانا فیض محمد[3] کے حالات بھی معدوم ہیں، مگر مولانا محمد ساجد نے اپنے مجموعہ مکتوبات میں (تعارف آئندہ سطور میں آرہا ہے) مولانا فیض محمد کے خطوط نقل کرتے ہوئے یہ الفاظ لکھے ہیں:۔

---

[1] رضا لائبریری رام پور کی فہرست مخطوطات فارسی میں ایک مخطوطہ خلاصۃ الاسرار در کشف مشرب شطار، مکتوبہ ۱۰۶۶ھ تالیف شیخ صوفی ..... جھنجھانوی، کا ذکر ہے۔ افسوس ہے کہ مؤلف کا نام اس میں موجود نہیں، اس سے مولانا محمد شریف تو مراد نہیں ہیں۔؟

[2] تاریخ الاولیاء، تالیف سید امام الدین گلشن آبادی ص ۳۶۶ (بمبئی ۱۲۹۱ھ)

[3] مولانا کی معاصر دستاویزات اور مولانا کے صاحبزادے مولانا محمد ساجد کی تمام تحریرات میں "فیض محمد" ہے۔ متاخر دستاویزات و تحریرات میں محمد فیض بھی ہے۔ راقم نے معاصر بیان پر اعتماد کیا ہے۔

"جامع العلوم الظاہریۃ والباطنیہ عالم الفارسیۃ والعربیۃ مجمع الفضائل والفواضل، حاوی محاسن الشمائل فیض محمد بن محمد شریف بن محمد اشرف القادری الجنجھانوی"۔

اس تعارف سے یہ قیاس غلط نہ ہوگا کہ مولانا فیض محمد بھی علم و عمل میں یگانہ، اور روحانیت و معرفت میں اپنے اسلاف کے قدم بہ قدم تھے۔

مولانا فیض محمد کی قلمی یادگار وہ خطوط ہیں جو مولانا کے صاحبزادے مولانا محمد ساجد نے اپنے مجموعہ مکتوبات میں نقل کئے ہیں، ایک خط تبرکاً ذیل میں نقل کیا جاتا ہے :

یکے از فضولیہائے بوالفضولانہ ایں خلوت نشین دشت گرد، وعزلت گزین صحرانورد کہ مانند عنقا چشم جہاں از خود بربستہ، وچوں عندلیب بر شاخسار ہر چمن نشستہ از ہمہ بیگانہ و باہمہ آشنا، از کمن خود پا بیروں نکشیدہ، وعالم را بچشم جہان خود دیدہ، پشت در گوشۂ تنہائی فرسودہ، وچوں گدا بر در ہر حلقہ زدہ وچوں صیاد سست قدم خطا کار در کمین ہر صید شدہ، آنست کہ در ہر بزم جرعہ از جام وحشت خورد، وایں طفل نوزاد، دارد ئے تلخ از دواخانۂ ہستی بکام وزبان خود برد، و بسادہ لوحیہا کہ مناسب وقت اوست، چہرہ حال خویش بیاراید، وازیں جام طمعہا کہ سموم قاتل جنس اوست باز آید، واز لوازم طبیعت و ظلمت کدہ ہرزہ گردیہا بر آمدہ بکار پردازیہائے شائستہ پرواز خود اشتغال نماید، وکامے چند بوئے ذرۂ نورانیت فرساند کہ چوں آئینہ اہل خطا بمجازات نقش ونگار رنگین آں بت چیں پرداز۔

وباشد کہ در نظر ظاہر پنہاں لباس صورت اگرچہ دم ستائیہا زند، اما در محفل نغمہ پردازاں ثنا خوانی اصل خویش آغاز د، واز آنجا کہ آں رم آموز غزالان معنی بلند فراموشی پیوند، رماں رماں ازیں نخچیر خانہ بیگانہ وش بے تابانہ می گذرد، ایں تمنائے دیرینہ است نمیدہد، وازیں زندان بے پایاں پریشاں ساعتے نمی رہد بوالعجبہا است کہ بایں سرکشان حلقۂ زلف نا کردہ پریشاں خاطران ناکامی بر دوش

باحلقہ حلقہ کمان ابروان ہم آغوش، بایں سہل پیوندآ آجگاہ تیر ملامت ساختند،
دمے بآرام بخشی ایں ناکام بے آرام نیر داختند۔
مسرت کردم بایں نازک مزاجی ظلم کمتر کن"۔[۱]

مولانا فیض محمد کے چار صاحبزادے تھے، مولانا محمد ساجد، محمد سجاد[۲]، غلام قادر، قادر بخش۔

مولانا محمدؐ ساجد جھنجھانوی

مولانا محمد ساجد ۱۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے، خواجہ اکرم دہلوی نے لفظ "خورشید" سے تاریخ نکالی، تعلیم کی تفصیلات نظر سے نہیں گزریں، حکیم محمد ساجد کی بیاض میں ایک نسخہ پر "از استاذی حکیم شرف الدین" تحریر ہے، مگر یہ کون بزرگ تھے اور ان سے کیا پڑھا، کچھ سراغ نہیں ملتا ہے۔

مولانا محمد ساجد متبحر عالم، وسیع النظر فقیہ، تجربہ کار حکیم، خوش کلام شاعر، نجوم و جفر میں کامل اور تعویذات و کیمیا سازی میں ماہر تھے۔ تذکرہ نگار حکیم محمد ساجد کی نیک نفسی کے قائل اور ان کے فضل و کمال کے معترف ہیں۔ قدرت اللہ شوق کا قول ہے "حکیم ساجد از مغتنمات روزگار است[۳]" اور میر محمد سرور لکھتے ہیں:۔

---

[۱] مجموعہ مکتوبات، مولفہ و مکتوبہ مولانا محمد ساجد۔ ورق ۵۲۔ب

[۲] محمد سجاد، ذی علم شخص اور مشہور شاعر تھے، تاریخ، موسیقی اور شعر گوئی میں کمال رکھتے تھے۔ قدرت اللہ شوق نے لکھا ہے، "ذہنش بسیار مناسب و طبعش درست" آخر میں کہتے ہیں "از نوادرات روزگار خود است" مگر اس علم و صلاحیت کے باوجود معاشرے کے پست اثرات سے محفوظ نہیں تھے، افسوس ہے مطبوعہ و دستیاب کلام کا اکثر حصہ ہزل سے پُر ہے۔ تذکرہ نگاروں کو سجاد کے اس عیب کا بجا طور پر شکوہ ہے۔

[۳] طبقات الشعراء، قدرت اللہ شوق (تالیف ۱۱۸۸ھ) مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ص ۳۷۵ (لاہور ۱۹۶۸ء)

"مولوی ساجد کہ فاضل کامل دبر اکثر علوم عالم بود" ؎۱	مولوی ساجد جو فاضل کامل اور اکثر علوم کے عالم تھے۔

اور لالہ سری رام نے لکھا ہے:۔

"حکیم ساجد علی اٹھارھویں صدی کے آخر میں اپنے ہم عصروں میں خوش خلقی اور نیک طینتی کے باعث ممتاز تھے" ؎۲

مولانا محمد ساجد کی زندگی کا بیشتر حصہ امراء اور نوابوں کی مصاحبت اور ملازمت میں گزرا، طویل ترین رفاقت نواب سعداللہ خاں والی روہیل کھنڈ کے ساتھ رہی۔ نواب سعداللہ کی ولی عہدی کے دور میں نواب صاحب سے مجالست و ہم نشینی تھی جو نواب سعداللہ کی وفات ۱۱۷۶ھ ؎۳ تک رہی۔ اس ملازمت کی وجہ سے اٹھارہ سال تک ریاست روہیل کھنڈ کے صدر مقام (آنولہ) میں مقیم رہے۔ نواب سعداللہ کی وفات کے بعد ۱۱۷۶ھ میں ہی ترک ملازمت کرکے وطن واپس آ گئے تھے۔ آنولہ سے واپسی کے تقریباً دو سال بعد ۱۹ ذی الحجہ ۱۱۷۹ھ کو اہل و عیال کے ہمراہ الٰہ آباد کے لئے روانہ ہوئے، یہ سفر جو کسی نجی ضرورت سے ہوا تھا سخت پریشانی کا سبب ہوا۔ جس مقصد کے لئے سفر ہوا تھا وہ تو پورا نہیں ہوا، مگر بے سروسامانی اور زحمتوں کا قدم قدم پر ساتھ رہا، اور واپسی میں بھی غیر معمولی تاخیر ہوئی۔ اس مصیبت و پریشانی کے عالم میں کئی سال تک الٰہ آباد میں مقیم رہے۔ اس سفر کے زمانے میں حرارت کی سخت گرفت

؎۱ تذکرہ عمدۂ منتخبہ، میر محمد خاں سرور (تالیف ۱۲۱۶ھ) مرتبہ خواجہ احمد فاروقی ص۵۴۴ (دہلی ۱۹۶۱ء)

؎۲ خمخانۂ جاوید لالہ سری رام ص۵، جلد سوم (دہلی ۱۹۲۶ء)

؎۳ نواب سعداللہ خاں کی وفات کی نسبت ایک روایت ۱۱۷۵ھ میں وفات کی بھی نقل کی جاتی ہے۔ یہ روایت فرح بخش تالیف محمد فیض بخش کاکوروی کے حوالے سے مولوی نجم الغنی رام پوری نے بھی نقل کی ہے، اور ان کے انداز سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ اسی کو راجح سمجھتے ہیں۔ ص۲۵۶ اخبار الصنادید، جلد اول۔ مگر صحیح یہ ہے کہ نواب سعداللہ نے ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی۔ اس وقت مولانا محمد ساجد خود آنولہ میں موجود تھے اور مولانا ساجد نے نواب سعداللہ کا قطعہ تاریخ وفات بھی لکھا تھا۔

اور مولانا کی بے کسی اور مجبوری مولانا کے خطوط سے عیاں ہے[1]
مولانا کے متوسل عماد الملک ہونے کی بھی ایک روایت[2] ہے، مگر اس کی تفصیل دستیاب نہیں ہے
ممکن ہے سعد اللہ خاں کے دور رفاقت میں عماد الملک سے بھی تقرب رہا ہو، تاہم اس سلسلہ میں
کوئی واضح اطلاع راقم کی نظر سے نہیں گزری ہے۔
اخیر میں نواب فیض اللہ خاں والی رام پور کی سرکار سے وابستہ ہو گئے تھے[3] اسی ملازمت
کے دوران وفات پائی۔ مولوی محمد شاہ تمہید شرح زلیخا میں رقم طراز ہیں۔

"دانہ بوقلمونی روزگار ناہنجار حضرت	نیرنگی زمانہ سے حضرت مخدوم (مولانا
مخدوم از بلدۂ دارالسرور رام پور عازم	محمد ساجد) دارالسرور رام پور سے وطن
وطن شدہ متوجہ بعالم قدس گردیدند[4]	گئے اور سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

درس اور مطب کی مصروفیات

مولانا محمد ساجد، سرکاری مصروفیات سے فارغ اوقات درس اور مطب میں صرف
کرتے تھے، ایک دوست کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

باعث عدم نامہ و پیغام تا این ایام	اس وقت تک نامہ و پیام نہ ہونے

---

[1] شاید ان مشکلات اور مصائب کے لئے شجاع الدولہ کی روہیلوں اور ان کے متعلقین و ملازمین سے نفرت و عداوت ذمہ دار ہو، شجاع الدولہ نے روہیلوں اور ان کے متوسلین کو کس بری طرح برباد و پامال کیا ہے۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو، اخبار الصنادید جلد اول ص۵۲۳ تا ص۵۲۵، اور تاریخ اودھ، مولوی نجم الغنی خاں رام پوری ص۲۲۵ تا ص۲۵ جلد دوم (کراچی ۱۹۷۸ء)
[2] لکھنؤ کا دبستان شاعری، ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی ص۹۶ (دہلی ۱۹۷۵ء)
[3] تذکرہ کاملان رام پور، احمد علی خاں شوق ص۱۴۷ (دہلی ۱۹۲۹ء)
[4] شرح زلیخا، از مولانا محمد ساجد، مرتبہ مولوی محمد شاہ ص۳ (کان پور ۱۲۹۹ھ)

نہ انقاص در محبّت و اخلاص است حاشا و کلا، بل دو چیز یکے کثرت مشاغل از ہجوم بیماراں، و آمد و رفت سبق خواناں"[1]	کی وجہ محبت و اخلاص کے رشتہ کا کمزور ہونا نہیں ہے (قسم بخدا) اس کی وجہ صرف دو چیزیں ہیں، مریضوں کے ہجوم کی وجہ سے فرصت کا نہ ہونا، اور سبق پڑھنے والوں کا ہر وقت آنا جانا۔

بیعت و استفادہ

مولانا محمد ساجد نے حضرت شاہ عبدالرسول بیجاپوری انبالوی[2] سے بیعت ہو کر مقامات سلوک و تصوف طے کئے۔ مولانا محمد ساجد کو شاہ عبدالرسول سے والہانہ محبت تھی۔ پیر و مرشد بھی مولانا کو یاد فرماتے رہتے تھے۔

ذوقِ شعر و سخن

اہل علم و فضل خصوصاً متبحر، اور جامع فنون شخصیات کے لئے شاعری کبھی وجہ امتیاز اور ذریعہ عزت نہیں رہی، مگر مولانا کے اس وصف کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ مولانا میر دسودا کے معاصر، اور اُردو زبان کے بلند پایہ اساتذہ کے ہم صفیر ہیں، اور کم از کم دو نسلوں تک متعدد ممتاز شعرا کے ذوقِ سخن گوئی کے تختۂ مشق اور عنوان خاص رہے ہیں۔

مولانا محمد ساجد کا عاشق تخلص تھا، اور اُردو فارسی دونوں زبانوں میں مشق سخن کرتے تھے مگر اُردو کلام بہت قلیل دستیاب ہے۔ ہر چند کہ مولانا کا کلام شعر و ادب کے ذخیرے میں اہم

---

[1] مکتوب مولانا محمد ساجد بنام شکر اللہ خاں، بنتی، ورق مجموعہ مکتوبات مولانا محمد ساجد

[2] مولانا محمد میاں نے، شیخ عبدالرسول بیجاپوری انبالوی کو مشہور اولیاء اللہ میں شمار کیا ہے (پانی پت اور بزرگان پانی پت ص۱۲۱ دہلی ۱۹۶۳ء)، بحوالہ اشرف المناقب تالیف شیخ محمد بن احمد۔ اس مبہم و ناتمام تذکرہ کے علاوہ شاہ عبدالرسول کی نسبت کچھ معلوم نہیں ہوا۔

اور بلند پایہ اضافہ نہیں کر رہا ہے۔ تاہم ایک ادبی اور تاریخی یادگار کی حیثیت سے اس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں نمونہ کلام پیش ہے:۔

ہر زمان نازیم ما بر فطرت والائے خویش
نیست مارا با کسے پروا بجز مولائے خویش

گر نباشد مہرباں آں یار، بر من گو مباش
گوہرم دارد، چو از صدہا بزیر پائے خویش

روزی ما میسر سازند آنکہ مارا آفرید
مانمی جنبیم خود با اضطراب از جائے خویش

پیش استاذ قضا باب توکل خواندہ ام
کردم اسباب معیشت را بدرانہ رائے خویش

میدہاند حق از آنکس، کو دہد روزی مرا
ورنہ ایہنا کے دہند، افگندہ ...... خویش

ماچو ایں بدگو ہراں ہرگز خوشامد کو نیم
بادشاہی چوں ہما داریم در پر ہائے خویش

خواہ عاشق آنچہ خواہی از جناب پیر خویش
بندہٗ صادق نمی خواہد زجز مولائے خویش

عاشق جھنجھانوی کے اُردو کلام کا اندازہ سعد اللہ خاں کے قطعہ تاریخ وفات سے ہوگا، جو درج ذیل ہے:۔

صد حیف اس کٹھیر[۱] کا ایک بادشاہ گیا — افسوس اسکے مرنے سے ...خلق بہہ گیا
سعد اللہ کو کیا کہوں چشمہ تھا فیض کا — افسوس کہ یہ چشمہ اب بہنے سے رہ گیا

۱؎ کٹھیر، جو بعد میں روہیل کھنڈ کے نام سے مشہور ہوا۔ اخبار الصنادید، مولوی نجم الغنی رام پوری ص ۳۲۵ جلد اوّل۔

فیاض ذات اس کی سے روشن جہان تھا ‏ ‏ ‏ ‏ اب کیوں نہ ہو اندھیر کہ عالم سے مر گیا
تاریخ فوت اس کی جو پوچھی میں عقل سوں ‏ ‏ ‏ ‏ کہتی تھی رو، رو کہ خورشید گہہ گیا

مولانا محمد ساجد اپنے علم وفضل اور امرائے عہد کے یہاں تقرب و اختصاص کی وجہ سے معاصر شعراء کے تختۂ مشق رہے، متعدد نامور شعراء نے مولانا کی ہجو پر طبع آزمائی کی ہے، اس ہجوگو قافلہ کے میر کارواں سودا تھے۔ سودا نے مولانا کی متعدد ہجو لکھی ہیں۔ میر ضاحک، میر حسن اور قائم چاندپوری کے کلام میں بھی مولوی ساجد کی ہجو موجود ہے۔ ہجوگوئی سودا کا تو معمول اور خاص موضوع سخن تھا، دوسرے شعراء کی ہجو لکھنے کے مختلف وجوہات تذکروں اور ان شعراء کے کلام سے معلوم ہوتی ہیں، مگر یہ ادبی بحث ہے اور پیش نظر صفحات اس گفتگو کا محل نہیں ہیں۔

متعدد تذکرہ نگاروں کو مولانا کے وطن کی تعیین میں مغالطہ ہوا۔ شاہ کمال مانک پوری نے شاہجہاں آبادی لکھا ہے[1] سعادت خاں ناصر شاہ آبادی کہتے ہیں[2] اور احمد علی شوق نے شاہجہاں پوری لکھا ہے[3]۔ مگر قدرت اللہ شوق[4] اور لالہ سری رام وغیرہ نے جھنجھانوی[5] لکھا ہے۔

تصنیفات وتالیفات

مولانا محمد ساجد امراء کی رفاقت، اور درس ومطب کی مصروفیات کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی رکھتے تھے۔ متعدد تالیفات یادگار ہیں۔ اس وقت تک دریافت آٹھ تالیفات اور دو بیاضوں کا تعارف نذر قارئین ہے۔

---

[1] تلخیص مجمع الانتخاب۔ شامل تین تذکرے مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ص۳۶ (دہلی ۱۹۶۸ء)
[2] تذکرہ خوش معرکۂ زیبا۔ سعادت خاں ناصر۔ مرتبہ ڈاکٹر شمیم انہونوی ص۱۵۱ (لکھنؤ ۱۹۷۱ء)
[3] کاملانِ رام پور، احمد علی خاں شوق ص۱۳۷ (دہلی ۱۹۲۹ء)
[4] طبقات الشعراء، قدرت اللہ شوق مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ص۲۷۵ (لاہور ۱۹۶۸ء)
[5] خمخانۂ جاوید، لالہ سری رام، ص۸۲ جلد سوم (دہلی ۱۹۲۲ء)

۱۔ غرائبُ الہند۔ حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (م ۱۲۴۵ھ) نے اپنی مختلف بیاضوں میں متعدد مقامات پر "غرائب الہند مولوی ساجد" کے حوالے سے مختلف معلومات نقل فرمائی ہیں۔ مثلاً احوال مولانا محمد اشرف، طریق عقدانامل، سایہ اصلی کی تحقیق اور اس کی رفتار، ہندی مہینوں کے حساب سے نقوش تحریر کرنے کے قواعد اور اس کی تحقیق، تحقیق اعداد متحابہ، اور کچھ نسخے بھی غرائب الہند کے حوالے سے نقل کئے ہیں، افسوس اس کتاب کا کوئی نسخہ ہمارے علم میں نہیں ہے۔

۲۔ فتاویٰ العجائبُ الغرائب۔ حضرت مفتی الٰہی بخش کی بیاضوں میں "فتاویٰ عجائب الغرائب مولوی ساجد" کے ایک سے زائد اقتباسات موجود ہیں، اور اس کی جلد کا ایک گتہ (پٹھا) بھی اتفاق سے محفوظ ہے، اس کی چیٹ پر "فتاویٰ عجائب الغرائب مولوی ساجد" تحریر ہے، اور یہ تحریر غالباً مولانا نورالحسن کاندھلوی (م ۱۲۸۵ھ) کی ہے۔ مگر اصل کتاب کے متعلق معلومات کا فقدان ہے[۱]

۳۔ شرح یُوسف زلیخا۔ مولانا محمد ساجد نے یُوسف زلیخا کے حاشیہ پر اپنی تحقیقات و افادات قلم بند کئے تھے، اس حاشیہ کی تکمیل ۱۴ ذی الحجہ ۱۱۵۷ھ کو ہوئی۔ پھر مؤلف نے اپنے شاگرد محمد شاہ سے اس حاشیہ کو شرح کی ترتیب پر نقل کرنے کی ہدایت کی۔ مگر مولوی محمد شاہ مؤلف کی حیات میں اس خدمت کو سرانجام نہ کر سکے، مؤلف کی وفات کے بعد اس ہدایت پر عمل ہوا۔ مولوی محمد شاہ سے اس کی تفصیل سنیئے:۔

---

[۱] عجائب الغرائب کے نام سے اُردو اور فارسی میں متعدد کتابیں تالیف ہوئی ہیں، اُردو میں عجائب الغرائب تالیف محمد سرفراز خاں دہلوی، مؤلفہ ۱۲۸۱ھ مطبع مرتضوی دہلی سے ۱۲۸۳ھ میں شائع ہو چکی ہے اور فارسی کی عجائب الغرائب کے دو نسخے رضا لائبریری رام پور، اور ادارہ مشرقیہ ٹونک میں محفوظ ہیں۔ رام پور کی (غیر مطبوعہ) فہرست مخطوطات فارسی میں مؤلف کا نام غلام محی الدین منیر، تحریر ہے۔ مولانا محمد ساجد کے صاحبزادے کا نام بھی غلام محی الدین ہے۔ مگر ان کا تخلص گریاں ہے، اور ٹونک کی فہرست مخطوطات، قصرِ علم مرتبہ صاحبزادہ شوکت علی (ٹونک ۱۹۸۰ء) میں مصنف کا نام مذکور نہیں ہے۔

"بردانش وراں باریک بیں مخفی نماند کہ شرح عجیب حامل المتن ایں کتاب و بوستاں تصنیف ساختہ و مرقومہ بر متن بطریق تحشیہ بتاریخ چہاردہم شہر ذی الحجہ سال ایک ہزار و یک صد و پنجاہ ہفت ہجری مطابق سنہ بست جلوس محمد شاہی از دست مبارک فضیلت مآب، حکمت اکتساب، مظہر اسرار ربانی، مصدر آثار انسانی مخترع نکات رنگیں مبدع اشارات لو آئیں، واضع دقائق سخن، شارح مضامین نو و کہن، مقبول درگاہ واجد حضرت حکیم محمد ساجد بن فیض محمد القادری الجھنجھانوی نور اللہ مضجعہ بود۔

پس بایمار فیض انتما حضرت موصوف، خاک پائے آل محمد بلا اشتباہ محمد شاہ، نقل حواشی ایں کتاب و بوستاں بطور کتاب بجز تمام بروئے قلم آورد"۔ [1]

شرح یوسف زلیخا کے خطی نسخے رضا لائبریری رام پور، دیال سنگھ (ہارڈنگ) لائبریری دہلی اور ذخیرہ پروفیسر محمود خاں شیرانی، لاہور میں موجود ہیں [2]۔ شرح یوسف زلیخا دو مرتبہ شائع بھی ہو چکی ہے۔ پہلا ایڈیشن مطبع منظر کلکتہ سے ۱۲۶۴ھ میں چھپا، دوسرا ایڈیشن مطبع نول کشور کان پور نے ۱۲۹۹ھ میں طبع کرایا۔ اول الذکر کا ایک نسخہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کی لائبریری میں راقم سطور کی نظر سے گزرا ہے۔ اور دوسری اشاعت کا ایک نسخہ ہمارے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے۔

۴۔ **شرح بوستاں** ۔ شرح یوسف زلیخا کے تعارف سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ مؤلف نے شرح زلیخا کے ساتھ ہی بوستاں کا حاشیہ بھی لکھا تھا، اس حاشیہ کو بھی مولف کے شاگرد مولوی محمد شاہ نے شرح کے طرز پر مرتب کیا تھا۔ اس شرح کی ابتدا، ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

"بنام جہاں دار، مضمون ایں بیت قائم مقام ترجمہ بسم اللہ است"۔

---

[1] شرح یوسف زلیخا مرتبہ مولوی محمد شاہ ص۳ (کان پور ۱۲۹۹ھ)

[2] فہرست مخطوطات فارسی (غیر مطبوعہ) بہ تصحیح مولانا امتیاز علی عرشی ص۳ ۱۸۳ھ

رجسٹر مخطوطات فارسی (ہر دیال لائبریری) ص۳ ۱۵۱ ادب۔

فہرست مخطوطات ذخیرہ شیروانی (پنجاب یونیورسٹی، لاہور) ص۵۵ ۲ جلد سوم

شرح بوستاں کے دو قلمی نسخے رضا لائبریری رام پور میں[1] اور ایک نسخہ ٹونک میں[2] ہے۔

۵۔ **شرح سکندر نامہ**۔ احمد علی خاں شوق نے مولانا محمد ساجد کے تذکرہ میں لکھا ہے:

"موصوف نے بوستاں، زلیخا، اور سکندر نامہ کی شرح بھی لکھی تھی"[3]۔

مگر راقم سطور کو اس کتاب کے مندرجات و تفصیلات، یا اس کے نسخوں کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے۔

۶۔ **مجموعہ مکتوبات**۔ اس مجموعہ مکتوبات میں سلاطین عصر، والیان ریاست، علماء و مشائخ، دوستوں اور اعزہ کے نام مولانا محمد ساجد کے اسّی خطوط موجود ہیں۔ یہ مجموعہ فارسی انشاء پردازی کا اچھا نمونہ ہے۔ اگرچہ ان خطوط میں مسائل و معارف اور فنی مباحث نہیں ہیں، مگر اس مجموعہ کے ذریعہ سے مولانا محمد ساجد کے طبیعت و مزاج، ذاتی مسائل، اور مصروفیات کا علم ہوتا ہے۔ مشاہیر ہند خصوصاً ممتاز تاریخی اور سیاسی شخصیات کے نام خطوط کی فہرست یہاں درج کی جاتی ہے۔

(۱) بنام احمد شاہ ابدالی دو خط۔ ایک عربی میں دوسرا فارسی میں ہے۔ یہ خطوط قاضی ادریس (؟) کے ذریعہ حضور سلطانی میں پیش ہوئے۔

(۲) بنام نواب سعد اللہ خاں والی روہیل کھنڈ — ۴ خطوط

(۳) بنام محمد یار خاں خلف نواب سعد اللہ خاں — ۱ خط

(۴) بنام شجاع الدولہ (جلال الدین حیدر بن صفدر جنگ) — ۱ خط

(۵) بنام علی گہر خلف نواب شجاع الدولہ[4] — ۱ خط

---

[1] نسخہ ۱: بخط غلام حسن، مکتوبہ سنہ ۱۲۴۹ھ، تعداد اوراق ۲۰۷، نمبر ۳۰۸۱ ادب
نسخہ ۲: مکتوبہ سنہ ۱۲۵۷ فصلی/۱۲۹۶ھ، نمبر ۳۰۸۲ ادب، فہرست مخطوطات فارسی (غیر مطبوعہ)

[2] قصر علم (فہرست ادارۂ مشرقیہ ٹونک) مرتبہ صاحبزادہ شوکت علی خاں ص ۲۵۹ (ٹونک ۱۹۸۰ء)

[3] کاملان رام پور، احمد علی خاں شوق ص ۱۳۷ (دہلی ۱۹۲۹ء)

[4] غالباً اس سے نواب معین الدولہ سعادت علی خاں مراد ہوں گے۔

(۶) بنام سالار جنگ اوّل ایک خط
(۷) بنام انجمن نساء دختر نواب قمر الدین وزیر ہند ״
(۸) بنام مدار الدولہ (؟) ״
(۹) بنام نواب منیر الدولہ (نواب رضا قلی خاں) ״
(۱۰) بنام خان علی شان (؟) ۲۱ خطوط
(۱۱) بنام مولانا شاہ عبد الرسول بیجاپوری انبالوی ایک خط

اس کے علاوہ دوستوں، عزیزوں، اور اہلِ خاندان (مولانا محمد عرف شیخ الاسلام، اور غلام محی الدین گریاں وغیرہ) کے نام خطوط شامل ہیں۔ اس مجموعہ کا واحد ناقص الطرفین نسخہ مؤلف کے قلم سے ہمارے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے۔

۷۔ **سراپا**۔ محبوب کے خط وخال، لب ورخسار، اور سر سے پیر تک تمام اعضار کی تعریف اور محاسن پر، ہندوستان اور ایران کے نامور فارسی اساتذہ کے منتخب اشعار کا دلآویز مجموعہ۔ اس مجموعہ میں تقریباً چالیس عنوانات کے تحت اشعار جمع کیے گئے ہیں۔ اور اس میں موقعہ بہ موقعہ مولانا محمد ساجد عاشق کے شعر بھی شامل ہیں اور ان کے پہلو بہ پہلو تھانہ بھون، جھنجھانہ اور دہلی کے چند غیر معروف شعرار کا کلام بھی موجود ہے۔ اس سراپا کا واحد نسخہ جو مجموعہ مکتوبات کی طرح ناقص الطرفین مگر مؤلف کے قلم سے ہمارے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے۔

۸۔ **کتاب معالجات**۔ مؤلف تذکرہ کاملان رام پور نے مولانا محمد ساجد کے تذکرہ میں لکھا ہے:۔

" ان کی کتاب معالجات سے صاحب فصول فیض اللہ خانی نے مضامین اخذ کئے ہیں"[۱]

راقم سطور کو اس کتاب کی نسبت بھی معلومات نہیں ہیں۔

---

[۱] کاملان رام پور، احمد علی خاں شوق ص۱۷۵ (دہلی ۱۹۲۹ء)

۹۔ بیاض (علمی وفقہی) اس بیاض کا اکثر حصہ فقہ کی مستند کتابوں سے اہم معاملات ومسائل کے متعلق فقہی جزئیات کے اقتباسات پر مشتمل ہے۔ جزئیات فقہ کے قدم بہ قدم تفسیر قرآن کے نکات، احادیث کے معارف وتحقیقات، سلوک کے مباحث، عروض کی فنی تفصیلات کے علاوہ متفرق علمی افادات بھی موجود ہیں۔ اقتباسات وحوالہ جات کے علاوہ تین رسائل بھی اس میں نقل کئے گئے ہیں:۔

(الف) احتساب کے فرائض اور ذمہ داریوں کی تفصیلات (عربی) نام کتاب ومؤلف ندارد۔

(ب) فرائض (میراث) پر ایک رسالہ۔ اس رسالہ پر مولانا ساجد کے قلم سے حواشی بھی ہیں۔

(ج) تحقیق مذاہب متکلمین (فارسی) تالیف شیخ ابوالنصیر پیر محمد بن نصب شاہ ادہمی بہائی۔

یہ بیاض بہت ضخیم ہوگی، مگر اس وقت اس کے تقریباً ڈیڑھ سو ورق ۲۱۱ سے ورق ۶۲ تک، متفرق اوراق کی شکل میں ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہیں۔

۱۰۔ بیاض متفرقات۔ یہ بیاض سائز، اور ترتیب میں پہلی بیاض سے بہت مختلف ہے، اس بیاض میں ذاتی یادداشتیں، مجرب وآزمودہ نسخے، تعویذات وعملیات، کچھ اشعار اور تاریخیں لکھی ہوئی ہیں۔ اس بیاض کے ۴۴ ورق ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہیں، مگر ان اوراق پر نمبر شمار نہیں ہیں اس لئے یہ قیاس بھی ممکن نہیں کہ یہ بیاض کے کس حصے سے متعلق ہیں[1]

---

[1] اس بیاض میں مولانا محمد ساجد، اور ان کے صاحبزادگان کی تحریرات سے مختلف قلم سے ایک دُعا، ایک عمل، اور ایک نسخہ لکھا ہوا ہے۔ ان تحریرات میں سے ایک تحریر پر "ازنور محمد پیرزادہ جھنجھانہ" ایک مقام پر صرف نور محمد، اور آخری تحریر پر کاتب کا نام نہیں ہے۔ اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ تحریرات حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی (م ۱۲۵۹ھ) کے قلم سے ہیں، کیونکہ حضرت میانجیو کی والدہ محترمہ بی بی نجابت النساء، حکیم صدرالدین کی صاحبزادی، اور مفتی الٰہی بخش کی عم زاد تھیں، اس لئے ممکن ہے یہ بیاض میانجیو کے مطالعہ میں رہی ہو۔

مولانا محمد ساجد نے ۱۲۰۵ھ میں جھنجھانہ میں وفات پائی۔ چار صاحبزادے غلام محی الدین گریاں، غلام نبی، غلام علی، شاہ خیر الدین اور تین صاحبزادیاں یادگار چھوڑیں۔ غلام محی الدین کی اولاد کا سلسلہ اس وقت تک چل رہا ہے۔

مولانا حکیم غلام محی الدین گریاں جھنجھانوی

مولانا حکیم غلام محی الدین گریاں کے حالات، اور تاریخ ولادت و وفات بھی نامعلوم ہے۔ شعراء کے تذکروں میں مولانا کا بہت مختصر تعارف ملتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گریاں عالم فاضل، اور رشد و ہدایت سے آشنا تھے۔ میر محمد سرور لکھتے ہیں:۔

گریاں تخلص، غلام محی الدین خلف مولوی ساجد، کہ فاضل کامل بود، و بر اکثر علوم عالم، احوال فرزندش مفصلاً معلوم نیست، مقطع از تصنیفاتش بہ نظر رسیدہ ثبت نمودہ شد۔	گریاں، غلام محی الدین خلف مولوی ساجد جو فاضل کامل اور اکثر علوم کے عالم تھے، ان کے فرزند کا مفصل حال معلوم نہیں ہے، ان کا لکھا ہوا ایک مقطع نظر سے گزرا، اور یہاں درج کیا گیا۔

گریاں کروڑ کوس سے عنقا ہے میرا یار
معشوق کا مکان ہے وہ لامکاں کو بس[۱]

قدرت اللہ قاسم کا قول ہے:۔

گریاں، غلام محی الدین خاں، خلف مولوی ساجد مرحوم، کہ بحلیہ علم و حلم آراستہ، و بزیور صلح و	گریاں، غلام محی الدین خاں خلف مولوی ساجد مرحوم، جو علم و حلم کے کمالات سے مزین، اور رشد و ہدایت

---

[۱] عمدۂ منتخبہ میر محمد سرور، مرتبہ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی ص۵۴۷ (دہلی ۱۹۶۱ء)

صلاح پیراستہ۔ ایں شعر از ... کی خوبیوں سے آراستہ ہیں۔ یہ شعر
است، ... ان کا ہے:۔

گریاں کروڑ کوس ہے عنقا سے بار آہ
اس شوخ کا مکان ہے وہ لامکاں کر بس[1]

گریاں کے نام "بخشی الممالک' امیر الامراء' نجف خاں بہادر فدوی محمد شاہ" کے فرمان (مکتوبہ ۹ ربیع الاول ۱۱۷۶ھ) سے معلوم ہوتا ہے کہ گریاں بھی نواب سعد اللہ خاں روہیلہ کے رفیق و مصاحب تھے' اس فرمان کے ذریعہ غلام محی الدین بہادر کو جھنجھانہ کی جاگیر کی آمدنی سے "باون ہزار ایک سو ستر دام" دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ پروانہ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔

مولانا غلام محی الدین گریاں کے صرف ایک صاحبزادے حکیم کریم بخش تھے، حکیم کریم بخش کے دو صاحبزادے ہوئے غلام حسن اور غلام حسین۔ ان تینوں کے متعلق کوئی معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ غلام حسین کے دو صاحبزادے تھے حضرت مولانا محمد اسمٰعیل اور مولوی محمد اسحٰق۔ تذکرۃ الرشید[2] میں مولانا اسمٰعیل کے والد ماجد کا نام حسین بخش لکھا ہوا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل جھنجھانوی کاندھلوی

مولانا محمد اسمٰعیل کی ولادت و طفولیت اور تعلیم کی نسبت معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ نواب وزیر الدولہ وزیر محمد خاں والی ٹونک سے تلمذ حدیث کی اطلاع امیر شاہ خاں خورجوی کی روایت سے ملتی ہے۔

---

[1] مجموعہ نغز، قدرت اللہ قاسم۔ مرتبہ پروفیسر محمود خاں شیرانی ص ۱۲۷ جلد دوم (دہلی ۱۹۷۳ء)
[2] تذکرۃ الرشید، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ص ۱۹۸ جلد اول (طبع اول، ساڈھورہ)

امیر شاہ کا قول ہے۔

"مولوی اسمٰعیل صاحب حدیث میں نواب وزیر الدولہ کے شاگرد تھے"[1]

اس تلمذ کی تفصیل اور خود نواب وزیر الدولہ کا سلسلہ سند بھی راقم سطور کو معلوم نہیں ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل علوم عقلیہ و نقلیہ میں کامل اور زہد و تقویٰ اور اتباعِ سنّت میں یکتائے روزگار تھے۔ مولانا کے معاصر و ہم وطن عبدالرحمٰن حیرت جھنجھانوی لکھتے ہیں:۔

"جناب حاجی مولوی اسمٰعیل صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ از علمائے نامدار و مشائخ کبار حضرت جھنجھانہ است، در علم و عمل یکتائے زمانہ، تقویٰ و طہارت غاشیہ بردار درگاہ اوست، ورع و ریاضت آفتابہ بردار عالی پائیگاہ اوست، عالم کامل و عابد فاضل شب بیدار، زندہ درون والا درجۂ تقدس مشحون است، انوار حب ایزدی در خزینۂ سینۂ او مکنون، از زیارت مدینہ و حج کعبہ شرف کونین اندا ختہ، واز برکات دیگر زیارات شمع بہروزی در انجمن ذات ستودہ صفات خود افروختہ، در خیابان گیتی آزادانہ باہمہ یگانہ واز ہمہ بیگانہ می زید، دل بستگی غیر از خالق اکبر از

جناب حاجی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب، اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے، جھنجھانہ شریف کے نامور علماء اور بڑے مشائخ میں ہیں، علم و عمل میں یکتائے زمانہ، اور تقویٰ و طہارت ان کے مطیع اور فرمانبردار ہیں، اور پرہیزگاری و نیکی ہر وقت ان کے پاس حاضر و موجود رہتے ہیں، عالم کامل عابد شب بیدار، ان کا اندرون نیکوکاری سے لبریز اور حق تعالیٰ کی محبت کا نور ان کے سینہ میں چھپا ہوا ہے، زیارت مدینہ اور حج کعبہ کا شرف حاصل کیا ہے، اور دوسری زیارات کی برکات کی شمع اپنی ذات نیک صفات کے ذریعہ محفل میں روشن کئے ہوئے ہیں، دنیا کے جھگڑوں سے آزاد، سب کے دوست، مگر سب سے جدا

---

[1] ارواحِ ثلٰثہ مرتبہ مولانا ظہور الحسن کسولوی ص ۳۶۵ (تھانہ بھون)

کسے نداور". [۱] زندگی گزارتے ہیں، اور خدائے برتر کے علاوہ کسی سے دل کو وابستہ نہیں رکھتے۔

مولانا مظفر حسین کاندھلوی سے اجازت وخلافت

مولانا محمد اسمٰعیل، حضرت مولانا مظفر حسین سے بیعت تھے، اور مولانا مظفر حسین کے فیض صحبت سے مولانا محمد اسمٰعیل میں تواضع وانکساری، اتباعِ سنّت کا ذوق، بدعات اور رسُومات کی بیخ کنی، اور خدمتِ خلق کے جذبات موجزن ہوئے اور مسلمانوں کی اصلاح اور نماز روزہ سے غافل افراد میں تبلیغ کا شوق پیدا ہوا۔[۲] میوات کے نوجوانوں کے ذریعہ اس ذوق کی آبیاری ہوئی، اور حضرت مولانا محمد الیاس کے توسط سے یہ دولت عام ہوئی، اور اس وقت پوری دنیا میں تبلیغی تحریک کے نام سے یہ دینی جدوجہد جاری ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل کے حالات میں ارواح ثلٰثہ کی ایک روایت[۳] کے حوالہ سے نقل کیا جاتا ہے کہ مولانا نے "حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی سے طریق سلوک کے حصُول کی خواہش کی، حضرت نے فرمایا، آپ کو اس کی حاجت نہیں"۔ اس روایت سے شبہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل سفر سلوک مکمل نہیں کر سکے تھے۔ مولانا کی رُوحانی کیفیات کی وجہ سے حضرت محدث گنگوہی نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ آپ کو مزید تعلیم کی ضرورت نہیں، مگر یہ روایت

---

[۱] سفینۂ رحمانی، حکیم عبدالرحمٰن حیرت جھنجھانوی ص۱۰۱ (لکھنؤ ۱۸۸۴ء)

[۲] مولانا مظفر حسین کی عادت تھی کہ اپنا کھانا ساتھ لے کر تین چار روز کے لئے دیہات اور مختلف قصبات کی مسجدوں میں قیام کرتے، لوگوں کو نماز اور دینی امور سکھاتے اور عمل کی ترغیب دیتے تھے۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تذکرۃ الخلیل مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ص۹۶ تا ۱۰۲ (سہارن پور ۱۳۹۵ھ) ارواح ثلٰثہ ص۱۹۵-۱۹۶ اور مشائخ کاندھلہ۔

[۳] ارواح ثلٰثہ مرتبہ مولانا ظہور الحسن کسولوی ص۲۸۲-۲۸۳، نیز ملاحظہ ہو حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ص۳۵ (لکھنؤ ۱۳۷۴ھ)

صحیح نہیں ہے۔ شاید اس روایت میں امیر شاہ خاں کو سہو ہوا، حضرت مولانا محمد اسمٰعیل نے یہ کہہ اور فرمایا ہو گا جس کو خاں صاحب" طریق سلوک کے حصول کی خواہش" سمجھے۔

مولانا محمد اسمٰعیل تو خود صاحب سلسلہ شیخ تھے، مولانا کو مولانا مظفر حسین کاندھلوی سے طریق نقشبندیہ میں اجازت وخلافت حاصل تھی، اور مولانا مظفر حسین کی وفات کے بعد مولانا اسمٰعیل کو حضرت مولانا کا جانشین منتخب کیا گیا تھا، اور سب عوام وخواص مولانا اسمٰعیل کو جانشین مولانا مظفر حسین کی حیثیت سے جانتے تھے۔ مدرسہ عربیہ (دارالعلوم) دیوبند کی رُوداد ۱۳۱۳ھ میں، مولانا اسمٰعیل کو جانشین مولانا مظفر حسین لکھا ہے، مرتب روداد لکھتے ہیں۔

"۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ کو بتشریف آوری حضرت گنگوہی، مولینا اسمٰعیل صاحب کاندھلوی جانشین حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی دنواب چھتاری، امور ذیل مدرسہ میں قرار پائے"۔ [۱]

اور سید احمد ولی اللٰہی کے قول سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، وہ نظام الدین (دہلی) کے آثار و مقابر، اور مرزا غالب کے مدفن کی نشان دہی کے بعد لکھتے ہیں۔

"اس سے آگے مشرق کی جانب ایک مسجد میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب جھنجھانوی نقش بندی علیہ الرحمۃ کا مزار ہے، آپ کا وطن قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر ہے۔ قصبہ کاندھلہ میں بھی مکان ہے، اس لئے آپ کہیں جھنجھانوی مشہور ہیں، کہیں کاندھلوی۔ نہایت کامل بالشرع گزرے ہیں مولانا مظفر حسین صاحب نقش بندی علیہ الرحمۃ کاندھلوی کے خلیفہ تھے، مدت سے اس مسجد میں مقیم تھے"۔ [۲]

---

[۱] وہ امور یہ ہیں: تجویز ممبران ذیل، مولانا احمد حسن امروہوی، نواب مولوی محی الدین خاں مہتمم مدرسہ مراد آباد مولوی عبدالحق وکیل رتلام، شاہ نظر حسن گنگوہی، حکیم اسمٰعیل صاحب گنگوہی، شاہ ابوسعید انبٹوی نیز مولانا حافظ احمد صاحب کا تقرر بعہدہ اہتمام قرار پایا۔ (روداد ۱۳۱۳ھ) نقل از بیاض کبیر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا۔

[۲] یادگار دہلی، سید احمد ولی اللٰہی ص ۲۰۷-۲۰۸ (مولفہ ۱۹۰۳ء)

مولانا محمد اسمٰعیل کے متعلق عبدالرحمٰن حیرت جھنجھانوی کے یہ الفاظ گزر چکے ہیں کہ "از علمائے نامدار و مشائخ کبار حضرت جھنجھانہ است"۔ اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھی فرماتے ہیں کہ "مشہور شیخ تھے"[۱] مولانا کے مریدین و متوسلین کا میوات دہلی اور مظفر نگر وغیرہ میں وسیع حلقہ تھا اور مولانا نے متعدد اہل دل کو خلافت و اجازت سے بھی نوازا۔ ایک ممتاز مجاز بیعت مولانا محی الدین عظیم آبادی عرف مولانا کملی والے تھے[۲] مولانا محی الدین نے حافظ مشیت اللہ (موضع ترپڑا مظفر نگر) کو اجازت دی۔ موخر الذکر کا بھی چار پانچ سال گزرے انتقال ہو چکا ہے۔

مولانا سے حضرت گنگوہی کے مراسم، اور حضرت کا ایک خط

مولانا کے حضرت محدث گنگوہی سے بہت قریب کے مراسم تھے، مولانا کے صاحبزادگان مولانا محمد میاں اور مولانا محمد یحییٰ نے حضرت گنگوہی سے حدیث کا درس لیا تھا، جب مولانا کی خواہش اور اصرار پر مولانا محمد یحییٰ کو حدیث پڑھانے کی منظوری عطا فرمائی، اس وقت حضرت گنگوہی نے مولانا کو جو گرامی نامہ تحریر فرمایا تھا، وہ سطور ذیل میں پہلی بار منظر عام پر آ رہا ہے۔

" از بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ، بعد سلام مسنون، مطالعہ فرمایند آپ کا عنایت نامہ آیا حسب حکم آپ کے مولوی محمد صدیق کو دہلی جانے کا ہی مشورہ دیا جائے گا، آپ مطمئن رہیں۔

درباب مولوی محمد یحییٰ جیسے آپ کی رضا ہو، بندہ کو عذر نہیں، اگر قلیل کثیر کا

---

[۱] تذکرۃ الرشید ص۱۱۹ جلد اول (طبع اول سادھورہ)

[۲] مولانا محی الدین عظیم آباد (پٹنہ) کے رہنے والے تھے، دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ مولانا محمد میاں صاحبزادۂ مولانا محمد اسمٰعیل کے ہم درس رہے۔ زہد و تقویٰ اور اتباع سنت میں سلف کا نمونہ تھے بہت موثر و دل نشین سادہ وعظ کہتے تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس جب کاندھلہ تشریف لاتے تو دیر تک مولانا محی الدین کے پاس بیٹھے تھے۔ مولانا محی الدین کا قیام کبھی پانی پت میں اور کبھی کاندھلہ میں رہتا تھا، ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ / ۲۴ جنوری ۱۹۴۱ء کو پانی پت میں انتقال ہوا۔

خیال نہ لادیں نفس شرکت منظور ہے تو بندہ کی طرف سے اجازت ہے تشریف لادیں، اور ایسی حالت میں جس قدر بندہ کو صرفِ وقت کرنا منظور ہے وہ صرف کرتا ہوں، اس سے زیادہ سے بہر حال عاجز ہوں۔"

فقط والسّلام۔[۱]

مرزا الٰہی بخش کی ملازمت اور مدرسہ کاشفُ العلوم کی ابتداء

مولانا محمد اسمٰعیل کی ابتدائی زندگی کی کیا مصروفیات و مشغولیات اور کیا معمولات تھے اس کے متعلق کوئی معلومات نہیں ہیں، مولانا ۱۸۵۵ء/ ۷۲-۱۲۷۱ھ میں اپنے بھائی محمد اسحٰق کے ہمراہ دہلی آ گئے تھے۔ دہلی میں بہادر شاہ ظفر کے سمدھی مرزا الٰہی بخش (م ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء) کے بچوں کی تعلیم کے لئے بہت معمولی تنخواہ پر ملازم ہوئے۔

دہلی میں ملازمت کے بعد مولانا کے پہلے شاگرد مرزا الٰہی بخش کے بیٹے مرزا سلیمان جاہ اور مرزا ثریا جاہ تھے، پھر مرزا الٰہی بخش بھی مولانا کے تلامذہ میں شامل ہو گئے تھے اور مرزا الٰہی بخش نے بھی مولانا سے قرآن شریف پڑھا۔ مولانا کے شاگردوں کی تعداد میں ۱۸۵۷ء کے بعد بہت تیزی سے اضافہ ہوا۔ خانوادۂ تیموری کے خانماں برباد شہزادے جن کو گردشِ زمانہ قلعۂ معلّٰی سے نظام الدین کے ویرانے میں لے آئی تھی، تعلیم حاصل کرنے کے لئے مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے لگے تھے، ان شہزادوں نے ناز و نعمت کے گہوارے میں آنکھیں کھولیں تھیں، مگر اس وقت نانِ شبینہ کے محتاج اور حسرت و بے کسی کی تصویر تھے۔ مولانا ان کو تعلیم دیتے تھے اور ممکنہ حد تک ان کی مدد فرماتے تھے، حضرت مولانا کے آخری دور میں دس بارہ میواتی طالب علم بھی رہتے تھے، ان کے لئے مصارف اور کھانے کا انتظام مولانا خود فرماتے تھے۔

---

[۱] خط کے لفافہ پر صرف ۵ رشوال لکھی ہوئی ہے سنہ نہیں ہے، لفافہ پر گنگوہ کے ڈاک خانہ کی مُہر ۱۲ راپریل ۱۸۹۴ء (۱۳۱۱ھ) کی ثبت ہے۔

______ "بیاض کبیر حضرت شیخ الحدیث" ص۴۹ (فوٹو اسٹیٹ کاپی)

چند طلباء کا کھانا مرزا الٰہی بخش کے یہاں سے آتا تھا، جو مولانا کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔

ملازمت کے ابتدائی دور میں مولانا کا مرزا الٰہی بخش کے یہاں کچھ خاص احترام نہیں تھا مگر انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد جب مرزا جی پریشانیوں میں مبتلا ہوئے[1] اور اس سے نجات پانے کے لئے دربدر پھرے تو ایک عارف کامل نے مولانا کی طرف رہنمائی فرمائی۔ مرزا جی مولٰینا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو مولانا کے مستجاب الدعوات ہونے کا ذاتی تجربہ ہوا، تو مولانا کے مرتبہ و مقام کو پہچانا، اور مولانا کا خاص احترام کرنے لگے[2]

مولانا کی تنخواہ پانچ روپے مہینہ سے شروع ہوئی تھی جو ترقی کرتے ہوئے آخر میں پندرہ روپے تک پہونچ گئی تھی، خوراک کے لئے چار روپے گیارہ آنہ کا مستقل وظیفہ تھا۔ تمام عمر اسی تنخواہ میں بسر فرمائی۔ نواب دوجانہ نے بہت اصرار سے ۱۰۰ روپے ماہوار پر بلانا چاہا، مگر یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ جو مل رہا ہے گزارے کو وہ بھی کافی ہے[3]

مدرسہ کی ابتدا قرآن شریف کی تعلیم سے ہوئی تھی مگر مولانا محمد اسمٰعیل کی سعی اور جانفشانی سے چند سال کے قلیل عرصہ میں اعلیٰ درسی کتابوں کے اسباق بھی شروع ہوگئے تھے۔ خواجہ حسن نظامی اور مولوی یٰسین علی نظامی نے ابتدائی کتابوں سے تفسیر جلالین اور مشکوٰۃ المصابیح تک تمام کتابیں مولانا اور ان کے صاحبزادگان سے پڑھیں۔ مولوی یٰسین علی نظامی اپنی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"تمام ابتدائی کتابیں میزان الصرف سے لے کر شرح وقایہ، اور مشکوٰۃ شریف، اور قطبی تک حضرت مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب جھنجھانوی اور ان

---

[1] یہ پریشانی اس وقت پیش آئی ہوگی، جب انگریزوں نے مرزا الٰہی بخش کی دہلی سے جلاوطنی کے احکام جاری کردیئے تھے، بعد میں یہ احکامات واپس لے لئے گئے تھے۔ ملاحظہ ہو ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی ص۱۲۹ (دہلی ۱۹۵۸ء)

[2] ملاحظہ فرمایئے: مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت، ص۲۶، حالات مشائخ کاندھلہ ص۲۱

[3] تذکرۃ الرشید ص۱۹۷ جلد اوّل۔

کے دونوں صاحبزادوں کی خدمت میں تمام کیں۔[1]

اور خواجہ حسن نظامی کا قول ہے :۔

"میرے قدیمی استاد حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بھی کاندھلہ کے رہنے والے تھے، جن سے میں نے ابتدائی کتابیں مشکوٰۃ شریف، اور جلالین تک پڑھی تھیں، اور جن کا مزار بھی میرے یہاں درگاہ کے قریب ہے"۔[2]

بنگلہ والی مسجد کا مدرسہ خادم تاریخ وادب

اس مدرسہ کی علمی و دینی خدمات بلاشبہ ہندوستان کی ملت اسلامیہ کے لئے وجہ نازش وافتخار، اور ایک مستقل مقالہ کا موضوع ہیں، مذہبی اور دینی خدمات کے علاوہ اس مدرسہ کا ایک بہت بڑا کارنامہ تاریخ، اور اردو زبان وادب کو اس کا سدا بہار اور ناقابل فراموش تحفہ ۱۸۵۷ء کی زخم خوردہ لٹی پٹی بے کس و بے آسرا بیگمات، شہزادیوں اور شہزادوں کے دل سوز و دلاویز قصے اور خواجہ حسن نظامی کا قلم ہے۔

اس مدرسہ میں جو تیموری شہزادے پڑھنے کے لیے آتے تھے، ان میں سے ہر شہزادے کی بپتا، ایک نیا فسانہ، نئی تاریخ اور سراپا الم داستان ہوتی۔ خواجہ حسن نظامی نے جو اسی مدرسہ کے طالب علم تھے، ان شہزادوں سے ان کی آپ بیتی سنی، اور ان کی زبان بھی سیکھی، اور پھر ان واقعات اور اس زبان کے امتزاج سے ۱۸۵۷ء کے المیہ پر متعدد کتابیں لکھیں۔ خواجہ صاحب کی زبان اور تالیفات پر اس مدرسہ کے گہرے اثرات کا مُلّا واحدی نے بھی اعتراف کیا ہے۔

واحدی صاحب لکھتے ہیں :۔

" ان (مرزا الٰہی بخش) کے بعض لواحقین مستقلاً بستی حضرت نظام الدین میں

---

[1] سیرت نظامی (سوانح حضرت نظام الدین اولیاء) مولوی یٰسین علی نظامی ص۳ (دہلی ۱۳۳۶ھ)

[2] ہفتہ وار روزنامچہ، ایڈیٹر خواجہ حسن نظامی، ۲۴ دسمبر ۱۹۳۰ء، ص۲ نیز ملاحظہ ہو سوانح خواجہ حسن نظامی، ملا واحدی ص۲۹

رہنے لگے تھے۔ ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کاندھلہ ضلع مظفر نگر کے مولانا محمد اسمٰعیل فرماتے تھے، خواجہ صاحب کو بھی مولانا کے پاس بٹھا دیا گیا، خواجہ صاحب کی زبان کو جو آپ اتنا لوچدار پاتے ہیں، یہ ہم سبق اور ہم مکتب شہزادوں کی صحبت کا نتیجہ ہے۔

زبان قلعہ معلّی سے نکل کر بستی حضرت نظام الدین جا بسی تھی، ہم سبقوں اور ہم مکتبوں کے ساتھ کوچہ چیلان دہلی کے ہزار ہا پریشان حال شہزادوں سے بھی ملنے جلنے کا موقع ملا کرتا تھا، اس نے ان کے دل میں شہزادوں کی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھر دی۔ دُکھا ہوا دل شہزادوں کے دکھ سے تڑپ اُٹھا، اور خواجہ صاحب کے قلم سے بارہ تیرہ کتابیں شہزادوں کے متعلق لکھا گیا۔[1]

اس مدرسہ میں زبان کے معاملہ میں کس قدر احتیاط، اور تربیت و اصلاح پر کتنی نظر تھی، اس کا علم جناب ابوالخیر مودودی کے اس بیان سے ہوتا ہے کہ:۔

"ان دنوں مولوی الیاس صاحب کاندھلوی کے والد صاحب ایک مسجد میں بچوں کو قرآن حکیم پڑھایا کرتے تھے، قرآن کی تعلیم دینے کا وہ کوئی معاوضہ نہیں لیا کرتے تھے اور اپنا گزارا ٹوپیاں بُن کر کرتے تھے، جب مجھے داخل کیا گیا تو وہاں ستر لڑکے زیر تعلیم تھے، مولوی صاحب سر جھکائے ٹوپیاں بنتے رہتے اور قرآن پڑھاتے جاتے میری مشکل انھوں نے ہفتہ بھر بعد دیکھی، چونک کر دوبارہ دیکھی، اور بھانپ گئے کہ یہ بچہ شہری ہے۔ بڑی بی کو بُلا کر ہدایت کی کہ اس بچہ کو یہاں مت لاؤ۔ اس کی زبان اور عادات میں فرق آجائے گا، میں گھر آکر پڑھا دیا کروں گا۔"[2]

---

[1] سوانح حضرت خواجہ حسن نظامی۔ ملا واحدی ص۲۵

[2] انٹرویو جناب ابوالخیر مودودی، آتش فشاں لاہور (سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نمبر) نومبر ۱۹۷۹ء ص۹ ابوالخیر صاحب کا یہ انٹرویو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے متعلق خاص شماروں میں اہتمام سے چھپا ہے۔ اور سب میں یہی روایت نقل کی گئی ہے۔ اس اطلاع میں ابوالخیر صاحب سے سہو ہوا (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

مگر اس روایت کی یہ اطلاع صحیح نہیں ہے کہ اس وقت مولانا الیاس کے والد صاحب پڑھاتے تھے۔ کیونکہ مودودی صاحب کے والد ماجد جناب سید احمد حسن ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں اورنگ آباد سے ترکِ سکونت کر کے دہلی آئے تھے، اور اس سے کئی سال پہلے ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء میں مولانا محمد اسمٰعیل کی وفات ہو چکی تھی۔ اور مودودی برادران کے اس مدرسہ میں داخلہ کے وقت ۱۳۲۲ھ میں مولانا محمد میاں پڑھاتے تھے، اور ابوالخیر صاحب کے بیان کی آخری سطور سے ہمارے اس قول کی تائید ہوتی ہے، جس میں ابوالخیر صاحب نے کہا ہے کہ "ایک مرتبہ ان کی جگہ ان کے چھوٹے بھائی پڑھانے آگئے"۔ تاہم اس روایت سے یہ ضرور معلوم ہو رہا ہے کہ مولانا کے اخلاف نے بھی زبان کی روایات، اور اس کے آداب کو کس طرح محفوظ رکھا ہے۔

آثار و مکتوبات

حضرت مولانا کی پوری زندگی زندہ تصنیفات پر محنت میں صرف ہوئی، اس لئے قلمی تصنیفات کی طرف توجہ نہیں فرما سکے۔ راقم سطور کی معلومات میں مولانا کی واحد مطبوعہ تحریر "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" کا ورد ناجائز ہونے کا فتویٰ ہے، یہ فتویٰ جناب ہدایت اللہ خاں مرادآبادی کے نام ایک خط کی صورت میں ہے، اور اس کا متن حسب ذیل ہے:-

> "از فقیر محمد اسمٰعیل، بعد السلام علیکم و رحمۃ اللہ، آنکہ آپ کے چند عنایت نامہ بطلب استفتار در باب استفسار یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ آئے، مفتخر فرمایا، اوّل تو میں عدم تحریر جواب کی معافی مانگتا ہوں، بعد اس کے عذر اور سبب دیر کا بیان کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ میں نے آپ کا خط دہلی برخوردار کے پاس بھیج دیا تھا، اس کا جواب لکھا کر مولوی محمد حسین کے پاس مہر کے لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جناب غازی محمود (ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد، پاکستان) نے راقم سطور سے نقل کیا کہ میں نے یہ روایت خود ابوالخیر مودودی صاحب سے اسی طرح سنی ہے۔

لے گیا، وہ کہیں رکھ کر بھول گئے، وہ نہ ملا بہت بار طلب کیا، وعدہ تلاش کر دینے کا ہوا، پھر ظہور میں نہ آیا۔ اس عرصہ میں آپ کے کئی خط آئے جب اس کے ملنے سے مایوسی ہوئی تب یہ کہا گیا کہ لکھاؤ۔ پھر لکھا گیا، اور دو تین مہر چھپ ہو کر میرے پاس آیا، لیکن وہ بہ نسبت مطابقت سوال مجھ کو پسند نہیں۔ لہٰذا ترسیل میں تاخیر ہوئی، اور اب ایک استفتاء اس وظیفے کے جواز میں دیکھنے میں آیا اور سنا ہے کہ اس کا رد بھی چھپ رہا ہے، سو میں اس کا منتظر ہوں، اگر وہ اچھا ہو تو وہی بھیج دوں، ورنہ جو میں سمجھ رہا ہوں وہ تو مجمل یہ ہے کہ ہرگز اس وظیفہ کا پڑھنا درست نہیں ہے اور اس کے پڑھنے والے کے حق میں قیل یکفر در مختار میں لکھا ہے۔ اگر خوانندہ بیان کرے کہ میں حاضر و ناظر جان کر نہیں پڑھتا۔ اگر سچا ہے تب بھی خاطی ہے کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دع ما یریبك الی مالا یریبك' اور فرمایا۔ اتقوا مواضع التھمة اور ایسے شخص کی امامت بھی بہتر نہیں، اور اگر حاضر و ناظر جان کر پڑھے تو ہرگز جائز نہیں۔" فقط [1]

مولانا کا ایک غیر مطبوعہ مکتوب بنام مولانا ریاض الحسن محمد سلیمان کاندھلوی (مکتوبہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۰۲ھ / ۷ فروری ۱۸۸۵ء) ہمارے ذخیرۂ مکتوبات میں موجود ہے۔ اس مکتوب کا عکس پیش نظر اشاعت میں شامل ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل اور ان کے اخلاف کا کتابوں کی اشاعت کا ذوق

مولانا کی فرمائش و ہدایت پر مولانا کے بھتیجے مولوی محمد یعقوب جھنجھانوی [2] نے ۱۳۰۲ھ

---

[1] رسالہ عدم جواز یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ۔ مرتبہ ہدایت اللہ خاں ص۱۰۱ (مراد آباد ۱۸۹۳ء)

[2] مولوی محمد یعقوب، مولانا کے حقیقی بھتیجے اور مولانا کے شاگرد تھے، مولوی یعقوب، گلی اڑان، بحو جلہ مہاڑی دہلی میں مقیم تھے اسی گلی اڑان سے محرم ۱۳۲۱ھ / اپریل ۱۹۰۳ء میں ایک ماہنامہ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

میں رسالہ جہادیہ (جہاد بالنفس وشیطان تالیف حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی) شائع کرایا تھا،[لہ] اس مختصر مگر مفید و بابرکت کتاب کی اشاعت سے نشر و طباعت کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ ایک صدی گزر جانے کے باوجود اس وقت تک جاری ہے۔

مولانا کے نامور اخلاف کو اسلامی کتابوں کی نشر و طباعت سے نہایت دل چسپی اور گہرا شغف رہا، مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد میاں کی چھپوائی ہوئی ایک کتاب "تفسیر پارہ تبارک الذی" ہمارے ذخیرہ کتب میں موجود ہے۔ افسوس ہے کہ اس اشاعت پر مؤلف کا نام اور سنہ طباعت مذکور نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) رسالہ کاشف العلوم شائع ہونا شروع ہوا۔ اس کے مرتب و ایڈیٹر کا نام بھی محمد یعقوب ہے مگر وہ مرزا محمد یعقوب بیگ ہیں، خیال ہوتا ہے کہ شاید دونوں ایک ہی ہیں، مگر مرزا اور بیگ کا لاحقہ کیوں ہے؟

ایک اور سوال جو توجہ طلب ہے یہ ہے کہ ماہنامہ کاشف العلوم، اور مدرسہ کاشف العلوم کے ناموں میں یکسانیت کیوں ہے، اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے جب یہ حقیقت معلوم ہو کر دونوں نام ایک ہی زمانہ میں رکھے گئے ہیں۔؟

ماہنامہ کاشف العلوم سنجیدہ و باوقار دینی رسالہ تھا، اس میں صرف اعلیٰ علمی کتابوں کے معیاری ترجمے شائع کئے جاتے تھے۔ الترغیب والترہیب امام منذری تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتی، رسائل الارکان علامہ عبدالعلی بحرالعلوم اور اربعین امام غزالی کے ترجمے قسط وار شائع ہوئے، کلید مثنوی حکیم الامت مولانا تھانوی بھی اس میں شائع ہوئی۔ ماہنامہ کاشف العلوم کے ابتدائی چھ شمارے محرم تا جمادی الاخریٰ (جناب امداد صابری کی عنایت سے) نظر سے گزرے۔ رسالہ کے ادارہ سے دیگر مطبوعات کا بھی سلسلہ تھا۔ آخر کا تینوں شماروں میں ۲۳ کتابوں کا اشتہار شامل ہے۔ اس اشتہار میں مذکورہ کتابوں میں سے ایک کتاب رسالہ اصول حدیث حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (مطبوعہ ذی قعدہ ۱۳۲۱ھ) ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔ اس سنہ اشاعت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس ادارہ نے رسالہ اصول حدیث کے ایک سے زائد ایڈیشن شائع کئے ہیں۔

[لہ] اس کا ایک نسخہ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے، اور مولانا محمد یحییٰ کی شائع کی ہوئی اکثر کتابیں بھی ہمارے ذخیرہ میں ہیں۔

اور مولانا محمد یحییٰ نے گنگوہ میں دورۂ حدیث کی تکمیل کے فوراً بعد تجارتی کتب خانہ قائم کرلیا تھا جو کتب خانہ یحیوی کے نام سے اس وقت تک موجود ہے، اور نشر و اشاعت کا کام کر رہا ہے۔ اس کتب خانہ کا خاص وصف جس میں کوئی اور تاجر و ناشر اس کا شریک نہیں ہے سلسلہ عالیہ امدادیہ کے اکابر و علماء کی تصنیفات کی اشاعت ہے۔

اور مولانا محمد الیاس بھی اس سلسلہ سے نامانوس نہیں تھے۔ مولانا الیاس نے بھی متعدد کتابچے، اشتہارات اور رسائل شائع کئے تھے یا شائع کرائے تھے۔ مولانا نے ۱۳۴۶ھ میں جبریہ تعلیم کے متعلق اہم علماء کے فتاویٰ شائع کرائے۔ اس رسالہ پر مولانا کی تمہید بھی ہے اور ایک سے زائد مرتبہ حالات تعلیم و تبلیغ مدرسہ کاشف العلوم واقع بستی حضرت نظام الدین دہلی، شائع ہوئے۔ مدرسہ کاشف العلوم کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۵ رذی الحجہ ۱۳۵۲ھ کے موقع پر جو رُوداد مرتب ہوئی تھی، وہ اسی وقت شائع ہوئی تھی، ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے اور اس کے علاوہ بھی مدرسہ کی رُوداد چھپی ہے اور میوات میں تبلیغی کام کے ابتدائی دور میں اجتماعات کے لئے اشتہارات بھی شائع ہوتے رہے۔ ایسے دو اشتہار ہمارے ذخیرے میں محفوظ ہیں اور بھی متعدد اشتہار راقم کی نظر سے گزرے ہیں۔

ازدواج و اولاد

حضرت مولانا کی پہلی شادی جھنجھانہ میں ہوئی۔ اہلیہ محترمہ کا نام مریم تھا، ان سے صرف ایک صاحبزادہ مولانا محمد تولد ہوئے، مولانا محمد میاں کا نکاح مولانا ضیاء الحسن صادق کاندھلوی کی صاحبزادی آمنہ سے ہوا، ان سے ایک دختر تولد ہوئیں فاطمہ، ان کا نکاح مولانا علاء الحسن کاندھلوی ان کے صاحبزادے مولانا ظہیر الحسن کاندھلوی تھے۔

دوسرا نکاح مولانا ضیاء الحسن صادق کاندھلوی کی صاحبزادی صفیہ سے ہوا، ان سے دو صاحبزادے مولانا محمد یحییٰ اور مولانا محمد الیاس، اور دو صاحبزادیاں حمیرہ اور امت الحنان تولد ہوئیں۔ حمیرہ کا نکاح مولانا رضی الحسن کاندھلوی سے ہوا، مولانا رضی الحسن کے ایک صاحبزادے مولانا اکرام الحسن، اور دو صاحبزادیاں مسماۃ امۃ الودود، اور امت المعبود

تھیں۔ مولانا اکرام الحسن کے صاحبزادے مولانا انعام الحسن مدظلہ امیر جماعت تبلیغ بستی نظام الدین دہلی ہیں۔ امت الودود کی شادی حاجی محمد محسن کاندھلوی سے اور امت المعبود کی مولانا لطیف الرحمٰن کاندھلوی سے ہوئی۔

امت الحنان بنت مولانا اسمٰعیل کا نکاح مولانا فضل الرحمٰن (برادر مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی) سے ہوا، ایک لڑکی تولد ہوئی جو کم سنی میں فوت ہو گئی تھی۔

مولانا محمد یحییٰ کا پہلا نکاح امت اللہ بنت حافظ مولوی محمد یوسف کاندھلوی سے ہوا، لاولد فوت ہوئیں، دوسرا نکاح ان کی چھوٹی ہمشیر امت الحیٰ سے ہوا، ان سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، اور ایک دختر عائشہ تولد ہوئیں، عائشہ کا نکاح مولوی محمد شعیب ابن مولوی حافظ محمد یونس کاندھلوی) سے ہوا۔ ایک صاحبزادی عامرہ (زوجۂ مفتی محمد یحییٰ سہارن پوری) یادگار ہیں۔

مولانا محمد الیاس کا نکاح جویرہ بنت مولانا رؤف الحسن کاندھلوی سے ہوا۔ مولانا محمد یوسف اور ایک صاحبزادی عطیہ بیگم ہیں۔ مولانا محمد یوسف کا پہلا نکاح ذکیہ بنت شیخ الحدیث اور مولانا محمد زکریا سے ہوا۔ ان کی وفات کے بعد دوسرا نکاح حضرت شیخ الحدیث کی دوسری صاحبزادی سے ہوا۔ اوّل الذکر سے مولوی محمد ہارون تولد ہوئے، موخر الذکر کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اور عطیہ بیگم کا نکاح حضرت شیخ الحدیث سے ہوا، دو صاحبزادیاں صفیہ، خدیجہ اور ایک صاحبزادہ مولوی محمد طلحہ ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث کا پہلا نکاح امت المتین بنت مولانا رؤف الحسن کاندھلوی سے ہوا اور پانچ صاحبزادیاں یادگار چھوڑیں، ذکیہ (زوجۂ اولیٰ مولانا محمد یوسف) ذاکرہ (زوجۂ مولانا انعام الحسن مدظلہ)، شاکرہ (زوجۂ مولوی حسن بن حاجی محمد محسن)، راشدہ (زوجۂ مولوی سعید الرحمٰن بن مولانا لطیف الرحمٰن کاندھلوی، ان کی وفات کے بعد مولانا محمد یوسف سے نکاح ہوا)، شاہدہ (زوجۂ مولوی حکیم محمد الیاس سہارن پوری)

وفات

مولانا محمد اسمٰعیل کو باؤلے کتّے نے کاٹ لیا تھا، بہت دنوں کے بعد اس کا اثر ظاہر ہوا اور اسی مرض میں ۴ شوال ۱۳۱۵ھ/۲۶ فروری ۱۸۹۸ء کو کھجور والی مسجد نزد بارہ بہرام خاں دہلی میں وفات ہوئی۔ جنازہ نظام الدین لایا گیا۔ جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کا اتنا ہجوم تھا کہ اگرچہ جنازہ میں دونوں طرف بلّیاں بندھی ہوئی تھیں تاکہ لوگوں کو کاندھا دینے میں سہولت ہو، مگر اس کے باوجود بہت سے لوگوں کو دہلی سے نظام الدین تک (جو تقریباً ۳½ میل ہے) کاندھا دینے کا موقع نہیں ملا۔[1]

جس وقت مولانا کا وصال ہوا، نوشاہ ابوالخیر مجددی نے اپنی خانقاہ کے بعض حاضرین سے فرمایا، "دیکھو کسی نیک بندہ کی رُوح کو فرشتے لے جا رہے ہیں۔" بعد میں معلوم ہوا کہ مولانا اسمٰعیل کا انتقال ہو گیا ہے۔[2]

جنازہ کے ہجوم کی وجہ سے بار بار نماز پڑھی گئی، اور اس کی وجہ سے دفن میں بھی تاخیر ہوئی تو ایک صاحب کشف و ادراک بزرگ نے دیکھا کہ مولانا اسمٰعیل فرماتے ہیں کہ مجھے جلدی رخصت کر دو، میں بہت شرمندہ ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ میرے انتظار میں ہیں۔[3]

چونسٹھ کھمبہ کی تاریخی عمارت کے دروازے کے سامنے بنگلہ والی مسجد کی جنوبی سمت میں دفن ہوئے رحمہ اللہ رحمۃً واسعہ۔

---

[1] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت
[2] مقامات خیر۔ مولانا زید ابوالحسن فاروقی ص۲۹۹ (دہلی ۱۹۷۵ء)
[3] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت

مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
کی چند اہم اردو مطبوعات
سوانح مولانا محمد یوسف
تذکرہ مولانا فضل رحمٰن
۱۵/-
سیرت مولانا محمد علی مونگیری
قادیانیت
ایک تبصرہ، ایک جائزہ۔ قادیانی مذہب کا آپریشن۔
مؤلفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ قیمت ۶/-
صدیار جنگ
نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کے حالات زندگی پر مبسوط تاریخ
مؤلفہ: مولانا شمس تبریز صاحب۔ ۱۵/-
صحبتے با اولیاء
حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات دین و دنیا دونوں کی رہنمائی۔ ایمان و یقین کی کیفیت پیدا کرنے والے دلنشین انداز میں ۹/-
روداد چمن
ندوۃ العلماء کے ۸۵ سالہ جشن تعلیمی کی مفصل روداد۔ ایک دستاویز
ایک بیان۔ ایک پیغام۔ تین سو سے زائد صفحات بہت خوبصورت گرد پوش
تعلیمی نمائش کی تصاویر، نماز جمعہ کا ایک منظر قیمت ۱۵/-

حضرت شیخ کی آپ بیتی
انتخاب و تلخیص
از
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ کی "آپ بیتی" جس کا انتخاب ان صفحات میں پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے اس کے تعارف میں اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے بجائے یہ مناسب معلوم ہوا کہ اسی کے آخری حصہ (ے) کے شروع میں جو تعارفی نوٹ لکھا گیا ہے بس وہی نقل کر دیا جائے۔

"آپ بیتی" ایک نظر میں

حضرت شیخ مدظلہٗ بچپنے سے پیرانہ سالی تک حق تعالیٰ شانہٗ کے جن گوناگوں خصوصی الطاف و عنایات کے مورد رہے ہیں وہ اس دور میں نادر الوجود ہیں — حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کی سوانح مولانا محمد ثانی حسنی نے مرتب کی، اس کے باب اول میں، جو حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں زید مجدہم کے قلم سے تھا حضرت شیخ مدظلہٗ کے حالات و سوانح اور آپ پر الطاف ربانی کا مختصر تذکرہ آیا، حضرت شیخ مدظلہٗ نے اس کی اشاعت پر مؤلف "سوانح یوسفی" کے نام ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا کہ جو باتیں لکھنے کی تھیں وہ چھوڑ دیں اور جو نہ لکھنے کی تھیں وہ لکھ دیں — یہ گرامی نامہ "آپ بیتی ۱" قرار پایا۔ اس کے بعد احباب کے تقاضوں سے مزید واقعات لکھوانا شروع کیے گئے اور انھیں ابواب و فصول پر مرتب فرمایا۔ چنانچہ اب تک اس کے سات نمبر طبع ہو چکے ہیں۔

سیر و سوانح میں آپ بیتی سب سے دلچسپ اور مبنی برحقائق تصنیف ہے۔ اور کسی نابغہ شخصیت کی آپ بیتی تمام تر سادگی، جذبہ خمول و کسر نفسی کے باوجود محض دلچسپ ہی نہیں، حکمت آگیں اور سبق آموز بھی ہوتی ہے — آپ بیتی سے مصنف کی شخصیت، اُس کے اخلاق و عادات اور نفسیات کے دقیق سے

دقیق پہلو بھی بلا حجاب سامنے آجاتے ہیں اور پھر حضرت شیخ مدظلہٗ کی آپ بیتی
صرف آپ بیتی ہی نہیں بلکہ اپنے اکابر کے حالات و سوانح کا حسین مرقع
اور مختصر سا انسائیکلو پیڈیا ہے جس کے مطالعہ سے نہ صرف دل و دماغ اور
قلب و نظر کی بہت سی گرہیں کھلتی ہیں بلکہ قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ
ان ملکوتی صفت اہل اللہ کی محفلِ علم و عرفان سے مستفیض ہو رہا ہے۔"
(آپ بیتی ۶ ص۲)

اس آپ بیتی کا قصہ :

اس آپ بیتی کا قصہ جس کی طرف مندرجہ بالا تعارفی نوٹ میں بھی اشارہ کیا گیا ہے یہ ہے
کہ جب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد اُن کی سوانح
حیات حضرت شیخ الحدیث ہی کے ایما پر (مرحوم و مغفور) مولانا محمد ثانی حسنی صاحب نے لکھی تو اس میں
حضرت شیخ کا تذکرہ بھی لکھنا تھا، اس کے لیے انھوں نے اپنے خال معظم مولانا سید ابوالحسن
علی ندوی سے لکھنے کی درخواست کی، چنانچہ وہ مولانا ممدوح ہی نے تحریر فرمایا اور جیسا
کہ چاہیے تھا ناظرین کو حضرت شیخ کی شخصیت سے واقف کرانے کے لیے ان کی زندگی کے
وہ حالات و واقعات اور امتیازات و کمالات اور خداوندی انعامات خاص طور سے ذکر کیے
جو قارئین کے لیے سبق آموز اور ہدایت افروز ہو سکتے تھے۔ طباعت و اشاعت کے بعد جب
اس کو حضرت شیخ نے (بینائی کی کمزوری کی وجہ سے) پڑھوا کر سنا تو سوانح یوسفی کے مؤلف مولانا
محمد ثانی حسنی مرحوم کو ایک مکتوب لکھوایا کہ بھئی جو واقعات لکھنے کے نہیں تھے وہ تو مولانا
علی میاں نے لکھ دیے اور جو لکھنے کے تھے وہ نہیں لکھے یا بہت مجمل لکھے۔ پھر اسی مکتوب میں
اپنے بچپن اور ابتدائی تعلیم و تربیت کے دور کے وہ واقعات لکھائے جو حضرت شیخ کے نقطۂ نظر
سے لکھنے کے قابل تھے (اور یقیناً کوئی دوسرا لکھنے کے لیے اُن کا انتخاب بھی نہیں کر سکتا
تھا) یہ مکتوب ایک چھوٹا سا رسالہ ہو گیا تھا لیکن اشاعت کی نیت سے نہیں لکھا گیا تھا۔
بعد میں بعض مخلصین کے مشورے اور اصرار سے اس کی اشاعت کا فیصلہ کرلیا گیا۔ اور یہی آپ بیتی نمبر۱"

قـــرار پایا۔

اس کے بعد مختلف اوقات اور مختلف مقامات کے قیام میں اس سلسلۂ آپ بیتی کے بعد کے نمبر اس طرح مرتب ہوئے کہ حضرت واقعات بیان فرماتے تھے اور کوئی خادم ساتھ ساتھ قلمبند کرتا چلتا تھا۔ اس طرح اس سلسلہ کے ساتؔ نمبر تیار ہو کر شائع ہو گئے۔ نمبر ۱ جو مرحوم و مغفور مولانا محمد ثانی حسنی صاحب کے نام حضرت شیخ کا مکتوب ہے اس کے آخر میں تاریخ ۶ر شعبان ۱۳۸۶ھ اور آخری نمبر ۷ کے آخر میں یکم ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ (مطابق ۵ر فروری ۱۹۸۱ء) پڑی ہوئی ہے۔ اس طرح قریباً ۱۴-۱۵ سال کے عرصہ میں مختلف اوقات میں اور مختلف مقامات کے قیام میں یہ آپ بیتی مرتب ہوئی۔ اس کے صفحات کی مجموعی تعداد ساڑھے سولہ سو کے قریب ہے۔

راقم سطور نے اس خاص نمبر کے محدود صفحات کی گنجائش کو پیش نظر رکھ کر جستہ جستہ حالات وواقعات کے انتخاب کا ارادہ کیا ہے۔ خود احساس ہے کہ میرے لیے انتخاب کا یہ کام بہت مشکل ہے، کیونکہ "آپ بیتی" کے قریباً سارے ہی مضامین کا حال یہ ہے کہ "کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجاست"۔ اللہ تعالیٰ اس مشکل کو آسان فرمائے اور ایسی چیزیں اس انتخاب میں آجائیں جو خود اس عاجز کے لیے اور ناظرین کرام کے لیے نافع ہوں۔

حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ کے ساتھ اس عاجز راقم سطور کے نیازمندانہ تعلق کی عمر چالیس سال سے بھی زیادہ ہے، اس مدت میں سیکڑوں ہی بار تھوڑے وقت کے لیے یا دو چار دن اور کبھی کبھی کئی کئی ہفتوں تک بھی خدمت میں حاضری اور مجالست نصیب ہوئی، اس آپ بیتی میں حضرت شیخ نے جو کچھ لکھوایا ہے اس کا خاصا حصہ وہ ہے جو راقم سطور نے حضرت سے براہ راست بھی مختلف صحبتوں اور مجلسوں میں سنا ہے۔ اس کو پڑھتے ہوئے بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت گویا فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔ اس کی زبان بھی تصنیفی نہیں ہے بلکہ بے تکلف مجلسی گفتگو کی زبان ہے۔ امید ہے کہ ناظرین کرام بھی ایسا ہی محسوس کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اس عاجز کے لیے بھی اس کو نافع بنائے اور عام قارئین کے لیے بھی اور قبول فرمائے۔

محمد منظور نعمانی

۲۱ر ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۸۲ء

انتخاب آپ بیتی نمبر (۱)

جیساکہ ذکر کیا جاچکا ہے "آپ بیتی ۱" درصل حضرت شیخؒ کا ایک مکتوب ہے جو "سوانح حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ" کی اشاعت کے بعد اس کے مؤلف مرحوم مغفور مولانا سید محمد ثانی حسنی کے نام لکھا گیا تھا۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

عزیز گرامی قدر و منزلت! عافاکم اللہ وسلمہ۔ بعد سلام مسنون۔
تمہاری کتاب سے بہت ہی مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں بہترین جزا عطا فرمائے۔ امید سے زیادہ بہتر لکھی .... کاش میری آنکھیں قابل نظر ہوتیں تو ایک دوشب ہی میں نمٹا دیتا۔ مجھے اکابر کی سوانح پڑھنے کا ساری عمر سے شوق ہے، شروع کرنے کے بعد چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا، دن میں تو کبھی فرصت ملی ہی نہیں، عشاء کے بعد ضروری مطالعے سے فراغت کے بعد شروع کیا کرتا تھا اور اکثر صبح بھی کر دی مجھے شباب کے زمانے میں تمام رات جاگنا بہت آسان تھا۔ اکابر کی سوانح ہمیشہ ایک شب یا دو شب میں پوری کی، حضرت گنگوہی، حضرت سہارنپوری، حضرت شیخ الہند حضرت تھانوی، حضرت سید صاحب، حضرت چچا جان وغیرہم نوراللہ مراقدہم کی سوانح اور مکاتیب اسی ذوق شوق سے پورے کیے۔ لیکن اب آنکھوں کی معذوری نے دوسروں کا محتاج بنا دیا اور دوسروں کے لیے

وصل ہو یا فراق ہو غالب جاگنا ساری رات مشکل ہے

آگے حضرت شیخ نے "سوانح یوسفی" کے اس باب کے بارہ میں جو خود انہی کے متعلق مولانا علی میاں کا لکھا ہوا ہے، اظہار خیال فرمایا ہے جس کی حیثیت "استدراک" کی ہے۔

اس باب میں ۔" دو نازک امتحان اور توفیق الٰہی" کے زیرِ عنوان شیخ کی زندگی کے دو واقعے ذکر کیے گئے ہیں۔ ایک یہ واقعہ کہ جب ابتداءً مدرسہ مظاہر علوم میں پندرہ روپے ماہوار پر مدرس کی حیثیت سے شیخ کا تقرر ہوا تو ان کے خاندان کے ایک بزرگ مولوی بدرالحسن صاحب نے (جو لکھنؤ میں سول جج تھے اور علی گڑھ کالج سے ان کا خاص تعلق تھا) کالج میں ناظم دینیات کے عہدہ کے لیے اصرار بلکہ حکم فرمایا (جس کی ابتدائی تنخواہ تین سو روپے تھی) تو شیخ نے تعمیل سے معذرت کر دی۔ (یہ واقعہ چونکہ پوری تفصیل سے "آپ بیتی م۲ " کے انتخاب میں ناظرین کرام آگے پڑھیں گے اس لیے یہاں صرف اس اجمالی بیان ہی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔)

دوسرا واقعہ اس سلسلہ کا اسی طرح کا مولانا علی میاں نے یہ ذکر کیا ہے کہ کرنال میں نواب عظمت علی خاں صاحب کے مشہور وقف کی جانب سے ایک بڑا تبلیغی دارالعلوم قائم کیا گیا تھا۔ جس کی خاص غرض وغایت یہ تھی کہ اسلام کی تبلیغ اور اس کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے ایسے فضلاء تیار کیے جائیں جو عربی وانگریزی دونوں سے واقف ہوں اور علوم قدیم وجدید دونوں کے جامع ہوں، اس کے لیے بڑے وظائف دے کر مستند عربی مدارس کے فضلاء کو انگریزی اور کالجوں یونیورسٹیوں کے فارغین کو عربی پڑھائی جائے ۔ مولانا سر رحیم بخش صاحب مرحوم (جو ریاست بہاولپور کے صدر کونسل تھے) اس تحریک کے خاص علمبرداروں میں تھے، ان کا تعلق گنگوہ، رائے پور، سہارنپور سے خادمانہ اور مخلصانہ تھا۔ اس دارالعلوم کے لیے انھوں نے شیخ کا انتخاب کیا اور مستقل سفر کر کے سہارنپور آئے اور بڑی شفقت کے ساتھ شیخ کے سامنے اپنا منصوبہ رکھا اور ضابطہ کی تین سو ماہوار تنخواہ کے علاوہ بہت سی رعایتوں اور سہولتوں کا ذکر فرمایا اور چونکہ وہ مظاہر علوم کے بھی سرپرستوں (یعنی ارکان شوریٰ) میں سے تھے اور اس بنا پر ان کے لیے مناسب نہیں تھا کہ وہ مظاہر علوم کے کسی استاذ کو کسی دوسری جگہ کے لیے ترغیب یا دعوت دیں، اس لیے انھوں نے شیخ سے یہ بھی کہا کہ تم خود ہی حضرت سہارنپوری سے اپنی ضروریات ظاہر کر کے اجازت

لے لو۔ شیخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ۔
... آپ توفرماتے ہوکہ میں حضرت سے اجازت لوں لیکن اگر (بالفرض)
آپ کے براہ راست کہنے پر حضرت مجھے حکم بھی فرمائیں گے تو میں عرض کروں گا
کہ اس حکم کی تعمیل سے معذور ہوں (مجھے تو یہیں پڑا رہنا ہے) یہ جواب
سن کر مولانا سر رحیم بخش صاحب نے (جو حضرت شیخ کے بڑوں میں تھے)
فرمایا کہ مولوی زکریا میں تمہارا معتقد تو پہلے سے تھا لیکن اس جواب سے
اور زیادہ معتقد ہوگیا۔
حضرت شیخ نے اسی قسم کے اس سے بھی زیادہ سخت امتحان کے دو واقعے اور بھی بیان فرمائے ہیں۔
ایک یہ کہ ان کے ایک شاگرد مولوی محمد عادل گنگوہی کا "دائرۃ المعارف" (حیدر آباد) سے تعلق ہوگیا اور پھر وہاں کے ذمہ دار حضرات کا ان کو خاص اعتماد حاصل ہوگیا۔ ایک دن اُن کا بہت طویل خط آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ یہاں "دائرۃ المعارف" کی مجلس میں بیہقی کے رجال پر کام کرانے کا فیصلہ ہوگیا ہے اور اس کے لیے صرف دو حضرات کا انتخاب کیا گیا ہے، ایک حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اور دوسرے آپ۔ اور چونکہ کام طویل ہے اور شاہ صاحب کی ضعیفی کی وجہ سے ان سے کام پورا ہونا مشکوک ہے اس لیے ترجیح آپ کو ہے۔ تنخواہ آٹھ سو ماہوار، رہنے کے لیے مکان اور سواری کے لیے موٹر معہ اس کے سارے اخراجات کے سرکار کی جانب سے ۔ مولوی محمد عادل صاحب نے اس کے علاوہ علم و مطالعہ کی لائن کی بھی متعدد ایسی چیزیں لکھی تھیں جو شیخ کے لیے بھی کشش کا باعث ہو سکتی تھیں۔ شیخ فرماتے ہیں۔
جواب میں اس ناکارہ نے صرف ایک کارڈ لکھا جس میں صرف یہ مصرعہ لکھ دیا تھا
؎ "مجھ کو جینا ہی نہیں بندۂ احساں ہوکر" فقط زکریا
دوسرا اور آخری واقعہ اسی سلسلہ کا اس سے بھی بڑے امتحان کا شیخ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ملک کی تقسیم سے دو تین سال پہلے مشرقی بنگال کی کسی بڑی درسگاہ کی طرف سے

ایک دن جوابی تار ملا کہ "آپ کے جواب کا شدید انتظار ہے۔ میں نے سمجھ لیا کہ کوئی خط مجھے لکھا گیا ہوگا جو ابھی نہیں ملا ہے۔ پھر تار کے بعد خط بھی مل گیا، اس میں اطلاع دی گئی تھی کہ صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے بارہ سو ماہوار پر آپ کا تقرر تجویز کیا گیا ہے آپ فوراً منظوری سے مطلع کریں، خط بہت لمبا تھا اور اس میں تجویز کی منظوری پر بہت اصرار کیا گیا تھا، شیخ فرماتے ہیں کہ۔

"تار کا جواب تار سے تو میں نے صرف یہ دیا کہ "معذوری ہے"۔ خط میں میں نے لکھا کہ جن دوستوں نے آپ سے میرا نام .... لیا ہے انھوں نے محض حسن ظن سے غلط روایات آپ کو پہنچائی ہیں، یہ ناکارہ نہ اس کا اہل ہے نہ متحمل"۔ (آگے حضرت شیخ فرماتے ہیں) اللہ کا احسان ہے کہ پھر کوئی واقعہ اس قسم (کے امتحان) کا پیش نہیں آیا"۔

راقم سطور (محمد منظور) عرض کرتا ہے کہ اب سے قریباً ۲۵ سال پہلے اس عاجز نے اپنے ایک ذاتی مسئلہ میں (جس کا کچھ تعلق معاش سے بھی تھا) حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشورہ چاہا تو حضرت نے جو میرے حق میں بہتر سمجھا مشورہ دیا اور توکل کی تلقین فرمائی، میں نے عرض کیا کہ الحمدللہ توکل کے بارہ میں عقیدہ تو صحیح ہے لیکن میرا حال وہ نہیں ہے۔ میں تو اسباب کا گرفتار ہوں، تو حضرت شیخ نے اپنے بعض ذاتی تجربات کا ذکر فرمایا۔ اس سلسلہ میں مذکورہ بالا چاروں واقعے بھی ذکر فرمائے۔ مجھے الحمدللہ ان کے سننے سے کچھ نہ کچھ نفع ہوا۔ میں نے حضرت شیخ کی اس پوری گفتگو کو امکانی حد تک شیخ ہی کے الفاظ میں قلم بند کر لیا، میرا خیال تھا کہ اس کی اشاعت سے اللہ کے بہت سے بندوں کو نفع ہوگا اور کم از کم دل میں توکل اور اعتماد علی اللہ کی تمنا پیدا ہوگی، اس لیے میں نے الفرقان میں اس کو شائع کر دینے کا بھی ارادہ کر لیا۔ لیکن جب میں نے خط لکھ کر شیخ سے اس کی اجازت چاہی تو سختی سے منع فرما دیا ۔۔ غالباً اس کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ حضرت شیخ کو اس وقت اپنے نفس کے بارہ میں اطمینان نہ رہا ہوگا۔ عُجب جیسی کیفیات کا خطرہ ہوگا، پھر جب اللہ تعالیٰ کے فضل خاص سے یہ حال ہو گیا کہ مخلوق

کی رضا و عدم رضا اور مدح و مذمت کا قلب و نفس پر کوئی مضر اثر نہ ہو تو اللہ کے بندوں کے نفع کی امید پر اس طرح کے احوال و واقعات خود ہی آپ بیتی کے اس سلسلہ میں قلم بند کرا کے شائع کرا دینے کا فیصلہ فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ اللہ تعالیٰ ان احوال و واقعات کو ہم جیسوں کے لیے نافع بنائے ان سے سبق آموزی کی توفیق دے اور حضرت شیخ کو اس کی بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے ۔

بچپن کا ایک قابل ذکر واقعہ :

اسی سلسلۂ کلام میں شیخ نے اپنے بچپن کا ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مرزا ثریا جاہ جو دلی کے آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے سمدھی مرزا الٰہی بخش کے فرزند تھے وہ اور ان کے والد مرزا الٰہی بخش بھی حضرت شیخ کے دادا مولانا اسماعیل صاحب کے شاگرد تھے اور ان کو حضرت مولانا سے انتہائی درجہ کی عقیدت و محبت تھی، اسی بنا پر انھوں نے مولانا سے اپنی اس خواہش کا اظہار اور اس پر اصرار فرمایا کہ ان کی صاحبزادی شہزادی قیصر جہاں بیگم کا نکاح مولانا موصوف کے صاحبزادے (شیخ کے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ صاحب) سے ہو جائے ۔ (جب کہ وہ کم سن صاحبزادے ہی تھے) مولانا نے عذر بھی کیا لیکن ان کا اصرار جاری رہا تو مولانا نے صاحبزادے (مولانا محمد یحییٰ صاحب) سے بھی ان کی اس خواہش اور فرمائش کا ذکر کیا۔ انھوں نے بھی معذرت کی اور عرض کیا کہ ۔

"ان شہزادی سے نکاح کے بعد بوریئے پر لیٹنا بیٹھنا تو نصیب نہ ہوگا۔"

پھر ان شہزادی کا نکاح اپنے ہی طبقہ کے مرزا محمد شاہ صاحب سے ہو گیا، مگر ہمارے گھرانے سے قیصر جہاں بیگم کا تعلق ویسا ہی رہا جیسا ان کے والد مرزا ثریا جاہ کا تھا (یا اس سے بھی زیادہ) شیخ نے اس سلسلہ میں بیان فرمایا ہے کہ میں جب ۶ ۔ ۷ سال کا تھا تو وہ مجھے اپنے گھر لے جاتیں اور مجھے اولاد کی طرح لپٹا کر اپنے پاس ہی سلاتیں ۔ پھر ایک وقت پر انھوں نے اپنی بیٹی کا نکاح میرے ساتھ کرنے کے لیے والد صاحب سے اصرار فرمایا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ ۔

"مرحومہ نے کئی مرتبہ میرے سامنے میرے والد صاحب سے اصرار کیا کہ مجھے تو آپ نے قبول نہ کیا مگر زکریا میرا بچہ ہے، میں اس کو اپنا بیٹا بناؤں گی، اپنے پاس رکھوں گی اور اپنی لڑکی سے اس کا نکاح کر دوں گی ۔ والد صاحب کا جواب تو یہ ہوتا تھا کہ جس چیز کو میں نے اپنے لیے پسند نہ کیا اس کے لیے کیسے پسند کروں ۔ مگران کا شدید اصرار خود رفتہ تھا۔ اس کی بنا پر ایک دفعہ میرے والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے امتحاناً مجھ سے بھی دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ پاندان لیے لیے پھرنا میرے بس کا نہیں ۔ (آگے شیخ فرماتے ہیں) اس کی شرح یہ ہے کہ مرحومہ کے شوہر مرزا محمد شاہ کو مرحومہ سے عشق تھا۔ وہ نہایت نفیس مسہری پر بیٹھی رہتی تھیں اور مرزا شاہ مرحوم پاندان ان کے پاس لا کر رکھتے اور کہتے کہ بیگم ایک پان کھلا دو۔ (آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ) میرے اس جواب پر والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے خود اپنا قصہ مجھے سنا کر یہ ارشاد فرمایا کہ میرے والد صاحب نے بھی مجھ سے بچپن میں قیصر جہاں کے نکاح کے متعلق دریافت فرمایا تھا تو میں نے یہ جواب دیا تھا کہ ان شہزادی سے نکاح کرنے کے بعد بوریے پر لیٹنا تو کبھی نصیب نہیں ہوگا۔ اور یہ قصہ سنا کر فرمایا کہ میرے اور تیرے جواب میں آسمان زمین کا فرق ہے، تیرے جواب سے تکبر کی بو آتی ہے۔"

تربیت کی تکمیل:

حضرت شیخ نے تربیت اور نگرانی کے معاملہ میں اپنے والد ماجد نوراللہ مرقدہٗ کی شدت پسندی اپنی قیدیوں والی زندگی اور غلطیوں کوتاہیوں پر سخت مضروبیت کے بہت سے واقعات بھی مزے لے لے کر بیان فرمائے ہیں اور اس کو والد ماجد کا عظیم احسان بتلایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"اللہ جل شانہٗ والد صاحب کو ان ضربات کی بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے اور ہر مار پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے... حالت تو اپنی خراب ہی رہی، لیکن ان تنبیہات

اور اللہ کے فضل واحسان کی وجہ سے آدمیوں میں شمار ہونے لگا ورنہ نہ معلوم کس جون میں ہوتا...

پھر شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ ایک وقت آیا کہ ان ضربات و تنبیہات اور ہمہ وقتی نگرانی کا مرحلہ ختم ہوگیا۔ فرماتے ہیں۔

یہ سارے مراحل والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے وصال سے قریبًا ایک سال پہلے ختم ہوگئے۔ انتقال سے تقریبًا ایک سال پہلے حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب قدس سرہٗ جن کا شدید اصرار والد صاحب کے بلانے پر رہتا تھا، ان کے خط کے جواب میں والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرے ہی قلم سے تحریر کرایا کہ "اب تک عزیز زکریا کی بیڑی میرے پاؤں میں ایسی زنجیر بنی ہوئی تھی کہ میں اس کی وجہ سے کہیں آجا نہیں سکتا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب اس کی طرف سے اطمینان ہوگیا (آگے حضرت شیخ بیان فرماتے ہیں) والد صاحب رائے پور طویل قیام کے لیے تشریف لے گئے، اس ناکارہ نے اُن کی تشریف بری کے بعد مکاری سے ان کی یاد اور ان کی غیبت سے اپنے نقصان کا اظہار کیا، تو جواب میں تحریر فرمایا کہ۔ "بڑوں کی نگرانی کی حاجت اس وقت تک رہتی ہے جب تک تعلق مع اللہ پیدا نہ ہو، اس کے بعد ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کے فضل سے تمہارے اندر پیدا ہوگیا، اب میری ضرورت نہیں رہی"۔ (شیخ فرماتے ہیں) کاش اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور لطف واحسان سے والد صاحب کے اس حسن ظن کو اور ان کے بعد میرے دوسرے اکابر اور احباب واصاغر کے حسن ظن کو "انا عند ظن عبدی بی" عالی شان فرمان ہی کی وجہ سے صحیح فرمادے تو اس کے لطف و کرم اور ان احسانات عظیمہ سے بعید نہیں جو ہمیشہ ہی میری ناپاکیوں کے باوجود رہے۔ فقط

"آپ بیتی ۱" جس مکتوب کا نام ہے اُس کا مضمون اِن سطروں پر ختم ہوگیا۔ لیکن جب اس کی مستقل اشاعت کا ارادہ کیا گیا تو حضرت شیخ نے اس کے ساتھ اپنا ایک اور مضمون شامل کرانے

کا فیصلہ فرمایا جو مدرسہ مظاہر علوم کے مدرسین و ملازمین کے لیے خصوصاً اور تمام ہی دینی مدارس کے اساتذہ و ملازمین اور ذمہ داروں کے لیے عموماً اسی زمانے میں لکھا گیا تھا، اس میں بتلایا گیا تھا کہ دینی مدارس کے بارے میں خاص کر مالیات کے معاملہ میں ہمارے اکابر کا نقطۂ نظر اور طرزِ عمل کیا تھا اور اس سلسلہ میں متعدد اکابر کے ارشادات و واقعات لکھے تھے۔ یہاں ان میں سے صرف دو چار ہی نذرِ ناظرین کیے جا رہے ہیں۔ سب سے پہلے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم کے سرپرست (یعنی رکن مجلس شوریٰ) حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے کہ۔

"مجھے مدارس کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے اتنا کسی چیز سے نہیں لگتا، اگر کوئی شخص کسی کے یہاں ملازم ہو وہ مالک کے کام میں کچھ کوتاہی کرے، خیانت کرے وہ ملازمت سے علحدہ ہوتے یا مرتے وقت مالک سے معاف کرالے تو معاف ہو سکتا ہے لیکن مدرسوں کا روپیہ جو عام غربا اور مزدوروں کا چندہ ہوتا ہے ہم سب سرپرستان مدرسہ (یعنی ارکان شوریٰ و انتظامیہ) اس کے مالک تو ہیں نہیں، امین ہیں، اگر اس مال کے اندر افراط اور تفریط ہو تو ہم لوگوں کے معاف کرنے سے معاف تو ہو نہیں سکتا۔ اتنا ضرور ہے کہ ہم اگر بمصالح مدرسہ چشم پوشی کریں تو اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ ہم سے درگزر فرمائے۔ لیکن اگر اپنے ذاتی تعلقات کی وجہ سے ہم لوگ تسامح کریں تو ہم بھی جرم کے اندر شریک ہیں۔ لیکن جرم کرنے والے سے کسی حال میں بھی معاف نہیں ہو سکتا کہ حقوق العباد ہے۔ اور جن کا مال ہے وہ اتنے کثیر ہیں کہ ان سے کسی طرح معاف نہیں کرایا جا سکتا۔"

آخر میں اس سلسلہ میں حضرت شیخ نے اپنے ہی زمانے کے چند وہ واقعات بیان فرمائے ہیں جو ان کے چشم دید ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"مظاہر علوم کا جب سالانہ جلسہ ہوتا تھا، میں نے اکابر مدرسین و ملازمین میں سے کسی کو جلسہ کے کھانے یا چائے یا پان کو کھاتے نہیں دیکھا، جملہ مدرسین حضرات

اپنا اپنا کھانا کھاتے تھے، جب بھی وقت ملے۔ البتہ حضرت (سہارنپوری) قدس سرہٗ مہانوں کے ساتھ کھاتے تھے، لیکن حضرت کے مکان سے دس بارہ آدمیوں کا کھانا آتا تھا جو متفرق مہانوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا، اسی میں سے حضرت نوش فرماتے تھے .... مولانا عنایت الٰہی صاحب مہتمم مدرسہ دوشب و روز مدرسہ کے اندر رہتے اور ظہر کے وقت اور رات کو بارہ بجے اپنے دفتر کے کونے میں بیٹھ کر اپنا ٹھنڈا اور معمولی کھانا تنہا کھاتے تھے ــ مولانا ظہور الحق صاحب مدرس مدرسہ اس زمانے میں مطبخ کے منتظم ہوتے تھے۔ لیکن سالن چاول وغیرہ کا نمک کسی طالب علم سے چکھواتے تھے، خود نہیں چکھتے تھے، جب وقت ملتا اپنے گھر جاکر کھانا کھا آتے۔ اسی طرح دیگر اکابر مدرسین کو میں نے کوئی شے مدرسہ کی چکھتے نہیں دیکھا۔ ان سب احتیاطوں کے باوجود حضرت سہارنپوری قدس سرہ جب ۱۳۴۴ھ میں مستقل قیام کے ارادہ سے حجاز تشریف لے گئے تو اپنا ذاتی کتب خانہ یہ فرماکر مدرسہ کے اندر وقف کر گئے تھے کہ نہ معلوم مدرسہ کے کتنے حقوق ذمّہ رہ گئے ہوں گے۔"

اس کے بعد شیخ نے خود اپنے والد ماجد نور اللہ مرقدہ کے بارے میں لکھا یا ہے کہ۔

"میرے والد صاحب قدس سرہٗ کے زمانے میں مدرسہ کا مطبخ جاری نہیں ہوا تھا۔ مدرسہ کے قریب کسی طباخ کی دکان تھی، گھر والوں کے نہ ہونے کے زمانے میں جامع مسجد کے قریب کی ایک طباخ کی دکان سے کھانا آیا کرتا تھا۔ سردی کے زمانے میں وہاں سے آتے آتے خصوصاً شام کو ٹھنڈا ہو جاتا تھا تو سالن کے برتن کو مدرسہ (کی مسجد) کے حمام کے سامنے (اندر نہیں بلکہ باہر) رکھوا دیتے تھے، اس کی تپش سے وہ تھوڑی دیر میں گرم ہو جاتا تھا۔ تو یہ فرماکر دو تین روپے ہر ماہ چندہ میں داخل فرمایا کرتے تھے کہ مدرسہ کی آگ سے استفاع ہوا ہے۔[1]"

---

[1] چند مہینے پہلے لندن کے ایک دینی ماہنامہ کے حضرت شیخ ہی سے متعلق ایک مضمون میں یہ واقعہ اس عاجز (بقیہ آگے)

تنخواہ تو میرے والدصاحب نے اپنے سات سالہ قیام مدرسہ میں کبھی نہیں لی"۔
آخر میں حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ ہمارے اکابر واسلاف نے کیسے افلاس وفقر اور صبر وشکر کے ساتھ زندگی گزاری، اس سلسلہ میں دو واقعے اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس نوراللہ مرقدہٗ کے ذکر فرمائے ہیں۔ اور انہی پر یہ مضمون ختم کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

میرے چچا جان نوراللہ مرقدہٗ نے مجھے ایک مرتبہ کارڈ لکھا کہ کئی دن سے تم کو ایک ضروری خط لکھنے کا تقاضا تھا مگر میرے پاس کوئی پیسہ نہیں تھا۔ قرض لینے کو دل نہ چاہا، آج اللہ نے پیسے عطا فرمائے ہیں تو تم کو خط لکھ رہا ہوں"۔

دوسرا واقعہ اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس نوراللہ مرقدہٗ کا جو اس موقع پر حضرت شیخ نے ذکر فرمایا ہے وہ اس عاجز راقم سطور نے خود بھی براہ راست صاحب واقعہ (مولانا لطیف الرحمن کاندھلوی مرحوم) سے کئی بار سنا ہے۔ اس لیے بہ نظر اختصار اس کو اپنے الفاظ میں عرض کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا۔

یہ مولانا لطیف الرحمن مرحوم حضرت شیخ اور حضرت مولانا محمد الیاس نوراللہ مرقدہما کے قریبی عزیز تھے، دہلی شہر میں قیام تھا، کسی مسجد کے امام بھی تھے۔ ایک دفعہ رمضان مبارک میں وہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں حاضری اور ایک آدھ دن قیام کے ارادہ سے دہلی سے نظام الدین آئے۔ عصر کے وقت پہنچے تھے۔ اس زمانے میں حضرت مولانا کا معمول عصر سے مغرب تک خلوت میں ذکر بالجہر کا تھا، افطار کے قریب ہی باہر تشریف لاتے تھے۔ اپنے معمول

(بقیہ حاشیہ) راقم سطور محمد منظور نعمانی) کی روایت اور الفرقان کے حوالہ سے حضرت شیخ کی طرف منسوب ہو کر شائع ہوا ہے، صاحب مضمون کو (جو اس عاجز کے عزیز دوستوں میں ہیں) سہو ہوا ہے۔ اس عاجز نے خود حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ سے بار بار اسی طرح سنا ہے جس طرح آپ بیتی میں لکھا گیا ہے۔ اور اگر کبھی نقل کرنے کی نوبت بھی آئی ہے تو اسی طرح نقل کیا ہے۔ بہرحال یہ واقعہ حضرت شیخ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نوراللہ مرقدہ ہی کا ہے۔ ۱۲

کے مطابق تشریف لائے اور مدرسہ کے طلبا اور خدام جو ساتھ رہتے تھے ان سے پوچھا کہ افطار کے لیے کچھ ہے ؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت بس کل کے بچے ہوئے گُڑ ہیں۔ فرمایا واہ واہ، لاؤ! لوٹا سامنے رکھ دیا گیا جس میں گُڑ تھے، دو چار گُڑ خود حضرت نے کھائے، پانی پیا اور اللہ کا شکر ادا کیا اور سب نے اور مولوی لطیف الرحمٰن صاحب نے بھی بس وہ گُڑ ہی کھائے۔ بس وہی افطاری تھی اور وہی کھانا۔ اس کے بعد حضرت نے مغرب کی نماز پڑھائی اور اپنے معمول کے مطابق نوافل میں مشغول ہوگئے، عشار کی اذان کے قریب تک حضرت نوافل میں مشغول رہے۔ اس کے بعد نماز عشار اور تراویح۔ پھر سحر میں بھی وہ گُڑ ہی تھے۔ اس وقت بھی افطار کی طرح دو چار گُڑ کھا کر پانی پی لیا۔ مولوی لطیف الرحمٰن صاحب نے اگلے دن واپسی کا ارادہ کیا، ان کو ڈر تھا کہ آج بھی بس گُڑوں ہی پر اکتفا کرنا ہوگا۔ اور یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ انھوں نے حضرت سے اجازت چاہی، حضرت نے اجازت نہیں دی، مجبوراً ٹھہر جانا پڑا (مولوی لطیف الرحمٰن صاحب مرحوم فرماتے تھے) کہ اُس دن بھی افطار کا وقت قریب آنے لگا اور میں نے محسوس کیا کہ آج بھی کھانے پینے کی کوئی تیاری نہیں ہے۔ بعض طالب علم آج بھی گُڑ لینے کے لیے جنگل کی طرف گئے تھے۔ میری جان سوکھنے لگی جب افطار کا وقت بالکل قریب آیا تو شہر سے ایک دیہڑھی پر بریانی کی ایک دیگ آئی، بہت ہی اعلا درجہ کی بریانی تھی، اس کی خوشبو سے ساری مسجد مہک گئی۔ حضرت نے فرمایا، لطیف! تم سے گُڑ نہیں کھائے جا رہے تھے یہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری ہی وجہ سے بھیجی ہے خوب کھاؤ۔ مرحوم مولوی لطیف الرحمٰن صاحب فرماتے تھے، اس دن جیسی لذت سے وہ بریانی کھائی زندگی بھر ایسی لذت سے کھانا یاد نہیں۔

"آپ بیتی ۲" کا انتخاب اِن سطروں پر ختم ہوگیا۔ والحمدللہ۔

آپ بیتی کے پہلے نمبر کے بعد

جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہو چکا، آپ بیتی کا پہلا نمبر دراصل ایک خط تھا جو اشاعت کی نیت سے نہیں لکھا گیا تھا۔ بعد میں اشاعت کا فیصلہ کیا گیا۔ لیکن اس کے بعد جو نمبر لکھے گئے وہ اشاعت ہی کی نیت سے لکھے گئے۔ ان کا آغاز وافتتاح حضرت شیخ الحدیث نے (آپ بیتی ۲ لکھاتے ہوئے) قرآن مجید کی بعض ان آیات سے کیا ہے جن میں اخلاص للہ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اس کے بعد اسی موضوع سے متعلق مشہور حدیث "انما الاعمال بالنیات الخ" ذکر فرمائی ہے اور اس کی تشریح اور وضاحت فرما کر اخلاص اور تصحیح نیت کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اچھی سے اچھی باتیں اور اپنے یا اپنے اکابر واسلاف کے سبق آموز واقعات ایک آدمی ریاکاری کے طور پر اور لوگوں کو اپنا معتقد بنانے کے لیے بھی بیان کر سکتا ہے اور تحدیث نعمت اور اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی اور ثواب اخروی اور بندگان خدا کی اصلاح وتربیت کی نیت سے بھی۔ اگر خدانخواستہ پہلی بات ہو تو سخت ترین گناہ بلکہ ایک درجہ کا شرک ہے اور اگر دوسری صورت ہے تو اعلیٰ درجہ کی عبادت اور نائبین انبیا والا عمل ہے۔ حضرت شیخ نے شروع ہی میں اخلاص سے متعلق آیات واحادیث لکھ کر پہلے خود اپنے کو اور اس کے ساتھ ناظرین وقارئین کو بھی نیت کی تصحیح کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ اس کے بعد اس آپ بیتی کے تحریر میں آنے کا یہ قصہ بیان فرمایا ہے کہ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ (اگست ۱۹۷۰ء) میں آنکھوں کے علاج کے سلسلہ میں حضرت کو علی گڑھ کچھ طویل قیام

فرمانا پڑا۔ آنکھ کی معذوری کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کا کوئی کام کیا نہیں جا سکتا تھا تو
حضرت نے آپ بیتی لکھانے کا مشغلہ تجویز فرمایا جس کے لیے خدام و مخلصین کا اصرار بھی تھا
جو وقت خالی ہوتا خاص کر رات کے وقت حضرت اپنی سرگزشت، حالات و واقعات بیان فرماتے
اور کوئی خادم ساتھ ساتھ قلم بند کرتے جاتے۔ علی گڑھ کے اس قیام میں آپ بیتی ۱ و ۲
اسی طرح مرتب ہوئیں، بعد میں ان میں اضافہ اور تنقیح کا عمل بھی ہوا۔ آگے کے نمبر بھی
اسی طرح مختلف اوقات میں اور مختلف مقامات کے قیام میں قلم بند ہوئے اور شائع ہوتے
رہے۔

راقم سطور صفحات کی محدود گنجائش کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو منتخب مضامین اور
اقتباسات پیش کرے گا اس کی حیثیت غالباً "مشتے نمونہ از خروارے" کی بھی نہ ہوگی۔
اللہ تعالیٰ اس عاجز کو بھی اور ناظرین و قارئین کو بھی علم و عمل کے لحاظ سے اس سے نفع
پہنچائے۔

انتخاب آپ بیتی ۲

اوپر عرض کیا گیا ہے کہ حضرت شیخ نے آپ بیتی ۱ کا آغاز اخلاص اور تصحیح نیت
کے مضمون سے کیا ہے اور مشہور حدیث "انما الاعمال بالنیات الخ" بھی ذکر فرمائی ہے۔
آگے اس سلسلہ میں کچھ واقعات بھی بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا واقعہ یہ ہے۔

"ایک مرتبہ ۱۰ بجے صبح میں اوپر اپنے کمرے میں نہایت مشغول تھا۔ مولوی نصیر[1]
نے اوپر جا کر کہا کہ رئیس[2] الاحرار آئے ہیں، رائے پور جا رہے ہیں، صرف مصافحہ
کرنا ہے میں نے کہا جلدی بلا دے، مرحوم اوپر چڑھے اور زینے پر چڑھتے ہی
سلام کے بعد مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا کر کہا، رائے پور جا رہا ہوں اور ایک سوال

---

۱ ۲ مولوی نصیر الدین مرحوم حضرت شیخ کے خاص معتمد، سارے کاموں کے ذمہ دار، گویا مدار المہام تھے اور
رئیس الاحرار سے مراد مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم ہیں جو مجلس احرار اسلام ہند کے صدر تھے۔

آپ سے کر کے جارہا ہوں، پرسوں صبح واپسی ہے۔ اس کا جواب واپسی میں لوں گا۔ یہ تصوف کیا بلا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟ میں نے مصافحہ کرتے کرتے جواب دیا کہ "صرف تصحیح نیت، اس کے سوا کچھ نہیں۔ جس کی ابتدا انما الاعمال بالنیات" سے ہوتی ہے اور انتہا ان تعبد اللہ کانک تراہٗ ہے۔" (آگے اس سلسلۂ کلام میں فرمایا ہے کہ) اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں، اسی کو حضوری کہتے ہیں۔

حضوری گر ہمی خواہی از و غافل مشو حافظ
متی ما تلق من تهوی دع الدنیا واهملها

میں نے کہا مولوی صاحب سارے پاپڑ اسی لیے بیلے جاتے ہیں، ذکر بالجہر بھی مجاہدہ مراقبہ بھی اسی واسطے ہے اور جس کو اللہ جل شانہٗ کسی بھی طرح سے یہ دولت عطا کردے۔ اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں۔

اخلاص اور تصحیح نیت کا بیان گویا آپ بیتی ۲ کا باب اوّل تھا۔

باب دوم میں حضرت شیخ نے اپنی تعلیم اور فراغت کے بعد مظاہر علوم میں مدرسی اور تصنیفات کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلے اپنے بچپنے اور ابتدائی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اس ناکارہ کی پیدائش ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ کی شب میں رات کو ۱۱ بجے تراویح کے بعد ہوئی ..... ڈھائی برس کی عمر تک یہ ناکارہ کاندھلہ رہا۔ سنا ہے کہ اس قدر نالائق تھا کہ میرا کھیل توڑ پھوڑ تھا..... ڈھائی برس کی عمر میں گنگوہ حاضری ہوئی تو وہاں حضرت قطب عالم گنگوہی کے سب خدام کے یہاں والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی وجہ سے لاڈ ہی لاڈ اور پیار تھا۔"

آگے اپنی تعلیم کے آغاز کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے ایک عاشق خادم ڈاکٹر عبدالرحمٰن مظفرنگری تھے، جنھوں نے حضرت کی خدمت کی سعادت حاصل کرنے ہی کے لیے گنگوہ میں قیام اختیار کر لیا تھا۔ ان کی اہلیہ سے قاعدہ بغدادی شروع ہوا۔ اس کے بعد سیپارہ شروع ہونے کا اور پھر حفظ قرآن کا سلسلہ شروع ہو جانے کا اور

اس زمانے کی اپنی شوخیوں کا بھی بڑی بے تکلفی سے ذکر فرمایا ہے پھر ختم حفظ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"سارا قرآن پاک اسی طرح پڑھ کر ختم کر دیا اور حافظ ہو گئے۔ میری دادی صاحبہ نور اللہ مرقدہا حافظ تھیں اور بہت اچھا یاد تھا۔ سال بھر کا معمول خانگی مشاغل کھانے پکانے کے علاوہ ایک منزل روزانہ کا تھا اور رمضان میں چالیس پارے روزانہ کا۔ ان کے کچھ حالات "تذکرۃ الخلیل" میں بھی ہیں۔ جب وہ گنگوہ ہوتیں تو میرا سبق سننا ان کے ذمہ تھا (اسی سلسلہ میں آگے فرماتے ہیں) قرآن شریف کی یاد تو کما حقہٗ اب تک بھی نصیب نہیں ہوئی لیکن سنہ ۳۸ھ ماہ مبارک میں ایک قرآن روزانہ پڑھنے کا معمول شروع ہوا تھا جو تقریباً سنہ ھ تک رہا ہو گا بلکہ اس کے بھی بعد تک۔ ابتدائی معمول یہ تھا کہ سوا پارہ جس کو تراویح میں سنانا ہوتا تھا اس کو تراویح کے بعد شب میں قرآن پاک دیکھ کر اور اکثر ترجمہ کے ساتھ سحر تک چار پانچ دفعہ پڑھتا تھا۔ گرمیوں کی شب میں کچھ کم، سردیوں میں کچھ زائد، اس کے بعد تہجد میں اسی کو دو مرتبہ اس کے بعد سحر کھانے کے بعد سے لے کر صبح کی نماز تک اور نماز کے بعد سونے تک ایک دفعہ۔ اور پھر صبح کو سونے کے بعد اٹھ کر جو عموماً دس بجے ہوا کرتا تھا چاشت کی نماز میں۔ سردیوں میں ایک مرتبہ، گرمیوں میں دو دفعہ۔ اس کے بعد ظہر کی اذان سے ۱۵ منٹ پہلے تک ایک یا دو مرتبہ دیکھ کر۔ پھر ظہر کی سنتوں میں ابتداءً دو مرتبہ (اول کی سنتوں میں ایک دفعہ اور آخر کی دو سنتوں میں دوسری دفعہ) اور بعد میں ہر دو سنتوں میں ایک ہی مرتبہ رہ گیا۔ ظہر کے بعد دوستوں میں سے کسی کو ایک مرتبہ سنانا اور پھر عصر تک موسم کے اختلاف کی وجہ سے ایک یا دو دفعہ پڑھنا۔ عصر کے بعد کسی دوسرے اونچے آدمی کو سنانا.... مغرب کے بعد نفلوں میں ایک دفعہ پڑھنا۔ تراویح پر یہ پارہ ختم ہو جاتا تھا اور اگلے کا نمبر شروع ہو جاتا تھا۔ ۲۴ گھنٹوں میں اس کی تشکیل ضروری تھی کہ (مجموعی

طور پر تیس پارے پورے ہوجائیں۔ سالہاسال یہی معمول رہا۔ اخیر زمانے میں بیماریوں نے چھڑادیا۔"

ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں اس مسلسل مشغولیت کی وجہ سے آنے جانے والوں سے ملاقات اور بات چیت کا وقت نہیں مل سکتا تھا۔ روزانہ صرف تراویح کے بعد قریباً گھنٹہ آدھ گھنٹہ پون گھنٹہ کا وقت حضرت نے اس کے لیے رکھا تھا، اس وقت مخلصین اور خدام آجاتے اور اس وقت کچھ ناشتہ سا بھی ہوتا۔ اسی دور کے ایک رمضان کا یہ دلچسپ واقعہ بھی حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے

"میرے عزیز مخلص دوست حکیم طیب رامپوری کی اس زمانہ میں آمدورفت بہت کثرت سے تھی اور چونکہ بہت مختصر وقت کے لیے آتے تھے اور سیاسیات کی خبریں بہت مختصر الفاظ میں جلدی جلدی سنا جاتے تھے اس لیے (عام دنوں میں) ان کی آمد پر میرے یہاں کوئی پابندی نہیں تھی۔ ایک مرتبہ رمضان میں ۸-۹ بجے صبح کو آئے، مولوی نصیر سے کہا کواڑ کھلوا دو، اس نے کہا رمضان ہے، خود زنجیر کھڑ کھڑانے کا ارادہ کیا، اس نے منع بھی کیا اور یہ بھی کہا کہ یا تو وہ سو رہا ہوگا، تو نیند خراب ہوگی اور اگر اٹھ گیا ہوگا تو نفلوں کی نیت باندھ لی ہوگی، کھڑکھڑاتے رہو۔ اس پر خفا ہو کر مدرسہ چلے گئے، راستہ میں مولانا منظور احمد خاں صاحب ملے، انھوں نے کہا، حکیم جی تم کہاں آگئے، شیخ کے یہاں تو رمضان ہے۔ اس پر کچھ سوچ پیدا ہوا اور نصیر پر سے غصہ کچھ کم ہوا۔ اس کے بعد حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے وہ ڈاک لکھوا رہے تھے۔ فرمایا حکیم جی کہاں آگئے، شیخ کے یہاں تو رمضان ہے، وہاں سے اٹھ کر مفتی محمود صاحب کے حجرہ میں گئے، مفتی جی نے بھی یہی فقرہ دوہرادیا، حکیم جی نے پوچھا، آخر رمضان میں کوئی وقت بات کا ملاقات کا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مفتی جی نے کہا کہ تراویح کے بعد آدھ گھنٹہ۔ حکیم جی نے کہا کہ مجھے تو رامپور واپس جانا ہے، تب مفتی جی نے کہا کہ ظہر کی نماز سے

۱۵ منٹ پہلے (مسجد) تشریف لائیں گے اُس وقت مل لینا یا ظہر کی نماز کے بعد گھر جاتے ہوئے راستہ میں مل لینا۔ وہ ظہر سے پہلے مسجد میں آئے تو میں نیت باندھ چکا تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد میں نے پھر سنتوں کی نیت باندھ لی، بڑی دیر تک انتظار کیا مگر جب دیکھا کہ رکوع کا ذکر ہی نہیں، اس لیے کہ ان دنوں میں دو دفعہ پارہ پڑھنے کا معمول تھا، وہ بڑی دیر تک انتظار دیکھ کر چلے گئے، واپس آئے تو میں اپنے کمرہ پر پہنچ کر قرآن پاک سنانے میں مشغول ہو گیا تھا، وہ کھٹ کھٹ کرکے اوپر چڑھے اور جاتے ہی بہت زور سے بھائی جی سلام علیکم بات نہیں کرتا۔ صرف ایک فقرہ کہوں گا، رمضان اللہ کے فضل سے ہمارے یہاں بھی آتا ہے، مگر یوں بخار کی طرح کہیں نہیں آتا۔ سلام علیکم جارہا ہوں عید کے بعد ملوں گا۔ میں نے کہا وعلیکم السلام اور پھر قرآن سنانے میں مشغول ہو گیا۔"

۱۳۳۸ھ کے بعد سے رمضان مبارک میں قرآن پاک کی تلاوت میں اس طرح کی ہمہ وقتی مشغولیت کا یہ ذکر تو اپنے بچپنے کے حفظ قرآن کے تذکرہ کے ساتھ استطراداً آگیا۔ اس کے بعد شیخ نے اپنی اردو فارسی تعلیم کا ذکر فرمایا ہے جو زیادہ تر گنگوہ ہی میں ہوئی، پھر گنگوہ سے سہارنپور منتقلی اور عربی تعلیم کے آغاز کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

رجب ۱۳۲۸ھ میں یہ ناکارہ سہارنپور آگیا اس لیے کہ دو تین ماہ قبل والد صاحب قدس سرہٗ مستقل قیام کے ارادے سے گنگوہ سے سہارنپور منتقل ہو گئے تھے.... سہارنپور آکر باقاعدہ عربی تعلیم شروع ہوئی۔

اس کے آگے حضرت شیخ نے مظاہر علوم میں رمضان ۱۳۲۸ھ سے شعبان ۱۳۳۶ھ تک پورے دس سال کی اپنی تعلیم کا سال وار نقشہ درج کرایا ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کس سال میں کون کون کتابیں زیر درس رہیں ــــ اس کے بعد قریباً ۱۵ صفحے پر ان کتابوں کے درس اور ان کے پڑھانے والے اساتذہ سے متعلق کچھ تفصیلی معلومات ہیں جن سے صرف ہمارے عربی مدارس کے اساتذہ یا ذی استعداد منتہی طلبہ ہی مستفید اور محظوظ ہو سکتے ہیں۔

حضرت شیخ نے اپنی تعلیم کے ساتھ والد ماجد قدس سرہٗ کی تربیت کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"میری ابتدائی تربیت قیدیوں کی طرح ہوئی۔ بغیر والد صاحب اور چچا جان کے کہیں جانے کی اجازت نہ تھی، میرا ابتدائی کھیل، یا انتہائی کھیل بیت بازی تھی، ہم تینوں (ہم سبق) ساتھی، مظہر اور حکیم محفوظ گنگوہی ثم الدیوبندی جب بھی اباجان کی نگاہ سے ذرا اوجھل ہوتے تو بیت بازی شروع کر دیتے، ایک دفعہ حماقت سوار ہوئی کہ بیت بازی کا کھیل قرآن پاک کی آیات سے شروع کر دیا، ایک شخص آیت پڑھے اور آیت شریف کا آخری حرف جو ہو دوسرا شخص وہ آیت پڑھے جس کے شروع میں یہ حرف ہو۔ میرے دونوں ساتھی حافظ نہیں تھے اور میں بھی صرف نام کا حافظ تھا، مگر خوب یاد ہے کہ نہ معلوم آیتیں کس طرح سوچ لیا کرتے تھے، یہ حماقت تین چار دفعہ ہوئی اور پھر بالکل چھوٹ گئی۔ اور منشا اس کا یہ ہوا کہ عجیب بات تھی کہ جس دن یہ حرکت ہوتی اُس دن بلا کسی معقول وجہ کے پٹائی ہو جاتی، اس تجربہ نے دو تین دفعہ کے بعد ہی توبہ کرا دی۔"

حدیث کی باقاعدہ تعلیم شروع ہونے کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ نے بیان فرمایا۔

"۱ محرم ۱۳۲۸ھ کو ظہر کی نماز کے بعد میری مشکوٰۃ شریف شروع ہوئی، والد صاحب نے خود ہی ظہر کی امامت بھی کی تھی کہ اس زمانہ میں نماز وہی پڑھایا کرتے تھے اور نماز کے بعد غسل فرمایا اور اس کے بعد اوپر کے کمرہ میں جو آج کل مہمان خانہ ہے اس میں دو رکعت نفل پڑھی پھر میری طرف متوجہ ہو کر مشکوٰۃ شریف کی بسم اللہ اور خطبہ مجھ سے پڑھوایا پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر ۱۵، ۲۰ منٹ تک بہت ہی دعائیں مانگیں۔ مجھے معلوم نہیں کیا کیا دعائیں مانگیں، لیکن میں اس وقت ان کی معیت میں صرف ایک ہی دعا کرتا رہا

کریا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا۔ اس کو مرنے تک
میرے ساتھ وابستہ رکھئے ۔ اللہ جل شانہٗ نے میری ناپاکیوں، گندگیوں
سیئات کے باوجود ایسی قبول فرمائی کہ محرم ۳۲ھ سے رجب ۹۰ھ تک
تو اللہ کے فضل سے کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا جس میں حدیث پاک کا مشغلہ
نہ رہا ہو۔

آگے دور تک بس اس کی تفصیل ہے کہ مشکوٰۃ شروع ہونے کے بعد سے زندگی کے آخری دنوں تک حدیث کا مشغلہ کس طرح مسلسل جاری رہا، اس میں پہلے کئی سال تک دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھنے کا ذکر ہے۔ پھر اسی دور میں آپ کے شیخ ومرشد حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ نے ابوداؤد شریف کی شرح "بذل المجہود" کی تالیف کا کام شروع فرمایا اور حضرت شیخ الحدیثؒ کو پہلے دن سے اس میں اپنا شریک اور معاون بنا لیا۔ پھر مظاہر العلوم میں حدیث کے خاص استاذ کی حیثیت سے حدیث کی کتابیں پڑھانے کا بھی سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسی کے ساتھ حدیث سے متعلق تالیف وتصنیف کا سلسلہ بھی، اور یہ دونوں سلسلے جاری رہے۔ (حضرت شیخ نے یہ سب اپنی طالب علمی کی سرگزشت کے ضمن میں بیان فرمایا ہے۔ آگے مظاہر علوم کی مدرسی کا بیان شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اب مدرّسی کی سنو! محرم ۳۵ھ کے شروع میں یہ ناکارہ مدرس ہوا۔ (آگے تنخواہ کے بارہ میں فرمایا ہے کہ) میرا ابتدائی تقرر میرے حضرت قدس سرہٗ کی تجویز سے ۱۵ پر ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت (مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے (جو مظاہر علوم کے سرپرستوں یعنی ارکان شوریٰ میں سے تھے) فرمایا، قرضہ بہت ہے، شادی بھی عنقریب ہونے والی ہے، کم سے کم تنخواہ ۲۵ ہونی چاہیے۔ اس پر اصرار بھی فرمایا۔ مگر میرے حضرت نے فرمایا کہ مدرسہ کی روایات کے یہ بھی خلاف ہے، اس لیے کہ مولانا منظور احمد صاحبؒ سہارنپوری میرے سے پانچ برس پہلے کے مدرس تھے اور اُن کی اس وقت تنخواہ ترقیات ہو کر ۱۲ تک پہنچی تھی، جو میرے تقرر کے ساتھ میری وجہ سے ۱۵ ہوئی تھی۔"

اس کے آگے حضرت شیخ نے اپنی مدرسی کے پہلے سال ۱۳۳۵ھ سے مظاہر علوم میں باقاعدہ تدریس کے آخری سال ۱۳۸۸ھ تک پورے ۵۴ سال کی اپنی پڑھائی ہوئی کتابوں کی سال وار فہرست لکھائی ہے کہ فلاں سنہ میں فلاں کتابیں پڑھائیں، اس میں قریباً ہر فن کی درسی کتابوں کا ذکر ہے۔ ابتدائی چند سالوں کے بعد ہی درس حدیث کا سلسلہ شروع ہو گیا، جو مظاہر علوم میں تدریس کے آخری سال ۱۳۸۸ھ تک مسلسل جاری رہا۔ (اس کے بعد حضرت شیخ کا مدینہ منورہ میں طویل قیام کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور مظاہر العلوم میں تدریس کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا) اسباق کے سلسلہ میں مدرسی کے دوسرے ہی سال ادب کی دو کتابوں "مقامات حریری" اور "سبعہ معلقہ" کے سبق کا واقعہ جو دلچسپ بھی ہے، شیخ نے مزے لے لے کر بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے لیکن یہ عاجز محدود گنجائش کے پیش نظر اختصار و تلخیص پر مجبور ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ نے مدرسی کے دوسرے ہی سال ۱۳۳۶ھ میں اس وقت کے مظاہر علوم کے مہتمم صاحب سے اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ کوئی مضائقہ نہ ہو تو "مقامات حریری" کا سبق مجھ سے متعلق کر دیا جائے۔ مہتمم صاحب نے جو حضرت شیخ کے بزرگوں میں تھے، اس خواہش کو قبل از وقت سمجھتے ہوئے فرمایا کہ ابھی تو دوسرا ہی سال ہے، خدا نے چاہا تو وقت آئے گا۔ مقامات بھی پڑھاؤ گے اور حدیث بھی پڑھاؤ گے۔ شیخ مایوس ہو گئے۔ مظاہر علوم میں اس دور میں مدرسین پر اسباق کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ مہتمم صاحب تعلیمی سال کے شروع میں اسباق کا نقشہ لے کر حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہٗ کے سامنے بیٹھ جاتے (جو مظاہر علوم کے گویا انتظامی اور تعلیمی سربراہ تھے) اساتذہ بھی موجود ہوتے۔ مہتمم صاحب کتاب کا نام لیتے اور جس استاذ کے لیے مناسب سمجھا جاتا، ان کے نام پر وہ کتاب لکھ دی جاتی۔ اس دستور کے مطابق جب تقسیم اسباق کا کام ہونے لگا اور مہتمم صاحب نے "مقامات حریری" کا نام لیا تو مظاہر علوم کے پرانے اساتذہ میں جو مقامات وغیرہ ادب کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے، اتفاق سے ان میں سے کسی کا وہ گھنٹہ خالی نہیں رہا تھا جس میں مقامات کا سبق ہوتا تھا۔ اساتذہ میں سے ایک صاحب نے از خود شیخ الحدیث کا نام لے کر کہا کہ مقامات ان کے نام لکھ دی جائے۔ ایک دوسرے

استاد نے تائید فرمادی، بالآخر لکھ دی گئی۔ اس کے بعد جب "سبعہ معلقہ" کا نام لیا گیا تو اس وقت بھی یہی صورت پیش آئی، یہاں بھی قرعہ فال شیخ ہی کے نام پر نکلا وہ بھی ان کے نام پر خود مہتمم صاحب کے قلم سے لکھا گیا۔ (واضح رہے کہ سبعہ معلقہ ہمارے قدیم عربی مدارس کے ادبی نصاب کی آخری اور انتہائی کتاب ہے) اس موقع پر شیخ نے لکھایا ہے کہ:

> "مقامات" پر تو کوئی شور شغب نہیں ہوا اس لیے کہ یہ جماعت مشکوٰۃ والوں کی جماعت تھی لیکن سبعہ معلقہ کی جماعت دورے کے بعد کی جماعت تھی اور یہ وہ لوگ تھے جو گزشتہ سال دورے میں میرے ساتھی تھے، اس لیے معلقہ کی جماعت نے بہت زور شور میرے خلاف ابتداءً کیا۔ (آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ) اس سیہ کار نے ایک تو مکاری یہ کی کہ کوئی نسخہ معلقہ کا مدرسہ سے نہیں لیا اور شرح بھی اپنے نام پر کوئی نہیں لی، ایک آدھ مولانا ظفر احمد صاحب اور ایک چچا جان کے نام پر (نکلوائی) اور معلقہ کے چند نسخے مختلف مطابع کے میرے تجارتی کتب خانہ میں تھے" (ان کا مطالعہ کر کے سبق کی تیاری کرتا تھا۔)

پھر اس معلقہ کے پڑھانے کا شیخ نے یہ انداز اختیار کیا تھا کہ سامنے کتاب بھی نہیں ہوتی تھی، معلقہ کے اشعار خود ہی حفظ پڑھتے اور ان کا ترجمہ اور حل لغات اور تحقیق و تشریح فرماتے۔ اس سلسلہ میں کبھی یہ بھی فرمادیتے کہ اس شعر کا مطلب معلقہ کے فلاں شارح نے یہ بیان کیا ہے لیکن میرے نزدیک یہ مطلب زیادہ اچھا ہے۔ اس طرز نے شیخ کی ادبیت کی دھاک بٹھادی اور دھوم مچ گئی

اسی زمانہ کا ایک واقعہ جو ہم جیسوں کے لیے بڑا سبق آموز ہے۔ حضرت شیخ نے یہ بھی لکھایا ہے کہ انہی دنوں میں جب سبعہ معلقہ کے سبق کی وجہ سے میری ادب دانی کا چرچا ہوگیا تھا۔ ہمارے خاندانی بزرگ مولوی بدرالحسن صاحب جو لکھنؤ میں سب جج تھے، وطن کاندھلہ جاتے ہوئے سہارنپور تشریف لائے، انھوں نے بھی میری ادب دانی کی شہرت سنی تو

مرحوم کو بہت ہی مسرت ہوئی اور مجھ سے از راہ شفقت فرمایا کہ تیرے ادب کی بڑی تعریف سنی ہے۔ تیرے لیے مولوی فاضل کا امتحان دینا بہت آسان ہے، جلد از جلد امتحان کا فارم بھیج دے، اس میں تیری کامیابی یقینی ہے، اس کے بعد تجھے اپنے ساتھ لکھنؤ لے جاؤں گا اور چند مہینے انگریزی پڑھا کر زبان کا امتحان بی اے کا دلوادوں گا، اس کے بعد علی گڑھ کالج کی ناظم دینیات کی ملازمت جو میری ایک تحریر پر مل سکتی ہے، تین سو روپے تنخواہ ہے، تجھے مل جائے گی — وہ خاندان میں سب سے بڑے شمار ہوتے تھے، ان کے سامنے سب اہل خاندان ادب کی وجہ سے چپ رہتے تھے، میں نے بہت ادب سے معذرت کر دی کہ سہارنپور چھوڑنے کا تو ارادہ نہیں۔ انھیں گراں ہوا، فرمایا بے وقوف ہے.... اگلے دن کاندھلہ جا کر میرے والد کے حقیقی ماموں اور میری اہلیہ مرحومہ کے حقیقی تایا مولوی شمس الحسن صاحب کو مجھے سمجھانے کے لیے بھیجا.... مغرب سے لے کر عشاء کی اذان تک وہ مجھے سمجھاتے رہے، ان کے ارشاد کا خلاصہ یہ تھا کہ شادی ہو چکی ہے، ہمشیر کی شادی بھی کرنی ہے، ۸ ہزار کا قرضہ بھی ہے۔ پندرہ روپے تنخواہ میں کیا کیا کرے گا؛ میرے جواب کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ تو ہمیشہ سنا اور پڑھا اور جناب کو بھی اس سے انکار نہ ہوگا کہ مقدر میں جو ہے وہ تو مل کر رہے گا اور جو مقدر میں نہیں ہے وہ کہیں نہیں مل سکتا۔ میں جس ماحول میں ہوں اس میں اگر اپنی گندگیوں سے محفوظ ہوں۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہوگا، اس کم عمری میں عنفوان شباب میں علی گڑھ کے ماحول میں میرا محفوظ رہنا ناممکن ہے — وہ فرماتے تھے دنیا دارالاسباب ہے۔ اسباب کا حاصل کرنا ضروری ہے، محض مقدر پر نہیں رہا جا سکتا۔ میں نے عرض کیا بالکل صحیح فرمایا، اس میں ذرا تامل نہیں لیکن اسباب کے درجے میں دو سبب موجود ہیں، ایک مدرسہ کی ملازمت جو یقیناً محدود ہے

دوسرے کتابوں کی تجارت جس میں اللہ جل شانہ جتنا بھی عطا فرمادے کوئی تحدید نہیں۔ عشاء کی اذان پر میرے مخدوم و مکرم نے یوں فرمایا۔ تو نے جو کچھ کہا اگر دل سے ہو تو تیرا منہ چوم لینے کے قابل ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ تو نے سب کچھ زبان زوری سے کہا ہے، میں نے عرض کیا دعا فرمادیں کہ اللہ جل شانہ اس کو دل سے بھی کردے"۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ بڑی بڑی تنخواہوں کی پیش کش کے سلسلہ کا حضرت شیخ کا یہ پہلا امتحان تھا، اس کے بعد بھی اس سے بہت بڑی بڑی تنخواہوں کی پیش کش سامنے آئی لیکن شیخ نے اس کو کبھی قابل غور بھی نہیں سمجھا اور مظاہر علوم کی مدرسی پر قانع رہے اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مدرسہ سے تنخواہ لینا بھی چھوڑ دیا اور بعد میں تو یہ کیا کہ ابتدائی چند سالوں میں جو تنخواہ لی تھی وہ بھی خوبصورتی کے ساتھ مدرسہ کو واپس فرمادی۔ اس کی کچھ تفصیل ناظرین کو گزشتہ صفحات سے معلوم ہو چکی ہے کچھ انشاء اللہ آئندہ معلوم ہو جائے گی۔

آپ بیتی میں بیان مظاہر علوم میں شیخ کی مدرسی کا چل رہا تھا۔ اس میں سبعہ معلقہ کے ذکر کے سلسلہ میں مولوی بدرالحسن صاحب اور مولوی شمس الحسن صاحب کے واقعہ کا تذکرہ آگیا تھا۔ آگے حضرت شیخ نے مدرسی کے سلسلہ کے اور بھی متعدد واقعات بیان فرمائے ہیں ان میں ایک واقعہ بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے جس کو راقم سطور اختصار کے ساتھ اپنے الفاظ میں ادا کرنے پر مجبور ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ مدرسی کے چھٹے ہی سال ۱۳۴۱ھ میں جب کہ ابھی مشکوٰۃ شریف پڑھانے کی بھی نوبت نہیں آئی تھی حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ نے خصوصی طور پر تجویز فرمایا کہ بخاری شریف کے چند پارے شیخ پڑھائیں، شیخ کو اس میں اس خیال سے تامل ہوا کہ بعض اساتذہ کو اس سے گرانی ہوگی۔ اس بنا پر مدرسہ کے مہتمم صاحب سے معذرت کردی، حضرت سہارنپوری کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے شیخ پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا کہ میرا کہنا نہیں مانا۔ شیخ نے معذرت کی اور عرض کیا کہ۔

"مجھ کو یہ خیال ہوا کہ مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی، دوسرے مدرسہ والے کہیں گے

کرنوعمر لڑکے کو جس نے مشکوٰۃ بھی نہیں پڑھائی، بخاری دے دی۔ حضرت نے فرمایا کہ نوعمر لڑکے کو میں جانوں، دوسرے لوگ کیا جانیں... آئی قت از ۱۳ تا ۱۵ پاروں کا اعلان اس سیہ کار کے نام ہوا۔"

اس واقعہ کے ذکر کے ساتھ ہی شیخ نے اپنی مدرسی کے اس دور کے مدرسین اور مدرسہ کے چھوٹے بڑے ملازمین کا یہ حال بیان فرماکر قلمبند کرایا ہے کہ۔

اس زمانے کے تقریبًا ہر مدرس اور ملازم کا یہ قانون اور طے شدہ مفروضہ تھا کہ ہمارا کوئی حق مدرسہ پر نہیں، جو مدرسہ کی طرف سے مل رہا ہے وہ اوّلاً اللہ کا احسان اور اس کا عطیہ ہے اور ثانیاً مدرسہ کا احسان ہے اور مدرسہ کا کام چاہے کتنا ہی معمولی سا ہو حتی کہ درسگاہ میں جھاڑو تک دینے سے بھی مدرس کو عار نہیں تھا۔ اس زمانہ میں یاد نہیں کہ استنجے کے ڈھیلوں یا حمام کی لکڑیوں کو (گاڑیوں سے اتارنے) کے لیے کسی ملازم یا مزدور کو بلانے کی کبھی ضرورت پیش آئی ہو۔ میں نے دربان سے کہہ رکھا تھا کہ جب ڈھیلوں یا لکڑیوں کی گاڑی آوے اوپر درسگاہ میں مجھے اطلاع کردے۔ میں گھنٹے کے ختم پر ایک طالب علم کو مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیتا تھا کہ (ڈھیلوں یا لکڑیوں کی گاڑیاں آئی ہوئی ہیں، میں نیچے جارہا ہوں مولانا مرحوم بھی فوراً نیچے پہنچ جاتے اور ہم دونوں کو جاتے دیکھ کر دونوں کے یہاں کی (طلبہ کی) جماعتیں ایسی دوڑتیں کہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ جاتے۔ ہم دونوں کو تو ایک پھیرا بھی مشکل سے کرنا ہوتا تھا کہ راستہ میں کوئی طالب علم چھین لیتا تھا۔ دو تین منٹ سے زائد گاڑیوں کے خالی ہونے میں نہیں لگتے تھے۔ بہت سی جزئیات اس نوع کی ملیں گی۔" (اس کے آگے بڑے دکھ کے ساتھ شیخ نے فرمایا ہے کہ) اب اس کے مقابل یہ منظر دیکھ کر کہ کسی ملازم سے یوں کہیں کہ پنکھا اٹھادے تو وہ یہ سوچ کر کہ یہ میرا کام نہیں، اس کا معاوضہ کیا ہوگا، کسی کا یہ شعر یاد آجاتا ہے۔

ان نینوں کا یہی بسیکھ وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ

مظاہرعلوم کی صدرمدرسی اورعہدۂ نظامت سے گریز :

حضرت شیخ الحدیث کی ایک مزاجی خصوصیت یہ بھی رہی کہ عہدہ سے اور باضابطہ اقتدار کی ذمہ داری قبول کرنے سے ہمیشہ گریزاں رہے۔ مظاہرعلوم کی مدرسی کے زمانے کے واقعات بیان فرماتے ہوئے شیخ نے ذکر فرمایا ہے کہ جب حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ نے ۱۳۴۴ھ میں قیام کی نیت سے مع اہل وعیال حجاز مقدس جانے کا ارادہ فرمالیا تو اپنے زمانہ غیبت کے لیے مظاہرعلوم کے بارے میں جو انتظامات لکھوائے، ان میں شیخ الحدیث کو صدرمدرس اور حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب کو (جو پہلے صدرمدرس تھے) ناظم مقرر فرمایا گیا تھا۔ اگرچہ یہ تحریر بصیغۂ راز لکھوائی گئی تھی، لیکن کسی طرح وہ شیخ کے علم میں آگئی۔ شیخ کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ اپنے شیخ ومرشد کی تجویز کو قبول کرنے سے انکار کرکے اُن کی ناراضی مول لیں، انھوں نے اس سے گریز اور فرار کی بڑی خوبصورت تجویز سوچی۔ صورتحال یہ تھی کہ ابوداؤد شریف کی شرح "بذل المجہود" جو حضرت سہارنپوری تالیف فرمارہے تھے، وہ اختتام کو نہیں پہنچی تھی۔ آخری جلدیں باقی تھیں اور حضرت مصنف پیری کی وجہ سے ایسے حال میں تھے کہ خود اس کی تکمیل نہیں فرما سکتے تھے، شیخ نے اس صورتحال کا صحیح اندازہ فرمالیا۔ فرماتے ہیں کہ :-

> میں نے بہت سوکھا سامنہ بناکے یوں عرض کیا کہ حضرت بذل کا کیا ہوگا؟ حضرت قدس سرہٗ نے بہت قلق کے ساتھ فرمایا کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا ہوگا؟ تمھارے بغیر تو میں لکھ نہیں سکتا اور تمھارے جانے کی کوئی صورت نہیں۔ اہل وعیال ساتھ ہیں۔ طویل قیام ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت اب تو یہ خیال ہے کہ میں حجاز چلوں، حضرت قدس سرہٗ کا چہرہ مجھے خوب یاد ہے اس وقت خوشی سے کھل گیا.... فرمایا تمھارے خرچ کا کیا ہوگا ؟ میں نے عرض کیا حضرت اس کی تو بالکل فکر نہیں، میں ۳۸ھ میں بھی

قرض لے کر گیا تھا اب بھی لے لوں گا۔ فرمایا مدرسہ میں تمھاری تنخواہ بھی تو کچھ جمع ہے۔ (شیخ فرماتے ہیں) اس کی شرح یہ ہے کہ ۳۵ھ میں جب میں ملازم ہوا اور میری تنخواہ ۱۵ ہوئی تھی۔ اس وقت بڑے حضرت اقدس رائپوری شاہ عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے مدرسہ میں تو سفارش کی تھی کہ ۱۵ بہت کم ہے، کم از کم ۲۵ ہونی چاہیے اور مجھ سے یوں ارشاد فرمایا تھا کہ جب اللہ توفیق دے۔ مدرسہ کی تنخواہ چھوڑ دیجو۔ جس کا اثر یہ تھا کہ میرا حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کے ارشاد کی وجہ سے تو تنخواہ لینے کو بالکل جی نہیں چاہتا تھا مگر میرے حضرت قدس سرہٗ لیتے تھے۔ اگرچہ میرے والد صاحب نے کبھی نہیں لی، پھر بھی چونکہ میرے حضرت لیتے تھے اس لیے میں نہ لینا بے ادبی سمجھتا تھا، اس لیے کسی ماہ میں اِس کا غلبہ ہوتا کسی ماہ میں اُس کا بہرحال محرم ۳۵ھ سے شعبان ۴۴ھ تک نو سو پینتالیس روپے میری تنخواہ کے جمع تھے جو اس زمانے میں حج کے اخراجات سے بہت زائد تھے۔ حج کا خرچ اس زمانہ میں زیادہ سے زیادہ چھ سو روپے تھا۔ حضرت کے ذہن میں یہ تھا کہ "بقدر اخراجات لے کر بقیہ اہل وعیال کے خرچ کے لیے دے دئے جاویں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کا فکر نہ فرماویں خرچ کا انتظام ہو جائے گا، اس تنخواہ کا لینا تو جائز نہیں۔ حضرت نے فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا، جن مہینوں کی تنخواہ نہیں لی ان میں اس نیت سے پڑھایا کہ تنخواہ نہیں لوں گا، اب اس کے لینے کا کیا حق ہے۔ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تم نے کوئی درخواست مدرسہ کو دی؟ تم اجیر تھے مدرسہ مستاجر تھا۔ تمھیں یک طرفہ فسخ اجارہ کا کیا حق جب تک کہ ہم قبول نہ کریں۔ (اس موقع پر شیخ نے اپنے کئی بزرگوں سے اس مسئلہ کے بارے میں اپنی بحث کا ذکر فرمایا ہے لیکن شیخ اپنے موقف پر قائم رہے۔ آگے فرماتے ہیں) تو میرے حضرت قدس سرہٗ نے بہت ہی شفقت سے فرمایا کہ بذل میرا ذاتی کام

تو نہیں۔ اگر میں سرپرستان (یعنی ارکان شوریٰ مظاہر علوم) کی منظوری سے میں تمھیں لکار مدرسہ اپنے ساتھ لے جاؤں اور آمدورفت کے خرچ کے علاوہ وہاں کے قیام کی تنخواہ مدرسہ سے دلواؤں تو تم کیا کہوگے؟ میں نے عرض کیا حضرت یہ عرض کروں گا کہ بالکل جائز ہے، ذرا تردد نہیں۔ حضرت نے فرمایا، تمھاری جمع شدہ تنخواہ تو اس سے بہت کم ہوگی جتنا کہ مدرسہ تم کو اس صورت میں دے گا میں نے کہا بالکل صحیح ہے۔ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا تم پھر یہی سمجھ لو۔ اس پر میں نے تنخواہ تو لے لی لیکن حضرت رائپوری کی نسبت کا اثر کچھ ایسا غالب تھا کہ مدینہ منورہ پہنچ کر میں نے سب سے پہلے مہتمم صاحب کو ایک خط لکھا جس میں اس تنخواہ کا تو کوئی ذکر نہیں کیا، البتہ یہ لکھا کہ میرا ارادہ ایک عرصہ سے مدرسہ کے ان حقوق کے معاوضہ میں جو مجھ پر ہیں مدرسہ میں ایک بڑی رقم پیش کرنے کا ہو رہا ہے، مگر آپ کو معلوم ہے مجھ سے جمع ہونا ناممکن ہے، اس لیے بالفعل میری طرف سے ایک ہزار روپے کا وعدہ اس طرح تحریر فرمائیں کہ اس ماہ جمادی الاولیٰ سے مبلغ پانچ روپے ماہانہ میری واپسی تک میرے کارکن مولوی نصیرالدین سے اور بعد واپسی کے تو دمجھ سے وصول فرماتے رہیں، اگر اس کے پورا ہونے سے قبل میرا انتقال ہو جائے تو اس وقت جس قدر رقم باقی ہو وہ میری وصیت ہے جو کہ متروکہ سے وصول کی جائے"۔ الخ محررہ از مدینہ منورہ ۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ۔

اللہ کے فضل سے جب یہ رقم ادا ہو گئی تو مجھے رائے پوری غلبہ سے یہ خیال ہوا کہ اس سے پہلے زمانہ میں جو تنخواہیں لی ہیں وہ بھی واپس کر دی جائیں۔ اللہ نے وہ بھی واپس کرا دیں۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ"۔

یہاں ناظرین کے ذہنوں سے یہ بات اوجھل نہ ہونا چاہیے کہ حضرت شیخ الحدیث نے اس سفر حجاز کا اچانک فیصلہ دراصل صدر مدرسی کے عہدہ سے گریز و فرار ہی کے لیے کیا تھا، اگرچہ اس کی یہ برکت بھی ہوئی کہ حج کی سعادت کے علاوہ شیخ کو اپنے محبوب مرشد

حضرت اقدس سہارنپوری قدس سرۂ کی معیت میں مدینہ منورہ طویل قیام کا موقع مل گیا۔ اور بذل المجہود بھی مکمل ہو گئی اور صدر مدرس حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوریؒ کو تجویز کر دیا گیا۔

عہدۂ نظامت سے گریز کا قصہ "آپ بیتی" میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

یہاں واپسی کے دو تین سال بعد (مظاہر علوم کے اہم ارکان شوریٰ اور مظاہر کی خاص اصطلاح میں سرپرستان) حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ شیخ رشید احمد صاحبؒ اور مولانا سر رحیم بخش صاحب تینوں کا مشورہ بعض امور کی بنا پر یہ ہوا کہ نظامت کے دو حصے کیے جائیں۔ ایک ناظم تعلیمات اور دوسرا ناظم مالیات۔ ناظم مالیات کا عہدہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ کے سپرد رہے (جو حضرت اقدس سہارنپوری قدس سرہٗ کے حجاز تشریف لے جانے کے بعد سے ان کی جگہ ناظم عمومی تھے) اور ناظم تعلیمات کا عہدہ اس ناکارہ کی طرف منتقل کیا جائے، اس تجویز کے وقت بھی اس ناکارہ نے بہت شدت سے اختلاف کیا مگر ان تینوں بزرگوں نے میرے شدید اختلاف کے باوجود یہ تجویز پاس کر کے احکام سرپرستان میں لکھ کر بقیہ حضرات سرپرستان سے بھی منظور کرالی، ان کی تشریف بری کے بعد میں نے الحاج شیخ رشید احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو ایک زوردار خط لکھا جس میں میں نے لکھا کہ میرے اور ناظم صاحب (حضرت مولانا عبداللطیف صاحب) کے تعلقات اس قدر مضبوط اور بہتر ہیں کہ اگر ایک جان دو قالب کہا جائے تو بے محل نہیں ہوگا، ناظم صاحب میرا اس قدر لحاظ فرماتے ہیں کہ گویا مجھے بڑا بنا رکھا ہے اور وہ تو میرے استاذ ہیں۔ اس تجویز کے بعد تعلقات میں وہ خوشگواری ہرگز نہیں رہ سکتی جو پہلے تھی۔ یا تو اس تجویز کو منسوخ فرما دیں ورنہ ان شاء اللہ آپ حضرات تلاش کرتے پھریں گے کہ زکریا نامی بھی کوئی شخص مظاہر علوم میں کبھی تھا۔

میرے اس خط پر شیخ صاحب کو اللہ ان کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے بہت غصہ آیا۔ ان کا والا نامہ آیا کہ "حکم نامہ پہنچا، ہم تو یہ سمجھے کہ سرپرست بھی آپ ہیں، ناظم بھی آپ ہی ہیں، جس سے جو کام لینا ہوا حکم نامہ لکھ دیا، آپ کے حکم کی تعمیل کردی گئی، میں نے مولانا عاشق الٰہی صاحب اور سرِ رحیم بخش صاحب کو لکھ دیا کہ یہ تجویز بعض مصالح کی بنا پر قابل عمل نہیں آئندہ اجتماع پر اس پر دوبارہ غور ہو جائے گا۔"

(یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد شیخ فرماتے ہیں) ان سب باتوں کے باوجود معلوم نہیں اس سیہ کار کے متعلق بعض احمقوں کو یہ خیال کیوں ہوتا تھا کہ میں نظامت پر قبضہ کرنا چاہتا ہوں۔"

تالیفات

حضرت شیخ الحدیث نے مظاہر کی مدرسی کے واقعات کے بعد آپ بیتی کے اسی دوسرے نمبر میں تاریخی ترتیب کے لحاظ سے اپنی تالیفات و تصنیفات کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ تعداد میں ۸۳ ہیں اور جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہوگا۔ ان میں مطبوعہ بھی ہیں اور غیر مطبوعہ بھی۔ ہر کتاب کے ذکر کے ساتھ حضرت شیخ نے اس کا مختصر تعارف اور زمانہ تالیف بھی لکھایا ہے۔ یہاں ان کتابوں کے صرف نام ہی لکھے جا سکیں گے اور حسب گنجائش بعض کا بہت مختصر تعارف بھی۔

۱۔ شرح الفیہ اردو (غیر مطبوعہ) :- "الفیہ ابن مالک" نحو کی انتہائی اور مشکل کتاب ہے، منظوم ہے۔ اس میں ہزار شعر ہیں، شیخ نے اس کے پڑھنے ہی کے زمانے میں اس کی یہ شرح تین جلدوں میں لکھی تھی۔

۲۔ شرح سُلّم اردو (غیر مطبوعہ) :- سُلّم العلوم منطق کا مشکل ترین متن ہے۔ شیخ

نے ۲۲ھ میں اس کے پڑھنے ہی کے زمانے میں اس کی اردو میں یہ شرح لکھی تھی۔

۳۔ اضافہ براشکال اقلیدس۔ (غیر مطبوعہ) :۔ ۳۳ھ میں اقلیدس پڑھنے ہی کے زمانے میں اقلیدس کی درسی کتابوں میں مذکور اور معروف شکلوں پر شیخ نے اپنی ذہانت وطباعی سے بہت سی نئی نئی شکلوں کا اضافہ کیا تھا۔

۴۔ تقریر مشکوٰۃ۔ (غیر مطبوعہ) :۔ پہلے مشکوٰۃ شریف پڑھنے کے زمانہ میں اس کی مختصر شرح لکھی تھی، اس کے بعد مشکوٰۃ پڑھانے کے دور میں اس کی شروح وغیرہ سے اس میں بہت اضافے ہوتے رہے اور وہ ایک حد تک مکمل شرح ہوگئی۔

۵۔ تقاریر کتب حدیث : (غیر مطبوعہ) :۔ شیخ نے کتب صحاح اولاً اپنے والد ماجدؒ سے پڑھیں اس کے بعد مکرر حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ سے، اور ہر دو حضرات کی تقریریں لکھنے کا اہتمام فرمایا۔ یہ وہی مجموعہ ہے۔

۶۔ مشائخ چشتیہ : (غیر مطبوعہ)

۷۔ احوال مظاہر علوم : (غیر مطبوعہ)

۸۔ تلخیص البذل : (غیر مطبوعہ)

۹۔ شذرات الحدیث : (غیر مطبوعہ)

۱۰۔ جزء حجۃ الوداع والعمرات : (مطبوعہ) :۔ یہ حضرت شیخ کی اہم محققانہ تصانیف میں ہے اُردو میں ترجمہ بھی شائع ہوگیا ہے۔

۱۱۔ خصائل نبوی (مطبوع) : شمائل ترمذی کی اردو میں مقبول عام شرح ہے۔

۱۲۔ حواشی بذل المجہود (غیر مطبوع) ۱۳۔ تحفۃ الاخوان (مطبوع)

۱۴۔ شرح عربی جزری (غیر مطبوع) ۱۵۔ رسالہ در احوال قراء سبعہ (غیر مطبوع)

۱۶۔ اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک چھ جلد (مطبوع)

۱۷۔ فضائل قرآن (مطبوع) ۱۸۔ فضائل رمضان (مطبوع)

۱۹۔ قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم (مطبوع) ۲۰۔ فضائل تبلیغ (مطبوع)

۲۱۔ الکوکب الدری (مطبوع)
۲۲۔ حکایات صحابہ (مطبوع)
۲۳۔ الاعتدال (مطبوع)
۲۴۔ مقدمات کتب حدیث (غیر مطبوع)
۲۵۔ فضائل نماز (مطبوع)
۲۶۔ فضائل ذکر (مطبوع)
۲۷۔ فضائل حج (مطبوع)
۲۸۔ فضائل صدقات (مطبوع)
۲۹۔ لامع الدراری ۳ جلد (مطبوع)
۳۰۔ فضائل درود شریف (مطبوع)
۳۱۔ اسٹرائک (مطبوع)
۳۲۔ آپ بیتی ۱۔۲ (مطبوع)
۳۳۔ اصول حدیث علی مذہب الحنفیہ (غیر مطبوع)
۳۴۔ الوقائع والدہور (غیر مطبوع)
۳۵۔ المؤلفات والمؤلفین (غیر مطبوع)
۳۶۔ تلخیص المؤلفات والمؤلفین (غیر مطبوع)
۳۷۔ جزء المعراج (غیر مطبوع)
۳۸۔ جزء وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (غیر مطبوع)
۳۹۔ جزء افضل الاعمال (غیر مطبوع)
۴۰۔ جزء روایات الاستحاضۃ (غیر مطبوع)
۴۱۔ جزء رفع الیدین (غیر مطبوع)
۴۲۔ جزء الاعمال بالنیات (غیر مطبوع)
۴۳۔ جزء اختلافات الصلوٰۃ (غیر مطبوع)
۴۴۔ جزء اسباب اختلاف الائمہ (غیر مطبوع) [بعد میں طبع ہو گیا]
۴۵۔ جزء المبہمات فی الاسانید والروایات (غیر مطبوع)
۴۶۔ رسالہ التقدیر (غیر مطبوع)
۴۷۔ سیرت صدیق رضؓ (غیر مطبوع)
۴۸۔ رسالہ فرائد حسینی (غیر مطبوع)
۴۹۔ حواشی کلام پاک (غیر مطبوع)
۵۰۔ حواشی الاشاعۃ (غیر مطبوع)
۵۱۔ حواشی وذیل التہذیب (غیر مطبوع)
۵۲۔ حواشی اصول الشاشی وہدایہ وغیرہ (غیر مطبوع)
۵۳۔ حواشی مسلسلات (غیر مطبوع)
۵۴۔ جزء مکفرات الذنوب (غیر مطبوع)
۵۵۔ جزء ملتقط المرقاۃ (غیر مطبوع)
۵۶۔ جزء ملتقط الرواۃ عن المرقاۃ (غیر مطبوع)
۵۷۔ معجم المسند للامام احمد (غیر مطبوع)
۵۸۔ جزء المناط (غیر مطبوع)
۵۹۔ رسالہ مجددین ملت (غیر مطبوع)
۶۰۔ جزء صلوٰۃ الاستسقاء (غیر مطبوع)
۶۱۔ جزء صلوٰۃ الخوف (غیر مطبوع)
۶۲۔ جزء صلوٰۃ الکسوف (غیر مطبوع)
۶۳۔ جزء ما قال المحدثون فی الامام الاعظم (غیر مطبوع)
۶۴۔ تقریر نسائی شریف (غیر مطبوع)
۶۵۔ جزء تخریج حدیث عائشہ فی قصہ بریرہ (غیر مطبوع)

۶۶- جزامرارالمدینہ (غیرمطبوع)　۶۷- جزطرق المدینہ (غیرمطبوع)
۶۸- جزمایشکل علی الجارحین (غیرمطبوع)　۶۹- جزالجہاد (غیرمطبوع)
۷۰- جزالحجۃ صلی اللہ علیہ وسلم (غیرمطبوع)　۷۱- مشائخ تصوف (غیرمطبوع)
۷۲- اولیات القیامہ (غیرمطبوع)　۷۳- محققات المشکوٰۃ (غیرمطبوع)
۷۴- ردّمودودیت (غیرمطبوع)　۷۵- مشرقی کااسلام (غیرمطبوع)
۷۶- میری محسن کتابیں (غیرمطبوع)　۷۷- نظام مظاہرعلوم (غیرمطبوع)
۷۸- جامع الروایات والاجزا (غیرمطبوع)　۷۹- معجم تذکرۃ الحفاظ للذہبی (غیرمطبوع)
۸۰- تبویب تاویل مختلف الاحادیث لابن قتیبہ (غیرمطبوع)
۸۱- تبویب مشکل الآثار (غیرمطبوع)
۸۲- معجم الصحابۃ الذین اخرج عنہم ابو داؤد الطیالسی فی مسندہ (غیرمطبوع)
۸۳- تبویب احکام القرآن للجصاص (غیرمطبوع)

مختصر تعارف کے ساتھ ان ۸۳ تالیفات کا ذکر فرمانے کے بعد حضرت شیخ نے لکھایا ہے کہ۔

"اب تک انھیں اجزا ورسائل کا پتہ چلا ہے۔میرے انداز میں پچیس[۲۵] تیس[۳۰] ابھی اور بھی ہیں، لیکن اپنی فضیلت کے اظہار کے واسطے اتنی بھی کافی ہیں، اللہ تعالیٰ اس ریاکاری کو معاف فرمائے۔"

آپ بیتی ۲ تالیفات کے بیان پر ختم ہوگئی ہے۔اب آگے نمبر۳ پر بھی اسی طرح ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔

انتخاب آپ بیتی نمبر(۳)

اس سیہ کار کی چند بری عادتیں :

یہ پہلا عنوان ہے جس کے تحت حضرت شیخ نے اپنی بعض عادات کا ذکر فرمایا ہے۔
اس سلسلہ میں سب سے پہلے اپنے اس طرز عمل کا ذکر فرمایا ہے کہ جس درجہ کے بھی احباب، اکابر یا اصاغر بطور مہمان تشریف لاتے تو پہلی ملاقات میں اکابر سے احترام وادب کے ساتھ اور اصاغر واحباب سے شفقت ومحبت سے دریافت فرماتے کہ "کیا نظام ہے ؟ (مطلب یہ ہوتا کہ کتنے قیام کا ارادہ ہے ؟) اس کا مقصد یہ ہوتا کہ ان کا نظام معلوم ہو جانے پر اُن کے حق اور مقام ومرتبہ کا لحاظ فرماتے ہوئے اپنا پروگرام بنا لیا جائے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی عام اصول ومعمول تھا کہ کسی سے مزید قیام کے لیے فرمائش نہ کرتے کہ ان کو گرانی یا کوئی حرج نہ ہو۔ ناواقفوں کو اس سے یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی اور ہوتی تھی کہ شیخ نہیں چاہتے کہ مہمان کچھ زیادہ قیام کرے۔ حالانکہ شیخ نے یہ اصول صاف دلی اور بے تکلفی کی بنیاد پر مہمانوں کی راحت ہی کے لیے اپنا رکھا تھا۔ اپنے اس معمول اور عادت کے بہت سے سبق آموز واقعات بھی شیخ نے لکھائے ہیں۔ ان میں سے صرف دو چار یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

شدید گرمی کا موسم جون کا مہینہ تھا، سہارنپور میں تبلیغی اجتماع بھی ہو رہا تھا، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب علیہ الرحمہ بھی تشریف لائے ہوئے تھے کہ حضرت رائے پوری قدس سرہٗ رات کی ٹرین سے پاکستان سے سہارنپور تشریف لائے (یہ ملحوظ رہے کہ شیخ کے دل میں حضرت ممدوح کی انتہائی عظمت ومحبت تھی، اس کے باوجود) شیخ نے اپنے اصول ومعمول کے مطابق حضرت قدس سرہٗ سے دریافت کیا کہ حضرت کیا نظام ہے؟ فرمایا کہ کل اور پرسوں دو دن سہارنپور کے لیے طے کر کے آیا ہوں، تیسرے دن جیسا آپ کا

ارشاد ہو۔ شیخ فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کل کا قیام بھی نہیں، صبح کی اذان کے بعد اپنی جماعت کریں، چائے تیار ملے گی، مدرسہ کی جماعت سے پہلے تشریف لے جائیں لوگوں کو میرے اس طرز عمل پر غصہ بھی آیا لیکن میں نے صبح کی اذان کے بعد چلتا کر دیا۔ شیخ فرماتے ہیں۔

"میں نے حضرت سے عرض کیا جون کا مہینہ گرمی کی شدت، ہمارے ہاں راحت کی کوئی جگہ نہیں، اور یہ تبلیغ والے رات کو جلسے میں تھوڑی دیر کے لیے (برکت کے واسطے) شرکت کی خواہش اور درخواست مجھ سے کرائیں گے۔ پرسوں جلسہ ختم ہو جائے گا۔ ظہر کے وقت میں اور عزیز یوسف رائے پور حاضر ہوں گے دو دن قیام کریں گے۔ (آگے شیخ نے لکھایا ہے)۔ دو دن تک رائے پور سے ہر آنے والے سے سنتا رہا کہ حضرت اقدس نے لاتعد ولاتحصیٰ دعائیں دیں اور ہر آنے والے سے فرماتے کہ میرا تو (سہارنپور میں) دو دن قیام کا ارادہ تھا مگر شیخ نے نہ مانا، محبت اس کا نام ہے، میری راحت کو اپنی خواہش پر غالب کر کے رکھا۔ اللہ تعالیٰ بہت بلند درجے عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ اُن کو بھی ایسی ہی راحت دے۔"

حضرت شیخ کو معاصر بزرگوں میں سب سے زیادہ تعلق حضرت رائے پوریؒ اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے تھا اور جیسا کہ آپ بیتی سے معلوم ہوتا ہے (اور راقم سطور کا ذاتی علم و مشاہدہ بھی یہی ہے کہ) محبت اور بے تکلفی کا تعلق حضرت مدنی کے ساتھ سب سے زیادہ تھا۔ ان کے بھی متعدد واقعات شیخ نے اس سلسلہ میں لکھائے ہیں۔ ایک دو یہاں بھی پڑھ لیے جائیں۔ فرماتے ہیں۔

"ایک مرتبہ دسمبر کا مہینہ تھا، (ضلع سہارنپور ہی میں نانوتہ کے قریب ایک گاؤں) آبھ تشریف لے گئے، دوسرے دن مغرب کے بعد حضرت قدس سرہٗ آبھ سے واپس تشریف لائے، اس قدر زوردار طوفانی بارش کہ کمرہ سے باہر پاؤں رکھنا مشکل، اتنی ہی زوردار سردی اور حضرت کو شدت سے بخار آتے ہی فرمایا

کہ مغرب نہیں پڑھی ہے۔ بشلے وغیرہ کپڑے سب بھیگ رہے تھے۔ میں نے
جلدی سے لنگی پیش کی، کپڑے اتارے، لنگی اور چادر میں حضرت نے نماز پڑھی۔
میں نے دو انگیٹھیاں بھروا کر منگوائیں اور عزیزم مولوی نصیر الدین بغیر کہے
چائے تیار کر کے لے آیا، چائے کی پیالی پیش کی اور میں نے اپنی بری
عادت کا مظاہرہ کیا، عرض کیا۔ حضرت نظام سفر؟ ارشاد فرمایا خیال یہ ہے
کہ اسی وقت ساڑھے دس کی گاڑی سے دیوبند چلا جاؤں۔ میں نے عرض
کیا بہتر ہے۔ مگر ایک منٹ کے سکوت کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت
بارش بڑی زور کی ہو رہی ہے، سردی بھی زوروں پر ہے، بخار بھی شدت
سے ہے، معلوم نہیں کہ دیوبند اس گاڑی کی اطلاع بھی ہے یا نہیں۔
حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اطلاع تو نہیں ہے لیکن اگر سواری نہ ملی تو
اسٹیشن کی مسجد میں لوگ رہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا جیسی رائے ہو۔
مگر اس وقت میں اور صبح چھ بجے میں کوئی زیادہ فرق تو ہے نہیں۔ حضرت
قدس سرہٗ نے نہایت تبسم سے ارشاد فرمایا۔ فرق تو کچھ نہیں ہے۔ یہ دیکھوں
تھا کہ آپ ان حالات میں کیا ارشاد فرمائیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ وہ
تو حضرت نے ملاحظہ فرمالیا، میں عرض کر چکا ہوں کہ بہتر ہے جیسی رائے ہو۔
حضرت نے ارشاد فرمایا کہ نہیں صبح ہی کو جاؤں گا، صرف تمھیں دیکھنا تھا۔"

حضرت مدنی کا دوسرا ایک واقعہ یہ بھی بیان فرمایا ہے۔

"ایک مرتبہ حضرت قدس سرہٗ لکھنؤ سے تشریف لا رہے تھے، ۱۱ بجے رات کو تار ملا
میں اسی وقت اسٹیشن حاضر ہوا۔ بارہ بجے گاڑی آئی، میں نے مصافحہ کے
ساتھ پوچھا حضرت نظام؟۔ فرمایا اسی وقت ڈیڑھ بجے کی گاڑی سے
دیوبند جانے کا ارادہ ہے۔ میں نے عرض کیا وہاں کوئی اطلاع ہے؟۔
فرمایا کہ وہاں کوئی اطلاع نہیں دی ہے کہ تار دیر میں پہنچتا ہے۔ میں نے
پوچھا اس وقت دیوبند کے اسٹیشن پر سواری ملے گی؟۔ ارشاد فرمایا

نہیں ۔ میں نے کہا تو پھر مدرسہ (یعنی مکان پر) تشریف لے چلئے ۔ ارشاد فرمایا کہ تم اپنے اصول کے خلاف کیوں کہتے ہو ؟ میں نے عرض کیا حضرت میرا اصول اکابر اور مہمانوں کی راحت کے واسطے ہے ، کوئی مصیبت کے واسطے نہیں ۔ حضرت نے خوب تبسم فرمایا اور تشریف لے آئے ۔

شیخ نے اپنی عادات کے سلسلہ میں مٹھائی سے بے رغبتی اور گوشت کی انتہائی رغبت و شوق کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس سلسلہ کے بھی متعدد دلچسپ واقعات بیان فرمائے ہیں ، صرف ایک یہاں بھی پڑھ لیا جائے ۔ فرماتے ہیں ۔

"اس ناکارہ کو ہمیشہ سے بہت بچپن سے ۹ ر ذی الحجہ کے روزے کی عادت رہی اور اس میں افطار کے بعد ایک پیالی چائے کے علاوہ کچھ نہیں کھاتا تھا ، اس لیے کہ کل کو اللہ تعالیٰ کے ہاں دعوت ہے ۔ میرے سب گھر والے بھی اس کے عادی ہو گئے تھے کہ ایام النحر ۱۰ تا ۱۲ ر ذی الحجہ میرے گھر میں روٹی نہ پکتی تھی نہ آتی تھی (اب تو ۸ ۔ ۱۰ برس سے مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے یہ معمول چھوٹ گیا) اور میرا ایک تفریحی فقرہ بھی بہت مشہور تھا کہ اگر قربانی کے گوشت کے ساتھ روٹی بھی دعوت کا جز ہوتی تو صدقۃ الفطر بھی ایام اضحیٰ میں ہوتا ۔"

عادات ہی کے سلسلہ میں شیخ نے اس کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ اگرچہ میرے فلاں فلاں اکابر لوگوں کے معاملات میں سفارش کو کار خیر سمجھتے ہوئے اس کے بارے میں بڑے بڑے متوسع اور سخی رہے ہیں لیکن مجھ کو اس سے سخت وحشت ہے ، کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ جس کو آدمی کسی وجہ سے بڑا سمجھتا ہے اس کی سفارش کو حکم سمجھتا ہے اور بہرحال اس کی تعمیل کرنا چاہتا ہے اس لیے میں اس سے بہت بچتا اور پرہیز کرتا ہوں ۔ اس سلسلہ میں شیخ نے لکھا ہے کہ ۔

"ملک کی تقسیم (۱۹۴۷ء) سے پہلے (سہارنپور میں) مسلمان حاکم بکثرت آتے تھے اور جو مسلمان حاکم آتا وہ آنے سے پہلے کہیں سے اس سیہ کار کا

نام سن لیتا تھا اور بہت جلد ملاقات کے لیے آتا تھا۔ میرا ہمیشہ یہ دستور رہا کہ ابتدائی ملاقات میں اس کا بہت اعزاز کر کے بڑے اکرام واحترام کے ساتھ اس سے درخواست کرتا کہ آئندہ کرم فرماویں۔ وہ بہت تعجب سے پوچھتے کہ کیوں؟ میں اُن سے کہتا کہ آپ تو حاکم ہیں، آپ کے پاس تو لوگوں کی رسائی مشکل اور اس غریب پر ہر شخص مسلط ہو گا کہ جج صاحب، ڈپٹی صاحب، منصف صاحب تیرے یہاں آتے ہیں، ان کے لیے سفارش لکھدے، یہ ناکارہ مصیبت میں پھنس جاوے گا۔

حوادث اور شادیاں : یہ آپ بیتی ۲ کا دوسرا عنوان ہے، اس سلسلہ میں شیخ نے فرمایا ہے، میری انھیں بری عادتوں میں سے ایک بری عادت شادیوں میں شرکت سے نفرت، لیکن اس کے بالمقابل جنازوں میں شرکت کی رغبت واہمیت ہے۔ (آگے شیخ نے اس سلسلہ کے چند واقعات لکھوائے ہیں۔ فرماتے ہیں۔)

والد صاحب کے انتقال اور میری ابتدائی مدرسی کے بعد سے لے کر ۱۹۴۷ء کے تقسیم ہند کے ہنگامے تک، مدرسہ کا کوئی طالب علم چاہے دارالطلبہ میں رہتا ہو چاہے شہر کی کسی مسجد میں، ایسا نہیں رہا ہو گا جس کو (انتقال کے بعد) نہلانے اور کفنانے میں یہ ناکارہ مستقلاً شریک نہ ہوا ہو۔ بالخصوص جن طلبہ کو چیچک نکلی ہو (اور اسی میں انتقال ہوا ہو) ان کو اپنے ہاتھ سے غسل دینا، اپنے ہاتھ سے کفن پہنانا، قبرستان میں دفن تک شریک رہنا۔

البتہ اس سلسلہ میں ایک بری عادت یہ بھی رہی کہ (سفر کر کے) تعزیت میں آنے والے اچھے نہیں لگے۔ الاماشاءاللہ۔ حضرت مدنی، حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدھما جیسے تو مستثنیٰ تھے کہ ان کی آمد سے واقعی تعزیت ہوتی تھی لیکن عام آدمیوں کو نہایت شدت سے منع کر دیتا تھا۔

میری زندگی کا سب سے اہم ابتدائی واقعہ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا حادثۂ انتقال تھا جو ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ کو ہوا۔ ان کے ذمہ انتقال کے وقت آٹھ ہزار روپے قرض تھے ... مجھ پر ان کے قرض کا بہت ہی بوجھ تھا کہ اللہ جل شانہٗ کے یہاں مطالبہ نہ ہو۔ میں نے چچا جان کے مشورہ سے دوستوں کو بہت سے کارڈ لکھے کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ان کے ذمہ جو قرض تھا وہ آج سے میری طرف منتقل ہوگیا۔ یہاں آنے کی ہرگز ضرورت نہیں، وہیں سے دعائے مغفرت و ایصال ثواب اپنی وسعت کے مطابق کرتے رہیں[1]۔ جن سے کچھ لین دین تھا ان کے خط میں یہ اضافہ بھی ہوتا تھا کہ آپ کا والد صاحب کے ذمہ کچھ قرض ہو تو اس کی تفصیل سے مطلع کریں۔" (اس کے آگے شیخ نے کئی ورق میں تفصیل سے لکھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرضہ کس سہولت سے کس طرح ادا کرایا۔)

آگے اپنی والدہ صاحبہ مرحومہ کے انتقال کے واقعہ کا ذکر فرماتے ہوئے (جو ۲۵ رمضان مبارک ۱۳۴۵ھ کو ہوا تھا) بیان فرمایا ہے کہ۔

اگلے دن میں نے بہت مخصوص لوگوں کو خط لکھوائے کہ میری والدہ کا انتقال

---

[1] حضرت شیخ نے آپ بیتی ہی میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت والد ماجد کی وفات پر تعزیت کی مد میں جو لوگ آتے رہے میں ان کے لیے بازار سے کھانا، پوری کچوری وغیرہ جو بازار میں دستیاب ہو سکا منگواتا رہا۔ قریباً چار سو روپے کا کھانا بازار سے منگوانا پڑا۔ راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اس وقت کے چار سو قوت خرید کے لحاظ سے آج کے دس ہزار سے کم نہ تھے۔ اس میں ذرا مبالغہ نہیں ہے حساب لگایا ہوا ہے۔ بلاشبہ اس طرح سفر کرکے تعزیت کے لیے آنے والے سکون و تسلی کے بجائے باعث زحمت ہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے۔)

ہوگیا۔ رمضان میں ہرگز آنے کا ارادہ نہ کریں، دعائے مغفرت ایصال ثواب سے مجھے ممنون و مسرور فرمائیں۔

حضرت شیخ نے اسی سلسلہ میں اپنے چچاجان حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے سانحہ وصال کا ذکر کرتے ہوئے لکھایا ہے۔

جب میرے چچاجان نوراللہ مرقدہٗ کا ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ (۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء) وصال ہوا تو میں نظام الدین میں تھا۔ ایک مشترک کارڈ (مدرسہ مظاہر علوم کے اکابر اساتذہ) حضرت مولانا عبداللطیف صاحب، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب، حضرت مولانا اسعداللہ صاحب کے نام لکھا کہ آپ حضرات میں سے کوئی نظام الدین تکلیف فرمانے کا ارادہ نہ کریں میں خود ہی کل یا پرسوں حاضری کا ارادہ کر رہا ہوں اور ایک تحریر اپنے مشہور معروف مضمون کی لکھوا کر مدرسہ (مظاہر علوم) کے بورڈ پر لگوادی۔ نیز میرے نظریہ اور مضمون کی روشنی میں نظام الدین کے حضرات کی طرف سے آفاق عالم میں مختصر اور مفصل خطوط لکھے گئے کہ نظام الدین میں آنا محض رسمی تعزیت ہے۔ اصل تعزیت وہ کام ہے اور اس میں ہمارا ہاتھ بٹانا ہے جس میں (جان کھپاتے ہوئے) چچاجان تشریف لے گئے اس کا اللہ کے فضل سے بہت اچھا اثر ہوا کہ اتنی کثرت سے جماعتیں نکلیں کہ حضرت چچاجان کی حیات میں بیک وقت اتنی نہ نکلی تھیں۔"

حضرت شیخ نے حوادث ہی کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے حادثۂ وفات کا ذکر فرمایا ہے۔ مولانا مرحوم مغفور اپنی تبلیغی جد و جہد کے سلسلہ میں پاکستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد لاہور پہنچے تھے۔ لاہور سے سہارنپور آمد کے لیے ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ (۲ اپریل ۱۹۶۵ء) یوم جمعہ کی اطلاع تھی۔ اسی جمعہ کے بارے میں شیخ نے لکھایا ہے۔

میں جمعہ کی نماز کے بعد کھانا کھا کر سونے کے لیے لیٹا تھا کہ ۴ بجے کے

قریب عزیز طلحہ نے مجھے اٹھایا اور کہا کہ صابری صاحب کا آدمی کھڑا ہے
لاہور سے فون آیا ہے کہ ماموں حضرت کا انتقال ہوگیا۔ موت کے
لیے تو نہ کوئی وقت ہے نہ اس میں کوئی استبعاد، میں اٹھ کر وضو کرکے
مدرسہ کی مسجد میں جا بیٹھا اور نماز کی نیت باندھ لی، اس لیے کہ طلحہ
کی اس اطلاع کے ساتھ ساتھ چاروں طرف سے ہجوم نے گھیرنا شروع
کر دیا اور مجھے ایسے وقت میں اس طرح کی لغو باتوں سے کہ کیا ہو گیا،
کیا بیمار تھے، کب ہوا، کون خبر لایا؛ بہت ہی وحشت ہوتی ہے۔ ایسا
اہم قیمتی وقت بہت ہی مبارک ہوتا ہے جس میں طبیعت منقطع عن
الدنیا مستقبل الی الآخرۃ ہوتی ہے۔ اس وقت کی تلاوت بھی قیمتی،
ذکر و فکر بھی قیمتی۔ مجمع بڑھتا ہی چلا گیا اور میں نے تکبیر تک سلام
پھیرے ہی نہ دیا، عصر کی تکبیر پر سلام پھیرا اور گھر جا کر وہاں خبر پہنچ چکی
تھی، میں نے زنانہ دروازہ پر آکر گھبرائی ہوئی آواز میں کہا کہ وہ
حادثہ تو تم نے سن ہی لیا بہت مشغول رہنا۔ تمہارے پاس عشاء کے
بعد آؤں گا۔ اس سے پہلے پڑھنے پڑھانے میں لگی رہو۔ (اسی سلسلہ
میں شیخ نے لکھایا ہے) میرے گھر کی سب بچیوں کو اللہ بہت ہی جزائے
خیر عطا فرمائے، مرضیات پر عمل کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے
نامرضیات سے حفاظت فرمائے وہ اس کی خوب عادی ہو چکی ہیں کہ
وہ ایسے موقع پر تلاوت یا تسبیح لے کر بیٹھ جاتی ہیں اور ہر آنے والی
کو زائد تسبیح رکھی ہو تو وہ ورنہ اپنے ہاتھ کی تسبیح دے دیا کرتی ہیں اور
خود بغیر تسبیح کے شروع کر دیتی ہیں کہ اس کی عادی ہیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے حادثہ وفات کے بعد شیخ نے اپنے ان خاص اکابر
مشائخ کے حادثات وفات کا اور ہر ایک سے متعلق اپنے تاثرات اور اہم واقعات کا ذکر
فرمایا ہے جن سے حضرت کا خاص تعلق رہا۔ ان میں سب سے پہلے حضرت اقدس گنگوہی

قدس سرہٗ کے حادثۂ وفات کا ذکر فرمایا ہے اور اس وقت آٹھ برس کی عمر میں جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا تھا وہ لکھوایا ہے۔ اس کے بعد حضرت اقدس کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ کے حادثۂ وفات کا اور اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و توفیق سے جنازہ اور تدفین میں شرکت کی سعادت کا بیان فرمایا ہے۔

اس کے بعد ۳۹ھ میں حضرت شیخ الہندؒ کے وصال کے موقع پر ایسے طور پر جس کو لطیفۂ غیبی ہی کہا جاسکتا ہے حضرت کے پاس پہنچ جانے اور نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کا ذکر فرمایا ہے۔ بہت ہی عجیب وغریب اور اس وجہ سے قابل ذکر واقعہ ہے۔

(حضرت شیخ الہندؒ مرض وفات کے آخری ایام میں دہلی ڈاکٹر انصاری مرحوم کی کوٹھی پر تھے۔ ٹھیک انہی دنوں میں امروہہ (ضلع مرادآباد) میں شیعہ سنی مناظرہ طے ہوچکا تھا اور اس سلسلہ میں حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کے علاوہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ بھی وہاں تشریف لے گئے تھے۔ حضرت سہارنپوریؒ کو ایک خاص ضرورت سے حضرت شیخ الہندؒ کو ایک پیغام بھیجنے کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت شیخ الحدیث بطور خادم ساتھ تھے۔ مختصر سا پرچہ لکھ کر انہی کو حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں دہلی بھیجا۔ (اللہ کی شان) یہ حضرت شیخ الہند کی دنیوی زندگی کا آخری دن تھا۔ شیخ فرماتے ہیں۔

> میں مغرب کے قریب حضرت کی قیام گاہ پر پہنچا تو حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ پر مرض کا شدید حملہ تھا (پرچہ) پیش کرنے کی نوبت بھی نہیں آئی، دوسرے دن صبح کو وصال ہوگیا۔ (آگے بیان فرمایا ہے کہ) حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی نماز جنازہ دہلی میں میرے چچا جان نے پڑھائی اور حضرت کے حقیقی بھائی مولانا حکیم محمد حسن صاحب نے اس نماز میں شرکت نہیں کی، انھوں نے دیوبند آنے کے بعد نماز جنازہ پڑھائی۔ (حضرت شیخ الحدیث) جنازہ کے ساتھ دہلی سے دیوبند بھی آئے اور تدفین میں بھی شرکت نصیب ہوئی، بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت

وعنایت ہی کا کرشمہ تھا۔)

حضرت شیخ الحدیث نے حضرت شیخ الہند کے حادثۂ وفات کے ذکر کے بعد اپنے شیخ ومرشد حضرت سہارنپوری کے حادثۂ وصال کا ذکر فرمایا ہے جو مدینہ منورہ میں ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ میں ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی شان "فعال لما یرید" کا بالکل دوسری طرح ظہور ہوا۔ شیخ فرماتے ہیں۔

> یہ ناکارہ ۱۳۳۵ھ سے سفراً وحضراً ہر وقت کا حاضرباش لیکن وصال کے وقت دور کر دیا گیا کہ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ میں مدینہ منورہ سے میری واپسی ہوئی اور ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ بروز چہار شنبہ جبکہ عرب میں ۱۶ اور ہندستان میں ۱۵ تاریخ تھی میرے حضرت قدس سرہٗ نے مدینہ پاک میں وصال فرمایا، مولانا طیب مغربی صدر مدرس مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ نے مصلی الجنائز میں نماز پڑھائی۔

اس کے بعد حضرت شیخ نے حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے حادثۂ وفات اور نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کا ذکر فرمایا ہے۔

> حضرت کی علالت میں حاضری تو بار بار اور اکثر ہوتی رہی۔ ۱۶-۱۷ رجب ۱۳۶۲ھ روز سہ شنبہ علی الصبح میں اپنے کمرہ میں تھا۔ بھائی اکرام نے اوپر پہنچ کر حادثہ کی اطلاع کی اور میں اس حال میں اٹھا کہ سیدھا اسٹیشن دوڑ گیا۔ وہاں جاکر معلوم ہوا کہ گاڑی بس چھوٹ رہی ہے ٹکٹ لے کر چلتی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے عیدگاہ میں نماز پڑھائی۔ وصال سے چند روز پہلے اس دار الحزن والمحن سے طبیعت اکتا گئی تھی۔ کئی مرتبہ فرمایا۔ یا اللہ میں اس سنڈاس میں کب تک پڑا رہوں گا۔"

اس کے بعد شیخ نے حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نور اللہ مرقدہٗ کے حادثۂ وفات کا ذکر فرمایا ہے۔ چونکہ اس کی نوعیت بھی بظاہر ایک لطیفۂ غیبی کی سی ہے، اس لیے اس کا

اقتباس بھی یہاں نذر ناظرین کیا جارہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہ ایک سفر سے سہارنپور واپس تشریف لائے اور اس ناکارہ سے ارشاد فرمایا کہ حضرت میرٹھی کی شدت علالت کی خبریں سنی جارہی ہیں خیال ہے کہ رائے پور جانے سے پہلے حضرت میرٹھی کی عیادت بھی کرتا جاؤں بشرطیکہ تو بھی ساتھ ہو، میں نے قبول کرلیا اور یہ قرار پایا کہ اتوار کے دن دیوبند چلیں شب کو وہاں قیام رہے۔ پیر کی صبح میرٹھ چلے جاویں۔ چنانچہ اتوار کے دن ظہر کے وقت دیوبند حاضری ہوئی اور پیر کی صبح کو حضرت مدنی سے میرٹھ جانے کی اجازت چاہی، حضرت نے اپنی عادت شریفہ کے مطابق اجازت میں تامل فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ آج عقیقہ ہے، ابھی بکرے کٹواتا ہوں، اس کا گوشت کھا کر دس بجے کی گاڑی سے چلے جانا، (یہ عقیقہ عزیزم مولوی ارشد سلمۂ کا تھا) مگر نہ معلوم علی الصبح میرٹھ جانے کا فوری تقاضا میری طبیعت پر اور مجھ سے زیادہ حضرت رائے پوری کی طبیعت پر کیوں ہوا۔ اور بہت ہی گرانی اور طبیعت کے تکدر سے حضرت مدنی سے جانے کی اجازت لی۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ صبح ۴ بجے مولانا میرٹھی کا انتقال ہوچکا اور مجھے دو تار سہارنپور دیے جاچکے ہیں۔ ایک حادثہ کی اطلاع کا، دوسرا نماز جنازہ میں انتظار کا۔ جنازہ اس ناکارہ کے انتظار میں رکھا ہوا تھا۔ جنازہ کی نماز ہوئی۔ ظہر سے پہلے ہی تدفین ہوگئی (تاریخ یکم شعبان ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۹۴۱ء تھی) معلوم ہوا کہ حضرت میرٹھی نے اس سیہ کار کے لیے نماز جنازہ کی وصیت فرمائی تھی۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب نوراللہ مرقدہ کے حادثۂ وفات کے تذکرہ کے بعد حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت منشی رحمت علی

کے حادثۂ انتقال کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

عجائب قدرت میں اس ناکارہ کا منشی رحمت علی صاحب کے انتقال میں شرکت بھی ہے، حالانکہ ان کی زندگی میں باوجود اپنی اور ان کی خواہش کے کبھی حاضری نہ ہوئی۔ ان کی شدت علالت کی خبر پر حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری نے تشریف لے جانے کا ارادہ کیا اور اس سیہ کار کو بھی ہم رکاب چلنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ دس پندرہ روز پہلے حاضری ہوگئی۔ منشی صاحب رموز و اسرار پر بہت کلام فرماتے تھے، تعبیر خواب میں خاص ملکہ تھا۔ شب یکشنبہ ۱۲ر جمادی الاخری ۱۳۵۱ھ میں جالندھر میں وصال فرمایا۔

اس کے بعد حضرت شیخ نے حضرت مدنی قدس سرہٗ کے حادثۂ وفات کا ذکر بڑی تفصیل سے اور بڑے تاثر کے ساتھ فرمایا ہے۔ رمضان ۷۶ھ میں حضرت کا قیام بانسکنڈی (آسام) میں تھا وہیں سے مرض کا آغاز ہوا۔ درمیان میں افاقہ بھی ہوتا رہا اور حضرت نے اپنے خاص مزاج اور عالی ہمتی کے مطابق دارالعلوم میں حسب معمول صحیح بخاری کا درس بھی دینا شروع فرما دیا، اسی حال میں اللہ کے بندوں کی دینی خدمت اور تذکیر کے لیے دور دراز کے اسفار بھی فرماتے رہے۔ پھر وہ وقت آیا کہ مرض اس درجہ غالب ہوا کہ حضرت صاحب فراش ہوگئے۔ بہت اہتمام سے ہر طرح کے علاج معالجہ کا سلسلہ بھی جاری رہا اور مرض میں کبھی تخفیف اور کبھی شدت ہوتی رہی، آخری ایام میں بظاہر افاقہ محسوس ہوتا تھا اور سب اہل تعلق کو اچھی امید تھی۔ حضرت شیخ نے ان سب مرحلوں کو پوری تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ آخر میں حضرت شیخ نے لکھا ہے۔

روزانہ صحت کے اضافہ کی خبریں آتی رہیں۔ ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۷۷ھ (مطابق ۵ دسمبر ۵۷ء) جمعرات کے دن زکریا دارالحدیث میں بخاری کا سبق پڑھا رہا تھا کہ عبداللہ مؤذن نے جاکر کہا کہ حضرت مدنی کا انتقال ہوگیا۔ محمود علی خاں کے یہاں ٹیلی فون آیا ہے۔ زکریا وہاں سے اٹھ کر

سہارن پور پہنچ گیا کہ گاڑی کا وقت قریب تھا، بعد میں مولانا اسعد سلمہٗ کی بھیجی ہوئی کار بھی پہنچی مگر زکریا جاچکا تھا (معلوم ہوا کہ) صبح کو عزیزان مولوی اسعد و ارشد سلمہا کو آپس کے اتحاد و محبت کی نصیحتیں بھی فرمائیں اور دوپہر کو بلا سہارا کمرہ سے صحن میں کھانا کھانے کے لیے تشریف لے گئے تھے اور اہلیہ کو صبر علی المصائب کی تلقین فرماتے رہے۔ پون بجے سونے کے لیے لیٹے تھے، ڈھائی بجے تک خلاف معمول نماز کے لیے نہ اٹھنے پر اہلیہ محترمہ دیکھنے کے لیے گئیں تو بردا طراف پایا جس پر مولوی اسعد کو آدمی بھیج کر بلایا کہ آج سب بے فکر تھے کہ طبیعت بہت اچھی ہے، ڈاکٹر نے آکر کہا کہ تشریف لے گئے۔ اعلی اللہ مراتبہ نور اللہ مرقدہٗ۔

اس کے بعد حضرت شیخ نے حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کے حادثۂ وفات کا ذکر فرمایا ہے فرماتے ہیں۔

میرے اکابر نور اللہ مراقدہم کے حوادث میں میرے لیے آخری حادثہ سخت ترین حادثہ میرے حضرت حضرت شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہٗ کا حادثۂ وصال ہے۔

اس کے بعد حضرت شیخ نے اس وقت سے لے کر جب کہ وصال سے ۷-۸ سال پہلے (۱۳۷۴ھ ۱۹۵۵ء میں) مسوری کے زمانہ قیام میں حضرت اقدس پر مرض کا پہلا حملہ ہوا تھا۔ یوم وفات ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ (۱۷ اگست ۱۹۶۲ء) تک صحت اور مرض کے لحاظ سے حضرت اقدس کے جو احوال رہے اور اس مدت میں پاکستان کے بھی جو متعدد سفر ہوئے ان سب کا حال پوری تفصیل سے قریباً ۱۵-۱۶ صفحات پر لکھوایا ہے، خاص کر پاکستان کے آخری سفر اور قیام کا آخر میں مرض کی شدت و نزاکت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

شدت علالت نے مایوسی کی حالت تک پہنچا دیا تھا، ایک ایک دن میں مختلف احباب کے ۳-۴ تار زکریا کے نام صبح سے شام تک آتے تھے

"افاقہ ہے" ۔ "حالت خطرناک ہے" ۔ "افاقہ ہے" ۔ "حالت خطرناک ہے"۔
اس وقت غفلت ہے" "اس وقت صحت ہے۔ بالآخر مولانا یوسفؒ
کے پاس ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۹۶۴ء پنجشنبہ کو لاہور
سے ٹیلیفون پہنچا کہ رات ۹ بجے وصال ہوگیا، اس وقت ۹ بجے جنازہ
کی نماز ہوگی۔

اپنے اکابر و مشائخ کے مذکورہ بالا حادثات وفات کا ذکر فرمانے کے بعد شیخ نے اپنی دو
صاحبزادیوں اور ایک پھوپھی کے حادثات وفات بھی بیان فرمائے ہیں اور اسی پر حوادث
کے بیان کا سلسلہ ختم فرمایا ہے۔ سب سے بڑی صاحبزادی (حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ
کی پہلی اہلیہ مرحومہ) کے حادثۂ انتقال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مرحومہ نے بہت ہی تکلیفیں اٹھائیں، اس کو تپ دق ہوگئی تھی، عین مغرب
کی نماز کے دوران جبکہ وہ دوسری رکعت کے سجدہ میں تھی، اشارے
سے نماز پڑھ رہی تھی، قبلہ کی طرف منہ تھا، ایسی قابل رشک حالت سے
گئی ہے کہ اس کے چہرے کے انوار اب تک یاد ہیں۔ (دوسری صاحبزادی
کے حادثۂ انتقال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ) مولانا یوسف صاحب
سورہ یٰسٓ پڑھ رہے تھے "سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ" پر ایسا
جذبہ مولانا مرحوم کو آیا کہ تین دفعہ اس کو پڑھا۔ اور تیسری دفعہ میں
روح بھی ساتھ چل دی۔

تیسرا عجیب واقعہ مجھے اپنی پھوپھی صاحبہ نوراللہ مرقدہا کے ساتھ پیش
آیا.... انتقال کی شب میں صبح صادق سے ذرا پہلے وہ لیٹی ہوئی
تھیں، ایک دم گھبرا کر بیٹھنے کی کوشش کی اور دروازہ کی طرف دیکھ کر
مجھے فرمایا کہ جلدی اٹھا کر مجھے سہارے سے بٹھا دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
تشریف لے آئے، چوں کہ صبح کی اذان بالکل قریب تھی مجھے یہ خیال ہوا
کہ نہ معلوم کتنی دیر لگ جائے، جماعت نہ فوت ہو جائے، میں نے حاجی

محسن صاحب مرحوم سے (جو پھوپھی صاحبہ مرحومہ کے داماد تھے اور ان کی تیمارداری کر رہے تھے) کہا کہ جلدی بیٹھو، میری پھوپھی مرحومہ نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا تو بیٹھ۔ رحمہم اللہ کلّہم رحمۃ واسعۃ۔

تقریبات اور شادیاں :

آپ بیتی ۳ کا دوسرا عنوان تھا "حوادث اور شادیاں"۔ اس عنوان کے تحت حادثات اور صدمات کا بیان فرمانے کے بعد حضرت شیخ نے تقریبات اور شادیوں کے زیر عنوان شادیوں سے متعلق بھی اپنے کچھ معمولات اور واقعات بیان فرمائے ہیں اس کی تمہید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"میں جب ابتدا میں (یعنی ۱۳۲۸ھ میں) سہارنپور آیا تو میں نے خواب دیکھا تھا کہ ہمارے مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب نور اللہ مرقدہ اس سیہ کار سے لپٹ گئے اور خوب بھینچا، میں نے اپنے حضرت مرشدی قدس سرہٗ سے اس خواب کا ذکر کیا تھا تو حضرت نے ارشاد فرمایا تھا کہ عنایت الٰہی تمہارے شامل حال ہے۔ یہ تعبیر ہر وقت میرے ساتھ رہی اور اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ہر ہر موقع پر اپنی عنایت کو اس سیہ کار پر بارش کی طرح برسایا۔ خدا کرے کہ استدراج نہ ہو..... ان میں سے ایک معمولی مسئلہ تقریبات اور شادیوں کا بھی ہے۔ میں نے دو اپنی اور ہمشیرہ اور ہمشیرزادی، اور بنات (بیٹیوں) اور ولد اور اسباط (نواسوں) کی تقریبًا ۱۶-۱۷ شادیاں کیں اور ہر شادی میں مجھ پر اللہ تعالیٰ نے وہ کرم فرمایا کہ کبھی یہ پتہ نہ چلا کہ نکاح کیا یا دو رکعت نفل پڑھ لی۔ نکاح ایک عبادت تھی جس کو لوگوں نے ایک مصیبت بنالیا۔ علماء نے لکھا ہے کہ دو عبادتیں ایسی ہیں جو آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر قیامت تک بلکہ جنت میں بھی باقی رہیں گی۔

ایک ایمان دوسرے نکاح۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا اور ارشاد فرمایا کہ "نکاح میری سنت ہے، جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں"۔ مگر ہم لوگوں نے اس بابرکت سنت کو اس میں بے حد لغویات شامل کرکے ایک مصیبت عظمیٰ بنالیا۔ حضور پاکؐ کا ارشاد ہے کہ جو نکاح بہت ہلکا پھلکا ہو وہ بہت مبارک ہے۔ مگر افسوس کہ ہم نے اس مبارک سنت کو اپنی رسوم کی بدولت مشکل ترین بنا دیا اور اس سے بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ انہی لغویات کی وجہ سے لڑکیاں لمبی عمر تک بیٹھی رہتی ہیں شادی کا انتظام نہیں ہو سکتا۔"

حضرت شیخ کی ایک بہن بھی تھیں جو والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰؒ کی وفات کے وقت غیر شادی شدہ بلکہ نابالغ تھیں، سب سے پہلے شیخ نے انہی کی شادی فرمائی جس کا حال "آپ بیتی" میں بہت تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ اسی سلسلہ میں شیخ نے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا ہے۔

"عام گھروں کے دستور کے مطابق کہ بہنیں اپنی رضا و خوشی سے اپنا حصہ بھائیوں کو دے دیا کرتی ہیں، (میں نے) اُس کا حصہ لینے سے انکار کر دیا، مرحومہ نے بہت خوشامد کی، بہت روئی بھی کہ میں تو آخر تمہارے ہی ذمہ رہوں گی، کہاں جاؤں گی، ماں نہیں باپ نہیں۔ میں نے کہا ضرور (میرے ہی ذمہ) رہے گی، اور انشاء اللہ ماں باپ دونوں کا بدل کرکے دکھا دوں گا لیکن حصہ تیرا ضرور الگ کروں گا (چنانچہ شیخ نے ایسا ہی کیا، بلکہ بعد میں جائیداد کا اپنا حصہ بھی بہن ہی کو منتقل کر دیا۔)

آگے حضرت شیخ نے اپنی بڑی دو صاحبزادیوں کے نکاح کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے ایک کا حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور دوسری کا حضرت مولانا انعام الحسن صاحب (دامت فیوضہم) سے اس وقت ہوا جب کہ یہ دونوں حضرات مدرسہ مظاہر علوم میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ نسبت اور منگنی تو دونوں

کی خاندان کے عام رواج کے مطابق بالکل بچپنے ہی میں ہوگئی تھی۔ نکاح کا واقعہ شیخ نے اس طرح لکھایا ہے۔

چچاجان نوراللہ مرقدہٗ ہر سال مدرسہ مظاہر علوم کے جلسہ میں تشریف لایا کرتے تھے، حسب معمول مؤرخہ ۲ محرم ۱۳۵۵ھ مغرب کے قریب تشریف لائے اور فرمایا ہمارے یہاں میوات میں جلسوں میں نکاحوں کا دستور پڑ گیا۔ کل کے جلسہ میں حضرت مدنیؒ سے یوسف وانعام کا نکاح پڑھوادوں ؟ میں نے کہا شوق سے ضرور پڑھوا دیجئے، مجھ سے کیا پوچھنا۔ عشاء کی نماز کے کچھ دیر بعد میں نے اہلیہ مرحومہ اور دونوں بچیوں کے کان میں ڈال دیا کہ چچاجان کا ارادہ یہ ہے — میری اہلیہ نے کہا کہ "دو چار دن پہلے کہتے تو میں ایک ایک جوڑا توان کے لیے سلوا دیتی"۔ ... جامع مسجد آتے ہوئے حضرت مدنی سے میں نے عرض کر دیا کہ یوسف انعام کا نکاح پڑھنے کے لیے چچاجان فرمارہے ہیں۔ حضرت نے بہت ہی اظہار مسرت فرمایا، کہا ضرور پڑھوں گا۔ اور جامع مسجد پہنچنے کے بعد بیٹھتے ہی فرمایا کہ مہر کیا ہوگا ؟ میں نے عرض کیا ہمارے یہاں مہر مثل ڈھائی ہزار ہے۔ فرمایا کہ میں مہر فاطمی سے زیادہ پر ہرگز نہیں پڑھوں گا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو شرعی چیز ہے فقہاء کے نزدیک مہر مثل سے کم پر سکوت کافی نہیں بالتصریح اجازت کی ضرورت ہے۔

آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ آخر میں چچاجان کے فرمانے پر یہ طے ہوا کہ مہر فاطمی ہی پر نکاح پڑھ دیا جائے۔ یہ نکاح موقوف ہوگا۔ بعد میں گھر جاکر بچیوں کو بتلا دیا جائے تو تکمیل ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضرت مدنی نے وعظ کے درمیان ہی میں مہر فاطمی پر نکاح پڑھا دیا۔ آگے شیخ نے لکھوایا ہے کہ۔

نکاح تو ہوگیا مگر وہ گالیاں مجھ پر پڑیں کہ یاد رہیں گی، لڑکوں سے تو لوگ واقف نہیں تھے اور میری لڑکیاں ہونے کا اعلان ہو ہی گیا تھا۔ لڑکے دونوں حسین جمیل اور مدنی رومال دونوں کے سروں پر جو میں نے ہی

جلسہ میں جاتے ہوئے دے دیئے تھے۔ دو تین فقرے نقل کراتا ہوں۔ (کسی نے کہا) ان مولویوں کا بھی کچھ تک نہیں، دو خوبصورت لونڈے دیکھے تھے لونڈیاں ہی حوالہ کردیں، (کسی نے کہا) بمبئی کے سیٹھوں کے لونڈے جلسہ میں آئے تھے پیسے والا دیکھ کر لڑکیاں ہی دے دیں۔

(اسی سلسلہ میں آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ نکاح) چوں کہ خاندان کی روایات کے خلاف تھا، اس لیے کاندھلہ میں بھی چہ میگوئیاں بہت ہوئیں۔ ایک صاحب کا فقرہ مجھے پہنچا کہ زکریا نے اپنی بھی ناک کاٹ دی اور ہم سب کی بھی۔ میں نے اس کا جواب اہتمام سے بھیجا کہ میری تو کٹی نہیں اور قاصد سے کہا کہ تو بھی ہاتھ لگا کر دیکھ لے اور کہہ دیجئے کہ میں دیکھ آیا ہوں اُس کی تو کٹی نہیں اوروں کی مجھے خبر نہیں۔

آگے حضرت شیخ نے اپنی دوسری متعدد صاحبزادیوں کی شادیوں کا ذکر فرمایا ہے اور خود اپنے نکاح ثانی کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ صرف اسی کے سلسلہ کی بعض دلچسپ اور سبق آموز باتیں ذیل میں نقل کی جارہی ہیں۔ فرماتے ہیں۔

میں نے اپنی پہلی اہلیہ مرحومہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی سے بہت ہی شدت سے انکار کردیا تھا۔ ۲۰۔ ۲۵ جگہوں سے بہت ہی تقاضے ہوئے جن میں بعض کے متعلق حضرت مدنی نے بھی سفارش فرمائی اور ایک کے متعلق تو حضرت رائے پوری قدس سرہٗ بہت اہتمام سے تشریف لائے مگر میں اپنی معذوریوں اور اس وجہ سے کہ ادائے حقوق نہیں کرسکتا، شدت سے انکار کرتا رہا۔ لیکن جب چچا جان نور اللہ مرقدہٗ نے ہمشیرہ مولوی محمد یوسف کے متعلق فرمایا (جن کی خاندان ہی میں دوسری جگہ نسبت ہوچکی تھی اور چچا جان نے میرے بارے میں ارادہ ظاہر فرما کر ان لوگوں سے اجازت لی تھی) تو مجھے انکار کی گنجائش نہیں رہی اور میں نے عرض کیا کہ پھر نکاح پڑھتے جایئے۔ انھوں نے کہا کہ تغیر زوج کی وجہ سے

استیمار کی ضرورت ہے۔ میں دو تین دن میں خط لکھ دوں گا اس پر
چلے آنا۔"

آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے کسی کو ساتھ لے جانے کا ارادہ نہیں کیا اور نہ کسی کو اطلاع دی۔ لیکن حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ کو کسی طرح اطلاع ہو گئی اور حضرت، ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ بروز پنجشنبہ مطابق ۱۷؍ جون ۱۹۳۷ء علی الصباح خود سہارنپور تشریف لے آئے اور دہلی ساتھ چلنے پر اصرار فرمایا۔ سہارنپور سے دن کے ۱۰ بجے دہلی جانے والی ٹرین سے سفر کا پروگرام تھا۔ جب اسٹیشن پہنچے تو اچانک حضرت مدنی قدس سرہٗ اپنے قدیمی وطن ٹانڈہ سے تشریف لے آئے، آپ کے ساتھ اہل و عیال بھی تھے، آپ کو بھی اسی ٹرین سے دیوبند جانا تھا، اسٹیشن ہی پر ملاقات ہوئی، حضرت رائے پوری قدس سرہٗ نے حضرت مدنی کو بتلایا کہ یہ سفر شیخ کے نکاح کے سلسلے میں ہو رہا ہے۔ آگے حضرت شیخ بیان فرماتے ہیں۔

> حضرت مدنی قدس سرہٗ نے حضرت رائے پوری کے ہاتھ چچا جان کے پاس پیام بھیجا کہ مولوی الیاس سے کہہ دیں کہ نکاح میں پڑھوں گا، میرے بغیر نکاح نہ ہوگا، میں تو اسی گاڑی سے چلتا مگر مستورات بھی ساتھ ہیں ان کو (دیوبند) اتار کر اگلی گاڑی سے آجاؤں گا۔ میں نے اوّل تو رد کیا کہ حضرت تکلیف نہ فرماویں، ایک ڈانٹ پڑی میں آپ سے نہیں کہہ رہا ہوں، مولوی الیاس کے پاس پیام بھیج رہا ہوں کہ نکاح میں پڑھوں گا۔ (آگے حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت مدنی اس ٹرین سے دیوبند کے اسٹیشن پر آ گئے، پھر اپنے پروگرام کے مطابق دہلی تشریف لے آئے۔) اور اگلے روز بعد نماز جمعہ اس سیہ کار کا نکاح مہر فاطمی پر پڑھایا زکریا نے عرض کیا کہ مہر فاطمی مجمل ہے اور مختلف فیہ بھی ہے۔ سکہ رائج الوقت سے اس کی تعیین فرمائی جائے۔ حضرت نے (از راہ تفریح) نہایت تبسم سے اور زور سے فرمایا کہ دولھا شرمایا کرتے ہیں چپ رہ میں نے

عرض کیا کہ دین کے معاملہ میں حیا نہیں، یہ مسئلہ کی بات ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ پانسو درہم، میں نے کہا کہ یہ بھی مختلف فیہ ہے۔ سکہ رائج الوقت بتلائیے۔ فرمایا کہ تقریباً ایک سو تینتیس(۱۳۳) روپے ہوتے ہیں۔ اس مناظرہ کو خواجہ حسن نظامی مرحوم نے اپنے کسی رسالہ میں جو اس وقت نکلتا تھا تفصیل سے لکھا ہے۔

شادیوں کا بیان ختم کرتے ہوئے حضرت شیخ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ۔

اس ناکارہ کے یہاں دیکھنے والوں کو سب ہی کو معلوم ہو کر مہمانوں کا ہجوم بعض اوقات دو سو ڈھائی سو تک ضرور پہنچ جاتا ہے۔ بلکہ بعض مرتبہ تو دس بارہ دیگوں کی نوبت بھی پکنے کی آئی۔ لیکن شادیوں کی مد میں ایک دفعہ بھی مجھے یاد نہیں کہ کوئی ایک دیگ پکوائی ہو۔

"آپ بیتی نمبر۳" کے انتخاب و تلخیص کا کام اِن سطروں پر ختم ہوگیا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

انتخاب آپ بیتی نمبر(۴)

"آپ بیتی نمبر۴" کا پہلا عنوان ہے "التحدیث بالنعمۃ" (اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات کا بیان) اس باب میں حضرت شیخ نے اپنے ان اکابر و مشائخ اور ان کی خصوصی عنایتوں اور شفقتوں کا ذکر فرمایا ہے جن کو اپنی زندگی میں پایا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہٗ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"سب سے پہلا دور قطب عالم حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا دیکھا، میری عمر ڈھائی برس کی تھی جب گنگوہ حاضر ہوا۔ اور آٹھ برس کی تھی جب حضرت قدس سرہٗ کا وصال ہوا"

اس کے آگے حضرت شیخ نے اپنے بچپنے کے اس دور کی اپنی شوخیوں اور حضرت قدس سرہٗ اور حضرت کے خصوصی خدام کی غیر معمولی عنایتوں اور شفقتوں کے کچھ واقعات اور اس بارگاہ کے بعض مناظر کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے بعد حضرت شیخ نے اپنے شیخ و مرشد حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ کی عنایتوں اور شفقتوں کا ذکر خاصی تفصیل سے فرمایا ہے۔ ناظرین ایک دو واقعے یہاں بھی پڑھ لیں۔

"ایک مرتبہ حضرت کی غایت شفقت اور میری کثرت حاضری کو دیکھ کر ایک صاحب نے حضرت قدس سرہٗ سے میرے سامنے پوچھا کہ یہ حضرت کے صاحبزادے ہیں؟ تو حضرت قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ یہ بیٹے سے بڑھ کر ہیں" (اسی سلسلہ میں آگے یہ واقعہ لکھا ہے)

مدینہ پاک کے قیام میں جب یہ ناکارہ بذل لکھا کرتا تھا اور صبح کی چائے کے بعد سے مسلسل چھ گھنٹے حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی، تو ایک مرتبہ یہ نابکار ناپاک، سیہ کار بذل لکھتے ہوئے نہ معلوم کن کن خرافات اور واہی تباہی خیالات میں مستغرق تھا، میرے حضرت قدس سرہٗ نے عبارت لکھواتے ہوئے نہایت تیز و تند لہجہ میں ارشاد فرمایا۔ "من بتو مشغول و تو با عمرو زید" میں حضرت کے اس ارشاد پر پسینہ پسینہ ہوگیا۔ میرا کرتا اور پاجامہ تک بھیگ گیا۔"

آگے حضرت شیخ نے حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ کی خصوصی عنایتوں، شفقتوں کے بہت سے واقعات بیان فرمائے ہیں۔ اس کے بعد اپنے اکابر میں سے حضرت شیخ الہندؒ کی عنایتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

اس سلسلے میں حضرت شیخ نے حضرت شیخ الہندؒ کے اس سفرِ حجاز سے پہلے کا جس میں آپ گرفتار کر کے مالٹا بھیجے گئے، مندرجہ ذیل واقعہ بھی بیان فرمایا ہے جو قابلِ ذکر ہے۔

"شوال ۱۳۳۳ھ سے پہلے جب ان دونوں حضرات (حضرت شیخ الہند اور حضرت سہارنپوری) کا حجاز کا سفر طے ہو رہا تھا، اس زمانے میں حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے ایک ہفتہ مستقل مدرسہ مظاہر علوم میں قیام فرمایا اور اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری اور مولانا الحاج احمد صاحب رامپوری کا قیام بھی اس زمانے میں سہارنپور ہی رہا۔ یہ چاروں حضرات صبح کی چائے کے بعد مدرسہ کے کتب خانے میں تشریف فرما ہوتے اس کی اندر کی زنجیر لگ جاتی اور کوئی شخص اندر نہیں جا سکتا تھا.... ظہر کی اذان کے قریب یہ حضرات اترتے اور جو کچھ ٹھنڈا یا گرم کھانا (ان حضرات کے انتظار میں) رکھا ہوتا، اس کو جلدی جلدی نوش فرماتے۔ اسی درمیان میں ظہر کی اذان ہو جاتی۔ نہایت اطمینان سے وضو اور فرائض اور سنتوں سے فراغ پر پھر کتب خانے میں پہنچ جاتے اور عصر کی اذان پر اترتے"... جو لوگ اجمالاً حضرت شیخ الہند کی تحریک سے واقف تھے وہ تو اجمالاً ہی کچھ سمجھے ہوئے تھے کہ کس موضوع پر گفتگو ہو رہی ہے اس وقت یہ ناکارہ تحریک کا صرف نام ہی سنے ہوئے تھا.... انہی ایام میں اعلیٰ حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کے ذمہ حضرت شیخ الہند کی غیبت میں تحریک کی سرپرستی تجویز ہوئی تھی اور حضرت سہارنپوری کا حضرت شیخ الہند کے ساتھ جانا تجویز ہوا مگر اس طرح پر کہ علٰحدہ علٰحدہ سفر ہو۔ اس لیے کہ حکومت کی نگاہ میں دونوں مخدوش تھے، خیال یہ ہوا کہ اگر ایک گرفتار ہو جائے تو دوسرا حجاز پہنچ جائے۔"

اسی سلسلۂ بیان میں حضرت شیخ نے (اہلِ درس کی اصطلاح میں دفع دخل مقدر کے طور پر) یہ بھی لکھوایا ہے کہ۔

"شیخ الاسلام حضرت مدنی نے خود نوشت سوانح میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ حضرت سہارنپوری کو اس تحریک کا تفصیلی علم مدینہ منورہ میں ہوا جب کہ حضرت شیخ الہند نے حضرت سہارنپوری اور حضرت شیخ الاسلام سے اس کا تفصیلی حال بیان کیا، مگر میرا خیال ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کو حضرت شیخ الہند نے تفصیلی احوال سنائے اور حضرت سہارنپوری چونکہ پہلے سے رازدار تھے اس لیے حضرت سہارنپوری کو بھی اس مکالمے میں شامل کیا (آگے شیخ فرماتے ہیں) اس کا بہت ہی قلق ہے کہ حضرت مدنی کی حیات میں اس پر گفتگو کرنے کی نوبت نہیں آئی، گو خیال کئی مرتبہ آیا ورنہ میں حضرت اقدس مدنی سے اس کی تفاصیل بیان کرتا، کیونکہ حضرت مدنی تو ان حضرات کے سفر حجاز سے پہلے مدینہ منورہ میں تھے اور یہ ناکارہ اس وقت سہارنپور میں تھا[1]

شیخ الحدیث نے حضرت شیخ الہند سے متعلق واقعات بیان فرمانے کے بعد مختصراً اس لطیفۂ غیبی

---

[1] جن لوگوں کے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ حضرت شیخ الہند کی تحریک میں کس قدر اور کتنی کامیاب رازداری تھی، ان کے لیے یہ بات ناقابل فہم ہو گی کہ حضرت مدنی کو مالٹا کی طویل رفاقت اور پھر رہائی کے بعد ہندستان میں بھی حضرت شیخ الہند سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ حضرت سہارنپوری بھی تحریک میں ان کے شریک و رفیق تھے ۔ اس عاجز راقم سطور (محمد منظور) نے حضرت مولانا عبید اللہ سندھی سے (جب وہ ۲۵ سالہ جلا وطنی کے بعد ہندوستان واپس آئے تھے) ایک دن تنہائی میں ایسے وقت جب کہ وہ مجھ پر بہت مہربان تھے عرض کیا تھا کہ حضرت شیخ الہند کی تحریک کے بارے میں بہت مختلف اور متضاد باتیں لوگوں سے سنی ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ سے اس کے بارے میں معلوم کروں، تو مولانا نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہند کی تحریک میں انتہائی رازداری تھی، جس سے جو کام لیا جاتا تھا اس کو بس اسی کا علم ہوتا تھا۔ مجھے بس وہی معلوم ہے جو کام حضرت نے مجھ سے لیا۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کا بھی ذکر فرمایا ہے جو پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت شیخ الہند کے وصال سے کچھ پہلے کس طرح شیخ کو حضرت کی خدمت میں پہنچایا اور پھر نماز جنازہ اور تدفین میں بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ۔

اس کے بعد شیخ نے حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ کی عنایتوں اور شفقتوں کا ذکر فرمایا ہے ۔ یہ بیان فرمانے کے بعد کہ حضرت کا مستقل معمول تھا کہ ۲۹ شعبان کو جملہ حاضرین سے مصافحہ فرما لیتے اور فرماتے کہ بس بھائی اب عید پر ملیں گے۔ رمضان مبارک میں باہر سے آنے والے اور قیام کرنے والے مسترشدین کو بھی بات چیت کا موقع بالکل نہ ملتا، بس مسجد آتے جاتے زیارت ہو جاتی، یہ حضرت قدس سرہٗ کا ایک خاص حال اور معمول تھا۔ حضرت شیخ اس کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ۔

"اس سیہ کار نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو ایک عریضہ لکھا کہ یہ ناکارہ حضرت والا کی خدمت میں رمضان گزارنا چاہتا ہے، حضرت نے ازراہ شفقت تحریر فرمایا کہ رمضان کہیں آنے جانے کا نہیں ہوتا اور نہ ملنے کا، اپنی جگہ پر یکسوئی سے کام کرتے ہو ۔۔ اس گستاخ نے دوبارہ خط لکھا کہ صرف اخیر عشرہ کی اجازت مرحمت فرما دیں، اس کا جو جواب آیا وہ اتفاق سے میرے کاغذات میں مل گیا جس کو تبرکاً بعینہٖ نقل کرتا ہوں "

"برخوردار مولوی زکریا سلمہٗ اللہ ۔ از احقر عبدالرحیم ۔ بعد سلام مسنون

(بقیہ حاشیہ) حضرت اور کن کن لوگوں سے کیا کیا کام لیتے تھے ۔ مولانا سندھی مرحوم نے اس سلسلہ میں تحریک کی رازداری کے بعض انتہائی حیرت انگیز واقعات اس عاجز کو سنائے ۔ الغرض تحریک کی اس رازداری کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ حضرت مدنی سے بھی اس کا ذکر نہ فرمایا گیا ہو کہ حضرت سہارنپوری بھی اس کام میں شریک و رفیق ہیں اور اس وجہ سے یہ بات اُن کے علم میں نہ آئی ہو ۔۔ خفیہ خطرناک تحریکوں کا یہی طریقہ کار ہوتا ہے ۔

ودعا۔ تمہارا خط پہنچا، مضمون معلوم ہوا، جو سبب شروع ماہ مبارک میں عدم قیام کا ہے وہ اخیر ماہ میں بھی موجود ہے۔ باقی تم اور تمہارے اباجان زبردست ہو، ہم غریبوں کی کیا چل سکے، یہ تمہاری زبردستی ہی ہے کہ اس وقت ماہ مبارک میں تم کو جواب لکھوا رہا ہوں، باقی جو ذکر و شغل حضرت مولانا سلمہ نے تلقین فرمایا ہے وہی کرنا چاہیئے۔ عائشہ کو دعا، تمہاری والدہ مکرمہ کی خدمت میں سلام۔ بخدمت جناب مولانا مولوی یحییٰ صاحب السلام علیکم راقم عبدالرحیم از رائے پور

واقعہ یہ ہے کہ حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ کا رمضان المبارک میں شیخ کے خط کا جواب دینا اور اجازت مرحمت فرمانا غیر معمولی عنایت و شفقت کی بات تھی۔ حضرت کے ہاں ماہ مبارک میں خط و کتابت کا سلسلہ بھی بالکل بند رہتا تھا۔ شیخ نے حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ کے ساتھ اپنے قلبی تعلق اور حضرت کی عنایتوں شفقتوں کے اور بھی متعدد واقعات لکھے ہیں۔ اس کے بعد حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

" اعلیٰ حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کا زمانہ بہت پایا اور حضرت کی شفقتیں بھی بے پایاں "۔

آگے شیخ نے ذکر فرمایا ہے کہ " بذل المجہود " مولانا شبیر علی صاحب تھانوی کے مطبع میں تھانہ بھون طبع ہوتی تھی، اس کے سلسلہ میں مجھے بار بار تھانہ بھون جانا اور کئی کئی دن قیام کرنا ہوتا تھا اور کام کا نظام اور پروگرام ایسا تھا کہ ظہر سے عصر تک جو حضرت حکیم الامت کی مجلس کا وقت ہوتا تھا میں اس وقت خانقاہ ہی میں دوسری طرف بذل کے پروف دیکھتا تھا۔ فرماتے ہیں۔

" مجھے اس کا بڑا قلق رہتا تھا کہ تھانہ بھون رہتے ہوئے بھی حضرت کی خدمت میں حاضری کا وقت نہیں ملتا۔ میں نے ایک مرتبہ بہت قلق کے ساتھ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے عرض کیا کہ لوگ تو بہت دور دور

سے حاضر ہوتے ہیں لیکن یہ ناکارہ یہاں رہ کر بھی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ میرے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے ایسا جواب مرحمت فرمایا کہ میری مسرت کے لیے مرنے تک کافی ہے۔ حضرت نے فرمایا " مولوی صاحب اس کا آپ بالکل فکر نہ کیجئے، آپ اگرچہ میری مجلس میں نہیں ہوتے مگر میں ظہر سے عصر تک آپ ہی کی مجلس میں رہتا ہوں، میں بار بار آپ کو دیکھتا رہتا ہوں اور رشک کرتا ہوں کہ کام تو یوں ہوتا ہے۔ میں آپ کو ظہر سے عصر تک اپنے اوراق سے سر اٹھاتے نہیں دیکھتا۔"

حضرت شیخ الحدیث نے اپنے حضرات اکابر کے تذکرہ کے اس سلسلہ میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے بعد حضرت مدنی قدس سرہٗ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کو اس ناکارہ پر شفقت و محبت اس وقت سے ہے جب کہ اس ناکارہ کی عمر ۱۲ سال سے بھی کم تھی، ۱۳۲۷ھ میں حضرت مدنی قدس سرہٗ نے تقریباً دو ماہ قیام گنگوہ شریف کیا تھا اور مسلسل روزے رکھتے تھے (آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ روزانہ افطار حضرت ہمارے ہاں کرتے تھے اور میری والدہ مرحومہ کئی طرح کی افطاری ان کے لیے تیار کرتی تھیں جب افطار کا وقت قریب آتا تو میں دروازہ پر کھڑا ہو جاتا اور جب تشریف لاتے دیکھتا تو آجاؤ، تشریف لے آؤ کا شور مچاتا۔)

حضرت شیخ نے حضرت مدنی کی شفقتوں عنایتوں اور بے تکلفیوں کے واقعات کا تذکرہ بڑی تفصیل سے قریباً چالیس صفحات پر کیا ہے، ان میں سے دو چار ناظرین یہاں بھی پڑھ لیں فرماتے ہیں۔

"ایک مرتبہ گرمیوں کا زمانہ تھا اور میں دوپہر کو اپنے گھر کے دروازے میں سویا کرتا تھا، میں سونے کے لیے لیٹا تھا، سرہانے کی طرف سر اٹھا کے دیکھا تو حضرت مدنی کھڑے ہیں، میں نے جلدی سے اٹھ کر مصافحہ کیا اور

پہلا سوال یہ تھا کہ حضرت کھانا؟ ارشاد فرمایا کہ اگر کھانا کھا لیتے تو تمھارے یہاں کیوں آتے۔ حضرت کے پیچھے حضرت علامہ ابراہیم مرحوم اور نائب مہتمم مولانا مبارک علی صاحب مرحوم اور ان حضرات کے علاوہ بھی ۹ حضرات تھے۔ میں ننگے پاؤں اندر گیا اور بچیوں سے کہا کہ حضرت کئی آدمیوں کے ساتھ آگئے ہیں کچھ کھانے کو ہے؟ انھوں نے کہا کہ نہ روٹی کا کوئی ٹکڑا نہ سالن، جس کی وجہ یہ تھی کہ عین کھانے کے وقت ۸-۱۰ مہمان بغیر اطلاع کے آگئے تھے اس لیے کچھ نہیں رہا تھا، اللہ جل شانہ میری ہر دو بیویوں اور سب بچیوں کو بہت ہی جزائے خیر دے، مہمانوں کے سلسلے میں اُن سے بہت ہی راحت پہنچی۔ تیس چالیس مہمانوں کا کھانا آدھ پون گھنٹے میں تیار کر دینا ان کے یہاں معمولی بات رہی، بشرطیکہ گھر پر کئی ہوں۔ میں نے کہا جلدی سے ایک آٹا گوندھے اور ایک جلدی سے دیگچی میں مصالحہ بھونے، میں باہر ننگے پاؤں گیا، حضرت مدنی کی کرامت کہ سڑک پر پہنچتے ہی میں نے دیکھا کہ میرا قدیمی قصاب کرم الٰہی جو میرے یہاں گوشت لاتا ہے، بہت دور آہستہ آہستہ آرہا ہے۔ میں ننگے پاؤں اس کی طرف بھاگا اور اس کو آواز دی جلدی آؤ، وہ جلدی سے آیا، میرے سوال پر اس نے کہا کہ گوشت بھی ہے اور قیمہ بھی ہے میں نے کہا کہ جلدی سے مجھے قیمہ دے دے، میں نے دونوں ہاتھوں میں سارا قیمہ جو تین سیر کے قریب رہا ہوگا، لیا اور گھر آکر اُس پتیلی میں ڈال دیا جس میں مصالحہ بھن رہا تھا، تین بچیاں روٹی پکانے کے لیے بیٹھ گئی تھیں۔ ایک گوشت بھون رہی تھی۔ میں نے باہر آکر شور مچایا کہ کسی نے دسترخوان نہیں بچھایا، بھائی دسترخوان بچھاؤ، ہاتھ دھلاؤ، سب کے ہاتھ دھلانے اور دسترخوان بچھانے میں دو تین منٹ لگ گئے، میں اندر گیا تو دس بارہ روٹی تیار ہو چکی تھیں اور قیمہ بھی نیم برشت ہو چکا تھا،

میں جلدی سے تین رکابیوں میں سالن لایا اور تین جگہ روٹیاں رکھیں۔
علامہ ابراہیم مرحوم جو معقول کے امام تھے فرمانے لگے کیا آپ کو ہمارے آنے کا پہلے سے علم تھا یا آپ کو کشف ہوگیا تھا ؟ میں نے کہا کہ جناب کے یہاں بیٹھنے کے بعد یہ گوشت قصاب سے خریدا گیا ہے۔ فرمانے لگے یہ بات عقل میں نہیں آتی، میں نے کہا ہر بات معقول نہیں ہوتی، کچھ باتیں عقول سے بالاتر بھی ہوتی ہیں۔ حضرت مدنی نے علامہ سے فرمایا کہ مناظرہ نہ کرو، جلدی سے کھالو دیر ہو رہی ہے، ان کے یہاں تو یہ قصے چلتے ہی رہتے ہیں۔ (آگے شیخ فرماتے ہیں) اتنا مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت مدنی قدس سرہ کے دروازہ میں مصافحہ کے وقت سے گیارہویں منٹ پر دستر خوان بچھ گیا تھا۔ (آگے شیخ نے فرمایا ہے کہ حضرت مدنی قدس سرہٗ کے صرف کھانے ہی کے مد کی شفقتیں اور واقعات اگر گنواؤں تو ان کا احاطہ بھی دشوار ہے ـــــ بار بار اس کی نوبت آئی کہ حضرت تشریف لائے اور میں سبق میں تھا، حضرت نے دروازے پر کسی بچہ کو آواز دے کر فرمایا کہ حسین احمد کا سلام کہدو اور کہدو کہ جو کھانے کو رکھا ہے جلدی بھیج دو، گاڑی کا وقت قریب ہے اور جب اندر سے بچیوں کی یہ آواز سنتے کہ ابا جی کو مدرسہ سے جلدی سے بلا لاؤ، تو حضرت للکار کے فرماتے کہ مجھے ابا جی کی ضرورت نہیں ہے کھانے کی ضرورت ہے، اگر ہو تو بھجوا دو ورنہ میں جارہا ہوں، کئی دفعہ اس کی نوبت آئی کہ میرے آنے تک حضرت کھانا شروع فرما دیتے یا تناول فرما لیتے تھے اور فرماتے کہ آپ کا آپ کے گھر والوں نے حرج کیا ہے میں نے نہیں بلوایا۔

حضرت شیخ نے اپنے ساتھ حضرت مدنی قدس سرہٗ کے قلبی تعلق اور خاص محبت و شفقت کے واقعات نقل فرماتے ہوئے ایک یہ واقعہ بھی بیان فرمایا ہے۔
حضرت قدس سرہٗ کا معمول گرمی ہو یا سردی اگر شب کو سونے کی نوبت آتی

تو کچے گھر ہی میں سونے کا تھا (جو مکان کی تنگی اور اس زمانے میں بجلی کا پنکھا نہ ہونے کی وجہ سے گرمی کے موسم میں بہت تکلیف کا باعث ہوتا تھا) میں بہت ہی اصرار کرتا کہ مدرسہ کی چھت پر بہت اچھی ہوا آئے گی منت خوشامد کرتا، لیکن حضرت فرماتے کہ مجھے جیل کی کوٹھریوں کی عادت ہے۔

ایک دفعہ حضرت قدس سرۂ اوران کے ساتھ مولانا عزیز گل اور دو اور مہمان مغرب کے وقت تشریف لائے، علی الصباح گنگوہ جانا تھا، میں نے عرض کیا کہ گرمی بڑی شدید ہے، برسات کا زمانہ ہے، آج تو مدرسہ کی چھت پر پڑے کرے میں چارپائیاں بچھوادوں ـــ حضرت نے فرمایا کہ میں تو کچے گھر ہی میں سوؤں گا۔ ان لوگوں کے لیے بچھوا دیجیے۔ میں نے مولانا عزیز گل صاحب سے پوچھا کہ آپ کی وہاں چارپائیاں بچھوادوں؛ (جو مولانا موصوف سے مل چکا ہوگا وہ ان کے طرز گفتگو سے واقف ہوگا) کہنے لگے کہ ہم بھی وہیں مریں گے جہاں یہ مرے گا۔

حضرت مدنی کے واقعات کے سلسلہ میں حضرت شیخ نے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا ہے۔ جب حضرت (تحریک خلافت کے دور میں) کراچی جیل سے تشریف لائے، اس وقت کا یہ منظر ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رہے گا کہ حضرت مرشدی (حضرت سہارنپوری) قدس سرۂ مکان تشریف لے جارہے تھے اور حضرت مدنی اسٹیشن سے تشریف لارہے تھے۔ مدرسہ قدیم کی مسجد کے دروازے پر آمنا سامنا ہوا۔ حضرت مدنی قدس سرۂ حضرت مرشدی قدس سرۂ کے ایک دم قدموں میں گر پڑے۔ حضرت سہارنپوری قدس سرۂ نے جلدی سے پاؤں پیچھے کو ہٹا کر سینہ سے لگایا اور طرفین کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔

حضرت شیخ نے اپنے اکابر کے سلسلہ میں حضرت مدنی قدس سرۂ کے تذکرہ کے بعد حضرت شاہ یٰسین نگینوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرمایا ہے جو حضرت گنگوہی قدس سرۂ کے خلفاء میں تھے۔ شیخ فرماتے ہیں۔

بہت ہی شفقت فرماتے تھے، بہت اہتمام سے اس سیہ کار کے سبق میں
تشریف لے جاتے اور انتہائی ادب سے نیچی نگاہ کیے ہوئے تشریف رکھتے
میرے اصرار پر میرے قریب تشریف فرما ہوتے۔ اس وقت ان کی ایک
کرامت یاد آگئی۔ میری ایک بری عادت یہ بھی تھی کہ جب سبق میں جاتا تو ڈبہ
ہوا میرے ساتھ ہوتا اور سبق کے دوران میں بھی پان کھاتا رہتا تھا،
ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یوں ارشاد فرمایا کہ میں
پان کھانے کو تو منع نہیں کرتا۔ آپ سبق کے دوران میں نہ کھایا کریں۔
اس دن سے تقریباً بیالیس سال ہوئے مجھے یاد نہیں کہ سبق کے دوران
پان کھایا ہو، سبق میں با وضو ہونے کا اہتمام تو ہمیشہ رہا، مجھے یاد نہیں
کہ حدیث کا سبق کبھی بے وضو پڑھایا ہو، لیکن شاہ صاحب کے اس ارشاد
کے بعد سے سبق کو جاتے ہوئے ہمیشہ بہت اہتمام سے کلی کر کے جاتا تھا۔"

حضرت شاہ یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر تذکرہ کے بعد مرشدنا حضرت مولانا شاہ عبدالقادر
رائے پوری قدس سرہٗ کے قلبی تعلق اور عنایتوں شفقتوں کا خاصی تفصیل سے ذکر فرمایا ہے
اس سلسلہ کے ایک دو واقعات ناظرین یہاں بھی پڑھ لیں۔ فرماتے ہیں۔

بارہا اس کی بھی نوبت آئی کہ میں بلا اطلاع حاضر ہوا اور حضرت نوراللہ مرقدہٗ
نے بلا کسی تحریک کے یہ فرمایا کہ بھائی شیخ آرہے ہوں گے، خیال رکھیو
مجھے وہاں پہنچ کر یہ بات معلوم ہوتی تھی۔"

حضرت رائے پوری قدس سرہٗ سے متعلق ایک واقعہ یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ ۱۳۴۵ھ میں مدینہ
منورہ میں

جب حضرت مرشدی قدس سرہٗ نے اس ناکارہ کو اجازت مرحمت فرمائی
تو حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ وہاں ہی تھے میں نے حضرت کے پاؤں
پکڑے تھے کہ اللہ کے واسطے اس کا اظہار نہ فرماویں اور یہ کوئی تصنع نہیں
تھا۔ اللہ کی قسم مجھے اب تک شرح صدر نہیں ہے، کیونکہ میری حالت واقعی

اس قابل نہیں ہے مگر حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی جوابدہی کے ڈر سے اب تک بیعت کر رہا ہوں (راقم سطور عرض کرتا ہے کہ حضرت شیخ بیعت اپنی طرف سے نہیں بلکہ اپنے مرشد قدس سرہٗ کی طرف سے لیتے تھے)
اس موقع پر شیخ نے اپنے بیعت کرنے کی ابتداء کا یہ واقعہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ۔
"ایک مرتبہ کاندھلہ جانے پر وہاں کی مستورات چچا جان کے سر ہوگئیں کہ آپ حکماً اس سے بیعت کرادیں، میں مسجد میں تھا، چچا جان نے مجھے بلوایا، وہ بعض مرتبہ چچا جان ہونے کا حق ادا کرنے کے واسطے ضرورت سے زیادہ ڈانٹ دیتے تھے، جب میں گھر میں پہنچا تو چچا جان نے غصہ کا منہ بنا رکھا تھا سب مستورات کو کوٹھے میں جمع کر رکھا تھا، اپنے سر مبارک پر سے عمامہ اتارا اس کا ایک کونہ میرے ہاتھ میں پکڑایا اور دوسرا دروازے میں ان عورتوں کو پکڑایا اور نہایت غصہ میں فرمایا کہ ان کو بیعت کر، میں نے کچھ اوں آں کرنی چاہی ایک ڈانٹ اور پلائی بیعت کر، یہ اس سیہ کار کے بیعت کرنے کی ابتداء ہے۔"
شیخ نے حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کا ایک یہ واقعہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ۔
ایک دفعہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے رائے پور میں ارشاد فرمایا کہ میرا جی یوں چاہتا ہے کہ تو مجھے اجازت بیعت دے دے تاکہ حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ کی نسبت سے بھی مجھے کچھ مل جائے۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر دست بوسی کے بعد عرض کیا کہ حضرت توبہ توبہ! ایسی بات فرمادیں۔ حضرت مولانا احمد الدین رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف رکھتے تھے، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ اجازت نہیں دیتے تو آپ ان کو اجازت دے دیں تاکہ ان کے سلسلہ میں آپ کی شرکت ہو۔ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا، میری طرف سے بڑی خوشی سے اجازت ہے۔

حج کے اسفار :

حضرت شیخ الحدیث نے اس آپ بیتی نمبر ۴ میں "التحدیث بالنعمۃ" کے زیر عنوان اپنے اکابر و مشائخ کی عنایتوں اور شفقتوں کے تذکرے کے بعد ۱۳۸۹ھ تک کے (یعنی وفات سے ۱۲ سال پہلے تک کے) اپنے حج کے سفروں کا خاصی تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ پہلا سفر حج ۱۳۳۸ھ میں ہوا تھا، دوسرا ۱۳۴۴ھ میں (جس کا ذکر کسی قدر تفصیل سے پہلے آچکا ہے)۔ تیسرا حج اس سفر سے واپسی میں ہوا تھا۔ پھر چوتھا حج حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے اصرار پر ان کے ساتھ ۱۳۸۴ھ میں ہوا۔ اس کے بعد پانچواں حج حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کے ساتھ ۱۳۸۶ھ میں ہوا۔ اس کے بعد ۱۳۸۹ھ کے اوائل میں حضرت شیخ نے مدینہ منورہ میں طویل قیام کی نیت سے حجاز مقدس کا سفر فرمایا، قریباً ۸-۹ مہینے قیام رہا۔ حضرت شیخ نے ان سب اسفار کی پوری تفصیلات لکھائی ہیں ۱۳۸۹ھ والے سفر کا ذکر شروع فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> دعا کی تھی کہ یہ سفر سہارنپور سے مدینہ منورہ تک بنیتِ صوم باوضو پورا ہوجائے، اللہ نے اپنے فضل سے پورا فرمادیا، ورنہ پیشاب کی کثرت سے ہوائی جہاز میں بہت فکر تھی کہ پیشاب کے بعد معًا وضو کرنے میں بھی نہ معلوم کتنے میل گزر جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا، انعام فرمایا احسان فرمایا۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ

اسی سفر کے سلسلہ میں آگے فرمایا ہے کہ۔

> روزوں کا سلسلہ سہارنپور سے شروع ہوگیا تھا اور باوجود سفر اور گرمی کے کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی جو صرف اللہ کا احسان و کرم و فضل تھا۔ ۸ مئی سے صِیَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ (دو مہینے کے متواتر اور مسلسل روزوں) کی نیت کرلی اور احباب و اکابر کے شدید اصرار کے باوجود خیبر کے سفر (۱۲ر جولائی) تک اس کا سلسلہ رہا۔

اسی سفر کے سلسلہ میں شیخ نے آگے یہ بھی فرمایا ہے کہ۔

اللہ تعالیٰ کے احسانات متزائدہ میں جو اس سفر میں روز افزوں رہے ایک فضل و احسان یہ بھی رہا کہ اس سفر کے جملہ تبلیغی اجتماعات میں خیبر، ینبوع، طائف، مکہ، جدہ وغیرہ میں اس ناکارہ کی شرکت رہی۔

حضرت شیخ نے حجاز مقدس کے اپنے اسفار کا تذکرہ جیسی تفصیل سے کیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو اس تذکرہ میں غیر معمولی لذت آرہی ہے، بالخصوص ۹۳ھ والے سفر اور قریبًا ۸-۹ مہینے کے قیام کا تذکرہ تو اس طرح فرمایا ہے کہ کسی درجہ میں پورے سفر کا روزنامچہ سامنے آجاتا ہے۔

"آپ بیتی ۷" اسفار حج کے تذکرہ پر ختم ہوجاتی ہے۔

انتخاب آپ بیتی نمبر ۸

"تقسیم ہند" آپ بیتی نمبر ۸ کا یہی پہلا عنوان ہے۔

ملک کی تقسیم اور پاکستان کے قیام پر ۳۶ برس گزر چکے ہیں، اُس وقت جو کچھ ہوا تھا اور خاص کر مشرقی پنجاب اور دہلی اور اس کے قرب و جوار میں مسلمانوں پر اور اسی طرح دوسری طرف مغربی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں پر جیسی قیامت برپا ہوئی تھی کسی تحریر یا تقریر و بیان سے اُس کی ایسی منظر کشی نہیں کی جاسکتی جس کو پڑھ کر یا سن کر بعد کے لوگ بھی اس کو صحیح طور پر محسوس کرسکیں۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا وصال ملک کی تقسیم سے تین سال پہلے رجب ۱۳۶۳ھ (جولائی ۱۹۴۴ء) میں ہوا تھا، اس کے بعد سے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی خواہش پر حضرت شیخ الحدیث کا یہ معمول ہوگیا تھا کہ رمضان المبارک میں قیام تبلیغی کام کے مرکز

نظام الدین کی مسجد میں ہوتا تھا اور پورے مہینے کا اعتکاف فرماتے تھے۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو جب ملک کی تقسیم عمل میں آئی تو رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کی ستائیسویں تاریخ تھی، حضرت شیخ اپنے معمول کے مطابق نظام الدین کی مسجد میں معتکف تھے، تراویح میں قرآن پاک بھی اسی رات میں ختم ہوا تھا۔ حسن اتفاق سے یہ عاجز راقم سطور بھی ان دنوں وہیں مقیم تھا۔ حضرت شیخ کی بڑی صاحبزادی (حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ مرحومہ) سخت علیل تھیں، دق کا آخری درجہ تھا، گویا مرحومہ کی زندگی کے آخری ایام تھے (کچھ ہی مدت کے بعد انتقال بھی فرماگئیں جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے) بہرحال ان کی اس علالت کی وجہ سے حضرت شیخ کے گھر کی تمام مستورات کا بھی نظام الدین ہی میں قیام تھا۔ ملک کی تقسیم کے ساتھ ہی پہلے مشرقی اور مغربی پنجاب میں اور پھر دوسرے علاقوں میں بھی قیامت برپا ہونی شروع ہوگئی اور عید کے چند ہی روز بعد دہلی اور اس کے اطراف میں کشت وخون اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوگیا اور لوگ اپنے گھر بار اور بعضے اپنے بچوں تک کو چھوڑ کے پاکستان منتقل ہونے لگے۔ حضرت شیخ اس صورتحال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> "قرآن شریف اور حدیث پاک میں قیامت کا جو منظر پڑھا تھا "يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝" (ترجمہ) یاد کرو اس دن کو جس دن کہ آدمی بھاگے گا اپنے بھائی اور ماں باپ اور بیوی اور اولاد سے، اور ہر شخص کے لیے اس دن ایک خاص حالت ہوگی جس کی وجہ سے وہ ہر ایک سے بے تعلق ہوگا"___ یہ سب مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ نظام الدین (کے اسٹیشن سے) اسپیشل تبادلۂ آبادی کے سلسلہ میں روانہ ہوتا تھا.... اسپیشل کی روانگی کے بعد اتنے اتنے شیر خوار بچے اسٹیشن پر پائے گئے، جن کو ان کے ماں باپ اسٹیشن پر چھوڑ کے ریل میں سوار ہوگئے تھے۔ جب ان سے کہا جاتا کہ ان بچوں کو کہاں چھوڑ رہے ہو؟ تو نہایت بے دردی سے جواب دیتے کہ اگر صحیح سلامت پاکستان پہنچ گئے تو وہاں اور پیدا ہوجائیں گے، اس بوجھ کو کہاں

اٹھائے پھریں گے۔"

اس سلسلہ کی بہت سی تفصیلات اور نظام الدین کے اس ۳-۴ مہینے کے قیام کے غیر معمولی واقعات اور انتہائی خطرناک حالات میں خارق عادت خداوندی انعامات کا تذکرہ کرنے کے بعد حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ۔

"تین چار ماہ تک یہ مسئلہ بھی بہت معرکۃ الآرا رہا کہ پاکستان جانے والے احباب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب پر بہت ہی اصرار کرتے تھے، بعض اکابر تو روزانہ ۲۵-۳۰ ہوائی جہاز کے ٹکٹ لے کر آتے کہ مولانا محمد یوسف صاحب کو مع اُن کے گھر والوں کے لے کر جائیں، ان کا اصرار تھا کہ مسلمان بکثرت وہاں منتقل ہوگئے ہیں، اس لیے مولانا محمد یوسف صاحب کا وہاں جانا اُن کی دینی اصلاح کی خاطر بہت ضروری ہے۔ نیز اس وقت یہاں کی جو متزلزل (غیر یقینی) حالت تھی اور یوپی اور دہلی کا جو عام انخلا (مسلمانوں سے) ہو رہا تھا اس کی وجہ سے یہاں دینی کام کی امیدیں کم معلوم ہوتی تھیں۔ مگر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا ایک جواب تھا کہ اگر بھائی جی (یعنی حضرت شیخ الحدیث) تشریف لے جائیں گے تو میں بھی جاؤں گا ورنہ نہیں۔ ان کی وجہ سے اس سیہ کار پر بھی ہر وقت یورش رہتی کہ یہ ناکارہ بھی جلد پاکستان جانے کا فیصلہ کرے۔ اور میرا صرف ایک جواب تھا کہ میں جب تک اپنے دو بزرگوں حضرت اقدس مولانا مدنی اور مولانا رائے پوری (نور اللہ مرقدہما) سے مشورہ نہ کر لوں اس وقت تک کوئی رائے قائم نہیں کرسکتا..... اور راستے چونکہ ہر طرف کے مسدود تھے، اس لیے ان حضرات شیخین مولانا مدنی و مولانا رائے پوری (نور اللہ مرقدہما) سے مشورہ اور بات کرنے کی کوئی صورت نہ تھی.....!"

آگے حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ۔

"۲۸ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ (۱۲ نومبر ۱۹۴۷ء) کو حضرت مدنی قدس سرہٗ دیوبند سے

روانہ ہوکر شب کو مظفر نگر میں قیام فرماکر دوپہر کو بڑی دقت سے دہلی پہنچے گاندھی جی اور جواہر لال نے اس پر بہت ہی اظہار افسوس کیا کہ آپ اس قدر تکلیف اٹھا کر تشریف لائے۔ آپ اطلاع کر دیا کریں تو سرکاری فوجی ٹرک آپ کو لایا کرے گا وہی لے جایا کرے گا۔ اور اس وقت بھی ان لوگوں نے حضرت قدس سرہٗ کے لیے ایک سرکاری ٹرک تجویز کیا۔ جو حضرت کو دیوبند لے جائے۔ اور چار فوجی گورکھا ہتھیاروں سے مسلح حفاظت کے لیے اس پر مقرر ہوئے۔ حضرت قدس سرہ نے اس ناکارہ کو نظام الدین اطلاع کرائی کہ میں سرکاری ٹرک میں فوجی پہرے کے ساتھ دیوبند جا رہا ہوں تمہارے گھر کی مستورات کو اس وقت میرے ساتھ سہارنپور جانے میں سہولت رہے گی۔"

آگے حضرت شیخ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت مدنی کی تجویز کے مطابق اسی ٹرک سے مستورات کے ساتھ روانگی اور سہارنپور تشریف آوری ہوئی، اللہ تعالیٰ نے بسلامت وعافیت پہنچا دیا۔ اس کے چند روز بعد حضرت مدنی، حضرت رائے پوری (نور اللہ مرقدہما) سہارنپور میں جمع ہوئے اور پاکستان جانے نہ جانے کے بارہ میں وہ مشورہ ہوا، جس پر حضرت شیخ الحدیث نے اپنا فیصلہ محول اور معلق کر رکھا تھا۔ اس مجلس مشورہ کی روئداد حضرت شیخ نے اس طرح بیان فرمائی ہے۔

"بعد مغرب کچے گھر میں یہ سیہ کار اور دونوں اکابر مشورہ کے لیے جمع ہوئے اور اس کی ابتدا حضرت رائے پوری نے اس عنوان سے کی کہ حضرت! (خطاب حضرت مدنی کو تھا) اپنے سے تعلق رکھنے والے تو سارے مشرقی اور مغربی پنجاب کے تھے اور حضرت قدس سرہٗ (حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری) کے متعلقین بھی زیادہ تر ان ہی دو جگہ کے تھے۔ مشرقی تو سارا مغربی کی طرف منتقل ہوگیا۔ ان سب حضرات کا بہت اصرار ہو رہا ہے کہ میں بھی پاکستان چلا جاؤں .... اور یہ بھی حضرت نے فرمایا کہ میرا تو مکان (یعنی آبائی وطن)

بھی مغربی میں ہے اوران سب مظلومین کی دلداری بھی اسی میں ہے۔
شروع رمضان ہی سے ان کا اصرار ہو رہا ہے مگر آپ دونوں حضرات کے
مشورہ پر میں نے معلق کر رکھا ہے۔ یہاں تو پھر بھی اللہ کے فضل سے اہل اللہ
ہیں مگر وہاں اللہ اللہ کرنے والوں کا سلسلہ تقریباً ختم ہو گیا۔ کچھ شہید
ہو گئے، کچھ اُجڑ گئے، (شیخ فرماتے ہیں) اور تقریباً حضرت کی گفتگو کا رُخ
یہ تھا کہ (میرا) وہاں قیام ضروری ہے۔ اس سب کو سن کر حضرت مدنی نے
ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور آبدیدہ ہو کر فرمایا۔ "ہماری اسکیم تو فیل ہو گئی،
ورنہ تو یہ قتل و غارت ہوتا اور نہ یہ تباد لۂ آبادی ہوتا۔ (شیخ فرماتے ہیں)
حضرت مدنی کا (یعنی جمعیۃ العلماء کا) فارمولا یہ تھا کہ صوبے سب آزاد ہوں،
داخلی امور میں خود مختار، خارجی امور، فوج، ڈاک ریل وغیرہ مرکز کے
تحت مرکز میں ہندو مسلم برابر ۴۵-۴۵ اور ۱۰ باقی اقلیتیں۔ گاندھی جی
نے تو اس کو منظور کر لیا تھا مگر مسٹر جناح نے انکار کر دیا۔ حضرت (مدنی)
قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر ہماری تجویز مان لیتے تو نہ کشت و خون کی نوبت
آتی نہ تبادلۂ آبادی کی۔ اب میں تو کسی کو جانے سے نہیں روکتا۔ اگرچہ
میرا وطن مدینہ ہے اور محمود[1] وہاں بلانے پر اصرار بھی کر رہا ہے مگر ہندوستانی

---

[1] اس سے مراد مولانا سید محمود مدنی ہیں، یہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے چھوٹے بھائی تھے، حضرت مدنی اُن کو بس "محمود" ہی کہا کرتے تھے، یہ حجاز میں ترکی حکومت کے زمانے میں بھی سرکاری افسر تھے پھر سعودی حکومت کے دور میں بھی بہت باوقار رہے۔ مدینہ منورہ کے رئیس اعظم تھے، انھوں نے بار بار حضرت مولانا مدنی کو لکھا کہ آپ اجازت دیں تو میں آپ کو اور سب گھر والوں کو لینے کے لیے ہوائی جہاز لے کر آجاؤں لیکن حضرت مدنی ہندوستانی مسلمانوں کو ان حالات میں چھوڑ کر جانے پر آمادہ نہیں ہوئے اور زندگی کے باقی دس سال ہندوستانی مسلمانوں کی دینی تعلیم و تربیت میں مشغول رہ کر گزارے۔ حضرت کی وفات کا تذکرہ پہلے کسی قدر تفصیل سے گزر چکا ہے۔ مولانا سید محمود صاحب نے بھی اب سے چند ہی سال پہلے مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین۔ ۱۲ نعمانی

مسلمانوں کو اس بے سروسامانی اور دہشت اور قتل و غارت گری
میں چھوڑ کر میں نہیں جا سکتا اور جس کو اپنی جان اور عزت
و آبرو، یہاں کے مسلمانوں پر نثار کرنی ہو وہ یہاں ٹھیرے،
اور جس کو تحمل نہ ہو وہ ضرور چلا جائے۔ (شیخ فرماتے ہیں) حضرت
قدس سرہٗ کے اس ارشاد پر میں جلدی سے بول پڑا کہ میں تو حضرت
ہی کے ساتھ ہوں۔ حضرت اقدس رائے پوری نے فرمایا کہ تم دونوں
کو چھوڑ کر تو میرا بھی جانا مشکل ہے۔"

اس طرح ان تینوں حضرات کا ہندوستان کے قیام پر اتفاق ہو گیا۔ آگے شیخ
فرماتے ہیں کہ۔

"میں نے تو اس گفتگو کو کسی سے نقل نہیں کیا اور ان حضرات سے
بھی اس کی توقع نہیں۔ لیکن عشاء کی نماز پڑھتے ہی ہر شخص کی زبان
پر تھا کہ اکابر ثلاثہ کا فیصلہ یہاں رہنے کا ہو گیا۔ اور پھر انہی دونوں
بزرگوں کی برکت تھی اور اصل تو اللہ تعالیٰ ہی کا انعام و احسان تھا کہ
ایک دن پہلے تک جو لوگ تشویش میں تھے وہ اگلے دن
اطمینان کی سی باتیں کر رہے تھے۔"

واقعہ یہ ہے کہ ۳۵-۳۶ سال گزر جانے کے بعد اب کسی کو بھی یہ اندازہ کرنا مشکل
بلکہ قریباً ناممکن ہے کہ ان تینوں بزرگوں کے اس فیصلے نے ہندوستانی مسلمانوں کے
یہاں قیام کے مسئلہ پر کیا اثر ڈالا۔ مشرقی پنجاب سے تو دونوں حکومتوں کے سمجھوتے
کے تحت مسلمانوں کا مکمل جبری تخلیہ ہو گیا تھا اور اس کی وجہ سے ان پر پوری
قیامت ٹوٹی تھی اور مشرقی پنجاب سے آگے ایک طرف یوپی کا پہلا ضلع سہارنپور
تھا اور دوسری طرف دہلی تھی۔ پاکستان سے آنے والے لاکھوں رفیوجیوں
ہندوؤں اور سکھوں کا (جن میں لٹے پٹے بھی تھے) اور مسلم دشمنی کے جذبہ سے بھرے
ہوئے تھے اور اس وقت مقامی ہندوؤں، سکھوں کا بھی قریباً یہی حال تھا، ان سب کا

ایسا دباؤ دہلی سہارنپور اور دوسرے قریبی اضلاع پر پڑ رہا تھا جس کا آج کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا، صورت حال ایسی تھی کہ دہلی اور سہارنپور اور یوپی کے قریبًا تمام ہی مغربی اضلاع میں مسلمانوں کی جان، اُن کا مال عزت و آبرو کوئی چیز بھی بظاہر محفوظ نہیں تھی، اس لیے جو لوگ پاکستان جا سکتے تھے وہ جانے ہی کی بات سوچتے تھے اور ایسا نظر آتا تھا کہ مشرقی پنجاب کی طرح یہ پورا علاقہ بھی خدانخواستہ مسلمانوں سے خالی ہو جائے گا ۔ لیکن سہارنپور میں شیخ کے "کچے گھر" میں کیے جانے والے اِن تین بزرگوں کے اس فیصلے اور منجانب اللہ اس کی شہرت نے اور اسی کے ساتھ دہلی میں دینی جدوجہد کے لیے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے قیام کے فیصلے نے، نیز مرحوم و مغفور مولانا حفظ الرحمٰن سہواری کی جانبازانہ جدوجہد نے ان علاقوں میں مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں جما دیے ۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا وسیلہ بن گئیں ورنہ خدانا کردہ اِن علاقوں کا ان کی مساجد و مدارس اور خانقاہوں کا وہی حشر ہوتا جو مشرقی پنجاب میں ہوا۔ ماشاء اللہ کان وما لم یشا لم یکن ! حضرت شیخ اس وقت کی صورتحال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

"ہمارے محلہ کے بہت سے لوگ اور شہر کے بھی بہت سے احباب پاکستان جانے کے لیے ان کیمپوں میں چلے گئے تھے جو کچہری کے پل سے اتر کر پاکستان جانے والوں کے لیے لگے ہوئے تھے ۔ میری واپسی پر سب سے پہلے شیخ اظہار احمد تاجر چوب اور ان کے والد جو اس وقت حیات تھے وہ بھی بڑے تاجر چوب تھے اپنے گھر والوں کو مع سارے سامان کے کیمپ سے واپس لے آئے اور میں نے سنا کہ شام تک دو سو آدمی ایک دوسرے کو دیکھ کر واپس ہو گئے ۔"

اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے دہلی میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی جدوجہد کے بارہ میں بیان فرمایا ہے کہ ۔

"اس زمانہ میں دہلی میں مولانا حفظ الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ ان کو بلند درجات عطا فرمائے سارے دن دہلی کے فسادزدہ علاقوں میں نہایت بے جگری سے پھرتے تھے مسلمانوں کو دلاسہ دیتے، ان کی گالیاں بھی سنتے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تحمل اور برداشت خوب عطا فرمایا تھا اور اُن سے بڑھ کر میرے حضرت مدنی قدس سرہٗ تھے، سارے ہندوستان کا اسی خطرے کے زمانے میں دورہ فرماتے اور مصائب پر ان کا اجر سناتے۔"

آگے حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت مدنی اس زمانے میں اپنے سخت سیاسی مخالفین متشدد قسم کے مسلم لیگی حضرات کو بھی جو قدرتی طور پر زیادہ دہشت زدہ اور پریشان رہتے تھے گرامی نامے تحریر فرماتے تھے کہ ۔

"گھبرائیں نہیں، انشاء اللہ حالات کسی وقت سازگار ہوں گے۔"

"تقسیم ملک" کے عنوان پر جو کچھ شیخ کو بیان فرمانا تھا اس کو ختم کرتے ہوئے لکھوایا ہے کہ ۔

"اس زمانے میں حضرت مدنی قدس سرہٗ پر تاثر بہت رہتا۔ بسا اوقات تقریروں میں کسی کسی بات پر آبدیدہ ہو جاتے تھے۔"

وہ محروم تمنا کیوں نہ سوئے آسماں دیکھے
کہ جو منزل بہ منزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے

متفرقات :

آپ بیتی نمبرہ میں "تقسیم ہند" کے عنوان کے بعد دوسرا عنوان ہے "متفرقات" اس میں مختلف قسم کے بہت سے واقعات حضرت شیخ نے بیان فرمائے ہیں صفحات کی محدود گنجائش کی مجبوری سے ان میں سے صرف ایک واقعہ یہاں ذکر کیا جاتا ہے

معلوم ہے کہ حضرت شیخ اپنے اکابر واساتذہ کی طرح مسلکاً حنفی ہیں اور درس میں اور اسی طرح اپنی تصانیف خاص کر شروح حدیث میں وہ حنفی مسلک کو کتاب وسنت کے موافق ثابت کرنے کا پورا اہتمام فرماتے ہیں۔ ناواقف آدمی اس کی وجہ سے ان کو "متعصب حنفی" بھی سمجھ سکتا ہے، لیکن یہاں جو واقعہ ذکر کیا جا رہا ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ تعصب سے کتنے دور اور کس قدر متوسع ہیں ــــ شیخ بیان فرماتے ہیں۔

"ابتدا مدرسی میں ایک اہل حدیث نابینا (عالم) جن کا نام تو (اس وقت) مجھے یاد نہیں مگر میرے کرے میں ان کی تالیف "میزان الشریعہ" کے بہت سے حصے رکھے ہیں، وہ نابینا تھے اور اہل حدیث میں سے تھے۔ وہ مشکوٰۃ شریف کی اُن احادیث کے جو مسلک اہل حدیث کے موافق ہوں چھوٹے چھوٹے رسالے تصنیف کیا کرتے تھے.... خود ہی تالیف کرتے اور خود ہی طبع کرایا کرتے تھے اور پھر خود ہی ان کے فروخت کرنے کے واسطے سفر کیا کرتے تھے۔ سہارنپور میں ہمیشہ مستقل اس ناکارہ کے مہمان رہتے اور دیوبند میں حضرت مولانا سید انور شاہ کے مہمان رہتے تھے، ان کا دستور یہ تھا کہ درسگاہوں میں جاتے، مدرس کو ایک نسخہ پیش کرتے، میری اور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی وجہ سے اکثر مدرسین بھی اُن سے واقف تھے، اکثر مدرسین نذرانہ (کا نسخہ) لینے کے بعد اس کی قیمت تین آنے یا کم وبیش دے دیا کرتے تھے اور ان کی درخواست پر طلبہ سے بھی کلمۃ الخیر اکثر کہہ دیا کرتے تھے، لیکن بعض لوگ اس وجہ سے کہ کوئی خاص مضمون ان کے اندر نہیں ہوتا تھا، بجز روایات معروفہ مطابق مسلک اہل حدیث کے ترجمہ کے۔ معذرت کر دیا کرتے تھے۔ یہ ناکارہ ان کی آمد پر بیس پچیس نسخے ہمیشہ خریدتا، حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب سوڈیڑھ سو نسخے ہمیشہ خریدتے اور ہم دونوں مشتہرہ قیمت سے زیادہ ہی ان کو دیا کرتے تھے۔ ان کی معذوری اور حدیث پاک کی خدمت اور حق مہمانی کی بنا پر۔ ان کے جانے کے بعد ان کے رسالے طلبۂ حدیث میں

یہ کہہ کر تقسیم کر دیتے تھے کہ رسائل گو مسلک اہل حدیث کے ہیں مگر احادیث کا ترجمہ تو بہر حال ہے ہی۔ ان کے سامنے اس وجہ سے طلبہ کو نہیں دیا کرتے تھے کہ ہمارے اس مفت دینے کی وجہ سے ان کی خریداری پر اثر نہ پڑے۔

... ایک لڑکا ان کے ساتھ ہوتا تھا جو ان کو سب جگہ لیے پھرتا تھا۔ رات کو مغرب بعد وہ میرے قریب بیٹھ کر اپنا حساب لکھوایا کرتے تھے، مجھے ان کے حساب میں بڑا لطف آتا تھا۔ رسالوں پر قیمت تو طبع شدہ ہوتی تھی مگر وہ کسی کو قیمت نہیں بتایا کرتے تھے، جس کا جو جی چاہے دے دے، وہ خوشی سے قبول کر لیتے تھے اور جو قیمت نہ دے بلکہ "جزاک اللہ" کہہ کر ٹال دے اس سے بھی مطالبہ نہیں کرتے تھے۔ شام کو جب حساب لکھواتے تو اس طرح لکھواتے۔ "دو نسخے فی دو آنہ، تین نسخے فی ڈھائی آنہ، چار نسخے فی تین آنہ، آٹھ نسخے فی جزاک اللہ" بہت ہی سیدھے، بھولے بھالے آدمی تھے۔"

اس خاص اشاعت (شیخ الحدیث نمبر) کے صفحات میں مزید گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے "آپ بیتی" کے انتخاب و تلخیص کا صرف اتنا ہی حصہ پیش کیا جا رہا ہے جو ناظرین نے ملاحظہ فرمایا۔ باقی یعنی "آپ بیتی نمبرہ" کے انتخاب کا بقیہ اور ۲ و ۷ کا انتخاب ان شاء اللہ آئندہ کسی وقت نذر ناظرین کیا جا سکے گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

هوالمستعان وعليه التكلان

بقیہ نگاہ اولیں:

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اس موقع پران بھائیوں اور رفقاء کا شکریہ کے ساتھ ذکر نہ کروں جن سے مضامین کی تصحیح وترتیب میں اور اس سلسلہ کے دوسرے کاموں میں مجھے مدد ملی۔

اس خصوصی اشاعت کی وجہ سے دفتری کام بہت بڑھ گئے تھے، ان کا زیادہ تر بوجھ برادر محترم جناب محمد حسان نعمانی اور دیگر کارکنان ادارہ نے اٹھایا ۔ اور مضامین کی تصحیح میں سب سے زیادہ مدد مجھے اپنے عزیز عمزاد بھائی حافظ عبدالمؤمن سلمہٗ (متعلم دارالعلوم ندوۃ العلماء) اور برادر نسبتی حافظ عبدالرحمٰن ندوی سے ملی۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

اللّٰھم أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ، وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ

اپنے خریداروں سے کچھ ضروری باتیں

۱۔ کسی قسم کی مراسلت کرتے وقت یا رقم بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل پتہ ضرور لکھیں۔

۲۔ شیخ الحدیث نمبر جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ الفرقان کی ستمبر تا دسمبر کی اشاعتوں کا بدل ہے۔ امید ہے کہ آپ اس کو توقع کے مطابق پائیں گے۔ آپ کی رائے کا ہمیں انتظار رہے گا۔

۳۔ قدیم خریداروں کو شیخ نمبر لاگت سے بھی کم قیمت پر بھیجا گیا ہے اس لیے جن ہند و بیرون ہند کے خریداروں کے ذمہ الفرقان کی کوئی رقم بقایا ہو وہ فوراً ارسال فرمائیں۔

۴۔ اس نمبر کی قیمت مع محصول برائے ہندوستان -/۲۱ برائے پاکستان و عرب ممالک -/۳۰ برائے یورپ افریقہ وغیرہ -/۴۰ روپے ہے

۵۔ بیرونی ممالک کے لیے الفرقان کا سالانہ چندہ بذریعہ ہوائی ڈاک -/۱۲۵ روپے (£ 7/) اور بذریعہ بحری ڈاک -/۵۰ (£ 3/-) ہے۔ شیخ الحدیث نمبر سے خریداری قبول کرنے کے خواہاں حضرات ہوائی ڈاک کے لیے -/۱۴۰ (£ 8/) اور بحری ڈاک کے لیے -/۷۰ (£ 4/-) ارسال فرمائیں۔

۶۔ پاکستان کے لیے الفرقان کا سالانہ چندہ -/۵۰ روپے ہے۔ اس نمبر سے خریداری قبول کرنے کے خواہش مند حضرات -/۶۹ روپے ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو ارسال فرما کر منی آرڈر کی رسید ہم کو روانہ فرمائیں۔

ناظم ادارہ الفرقان

حضرت شیخ الحدیثؒ کی

زندگی کے چند اہم پہلو

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی

زیر ترتیب سوانح حضرت شیخؒ کے باب نہم کا عنوان ہے " خداداد کمالات ، مزاجی اور طبعی خصوصیات" اس کے ابتدائی عنوانات سوانح حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے اس حصہ میں آگئے ہیں جو حضرت شیخ سے تعلق رکھتا ہے یہاں پر اس باب کے چند ذیلی عنوانات درج کیے جارہے ہیں۔

دینی حمیت اور مسلک صحیح کی حفاظت کا اہتمام:

اللہ تعالیٰ نے کچھ تو فطری طور پر اور کچھ خاندانی اثرات سے شیخ کی طبیعت میں دین کی حمیت اور اپنے اسلاف اور علمار حق کے (جو مجددی اور ولی اللہی سلسلہ سے مستقل و مسلسل طور پر وابستہ رہے ہیں) مسلک سے وابستگی اور اس کے بارے میں غیرت و ذکاوت حس شروع سے ودیعت فرمائی تھی، جب بھی ہندوستان میں دین کے بقا و وجود اور مسلمانوں کی جداگانہ ملی و اسلامی شخصیت کے لیے کوئی خطرہ پیش آیا تو ان کی طبیعت بے چین اور ان کا دل دردمند ہوا۔ اور انھوں نے اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے

خودسعی اور اہل اثر کو متوجہ کرنے کا سلسلہ شروع کردیا۔

انگریزی دور میں جب پہلی مرتبہ گورنمنٹ کی طرف سے جبریہ تعلیم کا قانون بنا، تو شیخ نے اس سے سخت خطرہ محسوس کیا اور اس کے خلاف ایک رسالہ "قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم" تحریر فرمایا۔ یہ قانون اول اول دہلی میں نافذ ہوا تھا، رسالہ ۱۳ رمحرم ۱۳۵۰ھ (یکم جون ۱۹۳۱ء) کو لکھا گیا، اس میں اپنے نام کے ساتھ "مجروح القلب" لکھ کر دستخط کیے، جس سے ان کے جذبۂ دلی کا اظہار ہوتا ہے۔

آزادیٔ ہند کے بعد ۱۹۴۸-۴۹ء کے سنین میں پھر حکومت کی طرف سے جبریہ تعلیم کا قانون دوبارہ سامنے آیا تو شیخ نے پھر اس کا پورا نوٹس لیا اور اس کے دور رس اثرات کو بھانپ لیا۔ اپنے ایک مکتوب میں جو ۳ جمادی الثانیہ ۶ راپریل ۴۹ء کو لکھا گیا ہے، تحریر فرماتے ہیں۔

> "روز افزوں احوال سے یہ فکر سوار رہتا ہے کہ کوئی شخص اگر مسلمان رہنا بھی چاہے گا تو شاید نہ رہ سکے اور اس کا کوئی حل نہیں ملتا، آج کل مجھ پر جو چیز زیادہ مسلط ہے وہ مکاتب کا مسئلہ ہے، ہر جگہ سے جبریہ تعلیم کے سلسلہ میں مکاتب کے بچوں پر لوگوں کا زور ہے، اور اس سلسلہ میں اگر کسی سے کچھ کہا جائے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کس سے کہا جائے ؟ اور کیا کہا جائے ؟ جن سے امیدیں وابستہ ہوسکتی تھیں ان سے جب اس کا ذکر کیا جاتا ہے تو بہترین لچھے دار اور زوردار تقریر سے یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مکاتب کا یہ سلسلہ محض اضاعت اوقات ہے، بچوں کا وقت ضائع ہوتا ہے، قومی تعلیم بالخصوص ہندی پڑھنے کی دینی ضرورت اس درجہ بتائی جاتی ہے جس درجہ کی سرسید کے خیال میں انگریزی کی بھی نہیں آئی ہوگی۔ واللہ المستعان "

اسی طرح وہ مسلک توحید واتباع سنت ورد بدعات کے شدت سے حامی ومحافظ تھے جو ان کو وراثتاً وتعلیماً وتربیتاً اپنے اسلاف واساتذہ ومشائخ سے ملا تھا، ہندوستان کی آزادی وتقسیم ملک کے بعد کچھ سیاسی وانتظامی مصالح کی بنا پر بعض ایسے علماء کی طرف

سے جو ہندوستان کے حالات کے پیش نظر مسلمانوں کے ایک جگہ مجتمع ہونے اور اس ملک میں رہنے کے فیصلہ کو ہر مسئلہ پر مقدم رکھتے تھے مصلحتاً بعض ایسے اجتماعات کی نہ صرف اجازت دی گئی بلکہ ان میں وہ خود شریک بھی ہوئے، اس سلسلے میں بعض حضرات نے بزرگانِ دین کے ان عرسوں کو دوبارہ قائم کرنے کو مفید سمجھا جن میں مسلمان بڑی تعداد میں شریک ہوتے تھے اور ایک دوسرے سے ملتے تھے، شیخ کو جب اس طرح کی اطلاعات ملیں تو ان کے دل کو بڑی چوٹ لگی، اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اللہ کی شان انقلابات زمانہ اور اپنے اعمال بد کے ثمرات، دیوبندی جماعت جو عرس کے بند کرنے کی ہمیشہ ساعی رہی، اب وہ عرسوں کو فروغ دینے والے بن گئے، جس شخص کے بڑے نظام الدین کے عرس کے زمانے میں بستی بھی چھوڑ دیا کرتے تھے، اس کا ناخلف یہ سوچتا ہے کہ اس موقع پر جایا جائے تاکہ پاکستان سے آنے والے احباب سے جن کو عرس کے عنوان سے اجازت مل جاتی ہے ملاقات ہوجائے۔"

۱۹۵۳ء میں ایک مرتبہ شیخ کی نظر اخبار "الجمعیۃ" کے ایک اشتہار پر پڑی، جس میں شیخ الہند جنتری کا اعلان تھا، اخبار کے ایک شمارہ میں اس پر ایک تبصرہ کے دوران لکھا گیا کہ اس کی بڑی قدر و قیمت اس بات سے ہے کہ اس میں شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کی تصویر ہے اور اس کتاب کی ساری قیمت وصول ہوجاتی ہے، شیخ سے رہا نہیں گیا اور انھوں نے اس کی پروا نہیں کی کہ یہ اخبار علمائے دیوبند کا پرچہ ہے اور جمعیۃ العلماء کی قیادت ان کے محبوب ترین اور معزز ترین بزرگوں اور دوستوں کے ہاتھ میں ہے، اس تبصرہ کو دیکھتے ہی ناچیز کے نام ایک مکتوب تحریر فرمایا جس میں فرماتے ہیں۔

"ایک ضروری امر کی طرف آپ کی اور مولانا منظور صاحب کی توجہ مبذول کراتا ہوں، شیخ الہند جنتری کے نام سے کوئی جنتری طبع ہوئی ہے جس کو میں نے اب تک دیکھا نہیں لیکن اس کا اشتہار "جمعیۃ" کے پرچوں میں اور "جمعیۃ نمبر" میں طبع ہوا ہے، اگر اب تک نہ دیکھی ہو تو جمعیت نمبر میں اس کا اشتہار ملاحظہ

فرماویں، اس کے متعلق اخبار" الجمعیۃ" ۱۹/اپریل ۵۳ پر تبصرہ شائع ہوا ہے، اس میں حضرت مدنی زاد مجدہم کی تصویر کی مدح سرائی کرتے ہوئے لکھا گیا ہے "یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ جنتری کی پوری قیمت صرف ایک تصویر سے وصول ہو جاتی ہے" مشائخ علماء کے آرگن کے لیے نہایت نامناسب ہے۔ یہ حضرات تصویر کشی کی تقبیح نہ کریں تو کم از کم مدح سرائی تو نہ کریں، اس کے متعلق اگر آپ حضرات کے نزدیک نامناسب نہ ہو تو "الفرقان" اور "تعمیر حیات" دونوں میں تنقید ضروری ہے۔"

اس طرح ایک مرتبہ شیخ نے ایک قابل احترام دیوبندی عالم اور بزرگ کے متعلق سنا کہ وہ ۱۲ ربیع الاول کے ایک میلادی جلسہ میں شرکت فرمانے والے ہیں، شیخ نے اس پر اس ناچیز کو لکھا۔

"ابھی چند روز ہوئے اخبار میں ۱۲ ربیع الاول کے میلادی جلسہ میں شرکت کا وعدہ پڑھا جس سے سوچ میں ہوں کہ جس چیز پر اکابر نے ایسے ایسے خم ٹھونکے وہ ایسی بن گئی کہ اخبار جمعیۃ تو گویا اس کے پروپیگنڈہ کے لیے وقف ہو گیا۔"

(مکتوب ۱۱ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ)

اس جذبہ کا نتیجہ تھا کہ شیخ نے بڑے اہتمام و تاکید سے مجھے حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کا رسالہ "تقویۃ الایمان" کے (جو اس جماعت کے مسلک کا پورا ترجمان ہے اور اس میں توحید خالص کی ایسی کھلی اور طاقت ور دعوت دی گئی ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے) عربی ترجمہ کا حکم دیا، ۱۳۹۲ھ کے ذی الحجہ میں جب راقم سطور مدینہ طیبہ میں حاضر تھا مجھ سے ارشاد ہوا کہ میں اس کتاب کو عربی میں منتقل کروں، میں نے وعدہ کر لیا، لیکن شیخ کو اطمینان نہیں ہوا، عزیزی مولوی سید محمد واضح ندوی کے ذریعہ مجھے پیغام دیا کہ میں مدینہ طیبہ سے رخصت ہونے سے پہلے اس کام کو مسجد نبویؐ میں شروع کر جاؤں، چنانچہ عین رخصت کے دن ۲۹ یا ۳۰ ذی الحجہ کو زوال

---

[1] اسی زمانہ میں الفرقان میں اس مسئلہ پر صاف اور واضح انداز میں گفتگو کی گئی تھی، اور اس کا خاطر خواہ نتیجہ بھی برآمد ہوا تھا۔ (الفرقان)

سے پہلے باب جبرئیل و باب الرحمۃ کے درمیان بیٹھ کر حجاج کے ہجوم اور ذکر و تسبیح و درود کے شور کے درمیان میں نے اس کے مقدمہ کا ابتدائی حصہ لکھا اور اسی وقت واضع سطور نے اس کو شیخ کو جن کی نشست باب عمر کے قریب ہوتی تھی جاکر سنادیا، شیخ نے بڑی دعائیں دیں اور تحسین فرمائی، ۱۳۹۴ھ کی آخری تاریخوں میں ترجمہ مکمل ہوگیا طباعت کے بعد شیخ نے اس کو بڑی تعداد میں خرید کر احباب و خدام اور اہل علم میں تقسیم کیا۔

اسی دینی حمیت اور شرعی حمایت کا نتیجہ تھا کہ مدینہ طیبہ میں ایک ایسے مسئلہ پر جس میں بلاد عربیہ میں بڑا تساہل شروع ہوگیا ہے اور "عموم بلوی" کی کیفیت ہے، قلم اٹھایا اور داڑھی کے وجوب پر ایک رسالہ لکھا، جس کا عربی میں بھی ترجمہ ہوا اور اہل عرب میں اس کی وسیع پیمانہ پر اشاعت ہوئی۔

یہی جذبہ تھا جس نے ان کو جماعت اسلامی کے فکر اور بانی جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریروں کے احتساب اور ان پر تنقید کرنے پر مجبور کیا، جب ان کے علم اور ذاتی تجربہ میں یہ بات آئی کہ ان کے اسلاف و مشائخ نے اپنی پیہم کوششوں سے اس تحتی براعظم میں خدا طلبی کا جو عام ذوق، محبت الٰہی وعشق رسول کی چنگاری اور اصلاح و تربیت نفس کا جو جذبہ پیدا کردیا تھا جس کا عمومی اور طاقتور ذریعہ "تصوف" تھا، نیز اپنے درس و تلقین عمل اور تصنیفات سے کسی ایک مسلک فقہی سے وابستگی کی ضرورت کا جو احساس پیدا کردیا تھا اور ہر شخص کے مجتہد بن جانے کے خطرہ کا بہت حد تک سدباب کردیا تھا (جس کا اس انتشار پذیر معاشرہ میں پورا امکان تھا) اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ بالخصوص اور سلف کے ساتھ بالعموم حسن ظن، اعتماد و احترام قائم کردیا تھا، ان تمام کوششوں پر ان تحریروں سے اثر پڑ رہا ہے اور دین کی اصل و بنیاد و حقیقت "تعلق باللہ و عبودیت" فکر آخرت، اور ایمان و احتساب پر دین کا سیاسی و تنظیمی تصور غالب آرہا ہے تو وہ بے چین ہوگئے، اور ان کے قلم سے اپنے ایک قدیم رفیق اور دوست[1] کے نام وہ طویل مکتوب نکلا جو اُن کی

[1] اس سے مراد مولانا زکریا قدوسی گنگوہی مرحوم ہیں جو مدرسہ مظاہر العلوم کے قدیم فاضل اور استاذ و مدرس تھے شیخ کے قیام مدینہ کے دوران ان کے بعض عزیزوں نے مکتوب کی اہمیت و ضرورت اور وقت کا ایک اہم مسئلہ سمجھ کر اسکو رسالہ کی شکل میں شائع کردیا۔

غیر موجودگی میں مستقل رسالہ کی شکل میں "فتنۂ مودودیت" کے نام سے شائع ہوا۔ دوبارہ ان کی تجویز سے "جماعت اسلامی کے لیے ایک لمحۂ فکریہ" کے نام سے اس کی اشاعت ہوئی۔

اسی دینی حمیت کا نتیجہ تھا کہ جب مصر کے صدر اور قائد جمال عبدالناصر کے اقدامات سے اور قومیت عربیہ اور اشتراکیت کی دعوت سے نہ صرف مصر بلکہ پورے مشرق وسطی میں دینی فکر و دعوت اور ذات نبویؐ اور اسلام کے پیغام سے عربوں کی وابستگی خطرے میں پڑگئی تھی، لیکن جمال عبدالناصر کے چند جرأت مندانہ اقدامات جن میں اس کو کامیابی ہوئی تھی اور مغربی طاقتوں کو للکارنے کی وجہ سے ہندوستان میں علما کا ایک بڑا گروہ اور بعض ایسی جماعتیں بھی جن کی بنیاد اسلام کی حمیت و حمایت پر پڑی تھی۔ جمال عبدالناصر کی مداح اور مؤید بن گئیں، اس وقت حضرت شیخ کی مجالس میں جمال عبدالناصر کے بارے میں کھلے طریقہ پر ناپسندیدگی کا اظہار اور اس کے متعلق سخت الفاظ استعمال ہوتے تھے، یہاں تک کہ رمضان مبارک کے مشغول اوقات میں اور عشاء کے بعد ایک بھری مجلس میں حضرت شیخ نے محمد میاں مرحوم کا ایک سخت تنقیدی مضمون جو ندوہ کے عربی رسالہ "البعث الاسلامی" میں شائع ہوا تھا بلند آواز سے پڑھوایا اور حاضرین کو سنوایا جو شاید بعض حاضرین مجلس کو گراں بھی گزرا، لیکن شیخ نے پروا نہیں کی۔

ذکر و روحانیت اور وقت کے مسلّم مشائخ اور اہل اللہ کی طرف توجہ دہانی :

حضرت شیخ باوجود اپنے بلند روحانی مقام اور مرجع خلائق ہونے کے اپنے اہل تعلق کو اپنے وقت کے مستند و مسلّم مشائخ بالخصوص شیخ وقت حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی طرف اصرار و تاکید سے متوجہ فرماتے رہتے تھے اور اس سے ان کی للّٰہیت، بے نفسی اور خلوص کا پورا اظہار ہوتا ہے، میرے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

> "رائے پور کے متعلق میں بھی اصرار سے عرض کروں گا کہ مشاغل کی مزاحمت کے باوجود کبھی کبھی گنجائش نکال لیا کریں، چچا جان تو تشریف لے ہی گئے، مولانا کا وجود بھی چراغ سحری ہے، مشاغل تو آدمی کے ساتھ لگے ہی رہتے ہیں، اس سے

کب خلاصی ہو سکتی ہے۔[1]

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"رائے پور کے جناب کے سفر کی حقیقی اہمیت بندہ کے نزدیک بہت ہے، اس کو بار بار کیا عرض کروں۔ بندہ تو بہت ہی ضروری خیال کرتا ہے کہ اہل حضرات وہیں جائیں، جب بھی موقع مل سکے چند روز یکسوئی کے ساتھ ضرور تشریف لائیں۔"[2]

اس بار بار کی تاکید کی وجہ یہ تھی کہ شیخ تمام دینی وعلمی واصلاحی کاموں اور دعوت وتبلیغ کے لیے اخلاص وللہیت، حیاتِ قلبی اور حرارتِ باطنی کو ضروری سمجھتے تھے جو ان کے نزدیک بمنزلہ اسٹیم کی تھی، جس کے بغیر دین کی کوئی گاڑی چلتی نہیں۔ اپنے ایک مکتوب (مؤرخہ ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ) میں تحریر فرماتے ہیں۔

"انجن میں آگ کی ضرورت ہوتی ہے اور للّٰہی آگ انھیں درباروں سے ملتی ہے۔"

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"میرا یقین ہے کہ فتن کا علاج اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اسی جذبہ کے تحت ملکوں ملکوں پھر رہا ہوں کہ خانقاہیں دنیا سے ختم ہو گئیں۔"[3]

ان کے نزدیک کم از کم درجہ یہ تھا کہ ان حضرات اہل اللہ سے کم سے کم دل میں کدورت نہ رکھی جائے۔ یہ مضمون ان کی تحریروں میں بار بار آیا ہے اور اس سوءِ ظن، کدورت اور اعتراض پر بار بار فکر فرمائی ہے۔ اپنے مشہور رسالہ "الاعتدال فی مراتب الرجال" میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

"میں اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو خاص طور سے متوجہ کرتا ہوں اور کرتا رہتا ہوں کہ وہ اللہ والوں سے ذرا بھی دل میں کدورت نہ رکھیں ورنہ مجھ سے تعلق

---

[1] مکتوب ۱۴ جمادی الثانیہ ۱۳۶۳ھ۔ [2] مکتوب، محرم ۱۳۶۳ھ۔ [3] مکتوب ۵ مئی ۱۹۷۱ء

نہ رکھیں"

شیخ کا یہ مشورہ صرف اپنے خوردوں اور نیازمندوں ہی کے لیے نہیں تھا، خود بھی بڑے اہتمام سے حاضر ہوتے اور کئی کئی دن کئی کئی وقت رہتے، جس زمانہ میں حضرت کا بہٹ ہاؤس (سہارن پور) میں طویل قیام تھا، شیخ کا بلاتخلف روزانہ کا معمول تھا کہ عصر کی نماز پڑھ کر فوراً بہٹ ہاؤس تشریف لے جاتے، اس اندیشہ سے کہ کچھ تاخیر نہ ہو جائے، شام کی چائے جو عمر بھر کے معمولات میں شامل تھی، مستقلاً چھوڑ دی تھی، حضرت کو جب اس کا علم ہوا تو بہٹ ہاؤس میں اس کا انتظام فرمانے کی تاکید کی، لیکن شیخ نے اصرار سے منع فرمادیا، اخیر زمانہ قیام رائے پور میں باوجود اس کے کہ سفر خاص حالات وکیفیات کی بنا پر شیخ کے لیے مجاہدۂ عظیم تھا۔ ہر ہفتہ کا معمول تھا کہ جمعہ کی شام کو تشریف لے جاتے اور پیر کی صبح تشریف لاتے[1]

یہی حال حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی تشریف آوری کے موقع پر تھا کہ اطلاع ملنے پر رات کو جاگ کر اسٹیشن تشریف لے جاتے اور وہ اہتمام واحترام فرماتے جو مشائخ کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ مولانا کے قیام دیوبند کے زمانے میں وقتاً فوقتاً وہاں تشریف لے جاتے اور ملاقات کرتے۔

دینی کوششوں اور علمی کاموں کی قدردانی اور ہمت افزائی اور علمی ذوق:

حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی وسیع القلبی، وسیع النظری اور دین سے نسبت رکھنے والے کاموں کی قدردانی کا جذبہ عطا فرمایا تھا کہ وہ ہر اس کام کی ہمت افزائی اور اگر ممکن ہو تو اس میں تعاون کے لیے آمادہ رہتے تھے جس میں ان کو دین کا فائدہ یا علم کی ترقی نظر آتی، تبلیغی دعوت، مرکزی مدارس (مظاہر علوم، دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء) کا تو کیا ذکر کوئی اچھی کتاب، یا کوئی صحیح دینی کوشش ان کے علم میں آجاتی تو اس کی پوری داد دیتے

---

[1] سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ ص ۳۱۳

اور ہمت افزائی فرماتے۔

میرے سفر امریکہ کی تقریروں کا مجموعہ "نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں" شیخ نے پڑھوا کر سنا، تو فوراً مجھے خط لکھا کہ آپ کی امریکہ کی تقریریں بہت پسند آئیں، بڑے غور سے سنا مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اہل امریکہ کی ان سے متاثر ہونے کی کیا صورت ہے، آپ نے لاؤڈ اسپیکر پر تقریر کر دی اور نیازمندوں نے چند نسخے چھاپ دیے۔ میری تو رائے ہے کہ جتنی زیادہ سے زیادہ اس کی انگریزی، عربی میں طباعت کی صورت ہو سکے بہتر ہے، اس کی اشاعت کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اگر آپ کے ذہن میں اس کی کوئی صورت ہو تو ضرور لکھیں میرا تو یہ خیال ہے کہ اہل خیر کو متوجہ کر کے ایک لاکھ کے قریب نسخے انگریزی، عربی، اردو کے خوب تقسیم کیے جائیں، اگر لکھنؤ میں اردو میں چھپے تو ایک ہزار میرے ہیں جو پڑتا ہو وہ بھیج دوں گا اور میرے ایک ہزار طباعت کے بعد حاجی یعقوب صاحب کے پاس بھیج دیں[۱]"

حضرت شیخ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تربیتِ مدرسین کے انتظام کی ایک اطلاع ملی اس پر تحریر فرمایا۔

"تربیت مدرسین کی خبر سے بہت ہی مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔ اگر یہ مبارک مجمع موجود ہو تو سلام مسنون[۲]"

اکتوبر نومبر ۱۹۷۵ء میں جب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قیام پر پچاسی[۸۵] سال گزر جانے کی تقریب میں ایک عالمی اجلاس ہوا جس میں عرب ملک کے فضلاء و اعیان کو خاص طور پر دعوت دی گئی[۳]

---

[۱] خط پر تاریخ نہیں ہے بہرحال سفر امریکہ کے بعد کا خط ہے جو مئی ۱۹۷۷ء میں ہوا تھا اور واپسی اگست میں ہوئی، دوسرے مکتوب میں جو ۱۲ر مئی ۱۹۷۸ء کا لکھا ہوا ہے، مطلوبہ نسخوں کی تعداد دو ہزار کر دی گئی۔ [۲] مکتوب بارہ[۱۲] ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ

[۳] اس کے مفصل حالات کے لیے ملاحظہ ہو "روداد چمن" از سید محمد الحسنی مرحوم: شائع کردہ مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء۔

شیخ نے نہ صرف اس کی کامیابی کے لیے دعائیں کیں بلکہ اس کو بالکل اوڑھ لیا۔ جب تک وہ اجلاس کامیابی اور خیر و خوبی کے ساتھ ختم نہیں ہوگیا شیخ کا پورا دل اس میں لگا رہا۔ ہر آنے جانے والے سے وہاں کے حالات وخیریت دریافت کرتے تھے۔ لوگوں نے بیان کیا کہ سونے کی حالت میں بھی شیخ کو اس کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے سنا گیا، ختم ہونے کے بعد مجھے مبارک باد کا خط لکھا، جس میں آئندہ کے لیے بھی ہدایات تھیں بعض خدام سے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ یہ اجلاس کس نے کرایا؟ یہ میں نے کرایا۔

خالص دینی کام بلکہ کوئی مفید علمی کام ہوتا تو اس کی ہمت افزائی اور تائید فرماتے اور اس میں امکانی تعاون کیلیے تیار رہتے، میرے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ کی شہرۂ آفاق کتاب "نزہتہ الخواطر" کی سات جلدیں دائرۃ المعارف حیدر آباد نے شائع کی تھیں۔ آٹھویں جلد میں تاریخ وفات تصنیفات وغیرہ کے سلسلہ میں جا بجا بیاض تھے، جو مصنف کی وفات ہوجانے کی وجہ سے باقی رہ گئے اور ان کا پر کرنا اور کتاب کا مکمل کرنا ان کے فرض شناس اور سعادت مند اخلاف کے ذمہ تھا۔ لیکن یہ کام بڑا دشوار تھا صرف ان شخصیتوں کی تعداد کئی سو تھی جن کی وفات مصنف کے بعد ہوئی تھی۔ ناچیز راقم سطور نے فاضل گرامی ڈاکٹر عبدالمعید خاں ناظم دائرۃ المعارف کے اصرار سے اس کام کا بیڑہ اٹھایا اور اس سلسلہ میں اہل علم سے رابطہ قائم کیا، اخبارات میں اعلان کیا اور خطوط لکھے، اس سلسلہ میں حضرت شیخ سے بھی مراسلت کی جن کے یہاں وفیات لکھنے کا بڑا اہتمام تھا اور خود ان کی تاریخ کبیر میں اس کا بڑا مواد تھا، میرے عریضہ کے جواب میں ان کا جو مکتوب آیا اس کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

"میرا خود دل چاہتا ہے کہ نزہتہ کی تکمیل میں جو بھی خدمت ہوسکتی ہے وہ موجب سعادت ہے، میں تو آپ سے درخواست کرتا کہ جن کی وفیات کی تلاش ہے، ایک فہرست مجھے بھی بھیج دیں مگر آنکھوں نے اس کے ساتھ ہی ٹانگوں نے ایسا معذور بنا دیا کہ نہ اپنے کتب خانہ کی کتابیں تلاش کی جاتی ہیں اور نہ مدرسہ جا سکتا ہوں، . . . . . . نزہت کی طباعت کا تو بہت ہی اشتیاق ہو رہا ہے۔

اللہ کرے کہ میری زندگی میں طبع ہو جائے اور خدا کرے کہ کوئی سنانے والا بھی مل جائے تو ضرور سنوں گا، " ارکان اربعہ[1] " کو بھی ضرور بھیجیں، اللہ کرے کوئی سنانے والا مل جائے[2]"

ایک دوسرے مکتوب میں جو اس سے پہلے کا لکھا ہوا ہے اور جس میں اس کے بعض حصوں کی رسید ہے، تحریر فرماتے ہیں :-

" نزہۃ الخواطر" کے سلسلہ میں جناب کی توجہ کا خصوصی شکریہ پیش کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ شانہ اس کو جلد از جلد ہم لوگوں تک پہنچائے کہ میں تو انھیں چیزوں کا بیمار ہوں۔"

شیخ کا مفید اصلاحی و دینی کتابوں کے ساتھ یہی معاملہ تھا کہ ساری معذوریوں کے باوجود وہ ان کے سننے کے لیے وقت نکال لیتے تھے، اس ناچیز کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

" آپ کی کتاب " تاریخ دعوت و عزیمت (جلد چہارم) ایسی حالت میں پہنچی کہ میں لب گور تھا۔ بیٹھنا مشکل، سننا مشکل، لیکن مجھے آپ کی ہر کتاب کا اہتمام ہوتا ہے، اس لیے اس نے مجھے ایسا پکڑا کہ چھ سات روز میں پوری سن لی، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، امت کو اس سے فائدہ پہنچائے، بالخصوص سلاسل کی تفصیل آپ نے لکھی، اس سے بہت مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو تادیر زندہ سلامت رکھے[3]"

اسی طرح جب عزیزی سید سلمان حسینی ندوی نے اپنا تحقیقی مقالہ جو جرح و تعدیل کے الفاظ کی تحقیق میں تھا اور جامعۃ الامام محمد بن سعود، ریاض میں پیش کیا گیا تھا شیخ کی خدمت میں پیش کیا تو مجھے تحریر فرمایا۔

---

[1] راقم سطور کی "الارکان الاربعہ" کا ترجمہ جو برادر زادہ عزیز مولوی محمد الحسنی مرحوم کے قلم سے ہے۔
[2] مؤرخہ ۱۳ر ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ از سہارنپور
[3] مکتوب مؤرخہ ۲۲ر ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ

"عزیز سلمان کی کتاب میں نے سرہانے رکھ رکھی ہے اور جب بھی وقت ملتا ہے ایک دو ورق سنتا ہوں اور ارادہ ہے کہ مکمل سنوں گا، میری طرف سے عزیز موصوف کو ضرور مبارک باد فرمادیں"[۱]

محترمی سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب ایم اے ناظم دارالمصنفین کی کتاب بزم صوفیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"سید صاحب کی کتاب "بزم صوفیہ" کے تعارف سے دل خوش ہوا، اللہ تعالیٰ ان کی کتاب کو مقبول فرمائے اور لوگوں کو زائد سے زائد متمتع فرمائے۔ میں نے فرمائش کی ہے کہ میرے پاس ایک نسخہ وی۔ پی سے بھیج دیں"[۲]

"بزم صوفیہ" کتاب پہنچ گئی اور باوجود بیماری کے بہت وقت سے سنی"[۳]

اپنے اسلاف و مشائخ کے ساتھ وفاشعاری اور خدام و احباب کے ساتھ محبت و شکرگزاری کا تعلق:۔

حضرت شیخ کے حالات و کمالات میں ایک نمایاں وصف اپنے سلسلہ کے مشائخ اور مربیوں و محسنوں کے ساتھ وفاشعاری ان کی علمی یادگاروں کی نہ صرف حفاظت بلکہ زیادہ سے زیادہ اشاعت، علمی دنیا میں ان کے تعارف اور ان کے علمی و دینی فیوض کے دائرہ کو وسیع کرنے کا وہ بے پایاں جذبہ تھا جس کی نظیر اس زمانہ میں ملنی مشکل ہے۔ وہ ان کے ایک ایک حرف کو آنکھوں سے لگاتے اور دنیا میں دور دور پہنچانے کے لیے ساعی رہتے تھے۔

اسی جذبہ کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے حضرت گنگوہیؒ کی بخاری کی تقریرات کو جن کو حضرت

۱؎ مکتوب مؤرخہ ۵ مئی ۱۹۸۱ء

۲؎ مکتوب مؤرخہ ۲۸ ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ

۳؎ مکتوب مورخہ ۲۷ ذی الحجہ

مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے قلم بند کیا تھا " لامع الدراری " کے نام سے بڑی آب وتاب کے ساتھ شائع کیا۔ اس پر خود اپنے حواشی کا اضافہ کیا اور ایک فاضلانہ و محققانہ مقدمہ لکھا اور ممالک عربیہ میں اس کے تعارف کی غرض سے اس ناچیز سے بھی کتاب کا عربی میں تعارف اور مقدمہ لکھوایا۔

اسی طرح حضرت گنگوہی کی ترمذی شریف پر تقریرات و تحقیقات کو جو" لامع الدراری " کی طرح مولانا محمد یحییٰ صاحب کی قلم بند کی ہوئی تھی۔ " الکوکب الدری علی جامع الترمذیؒ " کے نام سے طبع اور شائع کروایا، اس پر بھی مقدمہ لکھنے کا مجھے امر ہوا۔

جہاں تک حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی معرکۃ الآراء کتاب " بذل المجہود " کا تعلق ہے اس کی طباعت واشاعت کا تو حضرت شیخ پر ایسا غلبہ تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی طباعت کی تکمیل کے بغیر ان کو چین ہی نہ آئے گا۔ جو لوگ اس میں ذرا بھی حامی و شریک رہتے ان کو حضرت شیخ کی خاص دعائیں اور خوشنودی والتفات حاصل ہوتا، یہ سب اپنے اسلاف واساتذہ و مشائخ کے وفادارانہ و عاشقانہ تعلق کا کرشمہ تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خود شیخ کی مقبولیت و ترقی میں بھی اس کو خاص دخل تھا۔

اپنے بزرگوں کے ان آثار علمیہ کی حفاظت واشاعت کے علاوہ ان کے حالات وسوانح کی تدوین اور اشاعت کی طرف بھی پوری توجہ اور اس سے پوری دلچسپی اور وابستگی تھی۔ اس سلسلہ میں عزیز سعید مولوی محمد ثانی مظاہری ندویؒ کو حکم ہوا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی سوانح نئے طرز تصنیف اور نئے مواد کے ساتھ مرتب کریں۔ اللہ نے عزیز موصوف کو اس کی توفیق دی۔

انھوں نے حیات خلیل کے نام سے (۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء) اس کی تکمیل کی۔ مؤلف موصوف اس کو جستہ جستہ حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجتے رہے، حضرت شیخ ان کے نام تحریر فرماتے ہیں۔

" بعد سلام تمہاری تالیف حیات خلیل کا مسودہ مدینہ پاک میں پہنچ کر موجب مسرت ہوا تھا۔ میں اس کو سن سن کر وہاں سے ہی واپس کرتا رہا، اللہ تعالیٰ تمہاری اس محنت کو قبول فرماکر دارین کی ترقیات کا ذریعہ بنائے ماشاء اللہ

تم نے بڑی محنت وکاوش سے حالات تحقیق کے بعد جمع کیے۔[1]

پھر اس کی عربی تلخیص کا اشارہ ہوا اور یہ کام سید عبداللہ حسنی ندوی سلمۂ نے انجام دیا۔
حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری کی سوانح حیات کی ترتیب میں بھی حضرت شیخ کا ایما اور مشورہ اور رہنمائی اول سے آخر تک شامل رہی اور اس میں بھی اسی وفا شعاری کا جذبہ کام کر رہا تھا جو ان کے خمیر وضمیر میں ودیعت تھا۔ پھر حضرت شیخ کے حکم وایما ہی پر عزیزی محمد ثانی سلمۂ نے مولانا محمد یوسف صاحب کی ضخیم ویادگار سوانح پھر ان کے جواں سال وجواں مرگ فرزند مولوی محمد ہارون کی مختصر سوانح تصنیف کی اور حضرت شیخ کی خاص دعائیں اور خوشنودی کا پروانہ حاصل کیا۔

یہی حال کم وبیش سب کے ساتھ تھا۔ جہاں تک دعاؤں کا تعلق ہے ایک مرتبہ فرمایا کہ اس مرتبہ حجاز جاکر حرم شریف میں بچپن کے پرانے پرانے لوگ یاد آئے، کاندھلہ میں ایک فقیر مانگنے آتا تھا، یا یہ فرمایا کہ ایک شخص راستہ میں بیٹھا رہتا وہ بھی یاد آگیا تو میں نے اس کے لیے بھی دعائیں کیں۔ انھیں شفقتوں اور نوازشوں کو دیکھ کر اس پرانے جملے کی تصدیق ہوتی تھی " اولئك قوم لا يشقى بهم جليسهم " یہ وہ حضرات ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا کبھی محروم نہیں رہتا۔

مدارس عربیہ سے گہرا تعلق

شیخ کی ساری تعلیم وتربیت، ذہنی واخلاقی نشوونما اور اکتساب علم وکمال سب ایک عربی، دینی مدرسہ کے ماحول، یا مدرسہ سے تعلق رکھنے والوں اور اس کو اپنے قلب وجگر اور اہل وعیال سے زیادہ عزیز رکھنے والوں کے آغوش میں ہوا پھر انھوں نے ایک مثالی مدرسہ (مظاہر العلوم) کا وہ زریں دور دیکھا تھا جب منتظمین واساتذۂ مدرسہ اخلاص وللہیت، ایثار وقربانی اور زہد وورع کا پیکر اور طلبہ طلب صادق، انقطاع ویکسوئی اور طلب علم میں انہماک

---

[1] مکتوب مؤرخہ ۱۱؍رجب ۱۳۹۶ھ از سہارن پور۔ "حیات خلیل ص۵"

دجانفشانی اوراپنے اساتذہ سے محبت وعقیدت اوراطاعت وانقیاد کا نمونہ ہوتے تھے اسی لیے مدرسہ ان کی فکر وتوجہ کا مرکز ان کے تخیلات وتوقعات کا مسکن اوران کی روح کا نشیمن بن گیا تھا اور وہ اس کو علوم دینیہ کے بقا، مسلمانوں کی صحیح دینی رہنمائی، ان کو فسادِ عقیدہ اور فسادِ عمل سے بچانے کا واحد ذریعہ سمجھتے تھے۔ حقیقت میں انھوں نے "آپ بیتی" کا سلسلہ مدارس کے اسی دور کی یاد تازہ کرنے اور انھیں خصائص کو دوبارہ پیدا کرنے کے خیال سے مرتب فرمایا اور یہی مضمون ہے جو اس کے زیادہ تر صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ لیکن بمصداق ایک عربی شعر کے ؎

ما کل ما یتمنی المرء یدرکہ
تجری الریاح بما لا تشتھی السفن

زمانہ کے فساد اور ماحول کی انتشار انگیزی کا اثر ان قدیم مدارس پر بھی پڑا اور وہاں بھی احتجاجوں اور اسٹرائکوں کا دور شروع ہوگیا۔ ۱۳۸۰ھ (۱۹۶۰ء) میں دارالعلوم دیوبند میں اسٹرائک ہوئی اور عرصہ تک انتشار وہنگامہ رہا، شیخ نے ان حالات سے متاثر ہوکر مجلس شوریٰ سے استعفےٰ دے دیا اور آخر تک اسی پر قائم رہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ۱۳۸۸ھ میں خود مظاہر العلوم میں اسٹرائک ہوئی، شیخ کے دل پر اس کی بڑی چوٹ لگی۔ وہ اس موقع پر اکثر یہ شعر پڑھتے، اور دوستوں اور عزیزوں کو لکھتے ؎

وہ محروم تمنا کیوں نہ سوئے آسماں دیکھے
کہ جو منزل بہ منزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے

مدرسہ مظاہر العلوم ہی میں نہیں، شیخ کو اسٹرائک سے خواہ وہ کسی دینی مدرسہ میں ہو سخت کراہت اور نفرت تھی اور وہ ان طلبہ کو جو اسٹرائک میں قائدانہ حصہ لیں کسی رعایت، حسن ظن واعتماد، اور کسی دینی اعزاز کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۶۹ء میں جب دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اسٹرائک کی خبر ان کو ملی تو ان کو اس سے بھی صدمہ ہوا اور وہ کبھی ان طلبہ سے منشرح نہیں ہوئے جن کے متعلق ان کو کسی ذریعہ سے معلوم ہوگیا کہ انھوں نے اس اسٹرائک میں حصہ لیا تھا۔ اس لیے کہ ان کو تمام مدارس دینیہ سے جو صحیح مسلک پر قائم تھے گہرا قلبی تعلق تھا۔ وہ ان میں کسی

انتشار واختلاف کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور شاید کبائر کے بعد جس چیز سے شیخ کو سب سے زیادہ نفرت تھی اور اس پر غصہ آتا تھا۔ وہ کسی عربی مدرسہ کے طلبہ کی اسٹرائک تھی۔ مسلسلات کے موقع پر بھی بعض وقت لکھ کر لگا دیا گیا یا اعلان کیا گیا، کہ جن لوگوں نے کسی مدرسہ میں اسٹرائک میں حصہ لیا ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، اجازت دینے میں بھی ہمیشہ اسی کا لحاظ رکھا گیا کہ جن لوگوں نے کسی مدرسہ میں اسٹرائک میں حصّہ لیا ہے، اُن کو ہرگز یہ شرف نہ عطا کیا جائے اُن کو اپنے حلقۂ ادارت میں لینے سے بھی انکار تھا۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ" میں ایسے سوریاؤں سے بہت کا تعلق بالکل نہیں رکھنا چاہتا[1]"

افسوس ہے کہ حضرت شیخ کے دل پر زندگی کے آخری دور میں دارالعلوم دیوبند کے اختلاف وانتشار کا داغ لگا، پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے کہ حجاز کے قیام میں بھی آپ کو اس مسئلہ سے کتنا تعلق خاطر تھا۔ اپنے ایک مکتوب میں جو اسی قضیہ کے اپنے آخری حدود سے پہلے کا لکھا ہوا ہے، تحریر فرماتے ہیں۔

"دیوبند وسہارن پور کا ہر وقت فکر ہے کہ میرے بڑوں کے ڈو باغ ہیں کتنے صلاح وفلاح سے اکابر نے لگایا تھا اور ہم ناخلفوں نے کس طرح اس کو برباد کرنا شروع کر دیا (فالی اللہ مشتکی) بڑوں کی نصیحت تھی کہ جب تک اخلاص رہے گا پھلے گا پھولے گا۔ اور جب اخلاص نہیں رہے گا برباد ہو جائے گا۔ اس کا منظر اب سامنے آرہا ہے[2]"

اس کے بعد ۲۴ رمضان ۱۴۰۰ھ کے خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

آپ سے ملنے کو اور دیوبند سے متعلق گفتگو کو بہت جی چاہ رہا ہے، جب اُدھر سے کوئی آتا ہے تو بغیر پوچھے مجھ سے نہیں رہا جاتا اور سن کر طبیعت مکدر رہی ہوتی ہے، کاش یہ حضرات حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ وغیرہم کی سوانح عریاں

---

[1] شیخ کا مستقل رسالہ (رسالۂ اسٹرائک ہے) [2] رسالۂ اسٹرائک صـ۱
[3] مکتوب مؤرخہ ۱۶ رمضان ۱۴۰۰ھ

دیکھ لیتے تو اچھا تھا۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ یہ لوگ ان حضرات کی سوانح کے علاوہ کچھ نہ پڑھیں "۔

حجاز کے آخری قیام میں ہندوستان سے کوئی آتا یا کوئی ایسا آدمی جس کا ان مدارس سے کچھ بھی رابطہ تھا، ملتا تو سب سے پہلے دیوبند ہی کے متعلق سوال ہوتا، افسوس ہے کہ حضرت شیخ کی زندگی میں یہ معاملہ پورے طور پر روبراہ نہ ہوا۔ ورنہ ان کو بڑی مسرت ہوتی، امید ہے کہ ان کی دعائیں اور ان کا سوز دل رنگ لائے گا اور ان کو اس دنیا میں نہیں تو اس عالم میں دارالعلوم کے اپنے بانیوں کے مقاصد اور اپنے مخلص کارکنوں کے عزائم اور خواہشات کے مطابق دین کی خدمت اور علوم شریعت کی اشاعت کا کام پورے انہماک یکسوئی اور تعاون کے ساتھ انجام دینے کی خبر سے مسرت ہوگی ●●
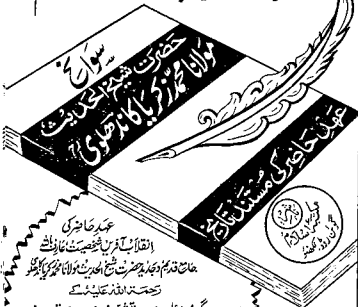
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے قلم سے
سوانح
حضرت شیخ الحدیث
مولانا محمد زکریا کاندھلوی
عہد حاضر کی مستند کتاب
عہد حاضر کی
انقلاب آفریں شخصیت عارف باللہ
جامع قدیم و جدید حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی
رحمۃ اللہ علیہ کے
حالات زندگی، اُن کا علمی و روحانی تشخص، اُن کے نمایاں صفات، انداز تربیت
توازن و جامعیت اور تعلق باللہ و عشق نبی، خلوص و محبت، فیض و تاثیر اور معرفت و
سلوک کا ایمان افروز و دل آویز تذکرہ۔
نوٹ:
غیر ملکی حضرات اپنے امر و ڈر
مثل رجسٹرڈ ڈاک بیمہ پر بھیجیں۔
ناشر:
مکتبہ اسلام پوسٹ بکس نمبر ۲۳۵ - نمبر ۳۷ گوئن روڈ لکھنؤ (انڈیا)

عاشقِ رسول

مولانا زین العابدین سجاد میرٹھی

کسی شاعر نے کہا ہے ؎

لیس علی الله بمستنکر　　ان یجمع العالم فی واحد

(اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بات کچھ دشوار نہیں کہ ساری دنیا کو ایک ذات میں جمع کردے)

اللہ تعالیٰ شانہٗ کی اس قدرت کاملہ کا کامل ظہور اور رحمت خداوندی کا یہ لانہایت نزول ، اگر مخلوق میں کسی پر ہوا ہے تو وہ ذاتِ والاصفات ہے سیدالمرسلین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ۔ بلاشبہ آپ کی ہستی ہی دست قدرت کا وہ حسین وجمیل شاہکار ہے جس میں سارے عالم کی دل ربائیاں اور رعنائیاں جمع کردی گئی ہیں ۔ چنانچہ خود خالق کائنات نے اس فخر موجودات کے محاسن کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ　　بے شک آپ کے اخلاق بہت بلند ہیں۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ　　بے شک ہم نے آپ کو ہر قسم کی خوبیاں عطا کی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کوثر سے مراد دونوں جہان کی خوبیاں ہیں اور ان میں حوضِ کوثر بھی شامل ہے ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

پھر آپ کی ذات کو کمالات انسانیت اور محاسن عبدیت کا مجموعہ بنا کر اسے دنیا جہان کے انسانوں کے لیے نمونہ کامل بنایا گیا اور کاروانِ انسانیت کو اس کے نقوشِ اقدام پر چلنے کا حکم دیا گیا ۔ فرمایا گیا ۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ　　تمھارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترنمونہ موجود ہے

آج بزرگی وعظمت اور امامت وولایت کا معیار اسوۂ حسنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور سنت سیدِ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے سوا کچھ نہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جملہ صلحاء و اولیاء امت پر افضلیت بھی اسی لیے بالاتفاق مسلم ومجمع علیہ ہے کہ یہ اسی "انسان کامل" کی صحبت وتربیت سے براہ راست مستفید ہوئے اور ان کے آئینہ قلب کا دست نبوت نے خود تزکیہ وتصفیہ کیا اور ان کے اخلاق ومعاشرت کو خود اس نے اپنے فیض صحبت سے نکھارا اور سنوارا، پھر یہ کمالات نبوت کا بہترین نمونہ بن کر آنے والوں کے مقتدا اور رہنما بنے۔ اَصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم (میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جن کی بھی تم پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔)

اس معیار پر جو کتاب وسنت کا مقرر کردہ معیار ہے، اگر ہم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ کو جانچیں تو حضرت ممدوح کی ذات ہمیں بزرگان عصر کی صفوں میں ایسی ہی ممتاز نظر آئے گی جیسے ستاروں کی محفل میں چاند۔ آپ کا خصوصی وصف عشق نبوت' اتباع سنت اور خدمت سنت ہی ہے۔ اور اسی ام الاوصاف سے دوسرے تمام کمالات اور محاسن انسانیت کی شاخیں پھوٹتی ہیں اور اخلاق حسنہ اور آداب عالیہ کے پھول کھلتے ہیں اور آپ خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں بالواسطہ' مذکورالصدر شعر کا مصداق بھی بن جاتے ہیں۔

آپ کے فضائل وکمالات، اخلاق وعادات، تعلیمات وافادات پر لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا ہے اور بہت کچھ لکھا جائے گا، نہ یہ میرا رتبہ ہے اور نہ اتنی معلومات۔ یہ حق ہے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی اور حضرت مولانا علی میاں جیسے جوہر شناسوں کا، میں تو محض تعمیل حکم کے لیے حضرت کی سیرت کے اسی مرکزی وجوہری وصف سے متعلق چند لفظ لکھنا چاہتا ہوں۔

خدمت سنت :-

جہاں تک خدمت سنت کا تعلق ہے، آپ کی ساری عمر ہی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدریسی وتصنیفی خدمات میں گزری۔ ۱۳۳۴ھ میں آپ مظاہر علوم سہارنپور سے (جو دارالعلوم دیوبند کے بعد برصغیر کا سب سے بڑا دینی تعلیمی مرکز ہے) فارغ ہوئے اور اگلے ہی سال یہیں مدرس ہو گئے۔ پھر فنون حدیث میں اعلیٰ صلاحیت کی بنا پر اپنے شیخ محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد

سہارنپوریؒ کے حکم سے ۱۳۴۴ھ میں شیخ الحدیث کے منصب عظیم پر فائز کیے گئے اور ستائیس سال تک مسند تدریس حدیث کی زینت رہے۔ اس طویل مدت میں ہزاروں تشنگان علوم نبوت کو اپنے چشمۂ فیض سے سیراب کیا۔ "شیخ الحدیث" کا لقب آپ کو علوم حدیث میں ماہرانہ نظر کی بنا پر آپ کے استاذ و شیخ حضرت سہارنپوریؒ نے ہی عطا فرمایا۔ پھر اس طرح زبان زد خواص و عوام ہوگیا کہ لوگ آپ کا نام بھول گئے۔ ادب و عظمتِ حدیث کا یہ حال تھا کہ پڑھانا تو اور بات ہے پڑھنے کے زمانہ میں بھی کوئی حدیث بغیر وضو کے نہ پڑھی۔ پھر اس مقدس خدمت کا آپ نے کوئی دنیوی معاوضہ قبول کرنا گوارا نہ کیا۔ مظاہر علوم سے تعلق قائم ہونے کے بعد کچھ عرصہ تک تو اپنے شیخ و مرشد حضرت سہارنپوریؒ کے حکم کی تعمیل میں تنخواہ قبول کی، پھر لینا چھوڑ دی۔ ۱۳۴۴ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بہ ارادۂ قیام حجاز مقدس روانہ ہونے لگے تو چونکہ بذل المجہود شرح ابی داؤد کی تالیف کے سلسلہ میں آپ اپنے شیخ کے خصوصی معاون تھے، اس لیے آپ کا ساتھ جانا ناگزیر تھا۔ اس موقع پر حجاز مقدس کے سفر خرچ اور گھر کے اخراجات کا مسئلہ سامنے آیا۔ حضرت سہارنپوریؒ نے مشورہ دیا کہ دس سال کی تنخواہ تمھاری جو مدرسہ کے رجسٹر میں درج چلی آرہی ہے لے لو۔ حضرت شیخ نے عرض کیا کہ میں نے تو اس نیت سے پڑھایا ہے کہ تنخواہ نہ لوں گا، اب مجھے اس کے لینے کا کیا حق ہے۔ حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا تم نے کوئی درخواست تو مدرسہ کو نہیں دی۔ تم اجیر تھے اور مدرسہ مستأجر تمھیں یکطرفہ فسخ اجارہ کا حق حاصل نہ تھا لہٰذا عقد اجارہ قائم ہے۔ مگر حضرت اس فقہی جواز پر عمل کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اس وقت تو استاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر دی مگر بعد میں تمام اگلی پچھلی تنخواہیں مدرسہ کو واپس کر دیں۔

ان مقدس تدریسی خدمات کے علاوہ آپ نے حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جو تصنیفی و تالیفی خدمات انجام دیں وہ قرون اولیٰ و وسطیٰ کے محدثین کرام کی عظیم الشان خدمات کی یاد تازہ کرتی ہیں۔

بذل المجہود شرح ابی داؤد (جو پانچ ضخیم جلدوں میں ہے) کے اصل مؤلف اگرچہ آپ کے گرامی منزلت استاذ و شیخ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ ہیں مگر اس مقدس کام میں آپ کے دست و بازو، سہارنپور اور مدینہ منورہ میں، حضرت شیخ الحدیث ہی رہے ہیں۔ چنانچہ

حضرت اقدس سہارنپوریؒ نے کتاب کے مقدمہ میں "عزیزی وقرۃ عینی و قلبی" کے محبانہ الفاظ سے آپ کا ذکر فرماکر آپ کی سعی و محنت اور تفحص و تتبع کا دلی دعاؤں کے ساتھ اعتراف فرمایا ہے۔ یہ کتاب یوں تو ابوداؤد کی شرح ہے مگر جملہ کتب صحاح کے مباحث دقیقہ وانیقہ کو حاوی ہے اور مسلک حنفی کی ترجیح میں محققانہ کلام کی جامع۔ علمار حجاز و مصر نے اس کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ایک گفتگو میں راقم الحروف سے فرمایا تھا کہ "بذل المجہود" کی تدوین سے خدمت حدیث کے سلسلہ میں علماء دیوبند و سہارنپور کی طرف سے فرض کفایہ ادا ہوگیا ہے۔"

شروح حدیث کے سلسلہ میں آپ کی اپنی مستقل تالیف اوجز المسالك شرح موطا امام مالك ہے، جو چھ مبسوط جلدوں میں ہے۔ اس میں حل لغات و تحقیق رواۃ کے بعد، ائمہ اربعہ کے مذاہب خود ان مذاہب کے معتمد علماء کی کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں، پھر مذہب احناف کو مدلل و مبرہن کیا گیا ہے۔ لطائف و معارفِ حدیث کا بھی گراں مایہ خزانہ ہے۔ علماء عجم و عرب نے اس کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔ شیخ عبدالوہاب عبداللطیف رئیس قسم السنۃ کلیۃ اصول الدین جامعہ ازہر نے مقدمہ موطا امام مالک میں آپ کی تحقیق و تفحص میں "سعی بلیغ و جہد کبیر" کی بڑی تعریف کی ہے۔

اس کے علاوہ لامع الدراری شرح جامع البخاری، جو حضرت قطب الارشاد مولانا گنگوہیؒ کی آخری تقریر بخاری شریف کا مجموعہ ہے (جسے آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد یحییٰؒ نے عربی میں ضبط کیا تھا) اس کو آپ نے تعلیقات نفیسہ سے مزین فرمایا ہے۔ یہ بھی بلند پایہ کتاب ہے اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی فرمائش پر مرتب کی گئی ہے۔ تین جلدوں میں ہے۔

یہ کتابیں تو عربی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ اردو زبان کی کتابوں میں شمائل ترمذی کی شرح خصائل نبوی بھی بڑی مفید اور متبرک کتاب ہے۔ اصل کتاب میں امام ترمذیؒ نے سیرت و شمائل مقدسہ سے متعلق چار سو احادیث کو چھپن ابوں میں جمع فرمادیا تھا۔ آپ نے اردو میں ان کا ترجمہ اور شرح کرکے اردو دانوں کے لیے سیرت مقدسہ کا مستند ترین مجموعہ مہیا کردیا ہے، جس کے

آئینہ میں محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے جمال وکمال کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ کی پرانی تالیف "حکایاتِ صحابہ" بھی بڑی دل کش اور روح پرور کتاب ہے۔ اس کو پڑھتے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس زندگیوں کے نورانی مناظر نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم "خیرالقرون" کے دور سے گزر رہے ہیں)۔

آپ کے رسائل فضائل، فضائل ذکر، فضائل قرآن، فضائل صدقات، فضائل نماز، فضائل رمضان، فضائل حج، فضائل درود جو "تبلیغی نصاب" میں یکجا کر دیے گئے ہیں، روحانی دسترخوان کی بہترین غذائیں ہیں۔ ان کو پڑھ کر اور سن کر لاکھوں انسانوں کی زندگیاں بدل گئی ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں ہیں جو آپ نے بعض دینی فتنوں کے انسداد اور عصری ضرورتوں کی تکمیل کے لیے لکھیں۔ یہ سب علمی جواہرات جو آپ نے معادنِ کتاب وسنت سے نصف صدی کی کوشش وکاوش کے بعد جمع کیے ان سے نَضَّرَ اللہُ امرأً سَمِعَ منا شیئًا فَبَلَّغَہ کما سمِع فرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوعٰی من سامع (ترمذی) کے اجر کے سوا کچھ مطلوب نہ تھا۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جس زمانہ میں بذل المجہود مصر میں طبع کرائی جارہی تھی اور اس کی تصحیح وطباعت کے اہتمام کے سلسلہ میں ہزاروں روپے صرف کیے جارہے تھے۔ حضرت مولانا محمد سلیم صاحب کیرانوی مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ اتنا روپیہ خرچ کرکے یہ کتاب چھپوا رہے ہیں تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی رجسٹری بھی کرالیں ورنہ اندیشہ ہے کہ کوئی ناشر اس کا فوٹو لے کر چھاپ لے اور اسے اتنی قیمت فروخت کرنے لگے جو آپ کی لاگت سے بھی کم ہو۔ ایسی صورت میں آپ کی کتاب فروخت نہ ہوسکے گی۔ حضرتؒ نے فرمایا اگر کوئی ناشر ایسا کرنا چاہے تو اس کا فوٹو کرانے کی اجرت تو میں پیش کردوں گا۔ وہ کتاب چھپوا لے اور بیچ لے بعد میں انشاء اللہ تعالیٰ میری طباعت کردہ کتاب بھی نکل ہی جائے گی۔ (اکابر کا تقویٰ ص۲۱)

یہاں کسی مصنف کے اپنی تصنیف کردہ کتاب کے حقوق محفوظ کر لینے کے جواز وعدم جواز کی بحث نہیں۔ مقصود ذکر وہ جذبہ للّٰہیت واخلاص عمل ہے جو اس جواب کا محرک ہوا۔

کتب حدیث کی تدریس، شروح حدیث کی تدوین، تراجم کتب حدیث کی ترتیب اور اپنے ان بزرگوں

کی صحبت نے جو صاحب سنت علیہ السلام والتحیۃ سے والہانہ محبت رکھتے تھے اور اتباع سنت کا بے نظیر نمونہ تھے۔ آپ کو عشق نبوی اور اتباع سنت کے سانچہ میں ڈھال دیا تھا۔ آپ کے اخلاق وآداب معاشرت ومعیشت، رفتار وگفتار، اکل وشرب، نوم و یقظہ جملہ اعمال وافعال سنت کے دائرہ میں ہوتے تھے۔ آپ کے عمل کو دیکھ کر لوگ دین کی تعلیم اور مسائل کا علم حاصل کرتے تھے۔ سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اس اختیاری مواظبت کے یہ برکات وثمرات تھے کہ غیر اختیاری اعمال میں بھی اتباع سنت کے مواقع نصیب ہوئے۔

مرجعیت ومرکزیت :-

عمر کے آخری سالوں میں اللہ تعالیٰ نے وہ مرکزیت ومرجعیت عطا فرمائی کہ عام الوفود (سنہ ۹ھ) کے مناظر نگاہوں کے سامنے آگئے۔ عوام وخواص، علماء وفقراء، امراء وزراء، دانشور وصحافی، وکلاء وحکام، یونیورسٹیوں کے پروفیسر اور اسکالر، مدارس عربیہ کے اساتذہ وتلامذہ، مسلم لیگی، مسلم مجلسی، جمعیتی اور کانگریسی، غرض ہر طبقہ، ہر جماعت اور ہر ذہن وفکر کے لوگ، ہزاروں میل کے سفر کر کے آتے اور صحن سامنے سے لائنوں میں گزرتے ہوئے مصافحہ کر لینے اور آخری سالوں میں تو چہرۂ انور کی ایک جھلک دیکھ لینے کو اپنی معراج سمجھتے۔

تیسرے سال (۱۳۹۹ھ) کی تشریف آوری ہند کے موقع پر رمضان المبارک میں سہارنپور حاضری نصیب ہوئی۔ میرے فرزند ڈاکٹر زین الساجدین اور ان کی والدہ صاحبہ (جو حضرت سے بیعت ہیں) اور خواہر زادہ مسرور حسن علوی اور ان کی بیگم (جو بیعت کے آرزومند تھے) ساتھ تھے حضرتؒ مظاہر علوم کی وسیع نو تعمیر مسجد کے اندرونی دالان میں معتکف تھے۔ مسجد کے دالان، اس کا وسیع وعریض صحن، بالائی حصہ اور مسجد سے متصل جدید التعمیر کشادہ ہوسٹل پٹا پڑا تھا۔ ۸۔۱۰ ہزار سے کم حاضرین کیا ہوں گے؟ میں مایوس ہوگیا کہ حضرت تک رسائی کیا ہوگی۔ خوش قسمتی سے ایک دوست نے جو وہاں کے منتظمین میں سے تھے مجھے دیکھ لیا اور خود ہی میری حاضری کی حضرت کو اطلاع کردی۔ اپنے ادنیٰ خادموں اور کفش برداروں کے ساتھ حضرت کو جو تعلق خاطر تھا، اس کی بنا پر فوراً طلبی ہوئی۔ انہی صاحب کی رہنمائی میں معتکفین کے بستروں پر سے گزرتا ہوا حضرت تک پہنچا۔ حضرت نے حسب معمول بڑی شفقت کے ساتھ گفتگو فرمائی اور میاں علوی اور ان کی بیگم صاحبہ کو

(مسجد کے عقبی دروازہ سے پس پردہ بلاکر) بیعت فرمایا، پھر مجھے ایک صاحب کے حوالہ کیا جن کا بستر قریب ہی تھا۔ بعد ظہر اور بعد عصر ذکر، تلاوت قرآن اور کتب فضائل کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ افطار بھی سبھی نے اپنی اپنی جگہ ہی کیا۔ اس کے بعد سب سنن ونوافل میں مشغول ہو گئے۔ تراویح میں نے مسجد کی بالائی منزل میں پڑھی کیونکہ ضروریات کے لیے باہر نکل گیا تھا۔ پھر مسجد میں آنے کے لیے جگہ نہ ملی تھی۔ تراویح نصف شب کے قریب ختم ہوئی۔ سفر کی تکان اور سہ پہر کو معمول کے خلاف جاگنے کی وجہ سے بدن چور چور ہو رہا تھا۔ سونے کے لیے میرا انتظام ایک مراد آبادی تاجر صاحب کے ساتھ ہوسٹل کے ایک وسیع حجرہ میں کر دیا گیا تھا۔ میں مسجد سے نکل کر حجرہ کی طرف چلا تاکہ آرام کروں یکایک لاؤڈ اسپیکر پر میرے نام کا اعلان ہوا کہ اسے حضرت اقدس یاد فرما رہے ہیں۔ جہاں کہیں ہو حاضر ہو جائے۔ اپنی ناطاقتی، کم ہمتی اور عافیت پسندی پر حضرتؒ کی شفقت غالب آگئی۔ حاضر خدمت ہوا۔ تعلیم وتلقین کا سلسلہ جاری تھا۔ بڑی شفقت کے ساتھ اپنے پاس بیٹھنے کا حکم دیا۔ غالباً ڈیڑھ دو بجے شب فراغت ہوئی۔ کمرہ میں پہنچا۔ تھوڑی دیر آرام کیا۔ (میرے ہمراہی شہر میں کسی دوست کے ہاں ٹھہر گئے تھے) سحری کھا کر کچھ دیر آرام کیا۔ پھر صبح کو حاضر خدمت ہو کر واپسی کی اجازت چاہی۔ حضرت والا نے بھی میری کم ہمتی اور ناطاقتی کو غالباً محسوس فرمالیا تھا۔ اجازت مل گئی۔

کہنا یہ چاہتا تھا کہ اس موقعہ پر آٹھ دس ہزار سے کم مجمع کیا ہوگا مگر سب کے افطار وسحری کا انتظام کیا جا رہا تھا۔ میرے مراد آبادی شریک حجرہ اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان لائے تھے میں ان کا مہمان بنا دیا گیا تھا۔ مگر سحری کے وقت کچھ اور بھی حضرتؒ کی طرف سے اس عاجز کو بھیجا گیا۔ اللہ اللہ یہ ذرہ نوازی اور خدام پروری! کئی سال پہلے کا ایک اور قصہ یاد آ گیا۔ مظفر نگر میں ایک وقف کی میٹنگ تھی۔ اس زمانہ میں حضرت شیخ الحدیثؒ سہارن پور تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں نے حاضری کا ارادہ کر لیا۔ لکھنؤ کے ایک رئیس جو اس کمیٹی میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے میرے ساتھ سہارن پور جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ ہم لوگ جس وقت دردولت پر پہنچے ہیں تو تقریباً ایک بجا تھا۔ اطلاع کرائی اور حاضری ہوئی۔ حضرت والا چارپائی پر تکیوں کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے۔ حسب معمول چارپائی کے برابر میں چبوترے پر ہم لوگوں کو بیٹھنے کا حکم ہوا۔ فوراً دسترخوان بچھا اور قسما قسم کے کھانے آنے شروع ہو گئے۔ پھر مزاحیہ انداز میں اچھی طرح ان سے محظوظ ہونے کی تاکید

بھی شروع ہوگئی۔ میرے ہمراہی لکھنوی رئیس صاحب آزاد طبع تھے بے تکلف. بولے "کیا علماء کرام کا ذوق نانِ جویں ختم ہوگیا" میں حیران رہ گیا مگر حضرت کے چہرہ پر ذرا ناراضی کا اثر ظاہر نہ ہوا۔ بڑی سنجیدگی کے ساتھ فرمایا "الحمد للہ ایسا تو نہیں ہے مگر مہمانوں کے اکرام کا حکم ہے"۔ وہ صاحب خاموش ہوگئے اور اپنے سوال پر شرمندہ ہوئے۔

اسی قسم کا ایک واقعہ آپ بیتی (ج ۲، ص۲۴۴) میں نظر سے گزرا جہاں حضرت نے عوام وخواص سے تعامل کے فرق کے سلسلہ میں ایک صاحب کا اعتراض اور ابو داؤد شریف میں حضرت عائشہ کے ایک اثر سے استدلال کرتے ہوئے اپنے جواب کا ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک سائل آیا اور حضرت عائشہ نے اس کو روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا۔ اس کے بعد ایک اور شخص ذی حیثیت آیا جس کے جسم پر اچھا لباس بھی تھا۔ حضرت عائشہ نے اسے بٹھایا اور کھانا کھلایا۔ کسی نے حضرت عائشہؓ سے اس طرزِ عمل کے فرق کی وجہ پوچھی۔ انھوں نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ لوگوں کو ان کے مرتبہ پر اتارو (لوگوں سے ان کی حیثیت کے مطابق برتاؤ کرو)۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ سنہ ۹ھ میں حضرت عدی بن حاتم (سردار بنی طے) کی بارگاہ نبوی میں حاضری کے موقعہ پر، سرکار نبوت صلے اللہ علیہ وسلم کا ان کو اپنی مسند پر بٹھانے کا واقعہ بھی اس کا مؤید ہے۔

الغرض حضرتؒ کے ہاں اختیاری امور میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت پر سختی سے عمل ہوتا تھا۔ اس کا ثمرہ یہ تھا کہ غیر اختیاری امور میں بھی حضور کی سنتوں پر عمل ہوا۔ چنانچہ آخری سالوں میں عام الوفود کے مناظر دیکھے گئے جب مشتاقانِ دیدار دنیا کے ہر حصہ سے پروانہ وار امڈے چلے آرہے تھے اور یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کے مناظر آنکھوں کے سامنے پھر رہے تھے۔

پھر سب کو معلوم ہے کہ اس عاشق رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی آخری تمنا یہ تھی کہ مدینۃ الرسول میں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ اس کے لیے حضرت کا اضطراب وبیقراری دیدنی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آرزو بھی پوری کی۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس عاشق اور سنت رسول اللہ کے اس فدائی نے آخر یکم شعبان دوشنبہ

کے دن (جو حضورؐ کا یوم وصال تھا) مابین عصر و مغرب مدینۃ الرسول میں جوار روضۃ النبی میں جان جاں آفریں کے سپرد کی۔ امام حرم نبوی شیخ عبداللہ زاحم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ باب جبریل سے جنازہ لے کر نکلے اور جنت البقیع میں سیکڑوں صحابہ کرام کے مدفن اور اہل بیت عظام کے احاطہ میں اپنے مرشد جلیل حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری کے پہلو میں سپرد خاک پاک مدینہ کیے گئے۔ ہجوم اس قدر تھا کہ اس سے پہلے کم کسی کے جنازہ میں دیکھا گیا ہوگا۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ شاملۃ کاملۃ۔

ہمارے اکابر کا سیاسی اختلاف رائے :

حضرت شیخ الحدیث حکیم الامت حضرت تھانوی اور شیخ الاسلام حضرت مدنی کے اختلاف رائے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ان اکابر کا آپس کا اختلاف ہم جیسے نا اہلوں کا اختلاف نہیں تھا، بلکہ اس اس نوع کا اختلاف تھا جس کی نظیر جنگ جمل و جنگ صفین میں گزر چکی ہے اور اس کے متعلق مفصل کلام میں اپنے رسالہ "اعتدال" میں کر چکا ہوں۔ چنانچہ جب یکم محرم ۱۳۶۱ھ میں سول نافرمانی اور قانون شکنی کے جرم میں مظفر نگر کے اسٹیشن پر سے حضرت مدنی کو گرفتار کر کے جیل بھیجا گیا اور حضرت تھانوی قدس سرہٗ کو اس کی اطلاع ملی تو ظہر سے عصر تک کی مجلس میں حضرت مدنی کی گرفتاری پر نہایت ہی رنج و غم اور قلق کا اظہار فرماتے رہے اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اس کا احساس نہیں تھا کہ مجھے مولانا حسین احمد صاحب سے اتنا تعلق ہے۔"
(آپ بیتی نمبر ۴ ص ۶۷)

ایک نظر
اِدھر بھی!
کلامِ صوفی
حضرت سید عبد الرب صوفی رح کا منتخب کلام
قیمت: ۴۰ روپئے
ایک مردِ مومن کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی پکار جس کے لفظ لفظ سے امت کا درد اور للہیت ٹپکتی ہے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم اور شاہ محمد ابراہیم ایم اے کے بیش بہا مقدمات سے مزین ــ کاغذ، کتابت، طباعت، جلد ہر چیز معیاری۔
کتاب کے ابواب :ــ حمد۔ نعت۔ مدح صحابہ۔ یادِ حرم۔ ایمانی شجاعت۔ اصلاحِ امت۔ تحریکِ ایمانی۔ دردِ ملت۔ ردِ بدعت۔ مناظرانہ جوابات۔ رموزِ فطرت۔ سوز و ساز۔ اللہ والوں سے محبت۔ دعائیں۔ ہر باب کے ذیل میں گوناگوں عنوانات۔ پانچ سو سے زائد صفحات۔ سائز ۲۶ × ۱۷
روزی میں برکت اور بلاؤں سے حفاظت کیلئے
آسان رزق (اردو) تین روپے۔ آسان رزق (گجراتی) تین روپے۔ آسمانی روٹی ڈیڑھ روپے۔ راہِ امن: ایک روپیہ
ملنے کا پتہ: محمد یونس صدیقی خادم مدرسہ دعوۃ الحق۔ کڈی ، ن گجرات (انڈیا)
P.O. KADI. N. GUJRAT
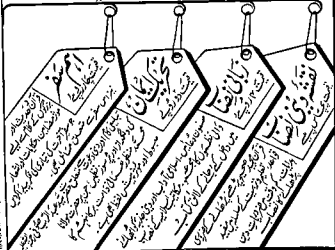
حضرت شیخ الحدیث

اس زمانہ کی ایک عظیم جامع شخصیت

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی ثم مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے پہلی بار آج سے ۳۶ سال قبل ۱۹۴۲ء میں زیادہ قریب سے دیکھا۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب میری مدرسی تعلیم کا زمانہ تھا اور اسی سلسلہ میں مجھے میرے خال معظم مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ اور خال معظم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی نے سہارنپور بھیجا کہ میں حضرت شیخ کی سرپرستی میں رہ کر وہاں بھی کچھ تعلیمی وقت گزاروں، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف یہ کہ سرپرستی قبول فرمائی بلکہ اپنی قیام گاہ سے متعلق رکھا اور کھانے میں مہمان بنایا۔ مجھے اس کی وجہ سے سرپرستی اور قریبی شفقت دونوں حاصل ہوئیں، مجھے اس موقع پر سہارنپور رہنے کی سعادت تو مختصر ہی ملی لیکن اس وقت سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے قرب کی سعادت حاصل ہوگئی جو برابر قائم رہی اور حضرت برابر شفقت و عنایت فرماتے رہے۔ عریضوں کے جواب سے شاد فرماتے اور میری صلاح و فلاح کا خیال فرماتے۔ میرے تعارف سے قبل ہی میرے بڑے بھائی مولانا سید محمد ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو تعارف و تعلق حاصل

ہوچکا تھا اور انھوں نے پورے ایک سال حضرت کے سامنے زانوئے تلمذ بھی طے کیا تھا بعد میں یہ تعلق حضرت کے خصوصی اعتماد پر بھی منتج ہوا، میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ سب تعلقات بھی میرے لیے حضرت کی شفقت کے حصول کا سبب بنے۔

مخدوم معظم مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی نے مجھ سے فرمایا کہ میں بھی حضرت سے متعلق اس نمبر کے لیے جو رسالہ الفرقان کا نکلنے والا ہے کچھ تحریر کروں۔ اگرچہ حضرت کی شخصیت و مقام پر میرے لکھنے سے کوئی نئی روشنی نہ پڑے گی ان کا مقام اس سے بہت بلند اور مستغنی ہے لیکن میں نے اپنی سعادت سمجھ کر مخدوم معظم مولانا نعمانی مدظلہ کے حکم کی تعمیل کو قبول کیا، چنانچہ ذیل میں جو میرے خیال میں آسکا وہ درج کررہا ہوں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی زندگی خیر و برکت، علم و دعوت کا ایک دور تھا جو اُن کی رحلت پر ختم ہوا۔ ان کی متعدد صفات ایسی تھیں کہ کہنا مشکل ہے کہ کب اور کہاں دیکھنے میں آسکیں گی۔ ان کی پاکیزہ زندگی کے متعدد انداز ایسے تھے جن میں حضرت شیخ اپنے دور میں بالکل منفرد تھے اور وہ اوصاف صرف بزرگ اسلاف ہی میں ملتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی مشغولیت علمی، تربیت دینی اور فہم و فراست اور اسی کے ساتھ ساتھ غیر معمولی اخلاق و محبت ایسی صفات تھیں جو نہ صرف یہ کہ ان کی عظیم شخصیت کا مظہر تھیں بلکہ ان سے خلق خدا کو بہت زیادہ دینی نفع پہنچا اور ہزاروں لاکھوں کی زندگیوں کے سنورنے میں مدد ملی۔ اور اس طرح حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی رحلت کے وقت اصلاح یافتہ افراد کی ایک بڑی جماعت چھوڑی۔

حضرت شیخ الحدیث نے اپنی زندگی کی مصروفیات کو دو اہم مقاصد میں تقسیم کر رکھا تھا، ایک تربیت دینی اور دوسری خدمت علمی۔ انھوں نے ان دونوں صفات کو بہت اچھے طریقہ سے جمع کر رکھا تھا، جب کوئی ان کی علمی مشغولیت پر نظر ڈالتا تو اس کو ایسا محسوس ہوتا کہ اس مشغولیت کے علاوہ ان کا کوئی اور کام نہیں۔ علمی مشغولیت کے جو آداب اور شرائط ہیں وہ حضرت میں بدرجۂ اتم پائے جاتے تھے۔ اس میں تحقیق و استناد کی طرف پوری توجہ رہتی، بلکہ یہ بات بعض وقت اس حد تک پہنچ جاتی کہ حضرت اپنے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں اور متوسلین سے علمی تعاون طلب کرنے میں بھی تکلف نہ فرماتے۔ اور پھر پوری وسیع القلبی سے اس کا تذکرہ و صراحت بھی فرما دیتے۔ اس طرح ایک وسیع القلب محقق کی بہترین مثال تھے۔ چنانچہ کیسی کیسی ٹھوس علمی کتابیں فن حدیث میں ان کے قلم سے نکلیں اور اسی کے ساتھ نہایت مؤثر اور دینی جذبہ پیدا کرنے والی کتابیں بھی تحریر فرمائیں۔ دوسری طرف جب ان کی تربیت دینی پر کوئی نظر ڈالتا تو اس کو نظر آتا کہ گویا اس کے علاوہ کوئی اور کام حضرت شیخ کا نہیں ہے، فکر و توجہ، فہم و فراست، غیر صالح باتوں پر روک ٹوک اور زندگی کو سنوارنے والی باتوں کی طرف توجہ دہانی یہ آپ کی وہ خصوصیات تھیں کہ مسترشدین ڈرتے رہتے کہ کب ان کی کس بات کی پکڑ ہو جائے گی اور تنبیہ ہوگی۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا درمیانی دور متعدد بزرگ معاصرین کے ساتھ گزرا۔ یہ بزرگ معاصرین حضرت ہی کے صف کے اور حضرت کے دوستوں اور مثل دوستوں کے تھے، ان میں خاص طور پر قابل تذکرہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری تھے، یہ حضرات جب اکٹھا ہوتے تو مجلس روحانیت کا زعفران زار بن جاتی، ایک دوسرے سے ربط و بے تکلفی اور اس بے تکلفی کے ساتھ ساتھ محبت و احترام دیکھنے کی چیز ہوتی۔ اسی دور میں کچھ فاصلہ پر مرکز تبلیغ نظام الدین دہلی میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی مقیم تھے، اور ہزاروں اور لاکھوں بندگان خدا کو دینی زندگی سے وابستہ کرنے کی انتھک جدوجہد میں مصروف تھے۔ وہ حضرت شیخ کے چچازاد بھائی تھے اور عمر میں خاصے چھوٹے تھے، اور اپنے بزرگ والد حرکت تبلیغ کے داعئ اول حضرت مولانا

محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کی رحلت کے بعد جو کہ ۱۹۴۴ء میں ہوئی تھی حضرت شیخ ہی کو اپنے والد کے مثل سمجھتے تھے اور حضرت شیخ ان کا بہت خیال بھی رکھتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ دینی خصوصیات کے لحاظ سے ایک طرح سے معاصر اور ہم جماعت تھے، اس سلسلہ کی ہم جماعتی کا تعلق ایک طرف ان کو حضرت شیخ سے حاصل تھا اور دوسری طرف یہی تعلق حضرت شیخ کو ان کے والد یعنی اپنے چچا حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے حاصل رہ چکا تھا اس طرح ہم جماعتی کتنی قوی اور منضبط کیوں نہ ہو لیکن موت وزندگی کے لحاظ سے اس کا تسلسل ضروری نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت شیخ کے احباب و ہم جماعت لوگوں کی یہ محفل ایک ایک کرکے وفات پانے سے سونی ہوتی گئی، چنانچہ ۱۹۴۴ء میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کی رحلت ہوئی، ۱۹۵۷ء میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی رحلت ہوئی، ۱۹۶۲ء میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی رحلت ہوئی، اور ۱۹۶۵ء میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ بھی رحلت کر گئے، اور اس محفل کے ارکان میں سے صرف حضرت شیخ رہ گئے، جنھوں نے ۱۹۸۲ء میں رحلت پائی، اس طرح حضرت شیخ کو اپنے قریب ترین دوستوں ہی کا نہیں بلکہ اپنے متعدد قریب ترین عزیزوں کا غم بھی برداشت کرنا پڑا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کا غم معمولی غم نہ تھا جوان کے کم عمر معاصر، بزرگ بھتیجے اور داماد تھے، اور جنھوں نے عام انداز سے کم عمر پائی اور جلد ہی محفل کو سونا کر گئے، لیکن حضرت شیخ نے باوجود ایسے بڑے بڑے حوادث سے سابقہ پڑنے کے ان غموں کو ایسی پامردی اور سکینت نفس کے ساتھ برداشت کیا کہ ناواقف آدمی یہ محسوس کرتا کہ گویا حضرت شیخ کو کوئی خاص رنج ہی نہیں ہوا۔ بزرگوں کا رنج بھی عام انسانوں کے رنج سے مختلف ہوتا ہے، وہ باہر کم ہی ظاہر ہوتا ہے، اندر ہی اندر ابھرتا اور دبتا رہتا ہے اور وہ مایوسی کا حامل نہیں ہوتا۔ کیوں کہ ان حضرات کے یہاں اصل زندگی آخرت کی ہوتی ہے، اور یہ دنیا ان کی نظر میں واقعی ایک گزرگاہ کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں کسی کا زیادہ ساتھ رہنا اور کم ساتھ رہنا کوئی زیادہ فرق نہیں رکھتا۔

ایسے حادثات پر حضرت شیخ کا انداز نہایت پرسکون اور اپنے معمولات پر قائم رہنے کا

ہوتا تھا۔ ایصال ثواب اور تلاوت کی طرف متوجہ فرماتے اور واقعہ کو کوئی اہم مسئلہ نہ بناتے۔ چنانچہ ایسے واقعات پر حضرت شیخ کے خطوط تعزیت سے اس کا پورا پتہ چلتا ہے۔ حضرت شیخ کی رحلت میں اور مذکورۃ الصدر بزرگوں کی رحلت میں ایک خاص فرق یہ ہے کہ مذکورۃ الصدر بزرگوں میں سے ہر ایک کی رحلت کے بعد ان کی صف کے ایک یا کئی ساتھی باقی تھے، لیکن حضرت شیخ کی رحلت سے یہ صف ختم ہو گئی اور مختلف بزرگوں سے فائدہ اٹھانے والے جو سمٹتے سمٹتے حضرت شیخ پر جمع ہوتے چلے گئے تھے، بالآخر اس شخصیت سے بھی محروم ہو گئے۔

حضرت شیخ متعدد قریبی دوستوں اور عزیزوں کی جدائی کا غم سہنے کی حالت میں بھی دینی مقاصد عالیہ کی خاطر دنیا والوں کے ساتھ دنیاوی معاملات میں ایسا رویہ رکھتے کہ معلوم ہوتا کہ آپ شاید صرف دنیا کے آدمی ہیں۔ مہمانوں سے بے تکلفی، ان سے خوش اخلاقی مختلف کاموں سے بھرپور دلچسپی، لطف و ملاطفت، مشورہ، گفتگو یہ سب ظلافت اور انشراح کے ساتھ کرتے، جس کی وجہ سے ان سے لوگوں کا تعلق صرف استرشاد ہی تک محدود نہ ہوتا بلکہ زندگی کے مختلف معاملات میں بھی ان سے مشورہ چاہا جاتا، اور ان سے ان معاملات میں بھی بڑی صائب اور دور رس رائے ملتی۔ حضرت شیخ زندگی کے ان تمام کاموں سے بھی دلچسپی لیتے جن میں دین کا جذبہ یا دین کا تعلق ہوتا اور ان میں پوری مدد دیتے اور مشوروں سے اور خبرگیری سے نوازتے۔ حضرت کے ان اوصاف کی اتنی مثالیں ہیں کہ ان کا بیان کرنا طول حدیث کا باعث ہے۔

حضرت شیخ کی اہم اور مشہور صفات میں سے ایک صفت متوسلین اور مہمانوں کی فکر و ضیافت تھی، چنانچہ ہمہ وقت ان کے یہاں مہمانوں کا ہجوم رہتا، گویا کوئی تقریب ہے۔ اور کوئی خاص موقع آجاتا تو ایک بڑا ولیمہ معلوم ہوتا، حضرت کے یہاں مہمانوں کی آمد صرف ان کی کثرت ہی تک محدود نہ تھی، بلکہ ان کی خبرگیری اور بوقت تناول طعام ان کی فکر اور مہمانوں کے فرق مراتب کے لحاظ سے ان کا اکرام خاصے اہتمام سے ہوتا۔ مہمانوں کی فکر و خدمت کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ کے یہاں اس بات پر بھی پوری نظر تھی کہ ان کی اس

خوش اخلاقی سے کوئی غلط فائدہ نہ اٹھا سکے، چنانچہ معتقدین ومتوسلین پر تربیت کی نظر بھی رکھتے کہ جب کہ وہ دینی استفادہ کے لیے آئے ہیں تو وہ کسی موقع پر اکرام ضیف کو اپنا مستقل حق سمجھ کر کسی عُجب وخوش فہمی میں مبتلا نہ ہوجائیں، چنانچہ کسی مسترشد سے اس سلسلہ میں کوئی غلطی ہوجاتی تو اس کو برملا تنبیہ فرما دیتے اور اس سلسلہ میں بالکل مروت نہ کرتے۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت شیخ کے مسترشدین حضرت سے پوری محبت کرنے کے باوجود ڈرتے بھی بہت تھے، ان کے پاس حاضری کے موقع پر بازاروں میں پھرنا یا بے مقصد کاموں میں وقت گزارنا اور لایعنی باتوں میں پڑنا یہ حضرت شیخ کے یہاں ناقابل معافی جرم تھا۔ اور یہی نہیں کہ معلوم ہوجانے پر صرف تنبیہ فرماتے بلکہ برابر فکر وجستجو رکھتے کہ کون کس طرح وقت گزار رہا ہے اور کس کام میں ہے۔ حضرت کا یہ فقرہ تو مشہور تھا کہ "سونے اور کھانے پر کوئی پابندی نہیں، ہاں ادھر ادھر پھرنے اور باتوں میں وقت گزارنے کی بالکل اجازت نہیں" حضرت کے مستقل خدام اس کی فکر رکھتے اور حضرت شیخ ان سے معلومات حاصل کرتے رہتے۔ چنانچہ بارہا یہ ہوا کہ کسی نے یہ سمجھ کر کہ حضرت کے معمولات کے مطابق یہ وقت حضرت کی خاص مصروفیت کا ہے، کسی خلاف مقصد کام میں مشغولیت اختیار کرلی، مثلاً بازار چلے گئے، یا شہر کے لوگوں سے ملنے جلنے میں لگ گئے، اسی وقت حضرت کے یہاں سے طلبی آئی اور راز کھل گیا اور پکڑ ہوئی، حضرت کی یہ خصوصیت کہ بڑی خاطر تواضع اور فوراً بلا رعایت تنبیہ وہ اہم خصوصیت تھی جو مسترشدین کی تربیت کا بڑا ذریعہ تھی۔ اس سلسلہ میں حضرت کی ذہانت، دور بینی، وقت فہم کا پورا اظہار ہوتا تھا اور حضرت کی مشغولیت، خوش اخلاقی، نیک نفسی سے کوئی غلط فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا، اچھے اچھے ذہین لوگ حضرت کی فہم وفراست سے گھبراتے اور احتیاط کرتے تھے۔

حضرت کا رویہ اپنے اہل تعلق کے ساتھ بہت محبت وشفقت کا تھا اور مسترشدین کے لیے تو آپ ایک شفیق باپ کی حیثیت رکھتے تھے کہ دین و دنیا دونوں کی فکر وغم میں شریک اور غم گسار۔ چنانچہ طرح طرح کے مسائل میں لوگ ان سے رجوع کرتے اور بہت ہی صائب

رائے سے نوازے جاتے اور حضرت بھی اگر بالمشافہ مشکل ہوتا تو خط وکتابت کے ذریعہ اپنی رائے وہمدردی سے نوازتے۔

حضرت کا تعلق ملک کے مختلف اداروں سے خاص طور پر مظاہر العلوم، دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء تینوں سے تھا۔ ان تمام اداروں کے معاملات وحالات سے ایک شفیق سرپرست کی طرح دلچسپی لیتے اور اپنی حد تک جو تعاون وہمدردی ہو سکتی تھی وہ عنایت فرماتے۔ اسی ضمن کی بات ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ۸۵ سالہ اجتماع کی طرف بڑی توجہ فرمائی اور دعاؤں اور خبرگیری سے پوری مدد فرمائی جس کی برکات اس اجتماع کو نمایاں طور پر حاصل ہوئیں۔

دارالعلوم دیوبند کے قضیہ نامرضیہ میں باوجود شدید علالت کے بڑی فکر رکھی اور جہاں بھی رہے وہاں سے اپنی فکرمندی اور کوشش سے مدد فرماتے رہے۔ مظاہر العلوم تو خیر خالص ان ہی کی سرپرستی میں تھا، اس کے لیے کچھ کہنا ہی کیا، دیگر مدارس کو بھی اپنے مدارس اور اپنی فکر کا مرکز سمجھتے۔

ہندوستان کے صحیح العقیدہ مسلمانوں میں حضرت شیخ کی شخصیت اس آخری دور میں مرجع بن گئی تھی، جوق درجوق لوگ پہنچتے۔ حضرت کا حجاز کا سفر ہو یا حجاز سے واپسی ہو، یا مسلسلات حدیث کے درس کا پروگرام ہو مسترشدین وشائقین کا ازدحام ہو جاتا، اور سہارنپور یا دہلی یا جہاں یہ موقع ہوتا حضرت کی اقامت گاہ کے ارد گرد ایک جلسہ وجلوس کی کیفیت ہوتی، یہ شان کتابوں میں اسلاف کی پڑھنے میں آتی ہے جس کے مناظر اس دور میں حضرت شیخ کے یہاں دیکھے۔ رمضان کا مہینہ حضرت شیخ کے یہاں عظیم روحانی جشن کا زمانہ معلوم ہوتا۔ سیکڑوں اور ہزاروں اہل دین وحاملین جذبۂ دین حضرت کی قیام گاہ پر پہنچتے اور حضرت بھی پورا مہینہ اعتکاف میں گزارتے اور یہ لوگ بھی پورا مہینہ، اور اگر نہ ہوسکتا تو اس کا حسب استطاعت ایک حصہ حضرت کے ساتھ گزارتے، سب کی ضیافت اور فکر وتربیت حضرت خود فرماتے، اور یہ مہینہ اس طرح ایک سالانہ تربیتی کیمپ بن جاتا جس کو دیکھنے کے لیے بھی لوگ دور دور سے آتے۔

حضرت شیخ نے اپنی زندگی میں تربیت واشتغال علمی کی راہ میں بڑی قربانیاں

اور بڑے مجاہدے کیے، کچھ ابتدا میں یہ سخت تربیت ان کو ان کے عظیم والد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب سے ملی، پھر حضرت شیخ کے اپنے مرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری ثم مہاجر مدنی سے ملی، حضرت شیخ نے اپنے مرشد کے دل میں ایسا تعلق و اعتماد حاصل کیا جس سے وہ ان کے جانشین قرار پائے اور خلق خدا کا مرجع بنے۔ ان کی کتابوں کی تیاری میں ان کے ساتھ تعاون کیا اور ان کی وفات کے بعد ان کتابوں کی تکمیل و اشاعت فرمائی۔

حضرت شیخ الحدیث نے خود تصنیفات کا ایک ذخیرہ چھوڑا جو تقریباً سارا کا سارا خود ان کی حیات میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس ذخیرہ میں حدیث و کتب حدیث کے موضوعات پر نیز متعدد علمی و تحقیقی موضوعات پر خاص طور پر اور مواعظ و تربیت باطنی کے موضوع پر بہت سی کتابیں ہیں جن کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی، اور آج وہ تمام عالم اسلام میں مشہور و معروف و رائج ہیں اور خاص طور پر اہل علم میں اور تبلیغی جماعتوں میں ان سے استفادہ بہت عام اور وسیع ہے۔

آج حضرت شیخ ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کی چھوڑی ہوئی مفید و مؤثر تصنیفات نیز ان کے چھوڑے ہوئے مسترشدین و خلفاء کی ایک بڑی تعداد آج بھی ان کی قائم مقامی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تربت پر بہت بہت رحمتوں کی بارش فرمائے اور امت کی طرف سے ان کو بہترین صلہ عطا فرمائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت شیخ الحدیث کی

جامعیت اور توازن واعتدال

مولانا شمس تبریز خاں
رفیق مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء لکھنؤ

اسلام ایک دین کامل اور تہذیب مستقل ہے اس لیے زندگی کا مثالی ومعیاری نظام و آئین ہے اور اسی لیے وہ اپنے ماننے والوں سے مکمل اطاعت اور مطلق خود سپردگی کا مطالبہ کرتا ہے (یاایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ : البقرہ : ۲۰۸) اسلام کی فطرت میں وسعت وجامعیت، ہمہ جہتی اور عالمگیری ازل سے موجود ہے جس کی وجہ سے وہ ہر دور میں انسانوں کے لیے راہ حق وصداقت اور صراط مستقیم بنا رہا اور اقوام وملل کی ہدایت وسعادت کا لائحہ عمل اور دستور ثابت ہوا اور اس کی ماننے والی جو امت تیار ہوئی اُسے ایک عالمگیر اور معتدل ومتوازن امت کہا گیا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۝ (البقرہ : ۱۴۳)

اور اس طرح ہم نے تمھیں ایک متوسط امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر حق کے گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ رہیں۔

اس امت کا دور اول یعنی زمانۂ رسالت وعہد صحابہؓ صرف امت مسلمہ ہی کا نہیں، بلکہ ساری تاریخِ انسانیت کا مثالی ومعیاری زمانہ اور عہد زریں کہلانے کا ہر طرح مستحق تھا

جس میں دین و دنیا اور روحانیت و مادیت کا ایسا خوشگوار اجتماع ہوا اور جس میں فضائل اخلاق، خدا ترسی و انسان دوستی، زہد و عبادت اور خدمتِ خلق، اصلاح نفس اور احتسابِ کائنات پہلو بہ پہلو جمع تھے اور انفرادی و اجتماعی دونوں لحاظ سے اس میں علم صحیح و عمل صالح، خیر و صلاح اور اہلیت و صلاحیت، باطن کی صفائی اور ظاہر کی خوبی و خوش اسلوبی، ایمان و یقین اور راہِ حق میں جہاد و اجتہاد، خالق کی رضا طلبی اور مخلوق کی خبرگیری و دل جوئی، اخلاص و حسن نیت اور احساس ذمہ داری و فکر آخرت، خلوت و دروں بینی اور جہاں کشائی و جہاں بانی کے اوصاف، اس وسعت و جامعیت، اور اعتدال و توازن کے ساتھ جمع ہو گئے تھے کہ انسانیت نے اپنی پوری تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں دیکھی تھی اور جس کے مثالی افراد کے بارے میں اُن کے رومی دشمنوں نے یہ شہادت دی کہ وہ رات کے عبادت گزار اور دن کے شہسوار ہیں۔ (باللیل رھبان وبالنھار فرسان)

صحابہ کرامؓ کی اسی جامعیت علم و عمل اور ان کی سیرت کے اعتدال و توازن کے پیش نظر حضرت حسنؒ نے انھیں ان الفاظ سے یاد کیا تھا۔

"انھم کانوا أبر ھذہ الامۃ قلوبًا واعمقھا علمًا واقلھم تکلفا، قوما اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ فتشبھوا باخلاقھم وطرائقھم فانھم ورب الکعبۃ علی الصراط المستقیم" (۱)

(وہ لوگ اس امت میں سب سے زیادہ نیک دل، سب سے بڑھ کر گہرا علم رکھنے والے اور بے حد بے تکلف اور بے تصنع لوگ تھے جنھیں اللہ نے اپنے نبیؐ کی صحبت و رفاقت کے لیے منتخب فرمایا تھا، اس لیے تم ان کے اخلاق و اطوار کو اپنانے کی کوشش کرو کیونکہ وہ رب کعبہ کی قسم صراط مستقیم پر تھے)

اسلام کی جامعیت کے تقاضے کے پیش نظر مسلم معاشرے میں علم و عمل، ظاہر و باطن، شریعت و طریقت اور دنیوی و روحانی فضائل و کمالات کے حامل طبقات برابر موجود رہے جو امت اور عام انسانوں کے لیے صلاح و فلاح اور ہدایت و سعادت کے چیدہ و برگزیدہ نمونے

ثابت ہوئے اور جن کے مثالی افراد کو ہم ائمۂ دین، مجددین و مجتہدین اور علما و مشائخ ربانیین کے القاب سے یاد کرتے ہیں اور جنھوں نے ہر نازک دور میں اور ہر فتنہ و ابتلا کے زمانہ میں طبقاتی و جماعتی عصبیت، قومیت و وطنیت، اختلافِ مسلک و مشرب، ذاتی و جماعتی مفادات سے قطع نظر دین و ملت کے وسیع تر مفادات کی خاطر توازن و اعتدال، میانہ روی اور صلح جوئی، مفاہمت و مسامحت، سیرچشمی وکشادہ قلبی اور حکمت و موعظت، فراست ایمانی و حمیتِ دینی سے کام لیا اور ان کی ذات بابرکات سرچشمۂ رشد و ہدایت اور سرمایۂ فلاح و سعادت بنی رہی۔

اصالت و جامعیت :

ایسی ہی نادرۂ روزگار، یادگارِ زمانہ اور عہد ساز ہستیوں میں عالم ربانی، قطب دوراں و مسندِ وقت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنیؒ علیہ الرحمہ کی ذات گرامی بھی تھی جو اس عہد آخر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد الیاسؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے روحانی وارث و امین اور جانشین تھے اور علم و عمل، زہد و تقوئے، دعوت و تبلیغ، ارشاد و ہدایت، خدمتِ خلق و فکرِ آخرت، للّٰہیت اور محبت رسولؐ کی جامعیت کے لحاظ سے علمائے سلف کا نمونہ اور اکابر امت کی ایک مثال تھے۔

وہ علوم و فنون کی جامعیت کے ساتھ علمائے کرام و مشائخ عظام کی منفرد خصوصیات کے جامع بھی تھے، اسی کے ساتھ انھیں علمائے عصر اور مشائخ وقت کے مختلف سلسلوں اور مکاتب فکر و خیال سے بھی ایسا مخلصانہ ربط و تعلق تھا جس کی وجہ سے وہ اہل حق کے ہر طبقہ و جماعت کے معتمد علیہ اور متفقہ شخصیت کا درجہ رکھتے تھے۔ تعلیمی سلسلے میں وہ مظاہر علوم کے سرپرست تھے، جس کا مسلک سیاسیات حاضرہ سے قطع تعلق اور خالص علمی و تعلیمی اور تبلیغی مشغولیت ہے، مگر اس کے باوجود انھوں نے دارالعلوم دیوبند کے دونوں اکابر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے یکساں

تعلق رکھا اور دونوں کے خلوص وللّٰہیت کے قائل رہے اور ان کے علاوہ بھی دوسرے مخلص مسلمان سیاستدانوں کی خدمات کی بھی قدر فرماتے رہے۔ اور با ہمدر دبے ہمدر بنے رہے، اور خالص اسلامی سیاست کے تقاضوں پر زور دیتے رہے۔

اسی طرح فقہی طور پر حنفی ہونے کے باوجود تمام فقہی مسالک ومذاہب کا اُن کے دل میں یکساں احترام تھا اور امت کے تمام فقہاء ومحدثین کی خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کرتے تھے اور "بذل المجہود" اور "الکوکب الدری" کے حواشی اور "اوجز المسالک الیٰ موطأ الامام مالک" "لامع الدراری شرح صحیح البخاری" اور "جزء حجۃ الوداع وعمرات النبیؐ" میں حنفیہ کے دلائل کے پہلو بہ پہلو مذاہب ثلاثہ کے مفتیٰ بہ اقوال بھی ان کی معتبر ومستند کتابوں سے تفصیل کے ساتھ ذکر فرماتے تھے جو ان کی علمی بے تعصبی، عدم تحزب، اور وسیع النظری کی ایک واضح مثال ہے۔

آپ نے اپنی فاضلانہ اور عارفانہ شرحوں کے ذریعہ فقہاء اور محدثین کے درمیان کی روایتی خلیج کو بھی کامیابی اور خوش اسلوبی کے ساتھ پاٹنے کی کوشش کی اور ایسا معتدل ومتوازن نقطۂ نظر اور طرزِ فکر اپنایا جس سے امت کی صفوں میں وحدت ویگانگت کا جذبہ بیدار ہوا اور ذہنی انتشار کی جگہ وحدتِ فکر وعمل پیدا ہو۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی سیرت کی اس وسعت وجامعیت کا محرک ان کا مسلک اہلسنت والجماعت سے قلبی تعلق، حقیقتِ دین سے گہری واقفیت، کتاب وسنت کے اسرار ورموز سے آگاہی، امت کی ثقافتی وعلمی، دینی وروحانی روایات سے جذباتی لگاؤ، دین میں تحریف وبدعت سے شدید نفرت اور اسلام کی اصلیت وخالصیت کی بقا واستحکام سے عمیق محبت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے اسوۂ حسنہ سے علمی وعملی تعلق ہے جو انھیں امت کے مختلف طبقات وشخصیات اور ان کی دینی خدمات کے قدر واعتراف پر مجبور کرتا ہے اور وہ ایسے تمام ہی فکر وتحریکات کی سرپرستی یا اُن سے ہمدردی رکھتے نظر آتے ہیں جن سے کلمۃ اللہ کی سربلندی اور امت کی شیرازہ بندی کی توقع وابستہ ہوسکتی ہے۔

اسی جذبہ کے تحت انھوں نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی دینی دعوت وتبلیغ سے اتفاق

کرتے ہوئے اور اس کے لیے فکری و علمی مواد فراہم کرنے اور امت میں دینی بیداری پیدا کرنے کی خاطر فضائل کے رسائل لکھے اور اس دعوت کی ہر طرح سرپرستی کی، ان رسائل فضائل نے جیسی عام مقبولیت و محبوبیت حاصل کی اور ان سے لوگوں کے دلوں میں جس قدر ذوق طاعت و عبادت اور فکر آخرت پیدا ہوئی اور ان سے جس طرح اور جس بڑے پیمانے پر لوگوں کی زندگیاں تبدیل ہوئیں وہ تاریخ دعوت و اصلاح میں ایک ممتاز باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس عہد فتن میں جبکہ دنیا میں دہریت و الحاد، لادینیت و اباحیت کی بادِ صرصر ہر طرف چل رہی ہے اور عقلیت و مادیت کے یاجوج ماجوج اور سائنسی طاقت رکھنے والے دجّال دنیا کو فکری و عملی طور پر گمراہ بلکہ تباہ کرنے پر کمربستہ ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ، حضرت شیخ الحدیثؒ اور عصر حاضر کے علمائے حق کی تحریریں اور کوششیں، بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی اور جنود ربانی کا حکم رکھتی ہیں۔

سیاہ تازہ برانگیزم از ولایت عشق
کہ در حرم خطرے از بغاوت خرد است

حضرت شیخ الحدیثؒ کی اس جامعیت اور ان کے مزاج کے توسع اور ہمہ گیری کی طرف حضرت مولانا سید ابو الحسن علی صاحب مدظلہٗ نے لامع الدراری کے مقدمے میں بہت صحیح تحریر فرمایا ہے کہ "آج حضرت شیخ کی ذات گرامی برصغیر ہند و پاک میں علم حدیث کا مرکز و مرجع، اور سرچشمۂ رشد و ہدایت ہے، آپ کی وجہ سے اس میں نئی زندگی اور نئی تازگی و رعنائی نظر آتی ہے اور آپ کے بابرکت وجود سے انقطاع الی العلم، علو ہمت، مجاہدہ و ریاضت عزیمت و استقامت، قوت ارادی، متاع دنیا سے کنارہ کشی و بے رغبتی، مطالعہ میں استغراق و انہماک، تصنیف و تالیف اور تعلیم و تدریس کے اشتغال، لایعنی و فضول اور کمتر درجے کے کاموں سے پرہیز، مکارم اخلاق، سماحت نفس و فراخی قلب کا اعتبار و وقار قائم ہے۔

آپ نے جتنے متنوع اور بعض اوقات متضاد کاموں اور مشغولیتوں اور مختلف ذوق رکھنے والے افراد اور جماعتوں کو یکجا کیا ہے اور ان سب کا جس طرح حق ادا

فرماتے ہیں، وہ کوئی معمولی درجہ کی بات نہیں"۔ (۱)

خدمت دین کے متعلق طریقوں اور شعبوں کی یکساں قدردانی اور ہمت افزائی آپ کی جامع شخصیت کا وہ نمایاں وصف تھا جو ان کی تقریر و تحریر میں بکثرت نظر آتا ہے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں "درس وتدریس یا خانقاہ وغیرہ سب حضور اقدسؐ ہی کے کام کی تکمیل ہے، کیا آپ کا خیال ہے کہ اگر درس وتدریس بند کر کے سب اس کام (تبلیغ) میں لگ جائیں تو علم باقی رہ جائے گا؟ جس خبر پر خود اللہ جل شانہٗ نے فلولا نفر الآیۃ سے تنبیہ فرمائی ہو اس کو سرسری نہ سمجھنا چاہیے، جس طرح یہ اہم کام ہے اسی طرح خانقاہ وغیرہ بھی اہم ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا شکر ادا کیجئے کہ اس نے ایک اہم دینی کام میں لگا رکھا ہے اور اس کا شکریہ ہے کہ اہتمام سے کام میں لگے رہیں، دوسرے دینی کاموں کی بے وقعتی شیطان کا حملہ ہے، اس سے بچنے کی کوشش کرتے رہیں۔ کیا حضور اقدسؐ کئی کئی دن اعتکاف نہیں کرتے تھے؟ یہی خانقاہ کی زندگی ہے، حضورؐ کی جامع ذات سب کاموں کو بیک وقت کر سکتی تھی، اگر دوسرے ضعفاء سب کو جمع نہ کر سکیں تو اس میں نقص نہیں"۔ (۲)

اعتدال و توازن:

فکر و عمل کا اعتدال و توازن اسلام کو نہ صرف اپنے احکام و شرائع میں بلکہ تمام انسانی افکار و اعمال میں مطلوب ہے۔ عقیدۂ توحید و رسالت کا یہ فطری تقاضا ہے کہ حیات و کائنات اور انسان کے بارے میں صحیح اور متوازن نقطۂ نظر اپنایا جائے اور ہر صاحب حق کا حق ادا کیا جائے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا (النساء ۵۸)
(اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحقوں کو پہنچا دو)
وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا

---

(۱) حیات خلیل صہ ۲۰۳، ۲۰۴ (۲) مکتوبات تصوف ۶/۷ (سہارنپور ۱۹۷۲ء)

فَاعْدِلُوْا وَلَوْكَانَ ذَا قُرْبٰى (الانعام: ۱۵۲)
اور ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم حکم نہیں دیتے کسی کو مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب تم کچھ کہو تو انصاف سے کام لو اگرچہ کوئی رشتہ دار ہو۔
عبادات میں بھی اعتدال و توازن اور مداومت و پابندی کی تاکید کی گئی اور حسب استطاعت وسہولت انھیں ادا کرنے کا حکم دیا گیا اور ان میں میانہ روی کی تاکید کی گئی جس کا ذکر حدیث کے ذخیروں میں "اقتصاد بالعمل" کے عنوان سے آتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے فکر و نظر میں جو اعتدال و توازن پایا جاتا تھا اور افراط وتفریط سے بچتے ہوئے جو میانہ روی اور سلامت فکر ملتی تھی وہ اپنے دور اور علماء کے متحارب ومتصادم طرز عمل کو دیکھتے ہوئے بڑی ہی قابل قدر و لائق تقلید چیز تھی، دار العلوم دیوبند کے موجودہ بحران میں بھی (جس کا بحمد اللہ اس کی مجلس شوریٰ کی کوششوں سے بڑی حد تک خاتمہ ہوگیا ہے) اُن کا رویّہ بہت متوازن و متناسب رہا اور وہ دعاؤں اور مشوروں کے ذریعہ فریقین کو صلح وصفائی کے لیے آمادہ کرتے رہے۔
حضرت شیخ الحدیثؒ کے مزاج کا اعتدال و توازن ائمۂ اربعہؒ، مشائخ امت اور معاصر علماء و مشائخ سے اُن کے تقریباً یکساں قلبی تعلق اور ان سے عقیدت واحترام کی صورت میں بالکل واضح تھا، مختلف حدیثوں میں وہ جمع وتطبیق اور اصطلاحی معنوں میں "تاویل و توفیق" اور علماء وائمہ کے مختلف اقوال میں توجیہ و تعلیل کی پوری کوشش فرماتے تھے، مؤطا امام مالک کی شرح میں بھی انھوں نے یہی طریقہ اپنایا ہے اور مذاہب اربعہ کے مفتیٰ بہ اقوال اور "ظاہر الروایات" کو ان کی مستند و معتمد کتابوں سے ذکر کرنے کے بعد احناف کے دلائل اور ان کے وجوہ ترجیح ذکر فرما دیتے ہیں۔ (۱)
مسلمانوں کے اندر فقہی اختلافات کو باہمی مخالفت کی بنیاد نہ بنانے کی خاطر حضرت شیخ الحدیث اور دیگر اکابر تبلیغ نے مجمع عام میں فقہی مسائل نہ بتانے اور صرف

---

(۱) مقدمہ اوجز المسالک الی مؤطا الامام مالک، ص ۵۲،۵۱ (طبع سہارنپور)

فضائل اور ترغیبی و ترہیبی احکام بیان پر اکتفا کرنے کی روش اپنائی تاکہ ان میں دین کا شوق پیدا ہو اور وہ بطور خود مسائل جاننے کے لیے فکر مند ہوں۔ حضرت کے نواسے مولوی محمد شاہد صاحب سہارنپوری تحریر کرتے ہیں۔

"اسی طرح اکابر تبلیغ مسلمانوں کے مزاج، عادات اور بڑھتی ہوئی بے دینی اور مغرب پسندی کو دیکھتے ہوئے ابتدا سے ہی یہ طے کیے ہوئے ہیں کہ ان کے سامنے معروف کے فضائل اور اس کی خوبیاں تو علی الاعلان بیان کر دیں مجامع میں اس کے فوائد بتلائیں اور ترغیب دیں، لیکن عمومی مجالس میں منکرات پر روک ٹوک نہ کی جائے کہ اس سے بددل اور ناشاد ہونے کا اندیشہ ہے۔الخ" (۱)

قرات خلف الامام و رفع یدین جیسے اختلافی مسائل پر زور دینے کے سلسلے میں حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں۔

"چار رکعات نماز میں بندے کے ناقص علم میں تقریباً دو سو مسائل ائمہ میں مختلف فیہ ہیں جیسے وہ سارے مسائل ہیں یہ چار مسائل بھی ہیں، انھیں میں ہیں ایسی کون سی معرکۃ الآرا خیر آگئی جس پر بحث ختم ہونے ہی پر نہیں آتی اس لیے بندہ کی کوتاہ نظر میں کوئی خصوصیت ان مسائل کی نہیں ہے اسی لیے اوجز میں کوئی تفصیل بحث ان مسائل میں نہیں کی جیسے اور مسائل پر مختصر کلام کیا ہے، تقریباً ویسے ہی ان پر بھی ہے۔" (۲)

مختلف اہل حدیث حضرات سے اپنے تعلقات کے ذکر کے بعد حضرت شیخ لکھتے ہیں۔

"مجھے اہل حدیث سے ذاتی عداوت تو ہے نہیں، جب تک کہ وہ اکابر ائمہ کی شان میں بے ادبی نہ کریں، میرے ذہن میں یہ ہے کہ شریعت تو صرف

---

(۱) کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات۔ ص ۴۱

(۲) مکتوبات علمیہ از حضرت مولانا زکریا صاحبؒ ص ۵۸ (سہارنپور ۱۹۷۳ء)

اللہ اور اس کے پاک رسولؐ کا ہی کلام ہے، لیکن اس پر عمل کرنے میں اور روایات کی جرح و تعدیل میں ائمۂ مجتہدین اور ائمۂ اربعہؒ کا قول مجھ جیسے نابلد کی تحقیق پر بہت مقدم ہے، بلکہ ان حضرات کے ارشادات، ائمۂ محدثین سے بھی مقدم ہیں، اس لیے کہ یہ حضرات ائمہ، بخاری و مسلم کے اساتذہ یا استاذ الاساتذہ ہیں اور زمانۂ نبوت سے بہ نسبت ائمۂ محدثین کے زیادہ قریب ہیں، اس لیے روایات کے رد و قبول میں ان حضرات کا مرتبہ اور پایہ ہم لوگوں سے کیا بلکہ ائمۂ محدثین سے بھی کہیں زیادہ اونچا ہے۔" (۱)

مختلف دینی اداروں اور جماعتوں کے بارے میں بھی آپ کا رویہ بہت متوازن تھا اور ان کے طریقۂ کار کے بجائے ان کی دینی و ملی خدمت اور خلوص کی قدر پر زور دیتے تھے۔ ایک مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں۔

"یہ ناکارہ اخلاص کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی جو خدمت بھی کی جائے چاہے وہ تبلیغی ہوں چاہے وہ جمعیۃ کے سلسلے کی ہوں چاہے کسی اور سلسلے کی ہوں ان سب ہی کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا ہے اور مسلمانوں کے آپس کے نزاع کو انتہائی نفرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ مسلمانوں میں اختلاف رائے مضر نہیں اور علماء میں اختلاف رائے کو رحمت سمجھتا ہوں لیکن اس کی وجہ سے آپس کا نزاع، ایک دوسرے کی آبروریزی کو انتہائی مہلک سمجھتا ہوں۔" (۲)

اسی طرح حضرت شیخ الحدیثؒ مختلف مذاق و مشرب کے معاصر علماء و مشائخ کی قدردانی مرتبہ شناسی و حفظ مراتب میں بھی بے نظیر تھے۔ جس کی وجہ سے متضاد طبائع کے بزرگ

---

(۱) آپ بیتی از حضرت شیخ الحدیث نمبر ۵ ص ۱۶۹۔
(۲) مکتوبات شیخ ۲/۱ ۱۱۷ (سہارنپور ۱۹۸۱ء)

آپ کو اپنا معتمد علیہ اور متفقہ شخصیت سمجھتے تھے۔ اپنے اکابر و مشائخ معاصرین اور اپنے چھوٹوں کے ساتھ اپنے گوناگوں ربط و تعلق کے بارے میں حضرتؒ نے اپنی آپ بیتی 'یاد ایام' میں جس طرح اظہار خیال کیا ہے وہ ادب شناسی، قدردانی و قدرافزائی کی عمدہ مثال ہے جسے عوام و خواص کو اپنانا چاہیے۔ (۱)

آزادیٔ ہند سے ۱۵۔۲۰ سال پہلے جب کانگریس اور مسلم لیگ کے اختلافات اور ان کی وجہ سے علما اور مسلمانوں کے دو طبقوں میں اختلاف رائے اور مخالفتوں کا زور ہوا، عوام میں علما و مشائخ سے بدظنی و بداعتقادی کے خیالات عام ہونے لگے، لوگ اکرام مسلم اور اکابر علما کی تعظیم و توقیر سے پہلو تہی بلکہ ان کی شان میں گستاخیاں کرنے لگے اور اختلافات کے دینی و شرعی حدود کی خلاف ورزی کرنے پر اتر آئے تو حضرت مولانا زکریا صاحبؒ نے اس ابتلائے عام و فتنۂ عیار کا بروقت اور شدت کے ساتھ احساس کیا اور ۱۳۵۷ھ میں اپنے ایک عزیز کے مکتوب جواب میں ایک مفصل خط لکھا جو خاص خاص لوگوں کو دکھایا جاتا رہا اور جو بعد میں "الاعتدال فی مراتب الرجال" (اسلامی سیاست) کے نام سے ڈھائی سو صفحات میں شائع ہوا۔

دیکھنے میں تو یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے مگر درحقیقت اسلامی سیاست، اختلافات میں اسلامی روش، افراد اور جماعتوں کے باہمی تعلقات کی توضیح، اسلام کے معاشرتی نظام کے خط و خال، ملت اسلامیہ کے عروج و زوال کے اسباب جیسے بہت سے اہم مباحث اس میں بڑے مؤثر پیرائے میں جمع کردیئے گئے ہیں، جو عوام و خواص سب کے لیے یکساں افادیت رکھتے ہیں اور بہ حیثیت مجموعی یہ کتاب اصابت رائے، ذہنی و فکری توازن واعتدال اور دینی رہنمائی کے لحاظ سے مسلمانوں کے لیے ایک رہنما کتاب کی حیثیت رکھتی ہے، یہاں بطور نمونہ حضرت مدنیؒ و حضرت تھانویؒ کے بارے میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی اس کتاب کے شروع سے ایک مختصر اقتباس دیا جا رہا ہے جس سے مصنف کا انداز فکر

(۱) ملاحظہ ہو آپ بیتی نمبر ۴ یا یاد ایام نمبر ۳ کا باب ہجم التحدیث بالنعمۃ۔

معلوم ہوجاتا ہے، حضرت لکھتے ہیں۔

"مخلصین کی جماعت میں اختلاف کا ہونا کوئی مستبعد اور دشوار چیز نہیں ہے، ہمیشہ سے اختلاف ہوتا چلا آیا ہے اور ہمیشہ رہے گا.... سنو چونکہ میں تم پر اپنا کافی حق سمجھتا ہوں اس لیے زوردار الفاظ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں حضرات میں سے کسی ایک طرف سے بھی دل میں کدورت نہ لانا، اگر خدانخواستہ ایسا کروگے تو اپنا ہی نقصان کروگے، ان حضرات کا کچھ نقصان نہیں ہوگا، مجھے تو بعض لوگوں پر جب وہ ان دونوں اکابر میں سے کسی کی شان میں گستاخانہ غیبت اور بے ادبی کرتے ہیں، بہت ہی تعجب ہوتا ہے اور ان اکابر پر رشک آتا ہے کہ یہ حضرات تو اپنے اپنے دینی علمی، عملی کارناموں کے ساتھ جن کے ثمرات وہ شب و روز لوٹتے ہیں دوسروں کی نیکیاں بھی سمیٹ رہے ہیں اور یہ بے چارہ غصہ میں یوں کہہ رہا ہے کہ چونکہ مجھے تم پر غصہ بہت ہی آرہا ہے اس لیے میری عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں بھی تمھیں لیتے جاؤ، کس قدر اپنے اوپر یہ شخص ظلم کرتا ہے کہ غصہ میں اپنی عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں ایسے لوگوں کو دے رہا ہے جن سے وہ خفا ہے اور خود فقیر اور مجرم بن رہا ہے۔" (۱)

حضرت شیخؒ جس طرح جامعیت و توسع اور دینی صلابت و اصالت اور توازن و اعتدال کے ساتھ جادۂ حق پر گامزن رہے، گویا وہ اس آیت کی تعمیل و تکمیل تھی۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

(الانعام: ۱۵۳)

(ترجمہ) اور یہ میرا سیدھا راستہ ہے تو اس پر چلو اور مختلف راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں راہِ حق سے دور کر دیں اللہ نے اس لیے اس کی وصیت کی کہ تم تقویٰ اختیار کرسکو۔

---

(۱) الاعتدال ص ۶۰۵

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی نئی مطبوعات
اسلامیات اور مغربی مستشرقین و مسلمان مصنفین
از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب
قیمت دس روپے
اسلامی فکر اور تہذیب کا اثر ہندوستان پر
از پروفیسر خلیق احمد نظامی
ہندوستان میں اسلام کا کردار بڑا شاندار
اضافہ کیا اسکا ایک تاریخی جائزہ۔
قیمت ۵ روپے
اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں
حدیث کا بنیادی کردار
اردو ایڈیشن ۳/
تحفۂ کشمیر
ضروری نوٹ: مذکورہ کتب کی مجموعی قیمت مبلغ ۳۱ روپے پیشگی وصولیابی پر مصارف ڈاک کی رعایت کی جائیگی نیز کتابیں رجسٹرڈ پیکٹ روانہ کی جائینگی
مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ ندوہ۔ لکھنؤ انڈیا
کتابت الیاس

جنابِ افتخار فریدی صاحب (مرادآباد)

حکیم مومن خاںؒ نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی وفات پرحسب ذیل شعر کہا تھا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی ذات گرامی بھی اس شعر کے مطابق گزری ہے

دستِ بیدادِ اجل سے بے سرو پا ہو گئے
فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

جھنجھانہ وکاندھلہ کے اس مردم خیز خانوادے نے حضرت شیخ کو عطا فرمایا جس نے ملتِ ہندیہ کو سرسبز و شاداب کرنے کے لیے شاہ عبدالرزاق جھنجھانویؒ، مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ، شیخ التبلیغ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ جیسے عظیم المرتبت انسان کامل عطا فرمائے تھے۔

شیخ کا گودیوں والا زمانہ حضرت گنگوہیؒ کی پُرنور خانقاہ میں گزرا، تعلیم و تربیت کے ابتدائی مرحلے اپنے اباجان حضرت مولانا محمد یحییٰؒ چچاجان حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی گودوں میں گزارے۔ اس کے بعد اپنے پیرومرشد حضرت مولانا خلیل احمد امیٹھویؒ سے علم و نسبت کی دولت حاصل کی اوران کی آبیاری حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ حضرت شیخ الہندؒ حضرت تھانویؒ جیسے بزرگوں سے ہوتی رہی۔

پھر دورِ شباب و کہولت حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ حضرت شیخ الاسلام مولانا

سیدحسین احمد مدنیؒ کی محبتوں، شفقتوں، راحت رسانیوں میں گزارا، ہندو پاک و حجاز کے اہل اللہ، خواص، علمائے کرام میں اکثرایسے تھے یا ہیں جن سے خوب تعلق خاطر رہا عالم اسلام میں بھی ایسے بہت تھے یا ہیں جو شفقت و محبت وعقیدت سے دوچار رہے۔

امت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کا درد و غم خواری اور حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشاری وجاں نثاری، شیخ کو اپنے جدِّ اعلیٰ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ورثہ میں خوب ملی تھی، جس کا اظہار و عمل واقدام جوانی سے تا وفات تقریبًا ستر سال تک کے ہر ہر دن ورات میں لاکھوں انسانوں کے درمیان ہوتا رہا۔

بندہ کا تعلق شیخ سے تقریبًا چالیس سال سے تھا۔ اِس دور میں بہت سے واقعات دیکھے سنے۔ ان سب کا احاطہ تو ممکن نہیں۔ ان میں سے صرف چند واقعات وحوادثات کا کچھ حال پیش کر رہا ہوں تاکہ شیخ کی ذات گرامی کا اس دور کے انسانوں کو کچھ اندازہ ہوسکے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا شوق اور توفیق نصیب ہوجائے۔

اِس صدی میں ہماری ملت جن ہولناک والمناک وتباہ کن حوادث سے دوچار ہوئی، ان میں سب سے بڑا المیہ خلافت ترکیہ کا ٹوٹنا ہے۔ اِن چودہ صدیوں میں اس سے بڑا کوئی دوسرا حادثہ نظر نہیں آتا جو خلافت راشدہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ سے شروع ہوکر سلطان عبدالمجید خاں ترکیہ تک مسلسل چلا۔ اُسے دشمنانِ اسلام یہود ونصاریٰ وکمیونسٹ یورپ وامریکہ روس کی سازش نے کمال اتاترک کے ہاتھوں مٹوایا، عرب ملکوں کے ٹکڑے ٹکڑے کیے، حکمرانوں کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کیا۔ عرب کے سینے بیت المقدس کی مبارک سرزمین فلسطین پر اسرائیل کو مسلط کیا، بیت المقدس کو غصب کیا۔ ملت ہندیہ لیگ کانگرس کے اختلاف میں مبتلا کی گئی اور پھر بنگلہ دیش بنا، لاکھوں مسلمان شہید ہوئے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ ملت ہندیہ کو اسپینی نقشہ پر ڈالنے کی اسکیم ظالموں نے بنائی اس کو ناکام بنانے میں کچھ گھر میں حضرت مدنی، حضرت رائے پوریؒ، حضرت شیخ کا فیصلہ حق تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اہل دین ودعوت کی جان توڑ مساعی کو حق تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ مولانا محمد یوسفؒ، مولانا حفظ الرحمٰنؒ پر اِن تینوں بزرگوں کی نظر کرم وتوجہ کی برکت سے ان کے

ذریعہ ملت ہندیہ کے پنپنے کی راہ پیدا ہوئی۔

مدارس عربیہ میں اسٹرائک کا عذاب آیا۔ دیوبند ذمہ داروں کے افتراق کا نشانہ بنا، خانقاہوں کی ویرانی خصوصاً خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون اور اس دور آخر میں خانقاہ رحیمیہ رائے پور کا تابوت کے اختلاف میں ویران ہونا۔ منکرین ختم نبوت، منکرین حدیث، منکرین تصوف، منکرین اہل حق کے حملے اور ان کی تلبیسات کا فروغ: ان سب حوادث سے شیخ دوچار رہے، مسلسل ان کی چوٹیں لگتی رہیں، زخم ناسور بنتے رہے انھیں قبر مبارک میں ساتھ لے گئے۔

مدارس کی فضاؤں میں تو شیخ کی پوری زندگی گزری، خانقاہوں سے تعلق ماں کی گود کے زمانہ ہی سے شروع ہوگیا تھا۔

داداجان حضرت مولانا محمد اسمٰعیلؒ نے بنگلے والی مسجد بستی حضرت نظام الدین اولیاء دلی کو بسایا تھا۔ چچاجان مولانا محمد الیاسؒ نے اسی مسجد سے تبلیغی کام کی ابتدا فرمائی! شیخ ہر طرح سے اپنے چچاجان کے دست بازو بنے رہے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ فرمایا کرتے تھے کہ (میرا بچہ میرا شیخ) ایک طبقہ ایسا ہے جو مجھے یہ کام نہیں کرنے دیتا۔ شیخ ہی کی مساعی کی برکت سے وہ رکاوٹ نہیں بن سکا۔)

حضرت جی کی وفات کے بعد مولانا محمد یوسفؒ کی تبلیغی مساعی کی پوری عالمگیر شکل شیخ ہی کی نگرانی سرپرستی میں وجود میں آئی۔ مولانا محمد یوسفؒ کی وفات نے شیخ پر جو چوٹ لگائی اُس کا اظہار ایک عربی شعر کے ذریعہ فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے۔ "میرا ایک غلام تھا جو ترقی کرتے کرتے میرا آقا بن گیا تھا۔

تبلیغ کے موجودہ امیر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کو بھی اس منصب پر حضرت شیخ ہی نے بٹھایا اور آخری سانس تک اس کام کے فروغ وحفاظت کے لیے اپنی انتہائی معذوری ومجبوری وبے بسی کے عالم میں بھی افریقہ، یورپ، ایشیا کے براعظموں کے سفر فرماتے رہے۔ وفات سے ایک سال قبل بندہ نے ایک عریضہ کے ذریعہ شیخ سے یہ درخواست کی تھی کہ حق تعالیٰ آپ کے قدم مبارک امریکہ، روس، چین میں بھی ڈلوادے اُس کے جواب میں

مولوی حبیب اللہ صاحب خادم کے قلم سے تحریر کرایا۔

میں خود حیرت میں ہوں کہ جو جوانی کے پچاس برس سہارن پور سے دہلی اور رائے پور کے سوا کہیں نہ گیا ہو حتیٰ کہ مظفر نگر کا وعدہ ۴۰ برس سے رہا اور حضرت مدنی کے سلسلۂ علاج جانے پر مظفر نگر والوں نے لکھا کہ اس وقت حضرت مدنی بھی آئے ہوئے ہیں تو بھی اپنا وعدہ پورا کر دے اور انھوں نے اپنے زعم کے موافق حضرت مدنی سے بھی ذکر کر دیا کہ حضرت بھی سفارش کر دیں مگر حضرت نے مجھے کارڈ لکھا کہ میں تو علاج کے لیے آیا ہوں اور یہاں سے بچوں کو دیو بند چھوڑ کر تم سے ملنے آؤں گا، تم ہرگز نہ آؤ تکلیف ہوگی' اب پیری میں مجبور کیا جارہا ہوں۔

حضرت شیخ کی آپ بیتی کی ساتویں جلد وفات سے کچھ دن قبل ہی ملی تھی اس میں مختلف ملکوں کے اسفار کا حال پڑھ کر کلیجہ کانپ جاتا ہے اور جسم لرز جاتا ہے۔ اللہ اکبر! اس آخری عمر جو علالت سے بھری ہوئی ہے کس قدر پُرتعب سفر فرماتے رہے۔ انگلستان کے پہلے سفر میں جدہ سے صبح چل کر شام کو پہنچے، قیام گاہ پر اس وقت ہزاروں آدمی حاضر تھے۔ سفر کی طویل وشدید مشقت کے بعد اُس وقت حاضرین سے مصافحہ کرنے کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن شیخ نے پہنچتے ہی نہ صرف سب سے مصافحہ کیا بلکہ فرق مراتب کا بھی اہتمام فرمایا۔

مولوی محمد ہارون مرحوم شیخ کی بڑی صاحبزادی اہلیہ مولانا محمد یوسفؒ جن کا جوانی ہی میں انتقال ہوگیا تھا کے اکلوتے فرزند تھے۔ دادا، نانا، باپ کی گودوں اور دعاؤں میں پلے بڑھے اور عین جوانی کے شباب میں انتقال ہوا۔ حضرت شیخ کی محبت والفت ان کے ساتھ اس دن ظاہر ہوئی جب ایک دن مسجد نبوی مدینہ منورہ میں ہارون مرحوم کو سینہ سے چپٹا کر روئے اور مجاز کیا مرحوم کو باپ دادا کی نسبت بھی شیخ کے ذریعہ ہی ملی۔ ایک تحریر بھی عطا فرمائی تھی جو مرحوم نے مجھے بھی دکھائی تھی۔

مولوی ہارون مرحوم کا بچہ محمد سعد سلمہٗ جو یتیمی کے شرف کے ساتھ نشو ونما پا رہا ہے ماشاء اللہ حافظ قرآن ہوگئے ہیں۔ بندہ تو ان کے لیے ہمیشہ دعا مانگتا ہے کہ خدا انھیں شیخین

تبلیغ (دادا پردادا) کا جامع بنا دے کیا عجب ہے حق تعالیٰ کوئی بڑا کام ان سے لے لے تعلق والوں سے بھی درخواست ہے کہ ان کے واسطے یہ دعا مانگا کریں۔ شیخ نے ان کے والد کو جو عطا فرمایا تھا وہ ان کے ذریعہ ظاہر ہو۔ حضرت شیخ کو بندہ نے لکھا تھا کہ محمد سعد سلمہ کو کچھ وقت کے لیے مدینہ منورہ اپنے پاس بلالیں، اس کے جواب میں حضرت نے تحریر کرایا تھا (عزیز سعد کا میرے پاس رہنا مناسب نہیں وہ بچہ ہے اور میں بیمار، یہاں اس کی کوئی خبر گیری کرنے والا نہیں اسے تو نظام الدین ہی رہنا چاہیئے، البتہ آپ بواسطہ یا بلا واسطہ اس کو اس کی تاکید کر دیں کہ جتنی زیادہ ہو سکے مولانا انعام صاحب کی قدر کیا کرے) اب تو اس دنیا میں ذریت اسمٰعیلؒ والیاسؒ میں یہ بچہ ہی ہے۔ صاحبزادۂ گرامی مولانا محمد طلحہ صاحب سلمہ کا سب تعلق والوں پر یہ حق عائد ہوتا ہے کہ ان کے لیے دعا مانگتے رہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کو اپنے دادا پردادا نانا ماموں کی نسبت تام اور نقش قدم عطا فرمائے۔ آمین

شیخ کی ہجرت مدینہ منورہ کے بعد سے ماشاء اللہ کچھ گھر کی رونق وآبادی اُن ہی کے دم سے ہے۔ دعاؤں کی درخواست ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کو ولد صالح عطا فرمائے اور کچا گھر (حضرت شیخ کی سہارنپوری قیام گاہ جس کی زیارت لاکھوں انسانوں نے کی۔ آپ بیتی میں اس کا تذکرہ آتا رہا ہے۔ اس کا تفصیلی تعارف تو کوئی خادم کرائے گا۔ اس کے اصل اہل تو مولانا نصیرالدین صاحبؒ تھے جو ستر سال شیخ کے خادم رہے۔ دو کام ان کے سپرد تھے مہمانوں کو کھانا کھلانا، کتب خانہ یحیوی کا انتظام کرنا مگر افسوس وہ شیخ سے بھی پہلے چلے گئے) حق تعالیٰ اس گھر کو قیامت تک ان تمام خوبیوں کے ساتھ شیخ کی نسلوں سے آباد رکھے۔

حضرت شیخ کو حضرت سلطان جیؒ دلی حضرت مجدد سرہندیؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ حضرت سید احمد شہیدؒ سے خصوصی نسبت حاصل تھی۔

اس وقت عالم اسلام جن مصائب میں مبتلا ہے، اس سے نجات پانے کے لیے ملت کے عوام وخواص تبلیغ میں وقت لگائیں اور شیخ کو ثواب پہنچانے کی نیت کریں اور خدا سے دعائیں کریں۔ یہ عمل انشاء اللہ بہت سازگار ہوگا۔ حق تعالیٰ ہمیں بھی ایمان کی طاقت عطا فرمائے اور شیخ کی نسبت بھی حاصل ہو اور تبلیغی کام کی حفاظت بھی غیب سے فرمائے۔ ●●

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ

اور

علمِ حدیث

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری
(استاذ حدیث عین یونیورسٹی و مشیر محکمۂ قضاء شرعی، ابوظبی)

محفل دوشیں کا وہ چراغِ سحر جو کئی سال سے ضعف و مرض کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل جاتا تھا، بالآخر ۲۴ر مئی ۱۹۸۲ء کو ہمیشہ کیلئے بجھ گیا ؎

نہ سمجھے تھے کہ اس جانِ جہاں سے یوں جُدا ہوں گے
یہ سنتے گو چلے آتے تھے اک دن جان سے جانی!

دریغا! کہ علم و عمل، فضل و کمال، ایمان و معرفت، اور زہد و ورع کا وہ مہرِ تاباں غروب ہوگیا، جس کی ضیا پاشیوں سے نصف صدی سے زائد عرصہ تک ایک عالم منور ہوتا رہا۔ آہ! وہ چشمۂ علم اور منبعِ تزکیہ و ہدایت خشک ہوگیا جس سے ایک دُنیا سیراب ہوئی۔

وا اسفا! کہ وہ گنجِ گراں مایہ ہم سے جُدا ہوگیا، جو تا عمر اپنی تحریر و تقریر سے حقائقِ ایمانی دقائقِ حدیث، اسرارِ احسانی اور رموزِ حکمتِ ربانی کے موتی لٹاتا رہا ـــــ یعنی

امام دوراں و محدث عصر حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ ہزاروں لاکھوں قلوب کو سوگوار و حزیں چھوڑ کر راہیٔ عالم بقا ہوئے ـــــ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ابھی اس عظیم سانحہ کا غم بالکل تازہ ہے، حضرت کی یاد سے یارائے ضبط باقی نہیں رہتا، اس لئے ناچیز کے قلب میں ابھی یہ ہمت نہیں تھی کہ اپنے دل کے نالۂ وشیون کو سپرد قلم کر سکے، مگر اپنے مخدومین کے حکم کی تعمیل میں یہ مضمون پیش خدمت ہے ؎

درایں آشوب غم عذرم بنہ گر نالہ زن گریم
جہانے را جگرخوں شد ہمیں تنہا نہ من گریم

بلاشبہ حضرت اقدس رحؒ کا سانحۂ ارتحال اس دور کا ایک عظیم ترین حادثہ ہے آپ کی ذات درحقیقت بڑی جامع الکمالات، متنوع الصفات اور شریعت وطریقت کا مجمع البحرین تھی۔ وہ اپنے اکابر و مشائخ کی طویل روحانی روایات اور علمی نسبتوں کے حامل و امین تھے۔ ان کی دوکان سے عشق و محبت کا سودا بکا کرتا تھا۔ ہزاروں تشنگان علم نے ان کے منبع فضل وکمال سے اپنی علمی تشنگی فرو کی۔ لاکھوں گم گشتگان راہ نے اس قندیل فروزاں سے منزل حقیقی کا پتہ پایا۔ حضرت شیخؒ کا فیضان ایشیا و یورپ اور مشرق و مغرب کی جغرافیائی حدود سے بلند ہو کر عالمگیریت اختیار کر گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت کے عدیم النظیر کمالات اور نادر صفات کا احاطہ و استقصا کرنا ایک مضمون میں ناممکن ہے اس کے لئے ضخیم دفاتر بھی اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کرتے نظر آئیں گے۔ جس کے کچھ جلوے "الفرقان" کی پیش نظر خصوصی اشاعت میں ملاحظہ فرمائے جا سکتے ہیں۔

راقم سطور اپنے اس مضمون میں حضرت رحؒ کی زندگی کے صرف اس گوشہ کو بیان کرنا چاہتا ہے جس کے باعث زبان خلق نے نقارۂ خدا بن کر انھیں "شیخ الحدیث" کا لقب وخطاب عطا کیا، اور پھر یہ لقب ان کے اصل نام کا لازمی جزو دوام اس کی علامت بن کر رہ گیا۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ حضرتؒ کا حقیقی اسم گرامی "شیخ الحدیث"

کے لقب کی عمومیت میں گم ہو گیا تھا۔ ان کا سینہ عشق رسولؐ کی آتشِ سوزاں کی آماجگاہ تھا اور علمِ حدیث سے آپ کا والہانہ شغف اور اس کی نکتہ آفرینی میں غیر معمولی انہماک اس عشقِ رسولؐ کا طبعی نتیجہ تھا۔ ہزاروں دلوں نے اس حرارت سے اکتسابِ فیض کیا۔ آپ نے جو گرانقدر علمی کارہائے نمایاں انجام دیئے اس کی نظیر کم از کم قرونِ متاخرہ میں مفقود ہے اور بلاشبہ گنبدِ افلاک آپ کے گوناگوں وہمہ جہت کارناموں سے رہتی دنیا تک گونجتا رہے گا۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ہندوستان میں علمِ حدیث حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد

تاریخی حقائق شاہد عدل ہیں کہ آغازِ اسلام کے ساتھ ہی سرزمینِ ہند قَالَ اللهُ وَقَالَ الرَّسُوْلُ کے سرمدی نغموں سے معمور ہو گئی تھی۔ ہر عصر و عہد میں محدثین کرام کی ایک جماعت اس ملک میں وارد ہوئی اور بساطِ درسِ حدیث آراستہ کی۔ علمِ حدیث کی ترویج و اشاعت اور تدریس و تصنیف کا جو غلغلہ ہندوستان میں بلند ہوا اس کی نظیر دوسرے بلادِ اسلامیہ میں نہیں ملتی۔ خاص طور پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (المتوفی ۱۱۷۶ھ) اور ان کے نامور خانوادے نے ہندوستان میں علمِ حدیث کے منارے کو رفعت میں رشکِ فلک بنا دیا تھا۔ ان ہی کے ذریعہ اس ملک میں صحاح ستہ کی تدریس کا رواج عام ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے درس و تصنیفات کے ذریعہ تفقہ فی الحدیث اور شریعت کے اسرار و حکم کا ایک نیا باب وا کیا۔ انھوں نے مذاہب فقہاء کی ادلّہ احادیث پر عمیق نظر ڈالی اور اپنے نورِ باطن سے فقہاء کا طریقہ پسند کیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشد تلامذہ میں آپ کے فرزند اکبر سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) کے فیضانِ درس سے

اکابر محدثین کی ایک بڑی جماعت تیار ہوکر نکلی، جن میں سب سے زیادہ شہرت و امتیاز خود آپ کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی (المتوفی ۱۲۶۲ھ) کو حاصل ہوا۔ ان کی ذات اپنے عہد میں علم حدیث کا سب سے بڑا مرجع و مرکز تھی۔ اکناف عالم کے تشنگان علم نے ان کے در پر حاضر ہوکر کسب فیض کیا۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں ان کی نظیر اس عہد میں شاید ہی مل سکے۔ ان کے ممتاز و سرفہرست تلامذہ میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ (المتوفی ۱۲۹۶ھ) مہاجر مدنی کا نام نمایاں ہے، جن کے درس حدیث سے ہندوستان اور حرمین شریفین کے علماء کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی اور ہندوستان کی پوری علمی فضا حدیث کے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف سے معمور ہوگئی۔

ان کے سرآمد روزگار تلامذہ میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) اور قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) کے نام خصوصیت کے ساتھ لائق ذکر ہیں۔ حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ نے اپنے وطن گنگوہ کو تربیت و اصلاح اور درس و تدریس و افتاء کا مرکز بنایا۔ آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ (م ۱۳۳۴ھ) ہیں، جن کے سبب دنیا نے حضرت کے عہد آخر کے دورۂ حدیث کی بہار دیکھی۔ حضرت امام ربانی تن تنہا صحاح ستہ کا درس دیتے تھے اور اس میں ضبط و اتقان اور تحقیقات نادرہ کے موتی بکھیرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ نے حضرت کے درس کے افادات عربی زبان میں قلم بند کئے۔ تھے جو درحقیقت حضرت کے عمیق و وسیع مطالعہ اور طویل عرصے کے درس کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں۔ یہی حضرت مولانا محمد یحییٰ ہمارے استاذ و مرشد حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ کے والد بزرگوار ہیں۔

حضرت شیخ کی تعلیم حدیث کا آغاز

حضرت شیخؒ سب سے پہلے حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ پھر

درسیات کی اکثر متداول کتب سے فراغت کے بعد اپنے والد بزرگوار سے "مشکوٰۃ شریف" پڑھنے کا آغاز کیا۔ یہی نورانی و رُوحانی نقطۂ آغاز درحقیقت حضرت شیخ کی زندگی کی وہ ساعتِ ہمایوں تھی جس نے تاحیات انھیں علم حدیث کی نکتہ آفرینی اور دقیقہ رسی میں منہمک رکھا۔ حضرت شیخ اپنے آغاز مشکوٰۃ کا قصہ خود ہی بیان فرماتے ہیں کہ:۔

"۷ محرم ۱۳۳۲ھ کو ظہر کی نماز کے بعد میری مشکوٰۃ شریف شروع ہوئی، والد صاحب نے خود ہی ظہر کی امامت بھی کی تھی کہ اس زمانے میں نماز وہی پڑھاتے تھے۔ نماز کے بعد غسل فرمایا اور دو رکعت نماز نفل پڑھی، پھر میری طرف متوجہ ہو کر مشکوٰۃ شریف کی بسم اللہ اور خطبہ مجھ سے پڑھوایا۔ پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر ۱۵۔ ۲۰ منٹ تک بہت دُعائیں مانگیں، مجھے نہیں معلوم کہ کیا کیا دُعائیں مانگیں لیکن میں ان کی معیت میں اس وقت صرف ایک ہی دعا کرتا رہا کہ یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا ہے۔ اسے مرنے تک میرے ساتھ وابستہ رکھیے۔ اللہ جل شانہ، نے میری ناپاکیوں، گندگیوں اور سیّات کے باوجود ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ ۱۳۳۲ھ سے ۱۳۹۰ھ تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی ایسا زمانہ نہیں گذرا کہ جس میں حدیث پاک کا مشغلہ نہ رہا ہو[ا]۔"

حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ اس دُعا کے وقت میں سوچ رہا تھا کہ یہ بات

[ا] واقعہ یہ ہے کہ حدیث پاک کا مشغلہ حضرت شیخ کی زندگی کے آخری لمحہ تک باقی رہا۔ آخر حیات میں مولانا محمد عاقل صاحب صدر المدرسین مدرسہ مظاہر علوم حضرت گنگوہی کی صحیح مسلم کی تقریر پر حضرت کے حکم سے تعلیقات لکھ رہے تھے۔ ایک معتدبہ حصہ لکھنے کے بعد حضرت کو سنا کر مشورہ لیتے تھے یہ سلسلہ انتقال سے ایک ہفتہ پہلے منقطع ہوا۔

کیسے ممکن ہے۔ اگر میں نے حدیث پڑھ بھی لی پھر مدرس بھی ہو گیا تو تدریس حدیث تک دس بارہ سال لگ جائیں گے، بہت سے ایسے حضرات جو عرصہ سے مدرس ہو چکے تھے، اس وقت تک مشکوٰۃ شریف تک نہیں پہونچ سکے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ بڑا مسبب الاسباب ہے۔ وہ جب کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو اسباب بھی خود ہی پیدا فرما دیتا ہے۔

دورۂ حدیث

حضرت شیخ کے دورۂ حدیث کی ابتدا ۱۳۳۳ھ میں ہوئی۔ اسی سال حضرت سہارن پوریؒ اور حضرت شیخ الہندؒ نور اللہ مرقدہما نے طویل قیام کے ارادے سے حجاز مقدس کے سفر کا قصد فرمایا تھا۔ حضرت شیخ الحدیث فرماتے تھے کہ میرے ذہن میں یہ تھا کہ نہ مجھے کہیں ملازمت کرنی ہے اور نہ عجلت ہی ہے۔ ایک سال میں دورۂ حدیث مکمل کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔ ابوداؤد شریف مولانا محمد یحیٰ صاحب کا خاص سبق تھا۔ اس لئے ان کے درس میں ابوداؤد شریف شروع کر دی۔ ترمذی شریف کو حضرت سہارنپوری کی واپسی پر ملتوی رکھا۔ لیکن بعض اسباب کی بنا پر ابن ماجہ کے سوا تمام کتابیں اپنے والد مغفور سے نہایت بحث و تحقیق کے ساتھ پڑھیں۔ اس کے بعد دوبارہ ۱۳۳۴ھ میں ان کتابوں کو حضرت شیخ نے اپنے استاد و مرشد شیخ العرب والعجم مولانا خلیل احمد سہارن پوری (المتوفی ۱۳۴۶ھ) سے پڑھا۔ (ابن ماجہ کے ابتدائی حصہ کو پڑھ کر اجازت لی تھی)۔

اس طرح حضرت شیخ اپنے والد بزرگوار اور حضرت اقدس سہارن پوری دونوں بزرگوں کے علوم و کمالات اور روحانیت کے سچے جانشین تھے۔ حضرت شیخؒ کے علمی کارناموں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ تدریس حدیث ـــــ اور ـــــ تالیف و تصنیف۔

۱۔ تدریسِ حدیث

حضرت شیخ ؒ ۱۰ محرم ۱۳۳۵ھ کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں مدرس ہوئے اور بہت جلد اپنی خداداد صلاحیتوں اور استعداد کے باعث ترقی کر کے تدریس حدیث تک پہونچ گئے۔ حضرت مولانا سہارن پوری کو علم حدیث سے ان کی مناسبت اور استعداد کا بخوبی اندازہ تھا۔ چنانچہ حضرت سہارن پوری کی خواہش تھی کہ حضرت شیخ حدیث کی کتابیں بھی پڑھائیں اس لئے انھوں نے ۱۳۴۱ھ میں بخاری شریف کے تین پارے (از ۱۳ تا ۱۵) کی تدریس حضرت شیخ کے ذمہ فرمادی۔ اور ایک سفر پر روانہ ہوگئے۔ واپسی پر تحقیق فرمائی کہ پڑھانے لگے یا نہیں۔؟ اس پر معلوم ہوا کہ اکابر اساتذہ کی موجودگی میں پڑھانے سے تکلف ہے اور احتراز کر رہے ہیں۔ اس پر حضرت سہارن پوری ناراض ہوئے۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیث جو ابھی عمر کی ۲۶ ویں بہار میں تھے اور اس وقت تک مشکوٰۃ شریف بھی نہ پڑھائی تھی، عجیب کش مکش اور پریشانی میں مبتلا ہوگئے۔ اپنے استاذ و شیخ ؒ کی ناراضگی سے پریشان ہوکر عرض کیا:

"حضرت! توبہ توبہ مجھے تو یہ خیال ہوا کہ مدرسہ کی بڑی بدنامی ہے، دوسرے مدارس والے کیا کہیں گے کہ ایک نوعمر لڑکے کو جس نے ابھی مشکوٰۃ بھی نہیں پڑھائی ہے، بخاری دے دی۔"

یہ سن کر حضرت سہارن پوری ؒ نے بڑے جوش وجذبہ کے ساتھ ارشاد فرمایا:

"نوعمر لڑکے کو میں ہی جانوں، دوسرے لوگ کیا جانیں۔ اگر کوئی الزام دے گا تو مجھے دے گا تمھیں نہیں دے گا۔"

اس سوال وجواب کے بعد حضرت شیخ ؒ نے یہ درس حدیث قبول کرلیا، اور پھر "قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید" کا حقیقی مشاہدہ ہوا۔ پورا تعلیمی سال اطمینان سے گزرا اور سب مطمئن رہے۔

اس کے بعد ماہ شوال ۱۳۴۱ھ سے مشکوٰۃ شریف کی تدریس بھی آپ کے سپرد ہوئی۔ ۱۳۴۵ھ میں مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں مدرسہ علوم شرعیہ میں بعض مغربی طلباء کو ابوداؤد شریف بھی پڑھائی۔ حجاز مقدس سے واپسی پر ۱۸ صفر ۱۳۴۶ھ سے ابوداؤد شریف اور نسائی کے اسباق آپ کے ذمہ منتقل ہوکر آئے تھے اسی کے ساتھ مؤطا امام محمد اور بخاری شریف کے آخری چار پاروں کی تدریس بھی آپ کے سپرد ہوئی۔ اس وقت سے ۱۳۷۵ھ تک مسلسل ابوداؤد شریف کا درس حضرت شیخ ہی کے ذمہ رہا۔ آپ کے درس کی شہرت ابتدا سے ہندوستان کے عربی مدارس میں ہوگئی تھی اور نام کے بجائے "شیخ الحدیث" کے لقب سے مشہور عام ہوئے۔ یہ لقب دراصل حضرت سہارن پوری نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ اپنے انتقال سے پیشتر حضرت سہارن پوری نے جو تحریر مدینہ منورہ سے مدرسہ مظاہر علوم کے نام ارسال کی تھی اس میں خصوصیت کے ساتھ اس بات کا ذکر تھا کہ حضرت شیخ کو حدیث سے جو مناسبت ہے وہ کسی اور کو نہیں اس لئے انہی کو مدرسہ کا شیخ الحدیث مقرر کیا جائے، اور اگر کسی کو اس میں تردد ہو تو میں اپنی طرف سے ان کو شیخ الحدیث کا لقب دیتا ہوں۔

تقریباً ۲۵ سال تک سنن ابی داؤد اور بخاری جلد اوّل کا درس حضرت ہی کے ذمہ رہا۔ اس کے بعد ۱۳۶۲ھ سے ناظم مدرسہ مولانا عبداللطیف صاحب کے یہاں سے بخاری جلد ثانی بھی حضرت ہی کی طرف منتقل ہوگئی۔ لیکن ۱۳۷۵ھ سے صرف بخاری شریف ہی آپ کے ذمہ رہ گئی۔ اس طویل زمانہ تدریس میں حسب ضرورت حدیث کی بعض دوسری کتب شلاً ترمذی، مسلم اور شمائل ترمذی وغیرہ بھی زیر درس رہیں۔ افسوس کہ ۱۳۸۸ھ سے آنکھوں میں نزول ماء (موتیابند) کی شکایت کے باعث درس کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ مگر تالیف وتصنیف کا سلسلہ آخر آخر تک قائم و برقرار رہا۔

اسی طرح مسلسلات حدیث کے درس کا بھی حضرت کے یہاں بڑا اہتمام تھا۔

ابتدا میں توخصوصی طور پر بعض حضرات اجازت لیتے رہے، لیکن ۱۳۸۸ھ سے باضابطہ اس کا اہتمام ہونے لگا، اور کافی جم غفیر اس کی تحصیل کے لئے اکٹھا ہونے لگا۔ چنانچہ ۲۳ رجب ۱۳۹۰ھ کو ہندوستان کے مدارس عربیہ میں یہ خبر گونج اٹھی کہ حضرت شیخ مسلسلات حدیث پڑھائیں گے، اس موقع پر تقریباً ڈیڑھ ہزار کا مجمع ہوگیا جس میں ہندوستان کے بہت سے اساطین ومشاہیر اہلِ علم بھی شریک ہوئے۔

درسِ حدیث سے والہانہ شیفتگی

حضرت شیخ جس انہماک، دلسوزی، نشاط وسرگرمی کے ساتھ حدیث کا درس دیا کرتے تھے اس کی صحیح مرقع کشی سے زبان قلم قاصر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم حدیث آپ کے لئے محض ایک علم اور فن کی حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ یہ ان کا ذوق وحال بن گیا تھا اور ان کے جسم وجان اور رگ وریشہ میں کچھ اس طرح رچ بس گیا تھا جیسے پھول میں خوشبو اور ستاروں میں روشنی، یا ع

شاخِ گل میں جس طرح شبنم کا نم

ایک بار موسلادھار بارش ہورہی تھی، تمام سڑک پر گھٹنوں گھٹنوں پانی بھر رہا تھا، ناکارہ راقم سطور مدرسۂ قدیم میں کتاب لیے ہوئے منتظر تھا کہ بارش کا زور کم ہو تو سبق میں حاضر ہو۔ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مرحوم ناظم مدرسہ مظاہر علوم اس وقت دفتر نظامت (جو مدرسہ قدیم میں واقع ہے) میں تشریف رکھتے تھے اس ناچیز نے ان سے دریافت کیا کہ کیا حضرت شیخ الحدیث آج بھی درس میں تشریف لے گئے ہوں گے۔؟ انھوں نے فرمایا کہ اس طوفانی بارش میں تو بظاہر مشکل ہی معلوم ہوتا ہے۔ باہر جاکر معلوم کرلو۔ چنانچہ میں نے مدرسہ کے دروازے پر آکر سائبان میں بیٹھے ہوئے پھل فروشوں سے معلوم کیا، بارش کا زور برابر قائم تھا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت تو دیر ہوئی تشریف لے گئے۔ جبکہ حضرت کے مکان سے دارالحدیث کا خاصہ فاصلہ ہے سڑک پر پانی بہہ رہا تھا۔ یہ کم ہمت بھی

بعجلت تمام دارالحدیث میں حاضر ہوا، وہاں بجلی غائب تھی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا مگر درس شروع ہو چکا تھا۔ ناچیز راقم سطور چپکے سے بیٹھ گیا کہ مبادا حضرت شیخ کی نظر پڑ جائے مگر آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا، جانتے ہو کیسے آیا ہوں، اپنے مکان سے روانہ ہوا تو ایک ہاتھ میں بخاری شریف کا پارہ اور دوسرے میں چھتری تھی جوتے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا۔ نصف راستہ تک آیا تو ایک رکشہ والا مل گیا، اس نے باصرار مجھے رکشہ پر سوار کر لیا اور یہاں پہونچانے کے بعد میرے پیروں اور پائجامہ کے نچلے حصہ کو دھویا، یہ ناکارہ یہ سُن کر پانی پانی ہو گیا۔

حضرت شیخ کا درس گرمی و سردی، صحت و بیماری اور بارش و آندھی تمام حالات میں اسی مستعدی و نشاط اور تازگی و پابندی کے ساتھ جاری رہتا تھا۔ دارالحدیث میں قدم رکھتے ہی عطر کی خوشبو سے مشام جاں معطر ہو جاتا تھا، ادب و احترام اور وقار و سکینت کی جو خاص کیفیت اس وقت پیدا ہو جاتی تھی اس کے بیان کے لئے راقم سطور ذخیرۂ الفاظ کو قاصر پاتا ہے۔ جو بھی تھوڑی دیر کے لئے مجلس میں بیٹھ جاتا یوں محسوس کرتا گویا ؎

بادِ صبا آج بہت مشک بار ہے
شاید ہوا کے رُخ پہ کھلی زُلفِ یار ہے

حضرت شیخ کا درس اپنے عہد میں ممتاز ترین خصوصیات کا حامل تھا، اس لئے ان کے درس کی تقریر کو بہت سے علماء و فضلاء قلم بند کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ اس ناچیز راقم سطور نے بھی درس بخاری کی تقریر کو بہت اہتمام سے قلم بند کیا ہے۔ مولانا محمد شاہد صاحب نے حضرت شیخ کی مختلف تقاریر کو سامنے رکھ کر بخاری شریف کے ابتدائی حصہ کی تقریر کو مرتب کیا ہے۔ مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم کی نظر ثانی کے بعد عرصہ ہوا، اس کے دو اجزاء کی طباعت ہو چکی ہے۔ اس کے شروع میں حضرت شیخ کے ایماء و حکم سے اس ناچیز کے قلم سے ایک مقدمہ بھی شامل ہے، جس میں حضرتؒ کے درس کی امتیازی خصوصیات کو بہت تفصیل

سے بیان کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے :۔

حضرت شیخ رحؒ کے درس کی خصوصیات

(۱) حضرت شیخ کا درس عشق نبویؐ اور محبت رسولؐ کا نمونہ ہوتا تھا، جس کیفیت و سوز و گداز سے آپ پڑھاتے تھے وہ ناقابل بیان ہے ؎

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

اس کا اثر پورے مجمع پر بہت غیر معمولی ہوتا تھا، کبھی آہ و بکا کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی جیسا کہ کسی نے اس طرح تصویر کشی کی ہے ؎

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں لیے ہوئے

خصوصاً حضرت شیخ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کی حدیث پڑھا کرتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے آج ہی یہ عظیم سانحہ پیش آیا ہے، اس وقت حضرت پر بے اختیار گریہ طاری ہو جاتا تھا، عبارت پڑھنی مشکل ہو جاتی، اور طلباء و سامعین پر آہ و بکا کا عالم ہوتا ؎

الٰہی درد و غم کی سرزمیں کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

(۲) حضرت شیخ رحؒ کے درس میں تمام ائمۂ سلف و مجتہدین اور محدثین کرام کے ساتھ نہایت ادب و عظمت کا معاملہ رہتا تھا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی سے بہت سے مواقع پر اختلاف فرماتے تھے ——— اور ان کے بارے میں یہ بھی فرماتے کہ انھوں نے حنفیہ کو نظر انداز کر دیا ہے۔ حنفیہ کی دلیل سے اس طرح آنکھ بچا کر نکل گئے ہیں گویا انھیں اس کی کچھ خبر نہیں، حالانکہ کتاب میں بسا اوقات اسی راوی یا روایت کو اپنے مذہب کی تائید میں دوسری جگہ ذکر فرمایا ہے گر بایں ہمہ

حافظ ابن حجر کا ہم حدیث پڑھنے پڑھانے والوں پر جتنا احسان ہے اور کسی کا نہیں امام بخاری کا جہاں حنفیہ سے اختلاف ہوا ہے وہاں حدِ اعتدال کو قائم رکھنا بہت سے اہلِ علم کے لئے دشوار ہو جاتا ہے۔ مگر حضرت شیخ اس موقع پر عام طور پر امام بخاری کے اعتراض کا مدلل جواب دینے کے بعد ان کے اسم گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ ان کی عظمت شان اور جلالت قدر میں کسی طرح کی کمی واقع نہ ہو خصوصاً کتاب الحیل و کتاب الاکراہ میں حضرت شیخ کے درس کا منظر آنکھوں کے سامنے ہے۔

(۳) بعض عربی الفاظ کا ترجمہ دشوار ہے، اسلئے کہ عربی کے مقابلہ میں اُردو کا ذخیرہ الفاظ کوتاہ ہے، اور بسا اوقات ترجمہ میں دشواری ہوتی ہے، مگر حضرت شیخ اس طرح کے الفاظ کا اُردو میں ایسا ترجمہ فرماتے کہ اس سے بہتر اُردو زبان میں، تعبیر ممکن نہیں ہے۔

(۴) نفس حدیث میں اگر کہیں مطلب میں دشواری ہوتی اور دیگر شراح بخاری نے بھی اس کو واضح نہیں فرمایا ہے بلکہ ان کی توجیہ و تشریح میں بھی الجھن باقی ہے اس کو خصوصیت کے ساتھ دور فرماتے۔ اگر اس طرح کی تمام نادر تحقیقات کو جمع کر دیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر باب القسامة بخاری جلد ثانی ص ۱۰۱۸ (طبع ہند) میں "فقرنت بیدہ بیدہ" میں ضمیر کے مرجع اور کلام کے مطلب میں تمام شراح بلکہ حافظ ابن حجر تک سے وہم واقع ہوا ہے۔ حضرت شیخ اپنے درس میں ان اوہام کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے اور ضمیر کا مرجع و عبارت کا مطلب ایسا بیان فرماتے کہ ہر طرح تشفی ہو جاتی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو لامع الدراری ج ۲ صـ ۳۹۱

(۵) اگر کتاب میں مؤلف یا کسی راوی سے کوئی وہم واقع ہوا ہے یا کسی راوی پر کسی نوع کا کلام ہے تو اس پر ضرور متنبہ فرماتے اور اس راوی اور روایت کی حیثیت کو واضح فرماتے تھے۔ حافظ ابن حجر کی معرکۃ الآرا کتاب "تہذیب التہذیب"

پرحضرت شیخ کا مبسوط ذیل ہے، اگر وہ طبع ہو جاتا تو علمی دنیا خصوصًا احناف پر احسانِ عظیم ہوتا۔

(۶) مذاہب ائمہ کی تحقیق اور ان کے دلائل خصوصًا مسلک حنفی کے دلائل کو تفصیل سے بیان فرماتے۔ اگر کوئی روایت بظاہر حنفیہ کے مسلک کے خلاف نظر آتی تو اس کی توجیہات اس طرح نقل فرماتے کہ مسلک حنفیہ اسی حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا۔

(۷) اکثر اہم مسائل میں پہلے خلاصے کے طور پر بیان فرما دیتے کہ اس میں ۵ یا ۱۰ بحثیں ہیں، پھر ان کی قدرے تفصیل و توضیح فرماتے، ان میں جن مسائل سے امام بخاری نے تعرض کیا ہے ان کی مزید تشریح فرماتے۔ رفع یدین، آمین بالجہر اور کسوف وغیرہ ابواب میں اسے دیکھا جاسکتا ہے۔

(۸) شروح حدیث اور محدثین کرام کے کلام کو بطور خلاصہ نہایت دل نشیں انداز میں بیان فرماتے۔ حضرت شیخ کی پوری تقریر مغز ہی مغز ہوتی تھی۔ اگر کوئی شخص اصل کتاب سے حضرت کی تقریر ملا کر دیکھے گا تو وہ نمایاں طور پر محسوس کرے گا کہ ایک صفحہ کی بحث ایک سطر میں آگئی ہے، اور بعض مواقع پر تو کوزہ میں دریا بند نظر آتا ہے۔

(۹) درمیان سبق میں خصوصًا سہ ماہی امتحان تک اپنے اکابر کے واقعات موقع و محل کی مناسبت سے سناتے تھے۔ بلاشبہ یہ واقعات اصلاح و تربیت کے لئے بہت مؤثر ثابت ہوتے، اس کا مقصد یہ ہوتا کہ طلبا اپنے مقام کو پہچان کر اس کتاب عظیم کو پڑھیں ؎

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تری مہربانی

(۱۰) درس بخاری میں حضرت شیخ بخصوصیت کے ساتھ تراجم ابواب کی شرح اور امام بخاری کے ترجمہ کی غرض کو تفصیل سے بیان فرماتے تھے۔ بعض تراجم پر تمام شروح بخاری خاموش ہیں مگر حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ امام موصوف کا کوئی ترجمہ

دقتِ نظر اور باریک بینی سے خالی نہیں ہے۔ مثلاً امام بخاری نے ایک ترجمۃ الباب قائم کیا ہے "باب الصلوٰۃ إلی الحربۃ" یہاں تمام شروح ساکت ہیں، مگر حضرت شیخ کی نگاہ دوررس نے یہاں بھی بخاری کے شایانِ شان ایک دقیق نکتہ پیدا کیا اور اس لطیف توجیہ کو حضرت گنگوہی کے حوالے سے نقل فرمایا ہے جس کی تفصیل و تحقیق لامع الدراری اور اس کے حاشیہ میں موجود ہے۔ وہ یہ کہ چونکہ زمانۂ جاہلیت میں بعض قبائل عرب ہتھیاروں اور اوزاروں کی پرستش کیا کرتے تھے اس لئے بیشِ نظر ترجمہ سے امام بخاری اس مسئلہ میں پیدا ہونے والے وہم کو دفع فرما کر اس کا اظہار فرما رہے ہیں کہ نیزہ کو سترہ بنانا جائز ہے۔

(۱۱) حلِّ تراجم ابواب کے سلسلے میں اگر کوئی مسئلہ ایسا پیش آیا جس میں امام بخاری نے کسی مخصوص امام کے مسلک کو ترجیح دی ہے یا ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور امام کی رائے کو پسند فرمایا ہے یا وہ اپنی رائے میں منفرد ہیں تو حضرت شیخؒ اس کو امام بخاری کے دلائل کے ساتھ بیان فرماتے اور امام موصوف کے اعتراض کا مفصل جواب دیتے تھے۔

(۱۲) بخاری کے بعض تراجم بظاہر مکرر معلوم ہوتے ہیں، اگرچہ اتنی بڑی کتاب میں یہ عین ممکن ہے مگر امام موصوف کی دقتِ نظر اس امر کی متقاضی ہے کہ یہ تکرار کسی دقیق اور باریک نکتہ کے پیشِ نظر ہے چنانچہ حضرت شیخ اس پر طلبا رکو خصوصیت کے ساتھ متنبہ فرماتے تھے اور ایسی شافی و تسلی بخش تقریر فرماتے کہ تکرار کا اشکال رفع ہو جاتا۔ مثلاً صفحہ ۵۶، جلد اول پر دو باب "باب من لم یتم السجود" و "باب من یبدی ضبعیہ و یجافی جنبیہ" ہیں۔ یہی دونوں ترجمے دوبارہ صفحہ ۱۱۳ پر بعینہٖ انہی الفاظ کے ساتھ آئے ہیں مگر حضرت شیخ نے ان کی تکرار کو اس طرح حل فرمایا ہے کہ دونوں مقامات پر یہ تراجم ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو لامع الدراری۔

(۱۳) امام بخاری کو حدیثِ نبویؐ سے غیر معمولی عشق تھا اور عاشقِ صادق جب

محبوب کے جمال پر نظر ڈالتا ہے تو ہر بار اسے ایک نئی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ امام موصوف کا بھی یہی حال ہے۔ بسا اوقات ایک ہی حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط فرماتے ہیں، مثلاً حضرت بریدہ کی حدیث کو مختلف مقاصد کے لئے بیش مرتبہ سے زائد اور حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کے واقعہ کو دس مرتبہ سے زائد اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے اور ہر مرتبہ اس سے کوئی نئی بات مستنبط فرمائی ہے۔ اس پر حضرت خصوصیت سے طلبار کو متوجہ فرماتے۔

(۱۴) حدیث پاک کے بعض الفاظ اور جملے ایسے ہیں کہ ان کے صحیح معنی لب ولہجہ اور صورت واقعہ کی مثالی صورت بنائے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتے۔ اس لئے بھی علم حدیث کو کسی ماہر فن سے پڑھنا ضروری ہے۔ حضرت شیخ ان الفاظ اور جملوں کو اسی طرح پڑھ کر سناتے اور جہاں مثالی صورت بتانے کی ضرورت پیش آتی وہاں اس کی عملی صورت بھی خود کر کے دکھاتے۔ مثلاً بخاری جلد اول ص۶۹ پر "ووضع خدّه الایمن علی ظهر کفه الیسری وشبّک بین اصابعه" کا مفہوم بغیر مثالی صورت بتائے ہوئے محض الفاظ سے ذہن نشین نہیں ہوسکتا۔ اس کو خصوصیت کے ساتھ عمل کر کے طلبار کو دکھاتے تھے۔

(۱۵) تاریخی واقعات کے سلسلہ میں بعض جگہوں پر روایات کے اختلاف واضطراب کی بنا پر تطبیق میں بہت دشواری معلوم ہوتی ہے۔ حضرت شیخ اس اضطراب واختلاف کو اس طرح دفع فرماتے کہ ہر طرح تشفی ہو جاتی۔ ملاحظہ ہو لامع الدراری جلد ثانی ص۶۸

بذل المجهود کی تالیف میں شرکت

جیسا کہ سطور بالا میں مذکور ہوا، ۱۳۳۴ھ میں حضرت شیخ نے دورۂ حدیث حضرت سہارن پوری سے دوبارہ پڑھنا شروع کیا۔ ابھی درس کے آغاز پر دو ہی مہینے گزرے تھے کہ ایک دن حضرت سہارن پوری "دار الطلبا" سے مدرسہ قدیم آرہے تھے، اور حسب معمول حضرت شیخ ان کے ہمراہ تھے۔ راستے میں اچانک ایک جگہ رک کر

حضرت سہارن پوریؒ نے ارشاد فرمایا۔

"ابوداؤد پر ہمیشہ میری کچھ لکھنے کی خواہش رہی تین بار شروع کرچکا ہوں مگر ہجوم مشاغل نے کچھ نہیں کرنے دیا، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی حیات میں بار بار شروع کیا اور یہ جی چاہتا رہا کہ کسی طرح لکھ لوں اور اشکالات کو حضرت علیہ الرحمۃ سے حل کرلوں گا، مگر حضرت کے وصال کے بعد یہ جذبہ سرد پڑ گیا۔ اس کے بعد پھر یہ خیال ہوا کہ ہمارے مولانا محمد یحییٰ صاحب تو ابھی حیات ہیں ان سے بحث و تحقیق میں استفادہ کرتا رہوں گا۔ مگر ان کے ارتحال کے بعد اس خیال کو دل سے بالکل نکال دیا۔ اب عرصہ کے بعد پھر مجھے یہ خیال ہورہا ہے کہ اگر تم دونوں میری مدد کرو تو میں شاید یہ اہم کام کرلوں"۔[1]

حضرت شیخ نے برجستہ جواب دیا کہ حضرت ضرور شروع کردیں، اور یہ میری دُعا کا اثر ہے دریافت فرمایا، کیسی دُعا؛ شیخؒ نے اپنے مشکوٰۃ شروع کرتے وقت والی دُعا کا ذکر کیا کہ "یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر سے شروع ہوا ہے یہ مجھ سے چھوٹنے نہ پائے"۔ یہ واقعہ ربیع الاوّل ۱۳۳۵ھ کا ہے۔ حضرت سہارن پوری نے اسی وقت شروح حدیث کی ایک طویل فہرست بتادی اور انھیں کتب خانہ سے حاصل کرنے کا حکم فرمایا۔

بلاشبہ یہ حضرت شیخ کے عروج و اقبال کا وہ آغاز تھا جس کے درجۂ کمال تک آپ پہونچے اور اپنے شیخ و مرشد کی نگاہ میں آپ کو وہ اہمیت و خصوصیت حاصل ہوئی جو پھر اور کسی کو نہیں ہوسکتی، تالیف کا طرز یہ تھا کہ حضرت سہارن پوری شروح حدیث اور مآخذ کی نشان دہی فرماتے حضرت شیخؒ اُن کا مطالعہ کرکے اور متعلقہ مواد جمع کرکے حضرت سہارن پوری کی خدمت میں پیش کرتے۔ وہ اس میں سے حسب ضرورت مواد منتخب و مرتب کرکے مصنفانہ حیثیت سے لکھواتے۔ تسوید و تحریر کا کام حضرت شیخ انجام دیتے۔ اس طرح یہ عظیم الشان شرح پانچ ضخیم جلدوں میں تیار ہوئی، اس

---

[1] یہ دوسرے صاحب حضرت شیخ کے رفیق درس مولوی حسن مرحوم تھے، نوجوانی ہی میں ان کا انتقال ہوگیا۔

محنت وکوشش نے آپ کے اندر تصنیف وتالیف کا خاص ذوق اور ملکہ پیدا کر دیا، اور فن حدیث پر آپ کی نظر بہت گہری اور وسیع ہوگئی۔ پھر آپ نے اس کتاب کی طباعت وتصحیح میں بھی سعی بلیغ فرمائی جس کے باعث آپ کو اپنے استاذ و شیخ کی خوشنودی واعتماد حاصل ہوا، اور نامور استاذ علیہ الرحمۃ نے بذل المجہود کے مقدمہ میں "قرۃ عینی وقلبی" کے القاب سے اپنے شاگرد رشید کو سرفراز کیا، بلکہ حضرت سہارنپوری نے تو اصل مسودہ میں یہاں تک لکھ دیا تھا کہ "ھو جدیر بأن ینسب ھذا التعلیق إلیہ" (کہ مناسب یہ ہے کہ اس تعلیق کی نسبت ان ہی کی طرف کی جائے) مگر حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ان حوصلہ افزا کلمات کو میں نے ادباً حذف کر دیا۔

بذل المجہود کے عربی ٹائپ پر طباعت کا اہتمام

بذل المجہود پانچ ضخیم جلدوں میں طبع ہو کر ہندوستان میں بہت عرصہ قبل مشہور ومقبول ہو چکی تھی، مگر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی دلی تمنا تھی کہ اگر یہ شرح عالم عربی میں بھی پھیل جاتی تو اس کا نفع زیادہ عام ہو جاتا۔ اس طویل مدت میں حضرت شیخ نے اس پر جا بجا حواشی بھی تحریر فرمائے تھے، جو بہت سے جدید اضافات پر مشتمل ہیں اس بات کی ضرورت تھی کہ ان تمام قیمتی حواشی کو سلیقہ سے مرتب کر کے بذل المجہود کو عربی ٹائپ میں طبع کرایا جائے۔ اس سلسلہ میں حضرت شیخ اس ناچیز راقم السطور کو اپنے ایک شفقت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> ایک ضروری مشورہ تم سے کرنا تھا، وہ یہ کہ تم نے اپنے سابقہ خط میں بذل المجہود کی طباعت کے سلسلے میں کچھ لکھا تھا، تمھیں معلوم ہے کہ میں خود ۲۰۔۲۵ سال سے بہت ہی متمنی اور کوشاں ہوں، اب تو علی میاں خدا ان کو بہت ہی جزائے خیر دے اور بلند درجات عطا فرمائے اس میں معاونت کے لئے تیار ہیں، اس سے پھر ایک امنگ پیدا ہوگئی اور

تمھارے خط نے ایک شعلہ سا پھر پیدا کر دیا۔ تم نے لکھا ہے کہ سال بھر تیرے پاس رہنے کا جی چاہتا ہے، اگر بذل المجہود کی طباعت کا ولولہ اور جذبہ نہ ہوتا تو میں ہرگز آپ کو اس کی اجازت نہ دیتا کہ آپ تدریس حدیث شریف چھوڑ کر یہاں قیام کریں۔ یہ تو بہت نقصان دہ ہے۔ البتہ اگر آپ یہاں کے قیام میں بذل المجہود کے میرے حواشی، جو بہت کثرت سے ہیں آپ کے دیکھے ہوئے ہیں، ان کو انتخاب کر کے اور بذل کی طباعت ایک سال میں کرادیں تو یقیناً آپ کے لئے بہت بڑا صدقہ جاریہ ہے۔ حدیث کی بہت بڑی خدمت اور میری دیرینہ تمنا کے پورا ہونے کا ذریعہ ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ بذل المجہود، اوجز المسالک اور دیگر کتب حدیث کی ٹائپ کے ذریعہ ندوہ پریس میں طباعت کا سب سے زیادہ اہتمام مولانا معین اللہ صاحب ندوی مدظلہ نے فرمایا تھا۔ اس پر حضرت شیخ نے تحریر فرمایا:۔

"میرا خیال یہ ہے کہ اس کو ندوے میں اپنے حواشی کے ساتھ طبع کراؤں، مگر میرا خیال تمھارے خیال پر یہ ہوا کہ اس کو تم جیسا ذی علم یہاں رہ کر اس کی نقل و تصحیح کر کے مکمل کر کے ندوہ بھیجتے رہیں تو طباعت میں زیادہ سہولت ہو۔ بس اس میں تمھارے مدرسہ اور شغل تدریس کے حرج کا زیادہ خیال ہے۔ اگرچہ بذل کی تکمیل کے لئے یہ ناکارہ خود ایک سال کی مدرسے چھٹی لے کر مدینہ منورہ جا چکا ہے۔"

اس کے بعد ایک اور خط میں تحریر فرمایا:۔

"مولانا علی میاں اور مولانا معین اللہ صاحب دونوں کے خطوط اسی مضمون کے آئے کہ مولوی تقی صاحب کا ایک سالہ قیام بہت مناسب ہے یقیناً بذل کے حاشیہ کی تصحیح ان سے اچھی کوئی نہیں کر سکتا۔"

چنانچہ اس ناچیز نے ۲۵ شعبان ۱۳۹۱ھ سے ایک سال تک سہارن پور حضرت شیخ رح کے پاس قیام کر کے بذل کے حواشی کی ترتیب و تصحیح کا کام مکمل کیا، اور اس عرصہ

میں بذل کی ۱۰ جلدیں ندوہ پریس سے طبع ہوئیں ، بعد میں اس کی طباعت قاہرہ سے طے ہوئی ، اس لئے دوسرے سال ۲۶ رشعبان ۱۳۹۲ھ سے ایک سال تک بذل کی طباعت کے سلسلے میں قاہرہ میں قیام رہا ، اس طرح باقی ۱۴ جلدیں قاہرہ میں طبع ہوکر پوری کتاب بیش جلدوں میں شائع ہوئی ۔ حضرت شیخ رح نے اس خاتمہ بالخیر پر نہایت غیر معمولی مسرت کا اظہار فرمایا اور اس کی مناسبت سے قاہرہ میں اہل علم کی دعوت کرنے کا حکم دیا چنانچہ تعمیل حکم میں مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی نے قاہرہ میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا ، جس میں مصر کے مشہور محدث شیخ حافظ تیجانی کے علاوہ وہاں کے متعدد اہل علم نے شرکت فرمائی ۔ مزید برآں حضرت شیخ رح نے مدینہ منورہ میں بھی اس پر مسرت تقریب سے دعوت کا اہتمام فرمایا ۔

خدا کا جس قدر شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ بذل المجہود دوبارہ بیروت سے بھی فوٹو آفسٹ پر طبع ہوکر ذوق شناسان علم تک پہونچ چکی ہے ، اور انشاء اللہ العزیز ابوظبی میں بھی میں اس کو پھر اہتمام سے طبع کرانے کے لئے کوشاں ہوں ۔

۲۔ تالیف وتصنیف

حضرت شیخ کے علمی کارناموں کی دوسری جولان گاہ تالیف وتصنیف تھی ، اس میں بھی انھوں نے اپنی انفرادیت کے جاوداں نقوش یادگار چھوڑے ہیں ۔ ان کی تالیفات کو درج ذیل دو مختلف نوعیتوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :

۱۔ خالص دعوتی اور اصلاحی

یہ کتابیں نہایت شیریں اور عام فہم اردو زبان میں تحریر کی گئی ہیں ۔ یہ کتابیں اتنی مقبول عام ہوئیں کہ اس کی مثال ماضی قریب کی تاریخ میں مفقود ہے ۔ ان کے لاتعداد ایڈیشن شائع ہوئے اور دنیا کی بکثرت زندہ زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے ۔ آج شاید ہی کوئی دینی مسلم گھرانہ ایسا ہوگا جہاں حضرت شیخ کی اصلاحی اور فضائل کی کتابیں موجود نہ ہوں ۔

۲۔ خالص علمی اور تحقیقی:

اس نوعیت کی جن کتابوں کا تعلق علم حدیث سے ہے (اور یہی زیادہ ہیں) صرف ان ہی کا تذکرہ وتعارف پیش نظر مضمون میں ہدیہ خدمت ہے۔ سطور بالا میں اجمالی ذکر آچکا ہے کہ حضرت شیخ رح نے اس میدان میں بے حد کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ اسلامی کتب خانہ آج حضرت شیخ کی گرانقدر تالیفات سے مالا مال ہے۔ اہل علم اور حضرات مدرسین ان دُرہائے آبدار سے اپنے ذہن و دماغ اور سینہ وسفینہ کو روشن کرتے ہیں۔ حضرت شیخ کی علمی کتابوں میں سے کچھ تو زیور طبع سے آراستہ ہو کر ذوق شناسان حدیث کے ہاتھوں میں ہیں اور کچھ تا ہنوز منتظر طباعت ہیں۔

مطبوعہ تالیفات

(۱) اوجز المسالک الی مؤطا الامام مالک

اس کتاب کی تالیف کے وقت حضرت شیخ کی عمر صرف ۲۰ سال کی تھی ــــــ یکم ربیع الاول ۱۳۴۵ھ کو آپ نے مسجد نبوی میں اقدام عالیہ کے قریب اس مبارک کام کا آغاز فرمایا اور اللہ عز وجل شانہٗ نے اس میں ایسی غیر معمولی برکت عطا فرمائی کہ چند ماہ کے اندر اتنا کام ہو گیا کہ ہندوستان میں کئی سال میں نہ ہو سکا تھا۔ ابواب الصلوٰۃ تک تحریری کام ہونے کے بعد واپسی عمل میں آئی اور پھر ہندوستان میں طویل وقفوں کے ساتھ یہ اہم علمی کام جاری رہا۔ تقریباً تیس سال کی دیدہ وری اور عرق ریزی کے بعد ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ میں ۶ ضخیم مجلدات میں اس کی تکمیل ہوئی۔ یہ کتاب عرصہ قبل ہندوستان میں طبع ہو کر مشہور عام ہو چکی تھی۔ شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ میں جب راقم سطور بذل المجہود کی طباعت کے سلسلے میں قاہرہ پہونچا تو محترم مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی نے اس کی دوبارہ طباعت کا آغاز کروادیا تھا اور میرے وہاں قیام کے زمانے تک ہماری زیر نگرانی دوسری جلد تک طبع ہو چکی تھی۔ پھر بذل کی اہمیت کے پیش نظر اس کی طباعت کو

موخر کر دیا گیا۔ بعد میں پندرہ جلدوں میں اس کی طباعت پایۂ اتمام کو پہونچی۔

یہ کتاب، حدیث و فقہ کے اعتبار سے مؤطا کی سب سے زیادہ جامع ومفصل شرح ہے۔ یہ انسان کو سیکڑوں شروح وحواشی سے بے نیاز کر دیتی ہے بلکہ اگر اسے حدیث وفقہ کی ایک عظیم دائرۃ المعارف کہا جائے تو مبالغہ ہوگا۔ اس کے شروع میں حضرت شیخ کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ بھی شامل ہے جس میں مؤطا اور اس کے نامور مؤلف کے محاسن وکمالات اور سرزمین ہند کے مشائخ واساتذہ اور اکابر محدثین کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اس میں اصول حدیث اور بہت سی قیمتی معلومات کا خلاصہ بھی آگیا ہے۔

بلاشبہ یہ عظیم تالیف حضرت شیخ کی وسعت معلومات، رسوخ فی العلم، عمق نظر، وسعت قلب اور صفائی ذہن کی ایک جیتی جاگتی تصویر و روشن دلیل ہے۔ ائمہ مذاہب اور ان کے دلائل کو نہایت مستند ماخذ سے نقل فرمایا ہے، ہر امام کا مذہب اسی کی معتمد علیہ کتب سے ماخوذ ہے۔ ہر راوی کی مختصر تحقیق کی گئی ہے۔

علمائے عرب کے نزدیک بھی یہ کتاب ایک اہم مرجع شمار ہوتی ہے۔ مکہ مکرمہ کے بہت مشہور عالم شیخ سید علوی مالکی نے اس نادرۂ عصر تالیف کو دیکھ کر فرمایا تھا "متقدمین میں بھی اس کی نظیر مفقود ہے"۔ ابوظبی کے قاضی القضاۃ شیخ احمد عبد العزیز المبارک (جو حضرت شیخ کی کتابوں کے بیحد گرویدہ ہیں) اوجز المسالک کے بہت مداح ہیں۔ انشاء اللہ اس کتاب کی طباعت دوسری مرتبہ عربی ٹائپ میں مع تفصیلی فہارس کے کرانے کا خیال ہے واللہ الموفق۔

(۲) لامع الدراری علی جامع البخاری

یہ جلیل القدر کتاب حضرت شیخ المحدثین والفقہاء مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے عظیم افادات ونادر تحقیقات کا مجموعہ ہے جن کو ان کے تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ نے درس بخاری کے دوران عربی زبان میں قلم بند کیا تھا۔ حضرت شیخ الحدیث رح

نے ان نادر تحقیقات اور جامع افادات کی شرح فرمائی اور اپنے ذاتی مطالعہ وتحقیق سے جن لطیف معانی ونادر معلومات کا اس سلسلہ میں اللہ جل شانہ نے آپ کے قلب پر فیضان فرمایا تھا ان کا اضافہ کیا ہے۔ آپ نے اس کتاب کے حواشی وتعلیقات میں جو غیر معمولی محنت فرمائی ہے اس کی حیثیت ایک مستقل کتاب کی ہوگئی ہے۔ اور یہ کتاب حضرت کے نادر معلومات وذاتی تحقیقات کا سب سے بڑا گنجینہ ہے۔ اس کتاب پر آپ نے ایک مستقل مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے جو امام بخاری کے حالات اور ان کی جامع صحیح کے محاسن پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کتاب پہلے تین ضخیم جلدوں میں ہندوستان میں شائع ہوئی پھر پاکستان سے دس ضخیم جلدوں میں ٹائپ پر شائع ہوئی ہے۔ برادرم مولانا عبدالحفیظ مکی اسے دوبارہ متن بخاری کے ساتھ شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

(۳) الابواب والتراجم

یہ کتاب خاص طور سے صرف صحیح بخاری کے ابواب وتراجم کی تفصیلی شرح پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں ان قواعد واصول پر بالتفصیل بحث کی گئی ہے جن سے ابواب و تراجم اور ابواب بلا تراجم کی احادیث کو باب سے تطبیق دی جاتی ہے۔

امام بخاری کے تراجم ابواب ہر عصر وعہد میں پیچیدہ ومشکل سمجھے گئے ہیں علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بخاری کی شرح اس امت پر قرض ہے۔ مگر بقول حافظ سخاوی صاحب الضوء اللامع شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے فتح الباری لکھ کر امت کی طرف سے اس قرض کو ادا کردیا ہے۔ لیکن حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ ابھی بخاری کے تراجم ابواب کی شرح کا قرض امت کے ذمہ باقی ہے۔ چنانچہ حضرت نے تراجم ابواب پر ایک مختصر رسالہ لکھنا شروع فرمایا تھا، مگر افسوس مکمل نہ ہوسکا۔ اس رسالہ میں حضرت نے پندرہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا بھی اس موضوع پر ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں حضرت شاہ صاحب نے چودہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں حضرت شیخ الحدیثؒ نے ان دونوں متذکرہ الصدر رسالوں کو نیز

شراح بخاری کی آراء اور حضرت گنگوہی کی تراجم کے سلسلے کی تحقیقات سب کو ایک کتاب میں یکجا کر دیا ہے اور غور و فکر کر کے سب کو اپنی ذاتی تحقیق و تنقیح کے بعد ان اصولوں کی تعداد ستر تک بیان فرمائی ہے۔ پھر ان اصول ہی کی روشنی میں پوری کتاب کے تراجم ابواب کی باہم مناسبت اور ابواب وکتب کے مابین مناسبت کو تفصیل سے واضح کر دیا ہے، اور اس طرح حضرت شیخ کی تالیف "الابواب والتراجم" کے ذریعہ صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی شرح کا قرض اُمت کے ذمہ سے ادا ہو گیا۔

یہ کتاب تین جلدوں میں ہندوستان میں چھپی تھی، اب دوبارہ مطابع الرشید مدینہ منورہ سے طبع ہو رہی ہے

(۴) الکوکب الدری علی جامع الترمذی

یہ قطب الاقطاب حضرت گنگوہی قدس سرہ کے ترمذی کے امالی ہیں جن کو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے عربی میں قلم بند کیا تھا، اس پر ہمارے شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے حواشی تحریر فرما کر اسے نہ صرف ایک مستقل تصنیف بنا دیا بلکہ اس کے ایجاز و اختصار اور مجمل و مبہم و غامض عبارات کی تفصیل کر دی، اور بہت سی تحقیقات کو حدیث کے مراجع و مصادر سے اخذ فرما کر حسب موقع نقل فرما دیا ہے، نیز ائمہ کے اقوال اور مذاہب کی پوری تحقیق ان کتابوں سے کر دی جو حضرت گنگوہی کی حیات میں طبع ہو کر سامنے نہیں آسکی تھیں اسی کے ساتھ ساتھ موضوع سے متعلق اپنے ذاتی مطالعہ و تحقیق کا اضافہ بھی فرمایا۔ اپنے مشائخ کے علوم و تحقیقات جن کا تعلق وجدانی اور ذوقی علوم سے ہے ان کو بھی جا بجا نقل فرمایا ہے۔ یہ کتاب اختصار کے باوجود طلباء و علماء دونوں کے لئے مرجع و مصدر بن گئی ہے۔ ترمذی کی عبارات غامضہ کو حل کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی کتاب اسلامی کتب خانہ میں نہیں ہے۔ اس کی مناسبت سے حضرت شیخ نے راقم سطور کو ایک قصہ سنایا تھا جس کو حضرت ہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔

" مجھے مولانا مناظر احسن گیلانی کی زیارت کبھی نہیں ہوئی تھی، مگر ان کا

اسم گرامی کثرت سے سُنتا رہا، اور ان کے علمی و تصنیفی حالات بھی مجھے معلوم ہوتے رہے۔ وہ دار العلوم دیوبند کے ممبر تھے اور مجلسِ شوریٰ میں ہمیشہ تشریف لاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب (سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم) کا آدمی میرے پاس پہونچا کر مولانا مناظر احسن گیلانی تشریف لائے ہیں وہ تجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں ان کا نام سُن کر بہت مرعوب ہوا، ملاقات کو بالکل جی نہیں چاہتا تھا، اس لئے کہ میں بڑے آدمیوں سے ملاقات کرتے ہوئے ہمیشہ گھبراتا رہا، لیکن چونکہ پیام تھا کہ تجھ سے ملنے آئے ہیں اس لئے فوراً حاضر ہوا۔ مولانا مرحوم نے بڑے تپاک سے اٹھ کر مصافحہ و معانقہ کیا اور فرمایا کہ آپ سے ملنے کا کئی سال سے بہت ہی اشتیاق تھا، اس لئے کہ میری جسمانی ملاقات اگرچہ نہیں ہوئی مگر روحانی ملاقات ایک گھنٹہ روزانہ رہتی ہے۔ جب سے الکوکب الدری طبع ہوئی ہے ترمذی پڑھانے کے لئے ایک گھنٹہ اس کا مطالعہ بہت اہتمام سے کرتا ہوں۔ گویا آپ کی مجلس میں رہتا ہوں۔ یہ کتاب طالب علموں سے زیادہ مدرسین کے لئے مفید ہے۔ ترمذی پڑھانے والوں کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں (انتہی بلفظہ) جہاں تک مجھے یاد ہے ایک دو گھنٹہ بعد جلسے وغیرہ سے فارغ ہو کر ڈیڑھ بجے آئے تھے، ۲ بجے دیوبند تشریف لے گئے۔"

حضرت شیخؒ نے اکابر علماء کے اصرار پر کوکب کے حواشی کا کام شروع کیا اور ماہ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ میں اس کی جلد اوّل اور ۱۶ رجب ۱۳۵۳ھ کو جلد ثانی مکمل کی۔ یہ پہلے ہندوستان میں دو جلدوں میں طبع ہوئی تھی۔ پھر حضرت شیخؒ نے دوبارہ عربی ٹائپ میں اسے ۴ جلدوں میں شائع کرایا۔

ناچیز راقم سطور نے اس کتاب کو "لجنۃ التراث والتاریخ ابوظبی" کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے اس عظیم الشان تالیف کو دیکھ کر یہ طے کر دیا کہ یہ ستہ بارہ

لجنۃ التراث کی طرف سے جامع ترمذی کے متن کے ساتھ شائع کی جائے اس کی اطلاع حضرت کے انتقال سے تین ہفتہ قبل فون کے ذریعہ کردی تھی۔ مولینا محمد عاقل صاحب اور مولانا محمد اسمٰعیل برات صاحب نے بتایا کہ حضرت نے اس پر بار بار خوشی کا مسرت کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کتاب حضرتؒ کے منشار کے مطابق جلد از جلد شائع ہو سکے۔

(۵) حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ رسالہ حضرت شیخ نے اپنے مشکوٰۃ کی تدریس کے زمانے میں صرف ایک دن اور ڈیڑھ رات میں تصنیف فرمایا تھا۔ اسے محض حضرت شیخ کی کرامت ہی کہا جاسکتا ہے، ورنہ اتنے مختصر وقت میں تو اس رسالہ کی نقل بھی مشکل ہے، پھر اس میں مزید اضافوں اور نظر ثانی کے بعد شعبان ۱۳۹۰ھ میں پہلی مرتبہ لیتھو میں اس کی طباعت ہوئی۔ اس کے بعد ہندوستان اور بیروت سے اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ کتاب کو اس حیثیت سے نہایت امتیاز حاصل ہے کہ اس میں ان تمام مباحث کا استیعاب کر لیا گیا ہے جن کا تعلق حجۃ الوداع کے مبارک و نورانی سفر سے ہے، یہاں تک کہ منازل سفر کی تحدیدات کے نام اور اس سفر میں پیش آنے والے مبارک مقامات کی واضح نشان دہی کردی گئی ہے۔ اس استقصار و تفصیل کو دیکھ کر فرط تعجب سے نگاہیں کھلی رہ جاتی ہیں، بلاشبہ ان تمام محاسن اور مباحث کے باعث یہ رسالہ سفر حجۃ الوداع کا ایک علمی موسوعہ بن گیا ہے اس کا اُردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۶) خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی

شمائل ترمذی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و شمائل پر سب سے جامع حدیث کی کتاب ہے۔ حضرت شیخؒ نے اس کا اُردو میں ترجمہ اور تشریح فرمائی ہے، جس کے باعث ہر خاص و عام کے لئے اس سے استفادہ و انتفاع آسان ہو گیا ہے۔ اس

کتاب کے حاشیہ پر عربی میں مشکل کلمات اور مفردات کی شرح بھی تحریر کی ہے۔ یہ کتاب ہندو پاک میں متعدد بار زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔

بذل اور دیگر عربی تالیفات پر تقدیم کا اہتمام

یہاں یہ بات یقیناً قابلِ ذکر ہے کہ حضرت شیخ کی تمام عربی تالیفات اور بذل پر مقدمہ نگاری کا شرف مخدومنا حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی کو حاصل ہوا ہے۔ حضرت مولانا کا علمی و رُوحانی مقام معروف عام ہے اور حضرت شیخ اُن پر بے حد غیر معمولی شفقت اور ان کا نہایت اکرام فرماتے تھے۔ مگر فن حدیث میں مولانا مدظلہ کے بلند مقام اور اس کے مالہ وما علیہ پر غیر معمولی عبور سے شاید کم ہی لوگ واقف ہوں گے، اس لئے جب حضرت شیخ نے ان سے بذل پر مقدمہ تحریر کرنے کی فرمائش کی تو بہت سے اہلِ علم کو تعجب ہوا، اسی طرح دیگر عربی مطبوعات کے تقدیمات کے ساتھ بھی رہا۔ مگر حضرت شیخ کا یہ اصرار بہیم تھا کہ ہر کتاب پر مولانا کا مقدمہ رہنا ضروری ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا نے پوری عالمانہ شان اور ایک نرالے و انوکھے انداز میں شیخ کی ہر کتاب پر مقدمہ تحریر فرمایا ہے، اسے حضرت شیخ کی توجہ و عنایت کی برکت کا نام دیجئے یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے نسبی ارتباط و روحانی نسبت کا نتیجہ یا جانبین کے درمیان غیر معمولی الفت و محبت کا ثمرہ کہ حضرت مولانا کے وہ مقدمات جو انھوں نے حضرت شیخ کی عربی کتب پر سپردِ قلم فرمائے ہیں، نہ صرف علم و فن کی تاریخ میں بلکہ ادبِ عربی میں بلند ترین مقام کے حامل ہیں، ان میں فن کی عظمت، کتاب کی اہمیت و محاسن، اور مصنف علام کی جلالت قدر و علوّ شان پوری تابانی کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہے۔ حضرت شیخ نے ہر مقدمہ پر نہایت مسرت کا اظہار فرمایا۔

یہاں اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر غالباً بے محل نہ ہوگا، راقم سطور کے قاہرہ میں قیام کے دوران میں حضرت شیخ نے خواہش ظاہر کی کہ اگر علمائے مصر میں سے کوئی بذل المجہود پر کلمہ لکھ دے تو مناسب رہے گا۔ چنانچہ میں نے اس وقت کے

شیخ الازہر دکتور عبدالحلیم محمود کے سامنے بذل المجہود پیش کی اور ان سے چند کلمات لکھنے کی فرمائش کی۔ انھوں نے کتاب اور مقدمات پر ایک نظر ڈال کر فرمایا کہ یہ عظیم الشان کتاب کسی مقدمہ کی محتاج نہیں ہے اور شیخ ابوالحسن کی تقدیم کے بعد پھر کوئی کیا لکھے گا۔ اسی کے مماثل شہادت مصر کے مشہور عالم محقق شیخ ابوزہرہ نے بھی دی تھی۔ بعد میں مصر کے معروف عالم حدیث حافظ التیجانی نے بذل پر کلمہ لکھا جو کتاب کے آخر میں شامل ہے۔ حضرت شیخ نے بعد میں حضرت مولانا یوسف بنوری مرحوم سے بھی بذل، اوجز اور حجۃ الوداع پر مقدمات لکھوائے۔ مولانا بنوری مرحوم کو برصغیر ہند و پاک میں ایک عظیم محقق، ممتاز عالم حدیث اور صاحب اسلوب اہل قلم کی حیثیت سے جو امتیازی مقام حاصل تھا وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے، چنانچہ انھوں نے حضرت شیخ کی کتابوں پر مقدمات نہایت اہتمام و کاوش فکر و قلم کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں جو ہر کتاب کے ساتھ طبع ہو چکے ہیں۔

حضرت شیخ کی غیر مطبوعہ تالیفات

حضرت شیخ کی غیر مطبوعہ تالیفات کی تعداد سو سے متجاوز ہے ان میں سے اکثر کتابوں کا ذکر آپ بیتی نمبر ۲ میں آچکا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ان کے پاس اپنے اکابر حضرت گنگوہیؒ، حضرت سہارن پوری اور دوسرے مشائخ کے قیمتی افادات و تحقیقات کا مجموعہ بھی تھا۔ علاوہ ازیں علامہ محمد انور شاہ کشمیری کی تقریر ترمذی بھی تھی، جس کی ایک نقل اس ناچیز کے پاس بھی ہے۔ اسی طرح حضرت گنگوہی کی غیر مطبوعہ تقریرات خاص طور پر مولانا محمد حسن مکی (جو حضرت گنگوہی کے تلامذہ خاص میں ہیں) نے دوران درس صحاح ستہ کی جن تقاریر کو قلم بند کیا وہ پورا مجموعہ بھی حضرت کے پاس تھا اس کے علاوہ حضرت مولانا محمد یحییٰ کی لکھی ہوئی تقاریر کا مجموعہ بھی تھا، جس میں تقریر ابوداؤد جو بہت مفصل اور طویل ہے اور جس سے بذل اور دیگر کتب میں استفادہ کیا گیا ہے، اس کا فوٹو کرا کے حضرت شیخ نے اس ناکارہ کو تعلیق و حاشیہ کے لئے دیا تھا مگر افسوس کہ

اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے ابتک کچھ نہ کرسکا. جیسا کہ مذکور ہوا حضرتؒ کی تالیفات کی تعداد ۱۰۵ ہے اور ان کے علاوہ بہت سی ایسی کتابیں ہیں جن پر جا بجا حضرت کے حواشی ہیں مثلاً مکتوبات امام ربانی۔ خود قرآن شریف کا وہ نسخہ بھی بہت اہمیت رکھتا ہے جس میں حضرت کا تلاوت کا معمول تھا۔ اس پر جا بجا کتب تفسیر سے اہم باتوں کو دوران تلاوت نوٹ کرتے گئے ہیں۔ اگر ان نوٹس کو سلیقہ سے یکجا کر دیا جائے تو ایک جامع تفسیر بن سکتی ہے۔ ذیل میں ان کی علم حدیث سے متعلق بعض مخطوطہ کتب کا تعارف پیش ہے۔

۱. حواشی الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ

۲. حواشی وذیل التہذیب۔ حافظ ابن حجر کی تمام کتابوں پر حواشی تحریر فرمائے لیکن تہذیب التہذیب پر کثرت سے لکھے گئے ہیں، اور ذیل التہذیب کے نام سے مستقل بارہ جلدیں مجلد کرا کر تہذیب کے موافق صفحے ڈالے گئے ہیں۔

۳. معجم المسند للامام احمد

مسند امام احمد کی روایات کی ترتیب صحابہ پر ہے، جس میں احادیث کی تلاش بہت مشکل کام ہے۔ پیش نظر رسالہ میں حروف تہجی کے اعتبار سے ان سب صحابہ کرام کی روایات کی فہرست لکھی گئی ہے جس میں ہر صحابی کی روایت مع جلد وصفحہ درج ہے۔

۴. جزء ملتقی الرواۃ عن المرقاۃ

اس میں ان رواۃ حدیث کو جمع کیا گیا ہے جن پر ملا علی قاری نے مرقاۃ میں کلام کیا ہے۔

۵. تقریر نسائی شریف

اس میں حضرت گنگوہی اور دیگر اکابر کی جو تحقیقات مل سکی تھیں ان کو یکجا کر دیا گیا ہے، اس کی نقل بھی اس ناچیز کے پاس ہے۔ حضرت شیخ کی خواہش تھی کہ اس کو یہ ناچیز مرتب کر دے تاکہ شائع ہو سکے۔

۶. تقریر مشکوٰۃ۔ یہ حضرت نے اپنے تدریس مشکوٰۃ کے زمانے میں مرقاۃ اور دیگر

شروح و حواشی سے ملخص کر کے تحریر فرمائی ہے۔ بہت سے اہل علم و مدرسین نے اس کی نقلیں لی ہیں۔ اس ناچیز کے پاس بھی اس کی ایک نقل محفوظ ہے۔

۷. شذرات الحدیث

صحاح ستہ، مؤطین، طحاوی اور ہدایہ وغیرہ کتابوں کے سلسلہ میں حضرت شیخ نے الگ الگ کاپیاں بنائی تھیں۔ شروح حدیث میں اگر کوئی اہم بات اثنار مطالعہ گزرتی تو متعلقہ کاپی پر نوٹ فرما لیتے۔ حضرت کی بعض مطبوعہ تالیفات میں کذا فی الشذر اور البسط فی الشذر کے حوالے کہیں کہیں ملتے ہیں۔ اس سے مراد یہی کتاب ہے۔

راقم سطور سر دست ان ہی سطور پر اپنے مقالہ کا خاتمہ بالخیر کرتا ہے، جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا کسی مجلاتی مقالہ میں حضرت شیخ کے فضائل و کمالات کا استقصا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔ انشاء اللہ حضرت شیخ پر ایک مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ ہے اس میں زیادہ شرح و بسط کے ساتھ حضرت کے فضل و کمال اور علمی و دینی خدمات کا ایک ایک مرقع اجاگر کیا جائے گا۔ خدا اس کی توفیق و صحت ارزانی فرمائے۔ ناکارہ راقم کے پاس حضرت کے قلمی مسودات کے ایک خاصے حصہ کی نقل موجود ہے۔ مزید برآں تیس سالہ تعلق کے دوران کے تقریباً تین سو خطوط بھی محفوظ ہیں۔ انشاء اللہ مستقل تصنیف میں ان سب سے پورا استفادہ کیا جائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ ؎

اک سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

حضرت شیخ الحدیثؒ

کی دو اہم عربی تصنیفات

مولانا ضیاء الدین اصلاحی، دار المصنفین، اعظم گڑھ

اس ناچیز اور کم سواد کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ کی خدمت میں نہ کبھی حاضری کا شرف حاصل ہوا اور نہ ان سے مراسلت و مکاتبت ہی کی سعادت نصیب ہوئی، اپنی اس محرومی اور بدقسمتی کا مدۃ العمر ملال رہے گا۔ کئی سال سے مسلسل ارادہ ہو رہا تھا کہ حضرت کی زیارت و ملاقات سے اپنی آنکھوں کو روشن اور دل کو شاد کروں مگر غفلت و کوتاہی میں دن گزر گئے اور دل کی حسرت دل ہی میں رہ گئی، اب وہ اس جگہ ہیں جہاں اس زندگی میں ان سے ملاقات کی کوئی صورت نہیں۔

حضرت شیخ الحدیث پر لکھنے کا حق ان ہی خوش نصیب لوگوں کو ہے جو ان کے سرچشمۂ علم و کمال سے سیراب ہوتے رہے ہیں اور ان کی دکان معرفت سے اپنی دوائے دل مہیا کرتے رہے ہیں، یہ کمترین تو نہ ان کے دینی و روحانی فیوض و برکات سے متمتع ہوا ہے، اور نہ علمی کمالات و درسی افادات سے استفادہ کر سکا ہے، البتہ اسے حضرت کے علمی و تصنیفی کارناموں سے تھوڑی بہت واقفیت ضرور ہے خصوصاً احادیث پر ان کے خامۂ گہربار نے جو عظیم الشان تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں ان سے اپنی علمی تشنگی بھی بجھائی ہے اور ان سے اپنی بساط اور خدا کی توفیق کے مطابق استفادہ بھی کیا ہے۔

میرے مخدوم حضرت مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم کا جس زمانہ میں حضرت شیخؒ سے تعلق ہوا، اس زمانہ میں اور اس کے بعد بھی ان دونوں بزرگوں کی تحریک سے حضرت کی بعض کتابوں کو بالاستیعاب اور بغور پڑھا اور پھر ان کے بارہ میں اپنے تاثرات بھی قلم بند کیے، یہ تحریریں جب معارف میں چھپیں اور حضرت کی نظر سے گزریں تو حضرت نے ان کی تحسین فرمائی یہاں تک کہ اگر بعض فروگذاشتوں کی جانب بھی توجہ دلائی تو انھیں درست پاکر اپنی اعلیٰ ظرفی سے انھیں بے لیت و لعل قبول فرمالیا۔ حضرتؒ شاہ صاحب مرحوم کو جب بھی کوئی والا نامہ تحریر فرماتے تو اس خاکسار کو بھی سلام سے یاد فرماتے، اس طرح اس ذرہٗ بے مقدار کو بھی اس آفتاب علم و ہدایت سے ایک حقیر اور ادنیٰ نسبت ہے جس پر وہ بجا طور سے ناز کر سکتا ہے ؎

کلاہ گوشہ دہقاں بآفتاب رسید

اسی نسبت و تعلق نے آمادہ کیا کہ حضرت کی دو اہم عالمانہ و محققانہ تصنیفات کا تعارف کرا کے اپنا نام بھی الفرقان کے خاص نمبر کے مضمون نگاروں کی فہرست میں درج کراؤں، ظاہر ہے اس نمبر کے دوسرے مفید، بلند پایہ اور پر مغز مضامین کے سامنے اس "متاع کاسد" کی کوئی قدر و قیمت نہیں، یہ تو خون لگا کر شہیدوں میں شامل ہونا ہوا۔

ذیل میں حضرت شیخؒ کی دو بلند پایہ عربی تصانیف کی بعض خصوصیات پیش کی جاتی ہیں

۱۔ الجزء الاول من الابواب والتراجم للبخاری :

صحیح بخاری حدیث کی سب سے اہم اور معتبر کتاب ہے، اسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے، اس لیے امت نے اس کے ساتھ بڑا اعتنا کیا ہے، اس کے متعلق بے شمار کتابیں اور شرحیں لکھی ہیں اور وہ ہر زمانہ میں درس و تدریس کا لازمی جز رہی ہے۔

منجملہ دیگر اسباب کے صحیح بخاری کی دوسری کتب حدیث پر فضیلت و تقدم کی ایک اہم وجہ اس کے ابواب و تراجم بھی ہیں جو امام بخاریؒ کی عظمت شان، جلالت قدر، جودت طبع ذہن رسا، دقیقہ سنجی، نکتہ آفرینی، بالغ نظری، کثرت استحضار، وفور علم، تفقہ و اجتہاد اور

استخراج واستنباط وغیرہ کا حیرت انگیز نمونہ ہیں۔ یہ تراجم محدثین اور علمائے فن کے غور وفکر کا خاص مرکز ومحور رہے ہیں اور انھوں نے ان کی حقیقت وکنہ تک رسائی کی کوشش کی ہے،

صحیح بخاری کی بعض شرحوں میں ابواب وتراجم کی جانب خاص توجہ کی گئی ہے اور ان کے متعلق مستقل کتابیں اور علٰحدہ رسالے بھی لکھے گئے ہیں مگر متقدمین کی اکثر کتابوں کی طرح یہ اب ناپید ہیں اور محض متداول شرحوں میں کہیں کہیں ان کے حوالے ملتے ہیں، ہندستان کے علماء میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے صحیح بخاری کے ابواب میں تراجم پر بیش قیمت رسالے تحریر کیے ہیں جو طبع ہو چکے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی عمر گرامی حدیث نبوی کی خدمت اور درس وتدریس میں گزری اور انھوں نے کئی اہم کتب حدیث کے شروح وحواشی اور ان سے متعلق مفید اور بلند پایہ کتابیں لکھیں، صحیح بخاری بھی عرصہ دراز تک حضرت کے درس ومطالعہ میں رہ چکی ہے اس لیے اس کے مباحث پر ان کی نظر نہایت عمیق اور گہری تھی، اس سلسلہ میں ان کو اس کے ابواب وتراجم پر بھی غور وفکر کا موقع ملا اور وہ اپنے مطالعہ وتحقیق کے نتائج قلم بند کرتے رہے۔

یہ عظیم الشان علمی ودینی ذخیرہ کئی جلدوں پر مشتمل ہے، اس کی حیثیت دراصل بخاری انسائیکلو پیڈیا کی ہے۔ اس کے شروع میں ابواب وتراجم کے متعلق بڑے اہم اصول تحریر کیے گئے ہیں، اس لیے ان کو علٰحدہ ایک جلد میں پہلے شائع کیا گیا ہے۔ یہ چار حصوں میں منقسم ہے۔

پہلے حصے میں بخاری کے تراجم کی اہمیت اور ان پر لکھی جانے والی کتابوں کا تذکرہ ہے دوسرے میں ان مجمل اصول وقواعد کا ذکر ہے جو بخاری سے متعلق کتابوں اور شرحوں میں تراجم کے بارہ میں بیان کیے گئے ہیں، تیسرا حصہ اسی کی تفصیل ہے، اس میں نمبروار ستر اصولوں کی تشریح وتوضیح کی گئی ہے، چوتھے حصہ میں ان اقوال وآرار کا جواب دیا گیا ہے جو ابواب تراجم کی عدم مناسبت کے متعلق ظاہر کیے گئے ہیں، آخر میں ان ابواب وتراجم کا جدول دیا گیا ہے جن میں مسند حدیثیں درج نہیں ہیں، یہ جدول شیخ الہند کے رسالہ تراجم سے ماخوذ اور حسب

ذیل چار نوعیتوں کا ہے۔

۱۔ وہ ابواب وتراجم جو گو مسند حدیثوں سے خالی ہیں مگر ان میں کوئی آیت، حدیث، اثر یا سلف کا قول موجود ہے۔

۲۔ وہ ترجمے جن میں نہ مسند روایت ہی ہے اور نہ کوئی اور آیت وحدیث وغیرہ، مگر نفس آیات ان کے ابواب کا عنوان ہیں۔

۳۔ ایسے تراجم جو مسند روایتوں سے بھی خالی ہیں اور ان میں کوئی حدیث واثر اور آیت بھی درج نہیں ہے بلکہ مصنف نے ان کا ترجمہ اپنے قول کو بنایا ہے۔

۴۔ وہ ابواب جو بلا ترجمہ ہیں۔

اس رسالہ کے تیسرے حصہ میں جن ستر اصول تراجم کا مفصل ذکر ہے، وہ مصنف کی کتاب لامع الدراری کے مقدمہ میں بھی شامل ہیں۔ ان میں زیادہ تر حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کی کتابوں، حافظ ابن حجرؒ، علامہ عینیؒ، قسطلانیؒ اور سندھیؒ کی شروح وحواشی اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے افادات وامالی سے ماخوذ و مستنبط ہیں، لیکن متعدد اصول خود حضرت شیخ الحدیثؒ کے فکر ومطالعہ اور ذوق ووجدان کا نتیجہ ہیں۔ یہ حصہ مصنف کے رسوخ فی الحدیث، وسعتِ علم ونظر اور کثرت مطالعہ وتدبر کا شاہکار ہے۔

صحیح بخاریؒ کے جن ابواب وتراجم سے عام شارحین سرسری گزر گئے ہیں یا ان کی ایسی دوراز کار تاویل وتوجیہ کی ہے جس نے امام بخاریؒ کی ذات کو ہدف طعن واعتراض بنا دیا ہے ان ابواب میں مصنف علام کے ذوق سلیم اور نکتہ سنج ذہن نے عجیب عجیب حقائق ومعارف کا سراغ لگایا ہے اور حدیثوں سے ان کی مناسبت کے ایسے دقیق پہلو اور لطیف نکتے واضح کئے ہیں جن سے امام صاحب پر عائد کردہ الزامات نہ صرف رفع ہو گئے ہیں بلکہ وہ ان کی عظمت و کمال کی دلیل بن گئے ہیں۔

جن ابواب وتراجم اور ان کی احادیث کے درمیان عدم مناسبت کو عموماً نقل کی مسامحت، امام صاحب کے وہم یا مسودہ کی تکمیل اور باقاعدہ ترتیب سے پہلے ان کی وفات ہو جانے یا

ان کی اپنی شرط اور معیار کے مطابق حدیث نہ ملنے یا راویوں کے اضافہ و تصرف وغیرہ کا نتیجہ بتایا جاتا ہے، مولانا نے اس طرح کے تمام ابواب و تراجم اور ان کی حدیثوں کے درمیان ایسی دل نشین مناسبت بیان کی ہے کہ ان سب الزامات کی مکمل تردید ہو گئی ہے اور وہ خود شارحین کے قصور فہم اور قلت تدبر وغیرہ کا نتیجہ معلوم ہونے لگے ہیں ؎

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

کتاب کا زیادہ حصہ اخذ و اقتباس پر مشتمل ہے اور مصنف علام نے عموماً متقدمین کے اقوال اور اکابر کے بیانات کے دائرے کے اندر رہ کر ان کی روشنی میں صحیح بخاری کے ابواب و تراجم کے اسرار و غوامض حل کیے ہیں مگر جہاں یہ صورت ممکن نہیں تھی وہاں اپنے نتائج تحقیق بیان کیے ہیں اور کہیں کہیں پورے ادب و احترام کے ساتھ اسلاف کے نقطۂ نظر سے اختلاف کیا ہے یا ان کی مختلف آرا میں تطبیق دے کر اپنے نزدیک راجح رائے تحریر کی ہے۔

حضرت شیخ نے بالکل غیر جانبداری سے بخاری شریف کا مطالعہ کیا ہے، اس لیے ان کو عام شارحین کے نقطۂ نظر سے اختلاف کرنے اور ان کی آرا پر نقد و جرح کرنے میں تامل نہیں ہوا ہے، ان کی حق طلبی اور انصاف پسندی نے ان کو علامہ عینی حنفی کے مقابلہ میں حافظ ابن حجر شافعیؒ کی ہمنوائی اور اپنی جماعت کے ممتاز بزرگ حضرت شیخ الہند سے بھی کہیں کہیں اختلاف کرنے پر آمادہ کر دیا ہے۔

دوسرے بزرگوں کے جو اصول تحریر کیے ہیں ان کی توضیح کے لیے ان کے حوالے سے مثالیں بھی نقل کی ہیں اور جن مثالوں میں ان کو کوئی غلطی نظر آئی ہے اس کی تصحیح کر دی ہے اور اگر اصول و مباحث کے سلسلہ میں ان بزرگوں کے یہاں مثالیں نہیں ملی ہیں تو خود تلاش و تفحص کر کے ان کی مثالیں دی ہیں، کسی بزرگ کے اصول کے ضمن میں اس کی تائید میں ملنے والے دوسرے بزرگوں کے بیانات بھی نقل کیے ہیں اور خود اپنے اصولوں کی تائید میں اگر متقدمین کے یہاں اس نوعیت کے معلومات ملے ہیں تو ان کو ذکر کر دیا ہے۔

جن ابواب و تراجم کے مختلف الفاظ مروی ہیں ان کی تصریح اور مرجح روایت کی نشاندہی کی گئی ہے۔

بعض اصولوں میں بڑی یکسانیت ہے، اس لیے ان کے دقیق فرق کو واضح کر کے التباس رفع کیا گیا ہے۔

غرض بخاری کے ابواب وتراجم کے متعلق مختلف کتابوں میں جو کچھ منتشر مواد تھا وہ سب اس میں مفید اضافہ وتشریح کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب نہایت جامع اور معلومات افزا ہے اور یہ حضرت شیخؒ کا ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس سے حدیث کے طلبہ واساتذہ کبھی بے نیاز نہیں رہ سکتے۔

اب ہم حضرت شیخ کے ایک اور بڑے اور اہم کارنامے کا ذکر کرتے ہیں۔

جزء حجۃ الوداع ویلیہ جزء عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم :

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں صرف ایک ہی بار فریضۂ حج ادا کیا مگر آپ کے حج مبارک کے متعلق جو احادیث وواقعات مروی ہیں ان میں بہ کثرت اختلافات ہیں، چنانچہ انھیں منکرین حدیث نے طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا ہے جو ان کی عدم واقفیت اور قلت تدبر کا نتیجہ ہے امام شافعیؒ نے "اختلاف الحدیث" اور امام خطابی نے "معالم السنن" میں اس کا جواب دیا ہے، سیر وتاریخ کی کتابوں میں بھی حجۃ الوداع کے ذکر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے واقعات اور اس کے متعلقہ مباحث ومسائل میں احادیث کے فرق واختلاف کی نوعیت اور اصل حقیقت پوری طرح بیان کر دی گئی ہے جس سے حدیثوں کا تناقض رفع ہو گیا ہے اور ان کے درمیان مکمل تطبیق ہو گئی ہے۔ علامہ ابن حزمؒ نے حجۃ الوداع پر مستقل رسالے لکھے ہیں۔

حجۃ الوداع کے جزئی واقعات اور اس سے متعلقہ روایات میں اختلافات کی کثرت کی بنا پر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس کے واقعات واحادیث کی جمع وتالیف کا خیال ہوا، ان کی ذات گرامی شریعت وطریقت کی جامع تھی، عرفان وتصوف کے ساتھ دینی علوم خصوصاً حدیث نبوی پر ان کی نظر بڑی گہری اور وسیع تھی، حدیث نبوی کا ذوق ان کو اپنے اسلاف کرام سے ورثہ میں ملا تھا اور ان کی پوری زندگی اس کی خدمت، درس

وتدریس اور مطالعہ وتحقیق میں بسر ہوئی تھی اس لیے اس کے مشکلات ومہمات مباحث پر بھی ان کی نظر وسیع تھی، چنانچہ اس کتاب میں اس موضوع کی تحقیق وجستجو اور اس کی گتھیوں اور پیچیدگیوں کو حل کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔

یہ رسالہ دو جزوں پر مشتمل اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حج وعمرے کے متعلق مفصل اور محققانہ معلومات کا مستند ذخیرہ ہے، پہلے جز میں حجۃ الوداع کے واقعات کی تفصیل، رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حج مبارک کی پوری کیفیت اور مدینہ طیبہ سے روانگی سے واپسی تک کی روداد سفر اس طرح پیش کی گئی ہے کہ حج کے واقعات ومسائل کی تحقیق وتنقیح اور اس کی جملہ روایات پر بحث وتنقید بھی اس میں آ گئی ہے اور ان سے مستنبط احکام ومناسک اور ان کے بارہ میں جمہور فقہا وائمہ مذاہب کے آرا، واختلافات بھی واضح ہو گئے ہیں، اس ضمن میں روایات وواقعات کے تضاد اور مؤرخین وارباب سیر کے اختلافات واوہام کا ازالہ بھی کیا گیا ہے جس سے حجۃ الوداع کا صحیح مرقع سامنے آ جاتا ہے، دوسرے جز میں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرے سے متعلق ہے، پہلے عمرہ کے لغوی وشرعی معنی کی تحقیق، اس کی تعریف، اس کے ارکان، شرائط اور احکام وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمروں کی تعداد اور ان سے متعلق تمام واقعات وروایات کی تحقیق وتنقید ان سے مستنبط مسائل کی تشریح، فقہا کے اقوال اور روایات واحادیث اور مؤرخین وارباب سیر کے اختلافات پر فاضلانہ بحث کی گئی ہے اور آخر میں عمرہ سے متعلق بعض غلط روایات و حکایات کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان کی تردید کی گئی ہے، پہلا جز علامہ ابن قیمؒ کی شہرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" سے اور دوسرا جز "مواہب لدنیہ" اور "تاریخ الخمیس" سے ماخوذ ومستفاد ہے۔ قدیم

حضرت شیخ الحدیثؒ نے حجۃ الوداع کے واقعات کی تفصیل کے لیے حجۃ الاسلام حافظ ابن قیم حنبلی کی تحریر کو ماخذ بنایا ہے جو ان کے حسن انتخاب کا ثبوت ہے، علامہ ابن قیمؒ کثرت تصنیف اور حسن تصنیف دونوں حیثیتوں سے بہت ممتاز ہیں، انھوں نے زاد المعاد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ خاص کیفیت کے ساتھ بڑے والہانہ انداز میں لکھی ہے، یہ ان کی عدیم المثال اور مہتم بالشان تصنیف ہے خصوصاً حج اور اس کے متعلقات ومناسک کے متعلق

ایسے محققانہ و مبسوط مباحث اور معلومات کا اتنا بڑا ذخیرہ کسی اور کتاب میں نہیں مل سکتا۔
لیکن حافظ ابن قیم کے استاذ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کی کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی حدیث، تفسیر، فقہ، کلام، تصوف، سیرت، تاریخ، طبقات، رجال، نحو اور صرف وغیرہ مختلف علوم پر مشتمل ہے اور یہ گوناگوں علوم و مسائل ایک دوسرے سے اس طرح مخلوط ہو گئے ہیں کہ ان میں امتیاز کرنا اور حجۃ الوداع کے سادہ واقعات اور حج کے مناسک واحکام کو ان سے جدا کرنا آسان نہیں ہے اس لیے سہولت پسند لوگوں کو اصل کتاب کے مطالعہ میں خاصی الجھن اور دشواری پیش آسکتی ہے، اس کے علاوہ علامہ ابن قیمؒ نے حج کے اکثر اختلافی مباحث اور مختلف فیہ مسائل میں احادیث و آثار کی روشنی میں آزادانہ و مجتہدانہ بحث کی ہے، وہ اس میں کسی خاص فقہی مذہب کے پابند نہیں ہیں، اس بنا پر حنفیہ کے اقوال و مسالک، ان کے مرجحات و وجوہ ترجیح وغیرہ اس سے پوری طرح منقح نہیں ہوتے، اس لیے حضرت شیخ الحدیثؒ نے زاد المعاد سے حج کے بیان کی تلخیص کر کے اس کو متن میں اور اس کی تفصیلات و جزئیات اور دوسرے مباحث و روایات کو شرح و حاشیہ میں درج کر دیا ہے اور حسب ضرورت حدیث، سیر اور تاریخ کی کتابوں سے ضروری اور اہم معلومات و مسائل کا متن و شرح دونوں میں اس طرح اضافہ کر دیا ہے کہ نفس مسئلہ اور حج کے اصل واقعات و احکام میں کوئی فرق نہیں آنے پایا ہے اور غیر متعلق بحثیں جن سے عام قاری کو گھبراہٹ ہو سکتی تھی حذف ہو گئی ہیں۔
زاد المعاد کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ علامہ ابن قیمؒ نے حجۃ الوداع کے واقعات کی تفصیل میں اکابر علمائے اسلام و اساطین فن خصوصاً امام طبری، قاضی عیاض اور علامہ ابن حزم وغیرہ کے ان اوہام و اغلاط کا ازالہ بھی کیا ہے جو ان کو واقعات حج کے سلسلہ میں پیش آئے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے اس کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور اس پر اضافہ بھی کیا ہے اور کہیں کہیں خود علامہ ابن قیمؒ کے وہم کی بھی وضاحت کر دی ہے، حافظ ابن قیمؒ کی طرح حضرت شیخؒ نے بھی اس کتاب میں استقصاء و جامعیت سے کام لیا ہے، اس کی وجہ سے معمولی جزئیات بھی چھوٹنے نہیں پائے ہیں اور بعض جگہ تو خود علامہ ابن قیمؒ کے بعض صحیح اور ضروری واقعات کو قلم انداز کر دینے پر اظہار حیرت کیا ہے۔

واقعات وروایات کے فرق اور ارباب سیر کے اختلافات پر حافظ ابن قیمؒ نے خاص طور پر بحث کی ہے اوران میں توفیق وتطبیق دی ہے یاان کی تاویل وتوجیہ یا تردید کی ہے، حضرت شیخ الحدیثؒ نے بھی روایات مختلفہ اور مختلف فیہ امور میں حتی الامکان جمع وتطبیق یا تاویل وتوجیہ کی کوشش کی ہے لیکن جہاں یہ نہیں ہوسکا ہے وہاں پوری تحقیق اور دلائل کے ساتھ اپنی ترجیح وتصویب کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے حج کے مسائل ومناسک کے سلسلہ میں فقہاء وائمہ مذاہب کے مسالک واختلافات بھی بیان کیے ہیں اوران میں مجتہدانہ محاکمہ کیا ہے، حضرت شیخؒ نے نقل مذاہب میں اور زیادہ کوشش فرمائی ہے اور جمہور فقہاء وائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے قابل ذکر علماء ومجتہدین کے آراء ومذاہب بھی نقل کیے ہیں، بلکہ شاذ وغریب اقوال کا بھی ذکر کردیا ہے اور وجوہ ترجیح واختلاف بھی بیان کردیے ہیں، نقل مذاہب اوران کی تائید وترجیح میں بڑی احتیاط اور انصاف پسندی سے کام لیا ہے، حضرت شیخ حنفی ہیں اس لیے قدرتی طور پران کا رجحان اسی مسلک کی طرف ہے لیکن ترجیحات میں پورے استدلال اور تحقیق سے کام لیا ہے، حنفیہ کے اقوال خصوصیت سے ذکر کیے گئے ہیں، جن مسائل میں علمائے احناف سے متعدد اقوال منقول ہیں ان سب کو ذکر کرنے کے بعد صحیح ومرجح کی تعیین کی گئی ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے احکام ومناسک حج کی حکمتیں اوران کے فوائد واسرار بڑے دلنشین انداز میں تحریر کیے ہیں، اس رسالہ میں بھی حج کے مسائل کی حکمتیں اور مصلحتیں واضح کی گئی ہیں اور بعض جگہ علمی نکات وفوائد بھی تحریر کیے گئے ہیں، حضرت شیخؒ نے احادیث اور حجۃ الوداع کے واقعات سے فقہی مسائل مستنبط کرنے ہی پراکتفا نہیں کیا ہے بلکہ تفسیری وکلامی وغیرہ مختلف النوع علمی بحثیں بھی کی ہیں۔

رجال واسناد اور حدیث کے فنی مباحث، روایات کے درجہ ومرتبہ یعنی مرفوع، موقوف، مسند، مرسل، صحیح، حسن، ضعیف، قوی، جید، سقیم اور مشہور وغریب وغیرہ کی تعیین بھی کی گئی ہے اور بعض حدیثوں سے متعلق شبہات واشکالات ذکر کرکے ان کا ازالہ بھی کیا گیا ہے۔

اسمار واعلام اور بلاد واماکن کی مکمل تحقیق کی گئی ہے اوران سے متعلق ضروری معلومات تحریر کیے گئے ہیں اوران کے قدیم اور موجودہ نام کی وضاحت بھی کردی گئی ہے، اس حصہ میں عصری تحقیقات سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے، الفاظ ولغات کے معانی، ان کے اعراب وحرکات کی تصریح، بعض اصطلاحات اور فقروں کی تشریح بھی کی گئی ہے، اورکہیں کہیں نحوی وصرفی مباحث، عربی زبان کے استعمالات اور طرز تعبیر وغیرہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے غرض اپنے موضوع پر ایسی جامع کتاب اردو کیا عربی میں بھی مشکل سے ملے گی۔ اس طرح کی کتابوں میں عموماً غیر معتبر بیانات وحکایات بھی شامل ہوجاتی ہیں، مگر یہ کتاب رطب ویابس واقعات اور ضعیف وواہی روایتوں سے پاک اور علمی وتحقیقی حیثیت سے بلند پایہ ہے۔

ان گوناگوں خوبیوں کے ساتھ اس کتاب میں ایک غلطی بھی نظر آئی اس کا ذکر کردینا بھی مناسب ہوگا۔ حضرت شیخؒ ص۲۵۱ پر تاریخ الخمیس کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

وکانت ام المؤمنین میمونة رضی اللہ عنہا وارضاہا آخر امرأة تزوج بہا النبی صلے اللہ علیہ وسلم وآخر من توفیت عنہن بلاخلاف۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت میمونہؓ سے تمام ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں نکاح کیا اور بلااختلاف سب ازواج میں سب سے آخر میں ان کا انتقال ہوا۔

حالانکہ تاریخ الخمیس میں بلا خلاف کا لفظ نہیں ہے اور آگے خود حضرت شیخ الحدیثؒ کے بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کا تمام امہات المومنین میں سب سے بعد وفات پانا مسلم اور متفق علیہ نہیں ہے، چنانچہ انھوں نے حافظ ابن حجرؒ کے اس میلان کا ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ حضرت میمونہؓ سے بعد بھی زندہ تھیں اس لیے اس عبارت کا صرف پہلا جزء صحیح ہے یعنی بلا اختلاف حضرت میمونہؓ کے بعد رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا، لیکن سب سے آخر میں ان کا وفات پانا متفق علیہ اور متحقق نہیں ہے بلکہ ضعیف قول ہے اور اس کو صرف صاحب الخمیس اور ابن سعد نے واقدی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور واقدی کا حدیث وروایت میں جو پایہ ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے۔ مؤرخین اور اصحاب سیر کے صحیح بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ امہات المومنین میں حضرت ام سلمہؓ کا سب سے آخر میں

بقیہ ص۲۸۱ پر

بیہقیٔ وقت حضرت شیخ الحدیث (قدس سرہٗ)

(طرزِ تدریس، تصنیف و تربیت کی چند جھلکیاں)

مولانا برہان الدین سنبھلی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

عجیب اتفاق ہے ایک دن تراجم رجال یعنی علماء و فضلاء کے احوال پر علامہ ابن خلکانؒ کی مشہور و مستند کتاب "وفیات الاعیان" دیکھ رہا تھا، دوران مطالعہ ایک محدث .... کے تذکرہ میں جب یہ عبارت نظر کے سامنے آئی :-

واحد زمانه وفرد اقرانه من
کبار اصحاب ... ثم الزائد عليه
في انواع العلوم ... غلب عليه
الحديث واشتهر به وشرع
في التصنيف فصنف كثيرا
حتى قيل تبلغ تصانيفه
الف جزء .... وكان من
اكثر الناس نصرا لمذهب
الشافعي وكان على سيرة
السلف، واخذ عنه الحديث

یکتائے روزگار اور معاصرین میں ممتاز
تھے .... کے شاگردوں میں سب
فائق بلکہ علوم کی بہت سی اقسام
میں (اپنے استاذ سے بھی) بڑھ
گئے تھے ... لیکن حدیث ہی ان پر
غالب تھی اور اسی میں ان کا شہرہ
تھا۔ تصانیف کے میدان
میں قدم رکھا تو وہ
ہزاروں صفحات پر پھیل
گئیں .... موصوف (اپنے فقہی

جماعۃ من الاعیان " (وفیات الاعیان ص۵۴ ج ۱)	مسلک) مذہب[1] .... کے خصوصی حامیوں اور مؤیدین میں سے اور ٹھیک سلف صالحین کے نقش قدم پر تھے۔ ان سے بڑے بڑے لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا"

تو ٹھٹھک کے رہ گیا اور سوچنے لگا کہ یہ پانچویں صدی ہجری کے شہرہ آفاق محدث امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقیؒ (متوفی ۴۵۸ھ) کا تذکرہ ہے یا پندرہویں صدی کے شیخ الحدیث اور بیہقیؒ وقت کا، پھر جس طرح مقدم الذکر کے تذکروں سے پورا عالم گونج رہا ہے اسی طرح مؤخرالذکر کی تصانیف اور تقوے کے چرچے بھی ساری دنیا میں ہو رہے ہیں اور جس کی وفات پر آج عالم وعامی، محدث وفقیہ، صوفی وزاہد بلکہ عرب وعجم کے سب ہی باشعور غمگین ورنجور ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ پندرہویں صدی کا، بلکہ چودہویں صدی کے رُبع آخر (حضرت الاستاذ شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کی وفات کے بعد) سے اب تک کا یہ سب سے اندوہناک اور نتائج کے اعتبار سے دوررس حادثۂ وفات ہے کہ جس سے سارے عالم کے اہل علم وتقوے اور برصغیر کے عوام وخواص کا ناقابل تلافی خسارہ ہوا۔ بالخصوص لاکھوں عقیدت مندوں کا۔ (انّا للہ وانا الیہ راجعون، اللھم اجرنا فی مصیبتنا۔ ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقك .... لمحزونون)[2]

---

[1] حضرت کی تصانیف اور درسی تقاریر وحواشی پر جن کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت اپنے فقہی مسلک (مذہب حنفی) کے کتنے بڑے حامی اور مؤید تھے، اور اس کی ترجیح ثابت کرنے میں کس قدر اہتمام فرماتے تھے، ایسا ہی کچھ حال امام بیہقیؒ کا بھی تھا کہ وہ اپنے مسلک (مذہب شافعی) کے بہت بڑے حامی اور اس کے اثبات کی پوری کوشش کرنے والے تھے۔

[2] احادیث صحیحہ میں مذکورہ بالا کلمات حادثۂ وفات کے وقت پڑھنے کا ذکر اور ان کی فضیلت، اجر کا بیان ملتا ہے۔

حضرت اقدسؒ (قدس سرہٗ) کی ذات گرامی اس قدر جامع اور متنوع تھی کہ جستہ جستہ احوال کے لیے بھی ایک مقالہ کا تو کیا ذکر شاید ایک ضخیم کتاب بھی ناکافی ہو اور سوانح نگار کو دامن نگہ کی تنگی کے بجائے دامن صفحہ کی کوتاہی کا گلہ ہو، اس وجہ سے حضرت کے بارے میں کچھ لکھنے کے ارادہ سے قلم اٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، مگر مخدومی حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہٗ کے حکم کی تعمیل، نیز صالحین کے تذکرہ سے برکتوں اور رحمتوں کے نزول کی جو بشارتیں دی گئی ہیں، ان کے حصول کی نیت سے حضرت کی بعض خصوصیات ذاتی مشاہدات تاثرات اور مکتوبات کی بنیاد پر قارئین الفرقان کے سامنے پیش کرنے کا ارادہ کر لیا۔ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک یہ عمل مقبول ہو جائے اور راقم کی نجات کا وسیلہ بن جائے کہ ؎

رحمت حق بہانہ می جوید   رحمتِ حق بہانی جوید

حضرت سے میری واقفیت کا آغاز:

بحمداللہ تعالیٰ احقر کے والد ماجد (مولانا قاری حمید الدین سنبھلیؒ) طبقۂ علماء و صلحاء میں شامل تھے، پھر انھیں علماء و صلحاء سے ملنے جلنے اور جلسوں میں شرکت کرنے کے مواقع بھی بہت میسر آئے اس لیے ان کے اکثر ہم عصر ممتاز علماء و صلحاء سے تعلقات اور بعض سے گہرے روابط تھے۔ ایسے باپ کے زیر تربیت رہنے کی وجہ سے قدرۃً بچپن ہی میں اہل علم و اصحاب تقویٰ کے ذکر سے کان آشنا ہونے اور ان کی محبت، عظمت کے اثرات قلب پر پڑنے لگے تھے۔ اگرچہ اب یہ تو صحیح طور پر یاد نہیں کہ حضرت اقدس شیخ الحدیثؒ کا سب سے پہلے ذکر خیر کب سنا ؟ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی بار والد صاحبؒ ہی کی زبانی سنا ہوگا۔ کیونکہ حضرتؒ سے والد صاحبؒ کے شخصی روابط تھے اور غالباً خط و کتابت بھی تھی (والد صاحبؒ کے نام حضرت اقدسؒ کے دست مبارک سے لکھا ہوا ایک خط بھی حال میں ملا)۔ شخصی تعلقات کا براہ راست اندازہ اس وقت ہوا جب پہلی مرتبہ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضری سے شرفیاب ہوا اور والد صاحبؒ کے حوالہ سے اپنا تعارف کرایا تو حضرت نے بہت اہتمام سے ان کی مزاج پرسی فرمائی

(والدصاحبؒ عرصۂ دراز تک علیل اور صاحب فراش رہے تھے۔ اُن دنوں صاحب فراش ہی تھے) اور دیر تک نہایت شفقت وعنایت کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے (وہ منظر آج بھی آنکھوں کے سامنے ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ واقعہ کل ہی پیش آیا ہو۔)

پہلی حاضری اور ایک درس میں شرکت:

پہلی مرتبہ ملاقات کا یہ شرف اس وقت حاصل ہوا جب یہ حقیر تعلیم مکمل کرنے کے لیے ۱۳۵۵ھ میں علوم وفنون کے عالمی مرکز دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر وہاں رہنے لگا۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ طبیعت میں سہارنپور اور رائے پور حاضری کا تقاضہ پیدا ہوا۔ اس زمانہ میں رائے پور، رشک بصرہ وبغداد بنا ہوا تھا، جہاں جنید وقت، شبلیؒ دوراں حضرت مولانا عبدالقادر قدس سرہٗ اپنی پوری جلالت شان کے ساتھ طالبان اصلاح کی تربیت واصلاح اور تزکیۂ نفوس کی عظیم جدوجہد اللہ تعالیٰ کی توفیق سے انجام دے رہے تھے۔ اور موصوف کی مسیحا اثری وضیا پاشی سے عالم کا عالم مستفید ومستنیر ہو رہا تھا اور آپ کی ہی بابرکت ذات کے زیر سایہ رائے پور کا چپہ چپہ ذکر اللہ کی صدا سے معمور اور ہر ساکن شراب طہور سے مخمور نظر آرہا تھا۔ بوقت سحر، اس گلستاں کے بلبلوں کی نغمہ سرائی اور نوا سنجی سے تو سماں بندھ جاتا تھا جسکی تصویر کشی سے موئے قلم عاجز ودرماندہ اور کیف وسرور کے بیان سے زبان دہن قاصر ودرماندہ ہے۔

اسی دوران ایک دن ان مقامات کی حاضری کا قلب میں تقاضہ ہوا اور ایک جمعرات کو دیوبند سے بذریعہ ریل چل کر سہارنپور پہنچ گیا۔ اُس زمانہ میں حضرت اقدسؒ کی صحت ایسی تھی کہ درس بخاری دینے قیام گاہ سے پیدل چل کر مظاہر علوم کے دارالحدیث جو بالائی منزل پر ہے، بغیر کسی انسانی سہارے کے تشریف لاتے تھے۔ بس ایک موٹی سی لکڑی کی چھڑی داہنے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ ظہر بعد یہ درس ہوتا تھا۔ چونکہ ظہر سے قبل ہی پہنچ گیا تھا اس لیے درس حدیث میں شرکت عین سعادت سمجھ کر درسگاہ میں حضرت کی آمد سے پہلے ہی جا کر بیٹھ گیا۔

درس کی خصوصیت :

حضرت کی تشریف آوری کے فوراً بعد بخاری شریف کا درس شروع ہوگیا۔ ایک طالب علم نے عبارت (حدیث) پڑھی، بس پھر گویا علم کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ اب تک یاد ہے کہ بخاری کتاب الایمان کی ضمامؓ بن ثعلبہ والی مشہور حدیث جاء رجل الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من اھل نجد ثائرالرأس" نسمع دوی صوتہ" ولا نفقہ ما یقول (۲) کا سبق تھا، اور حضرت اقدسؒ نے "نسمع دوی صوتہ" (آنے والے کی آواز مکھی کی بھنبھناہٹ سی معلوم ہورہی تھی) کے بارے میں شراح حدیث کے بیان کردہ اقوال نقل فرماکر اپنے والد ماجد (حضرت مولانا محمد یحییٰؒ) کی ایک بہت دلپذیر اور عام فہم توجیہ ذکر فرمائی[1] تھی اور واقعہ کی تصویر کشی حضرت نے اپنے دہن مبارک سے ایسے انداز میں فرمائی کہ پورا منظر سامنے آگیا اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہم بھی گویا عینی شاہد ہیں (اس پر اتنا لطف آیا کہ بیان نہیں ہوسکتا)

حضرت کے یہاں اسی ایک درس بخاری میں شرکت کا موقعہ ملا اس میں اس کوتاہ نظر کو جو خصوصیات نظر آئیں ان میں سب سے اہم یہ تھی کہ تقریر "ماقل ودل" (مختصر مگر جامع ومکمل) کا مصداق ہوتی اور اس بات کی بھی خصوصی رعایت ہوتی تھی کہ حدیث کا پورا مفہوم بلکہ اس کا مغز طالبان علم کے اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے۔

درس ختم ہونے کے معًا بعد ڈرتے ڈرتے وہیں خدمت میں سلام عرض کرنے اور مصافحہ کے لیے حاضر ہوگیا۔ والدصاحبؒ کے حوالہ سے تعارف کرایا تو خاص شفقت وعنایت فرمائی (جس کا مختصر تذکرہ اوپر گزرچکا ہے)

یہ پہلا نقش جمیل تھا جو اس ہیچمدان کی سادہ لوح قلب پر مرتسم ہوا۔ پھر تو وہ نقش لازوال بن گیا اور کسی عارف صادق کی بات ع "فصادف قلباً فارغا فتمکنا" سچی

---

[1] حضرت مولانا محمد یحییٰؒ کی وہ توجیہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی مطبوعہ درسی تقریر بخاری (ج۱ ص۱۴) میں آگئی ہے (مرتبہ مولانا شاہد صاحب مظاہری)

ثابت ہوئی۔ اس کے بعد متعدد مرتبہ دیوبند میں حضرت الاستاذ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی برکت سے زیارت ہوئی۔ بالخصوص حضرت مدنیؒ کے مرض وفات کے درمیان حضرتؒ کی تشریف آوری کثرت سے ہوتی اور ہم تشنگانِ دید کو سیرابی کے مواقع خوب خوب میسر ہوتے۔ حضرت اقدس مدنیؒ کے مرض نے جب شدت اختیار کی تو بزرگوں کے دیرینہ تجربات اور اکابر دارالعلوم کے معمول کے مطابق کئی مرتبہ ختم بخاری شریف ہوا اور اس کے بعد ایسے الحاح وزاری کے ساتھ حضرت کے لیے دعائے شفا ہوتی کہ دل ہل جاتے۔ کم از کم ایک موقعہ پر حضرت شیخ الحدیث کی موجودگی اور دعا میں شرکت خوب یاد ہے (حضرت مدنیؒ سے اسی سال راقم سطور اور اس کے ہم جماعت طلبہ کو استفادہ کا تین مہینہ تک موقع نصیب ہوا تھا۔ ہمارے دورۂ حدیث کا یہی سال تھا، اس کی تفصیل حضرت مولانا سید فخرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر لکھے گئے مضمون[1] میں راقم عرض کرچکا ہے)

یوں تو حضرت شیخ الحدیثؒ کے صاحب تصانیف، بالخصوص فن حدیث میں ماہر ہونے کا (جس کی وجہ سے لفظ "شیخ الحدیث[2]" وصفی لقب کے بجائے حضرت کا عَلَم بن گیا تھا) کچھ اندازہ کافی دنوں سے تھا، لیکن جب یہ عاجز اپنی نااہلی کے باوجود دورۂ حدیث کی جماعت میں شریک تھا اور اس وقت کے دارالعلوم کی فضا کے اثر سے فن سے متعلق غیر درسی کتابوں کے مطالعہ کی بھی توفیق ملی تو حضرت کے افادات سے مملو کتابیں (خصوصاً الکوکب الدری، اوجز المسالک) دیکھنے کی سعادت میسر آئی، ان کے مطالعہ سے تو آنکھیں کھل گئیں اور گویا علم کی ایک نئی دنیا دریافت ہوئی (جس سے کم از کم یہ تہی دست ناآشنا تھا) حضرت کی علمی وسعت

---

[1] یہ مضمون الفرقان، جون ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔ [2] یہاں ایک طالب علمانہ لطیفہ کا تذکرہ شاید بےمحل نہ ہوگا، وہ یہ کہ احقر نے تفسیر کی مشہور مشکل درسی کتاب "بیضاوی" کی تدریس کے دوران اسم جلالت کے بارے میں صاحب کتاب کے پسندیدہ قول (انه وصف فی اصله لکنه لما غلب علیه ... صار کا لعلم) کی تشریح کرتے ہوئے لفظ 'شیخ الحدیث' کی مثال اور اس کے مصداق کو پیش کیا تو طلبہ آسانی عبارت کا مطلب سمجھ گئے۔ انھیں مصنف کی پیش کردہ مثالوں (ثریا، صَعِق) سے بھی زیادہ یہ مثال سہل لگی۔

فکری اصابت اور نظر میں دقت کے علاوہ نقلِ اقوال میں صحت کا ایسا تجربہ ہوا کہ اس کے سامنے بہت سے قدیم مصنفوں کے کارنامے بھی اللہ تعالیٰ معاف کرے کم مرتبہ معلوم ہونے لگے اور پھر جوں جوں تدریسی و تصنیفی ضرورتوں سے بتوفیق خداوندی شروح حدیث وغیرہا دیکھنے کی سعادت میں اضافہ ہوتا رہا۔ اسی نسبت سے حضرت اور ان کی تصانیف کی قدر و منزلت بھی برابر بڑھتی رہی اور عجب عجم ہی نہیں عرب (کہ جو مہبطِ وحی ہے اور جہاں اطراف عالم سے علماء آتے رہتے ہیں وہاں) کے وسیع النظر اور جیّد علماء کے ایسے اعترافات سامنے آئے ، تو "علم الیقین" "حق الیقین" بن گیا۔ اسی طرح کا ایک وقیع اعتراف خود احقر کے سامنے مدینۃ الرسول (علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) میں مستقل مقیم بلکہ وہاں کی عدالت عالیہ کے جج اور حرم نبوی کے مدرس وسیع النظر مصری عالم شیخ عطیہ سالم نے کیا، موصوف نے بتایا کہ وہ فقہ مالکی پر (ایک خاص نقطۂ نظر سے) کتاب لکھ رہے ہیں۔ دورانِ گفتگو فرمایا کہ ....."اس سلسلہ میں جتنا مواد" اوجز المسالک" (مؤلفہ حضرت شیخ الحدیث) میں ملتا ہے اتنا کسی اور کتاب میں یعنی مالکی علماء کی لکھی ہوئی کتابوں میں بھی نہیں ملتا"۔

اہل علم جانتے ہیں کہ دوسرے مذاہب کے اقوال نقل کرنے میں بڑے بڑے مصنفین تک سے کیسی کیسی فروگذاشتیں ہوگئی ہیں مگر ہمارے حضرت شیخ الحدیثؒ اس پرخطر وادی سے بھی مامون و محفوظ گزرے ہیں (فالحمد للہ علیٰ ذالک) اس بارے میں حال کے علماء میں ایک استثنائی مثال مشہور فقیہ النفس مصری عالم شیخ ابو زہرہؒ کی بھی ملتی ہے۔

اجازت احادیث کی ایک یادگار مجلس :

پہلی حاضری کے بعد پھر تقریباً دو سال گزرنے پر رجب ۱۳۷۷ھ میں دارالعلوم دیوبند کے دورۂ حدیث کے بہت سے طلبہ کے ساتھ یہ حقیر بھی حاضرِ خدمت ہوا۔ اس وقت سب کا مقصد حضرت اقدسؒ سے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے رسائل ثلٰثۃ (الفضل المبین والدر الثمین والنوادر) نیز "حدیث المسلسل بضیافۃ الاسودین" اور "حدیث المسلسل باجابۃ الدعاء عند الملتزم" وغیرہا کی اجازت لینا تھا۔ ہم سب طلبۂ دارالعلوم ماہ رجب کے آخری جمعہ

کو علی الصباح سہارنپور پہنچ گئے چاشت کے وقت سے حضرتؒ والا نے مذکورہ رسائل و احادیث کا سماع طلبہ سے دارالحدیث میں شروع کیا (اس میں مظاہر علوم کے طلبہ دورۂ حدیث بھی شریک تھے) جمعہ سے قبل قراۃ و اجازت سے فراغت ہوگئی۔

"حدیث الاسودین" کی اجازت کے وقت تمام شرکا کی ضیافت بھی اسودین (پانی اور کھجور) سے کی گئی، اسی طرح "حدیث الاجابہ" کی روایت کے وقت حضرت نے ملتزم پر خود دعا کرنے اور اس کے قبول ہوجانے کا واقعہ بھی سنایا۔ اس کے علاوہ حدیث "المسلسل بالمصافحہ" کی اجازت، سب شرکا سے عملاً مصافحہ کر کے دی۔ یہ نورانی اور پرکیف مجلس ہمیشہ یاد رہے گی۔

اسی روز غالباً عصر بعد حضرتؒ نے ایک مطبوعہ سند اپنے دستِ[1] مبارک سے ہر شریک طالب علم کا نام لکھ کر اور دستخط سے مزین فرما کر عطا کی۔

تعلق بیعت:

اس کے بعد پھر تقریباً دس سال تک مستقلاً حضرت کی زیارت کے لیے سہارنپور حاضری نہ ہوسکی اگرچہ شرف ملاقات کے مواقع بکثرت دہلی وغیرہا میں حاصل ہوتے رہے یہاں تک کہ قلب میں داعیہ کسی اللہ والے سے تعلق کا پیدا ہوا تاکہ اس کی راہنمائی اور سرپرستی میں زندگی گزار کر شیطان کے اثر سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ اگرچہ یہ تقاضہ کبھی طلب کے زمانہ میں بھی ابھرا تھا اور اس وقت نگاہوں میں ہی نہیں دل میں بس ایک ہی بسا ہوا

---

[1] غالباً یہ سعادت کہ ہر طالب علم کا نام حضرت نے اپنے دست مبارک سے لکھا ہو، پھر کسی جماعت کو حاصل نہیں ہوسکی۔ اس سے قبل اتنی بڑی جماعت کبھی شریک نہیں ہوئی تھی، البتہ اس کے بعد برابر اضافہ ہوتا رہا تا آنکہ آخری مجلس (غالباً ۱۳۸۸ھ؍۱۹۶۸ء میں) شرکا کی تعداد سیکڑوں بلکہ شاید ہزار سے متجاوز تھی جس میں طلبہ ہی نہیں جید علما، اور مشاہیر تک شریک تھے۔ لیکن ؏

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

تھا، وہ تھی ذات گرامی شیخ الاسلام برکۃ العصر حضرت الاستاذ مولانا مدنیؒ قدس سرہٗ کی۔ مگر حضرتؒ معمولاً طالب علم کو بیعت نہیں فرماتے تھے اس لیے وہ تمنا دل کی دل ہی میں رہ گئی۔ اور حضرت کی وفات سے حسرت میں تبدیل ہو گئی پھر مدتوں کوئی دوسرا قلب ونگاہ میں جگہ نہیں پاسکا۔ اس لیے طبیعت کسی کی طرف برسوں مائل نہیں ہوئی۔ لیکن جب حضرت اقدس شیخ الحدیث سے بار بار شرف ملاقات حاصل ہوا اور حضرت کے علمی افادات سے غیر معمولی تاثر بلکہ مرعوبیت پیدا ہو گئی تو پھر شیخ الاسلامؒ کے بعد حضرتؒ ہی نے قلب ونگاہ میں وہ جگہ حاصل کر لی، چنانچہ ایک شب مرکز تبلیغ نظام الدین میں حضرتؒ کے دامن ارشاد سے وابستہ ہونے کا شرف حاصل کر لیا۔ ایک مخلص کی معرفت حضرت کی خدمت میں دست گرفتہ بننے کی زبانی درخواست گزاری تھی جو شرف قبولیت سے نوازی گئی (فالحمد للہ علی ذالک) افسوس! کہ یہ نااہل بجز دست گرفتگی کی سعادت کے اور کچھ حاصل نہ کر سکا، حالانکہ حضرت کی طرف سے توجہ اور شفقت میں کمی نہیں تھی، جس کا اندازہ ان گرامی ناموں سے لگایا جاسکتا ہے جو حضرت نے تحریر فرمائے لیکن کسی نے سچ کہا ہے ؎

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اگرچہ خدا کا شکر ہے کہ اس کے بعد حضرت کی خدمت میں بار بار حاضر ہونے نیز عریضے لکھنے کی توفیق ملی۔

حضرت کا طرزِ تربیت

مسترشدین کی تربیت کے لیے اتباع سنت اور درود کی کثرت پر زور:

حضرت کو اپنے مسترشدین ومتوسلین کی تربیت کی کتنی فکر رہتی اور اس کے لیے کتنا اہتمام فرماتے تھے اس کا اندازہ اصلاحی رسالوں اور کثیر تصنیفات کے علاوہ ان ہزاروں مکتوبات سے کیا جاسکتا ہے جو اطراف عالم کے طالبین ومسترشدین کو حضرت نے لکھے (یا

لکھوائے) تربیت کے نقطۂ نظر سے حضرت کے یہاں اتباع سنت اور درود شریف کی کثرت نیز معمولات کی پابندی پر جتنا زور تھا اس کے ہر متوسل کم و بیش واقف ہی ہے۔ یہاں نمونے کے طور پر اپنے نام آمدہ[1] چند گرامی ناموں کے ضروری اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں۔

حضرتؒ کے یہاں تربیت کے لیے مسترشد کا مرشد کے پاس جلد جلد حاضر ہونا بھی خاصی اہمیت رکھتا تھا۔ ایک مکتوب میں تحریر کیا ہے:

"دوسرے مشاغل کے ساتھ (مرشد سے) ملنے جلنے کا وقت نکالنا ضروری ہے اور معمولات کی پابندی اس سے بھی زیادہ ضروری ہے.... اللہ جل شانہ نے جیسا بدنی امراض کے لیے اسباب پیدا کیے ہیں اور دوائیں بھی، ایسا ہی قلبی امراض کے لیے بھی کچھ دوائیں تجویز کی ہیں اور عالم اسباب میں، اسباب پر مسببات کو مرتب کیا ہے۔" (مکتوب از مدینہ طیبہ مورخہ ۷/۴/۷۶ء)

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، حضرت کے نزدیک تزکیۂ نفس اور تربیت باطنی کے لیے اتباع سنت اور درود شریف کی کثرت ضروری تھی۔ چنانچہ متعدد گرامی ناموں میں اس پر زور دیا گیا ہے۔ اسی مکتوب میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا:

اتباع سنت کا اہتمام اصل سلوک ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ" نص قطعی ہے۔" (ایضاً)

ایک دوسرے مکتوب میں درود شریف کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"درود شریف کی کثرت خالی اوقات میں اہتمام سے رکھا کریں۔ یہ مکارہ سے حفاظت، مقاصد کی کامیابی کے لیے بہت مجرب ہے۔" (مکتوب مورخہ ۲۳ شوال سنہ۹۰ھ)

حضرتؒ والا مسترشدین کو یہ بھی ہدایت فرماتے کہ اپنی بے عملی اور کوتاہیوں پر نظر رکھیں۔ (یعنی ان کے ازالہ کی کوشش کریں)۔

---

[1] احقر کے پاس حضرت کے تقریباً چالیس گرامی نامے ہیں جو مختلف اوقات میں مختلف مقامات سے تحریر فرمائے۔

ایک مکتوب میں یہ ہدایت فرمائی :-

"اپنی بے عملی اور کوتاہی پر تو نظر ضروری ہے۔ اس سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے"۔

(مکتوب مدینہ ۱۲ مئی ۱۹۷۶ء)

سنن و مستحبات کا التزام :

اتباعِ سنت کے جذبہ کی بنا پر حضرت اپنے مسترشدین کو سنن و مستحبات کے التزام کی تاکید اور بالخصوص نمازِ تہجد کی پابندی پر خاص توجہ دلاتے۔ ایک مکتوب میں احقر کو تحریر فرمایا۔

"تہجد کی نماز بہت قیمتی اور اہم اور سیما الصالحین ہے۔ اس کی حتی الوسع بہت اہتمام فرمائیں اور نفس کی تو ہر حالت میں مخالفت موجب ترقی ہے"۔ (مکتوب محرم ۱۳۹۸ھ)

چاشت اور اشراق کی نمازوں کے بارے میں صوفیاء کا نقطۂ نظر :

ایک مکتوب میں چاشت اور اشراق کی نمازوں کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے عجیب انکشاف فرمایا :-

"تدریس کے ساتھ جتنے معمولات ادا ہو رہے ہیں، انشاء اللہ کافی ہیں اور کوئی نقصان نہیں۔ اگر تدریس کی وجہ سے چاشت کی نماز نہیں ہو سکتی تو کوئی مضائقہ نہیں، بالخصوص جبکہ اشراق کی پابندی ہے۔ محدثین و فقہاء کے یہاں تو دونوں ایک ہی ہیں، صوفیاء کے یہاں دو نمازیں ہیں"۔

اسی مکتوب میں عرفہ کے روزہ کی اہمیت بتاتے ہوئے لکھا :-

"عرفہ کا روزہ بندہ کی نگاہ میں بقیہ سے اہم ہے کہ کفارہ سنتین[1] ہے"۔ (مکتوب محرم ۱۳۹۸ھ)

---

[1] دراصل یہ ایک حدیث کے مضمون کی طرف اشارہ ہے جس میں عرفہ کے روزہ کی فضیلت بتائی گئی ہے مشکوۃ شریف میں ہے صیام عرفۃ احتسب علی اللہ ان یکفر السنۃ التی قبلہ والتی بعدہ وصیام عاشوراء احتسب علی اللہ ان یکفر السنۃ التی قبلہ ۔ رواہ مسلم یعنی عرفہ کے روزہ سے ایک سال قبل اور

بقیہ اگلے صفحہ پر

مصلح سے ملتے رہنے کا اہتمام :

تربیت واصلاح کے لیے حضرتؒ یہ بھی ضروری سمجھتے تھے کہ مسترشد، مرشد سے برابر ملتا رہے اور اس کی صحبت سے فائدہ اٹھاتا رہے، خاص طور پر رمضان المبارک میں حاضری کو بہت نافع خیال فرماتے تھے، احقر کو متعدد گرامی ناموں میں یہ بات تحریر فرمائی۔ مثلاً ایک مکتوب میں یہ ہدایت فرمائی :۔

"دو تین مہینہ میں دو تین روز کے لیے جمعہ کے ساتھ دو دن ملا کر تشریف لے آیا کریں تو زیادہ اچھا ہے۔ اگر حیات مستعار باقی ہے تو ماہ مبارک کا کچھ وقت اس .... کے پاس ضرور گزار دیں۔" (۶ رمحرم سنہ ۸۶ھ)

حضرت کو رمضان کے قیام کی نافعیت پر ایسا انشراح تھا کہ ایک مرتبہ یہ تحریر فرمایا :۔

"اس سے بہت قلق ہوا کہ ماہِ مبارک میں آپ نے آنے کا ارادہ فرمایا۔ مگر بیماری کی وجہ سے (احقر کی بیماری) ملتوی کرنا پڑا جس کا بہت قلق ہوا۔ آنا ہو جاتا تو زیادہ اچھا تھا۔" (۲۳ رشوال سنہ ۹۰ھ)

مصلح سے ملنا مشکل ہو تو ....

حضرت کے نزدیک صحبتِ مصلح اتنی ضروری تھی کہ اگر کوئی مسترشد (بُعد مکانی، یا کسی اور وجہ سے) مرشد کے پاس جلد جلد نہیں جا سکتا تو اسے ہدایت فرماتے کہ وہ مرشد سے مناسبت رکھنے والے کسی قریب تر مصلح کے پاس جا جا کر اس کی ہی صحبت سے فیض اٹھاتا رہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر احقر کو حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہنے کی ہدایت ایک سے زیادہ مکتوب میں فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ تحریر فرمایا :۔

"علی میاں کی خدمت میں روزانہ جایا کریں بہت مفید ہوگا۔" (مکتوب پر مہر ۲۴/۶/۶۷ ....

بقیہ۔ ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہو جانے کی توقع ہے اور عاشورہ کے روزہ سے صرف ایک سال قبل گناہوں کی۔

ایک اور گرامی نامہ میں مدینہ منورہ سے تحریر فرمایا :۔

"علی میاں سے اس نیت (اصلاح کرانے کی نیت) سے اور یکسوئی کے ساتھ ملنا بھی میری ملاقات کا بدل ہو سکتا ہے۔ (مکتوب مدینہ منورہ مؤرخہ ۷۶/۴/۲)

مصلح سے رواروی کا ملنا کافی نہیں :

جس مقصد کے لیے مصلح و مرشد سے ملتے رہنا ضروری فرماتے تھے، اس میں رواروی کی اور مختصر ملاقات کو حضرت ناکافی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ تحریر فرمایا :۔

"بیعت کے تعلق کے بعد ملتے جلتے رہنا زیادہ مفید ہے اور کم سے کم خط و کتابت .... لیکن رواروی کی ملاقات زیادہ مفید نہیں ہوتی" (مکتوب مورخہ ۷۶/۴/۲)

تربیتی کتابوں کا مطالعہ :

حضرتِ والا تربیت اور تزکیہ کے لیے بعض کتابوں کو بھی مفید سمجھتے تھے، اس لیے ان کے مطالعہ کی خاص طور پر ہدایت فرماتے تھے۔ احقر کو تحریر فرمایا تھا۔

"آپ جیسوں کے لیے 'ارشاد الملوک' اور 'اکمال الشیم' اور اگر فارسی سے خاص مناسبت ہو تو پھر ان دونوں کی اصلیں زیادہ مفید ہیں، انھیں ضرور مطالعہ میں رکھا کریں۔ انشاء اللہ مفید ہوگا" (ایضاً)

رمضان المبارک میں فضائل رمضان اور فضائل درود وغیرہا کے مطالعہ کا مشورہ بھی دیتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت والا اپنے متعلقین و متوسلین کے لیے خاص طور پر صلاح و فلاح، اور استقامت کی دعا کا بھی خاص اہتمام فرماتے (جس پر حضرت کے بے شمار مکتوبات بھی شاہد ہیں۔)

اہلِ تعلق سے ہمدردی :

حضرتِ والا یوں تو سراپا شفقت و رحمت تھے کہ ساری مخلوق بالخصوص مسلمانوں پر

غایت درجہ کی شفقت تھی کہ اگر کہیں سے کسی کے تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہونے کی خبر ملتی تو بے چین ہوجاتے اور اس کے ازالہ کی ہر ممکن سعی فرماتے۔ خاص طور پر کسی ملک کے عوام پر حکمراں کی ظلم وزیادتی کی خبر سنتے تو بہت ہی تاثر ہوتا اور الحاح وزاری کے ساتھ دعائیں فرماتے۔ نیز اگر کوئی تدابیر امکان میں ہوتی تو اس سے بھی دریغ نہ کرتے (اس قسم کے بہت سے واقعات اہلِ تعلق جانتے ہیں، بلکہ بعض واقعات تو خاصے مشہور ہیں) اور اگر خاص اہلِ تعلق میں سے کوئی کسی پریشانی یا مصیبت میں مبتلا ہوجاتا تب تو حضرت دعا کا بہت ہی اہتمام فرماتے۔ مصیبت زدہ کی دل جوئی اور اسے ایسی نصیحتیں فرماتے کہ پریشانی کا احساس ہلکا ہوجاتا اور یہ یقین پیدا ہوجاتا کہ اب انشاء اللہ حضرت کی دعا کی برکت سے جلد ہی رہائی ملنے والی ہے۔

اسی طرح اہلِ تعلق میں سے کسی کے یہاں کوئی خوش کن واقعہ پیش آتا تو اس پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار فرماتے اور برکت کی دعائیں دیتے۔ احقر نے اپنے بڑے بچے (نعمان الدین سلمۂ) کے حافظِ قرآن ہوجانے کی اطلاع دی تو تحریر فرمایا:۔

"اس سے بہت مسرت ہوئی کہ آپ کا بڑا بچہ حافظ ہوگیا۔ اس سے فرما دیں کہ حفظ کرنا تو آسان ہے مگر اس کو محفوظ رکھنا مشکل ہے۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ روزانہ ایک پارہ نفلوں میں پڑھا کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو علم وعمل کی دولت سے مالامال کرے" (مکتوب مدینہ ۱۳۷۸/۱/۵ء)

علمی اشکالات پر حضرت کا طرزِ عمل:

حضرت والا اپنے مسترشدین کے لیے پڑھنے کے لیے جو معمولات تجویز فرماتے تھے، ان میں مشہور محدث و شارحِ حدیث ملا علی قاریؒ کا مرتب کردہ مسنون دعاؤں کا مجموعہ 'الحزب الاعظم' بھی شامل تھا۔ احقر کو اپنے طالب علمانہ ذوق کی بنا پر اس میں ایک درود (اللّٰھم صل علیٰ محمد حتیٰ لا یبقیٰ من صلواتك شیئ .... لا یبقیٰ من السلام شیئ.... لا یبقیٰ من رحمتك شیئ) کے بارے میں اشکال ہوا جو حضرت کے سامنے

پیش کیا۔ خلاصہ یہ کہ اس درود کے ظاہری الفاظ سے خداوند تعالیٰ کی رحمت وغیرہ کا باقی نہ رہنا یعنی فنا وختم ہوجانا معلوم ہورہا ہے۔ حالانکہ خداوندی خزانہ کی کسی چیز کا بھی فنا نہ ہونا منصوص اور متفق علیہ ہے۔ (ماعند اللّٰہ باق)

اس پر حضرتؒ نے پہلے تو یہ جواب تحریر فرمایا:۔

"دعا میں "حتیٰ لا یبقیٰ من رحمۃ شیٔ" وغیرہ ادعیہ پر اکابر نے کلام تو کیا ہے۔ لیکن جب روایات میں موجود ہے تو مبالغہ پر حمل کی توجیہ کی جاسکتی ہے۔

(۳ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ)

لیکن اسی کے ساتھ دوسرے کاغذ پر یہ تحریر فرمایا۔

"مکرر آنکہ خط لکھنے کے بعد ایک صاحب نے بیان کیا کہ کراچی میں حاجی وجیہ الدین صاحب نے جو ' حزب الاعظم ' چھاپی ہے اس میں مولانا بدرعالم مہاجر مدنیؒ نے حوالے لکھے ہیں۔ اس کو ایک صاحب سے منگوا کر دیکھا گیا۔ اس میں یہ روایت تو موجود ہے، لیکن اس پر ' لایصح ' کا لفظ لکھا ہے اس لیے اور بھی زیادہ قابل تحقیق بن گئی ہے۔ یہ (یعنی حضرت والا) مراجعتِ کتب سے معذور ہے، آپ خود تحقیق فرماویں۔ چونکہ ملا علی قاریؒ بھی محقق ہیں ممکن ہے انھوں نے کسی اور کتاب سے اخذ کیا ہو"

(۵ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ)

چنانچہ احقر نے تعمیل حکم کرتے ہوئے خود 'تحقیق'[1] کی۔ اس کی تفصیل سے عریضہ کے ذریعہ حضرتؒ کو مطلع کیا، لیکن حضرت کو اس کے ملاحظہ فرمانے کا موقعہ نہ مل سکا، جیسا کہ حضرت نے تحریر فرمایا:۔

"آپ کا سابقہ مفصل خط اوپر میرے دارالمطالعہ میں بالکل میرے سامنے ہی رکھا ہوا ہے ... مگر امراض بالخصوص آنکھوں اور دوران سر کی تکلیف نے اب تک اس کو بغور

---

[1] بعد میں وہ 'تحقیق' پوری تفصیل بلکہ اضافوں کے ساتھ ماہنامہ "برہان" دہلی کی دو اشاعتوں (جنوری و فروری ۱۹۶۸ء) میں ایک دعا اور ایک درود .... کے عنوان سے شائع بھی ہوگئی تھی۔

دیکھنے کی مہلت نہیں دی "
اسی مکتوب کے آخر میں یہ بھی تحریر فرمادیا تھا۔
"جس درود کے بارے میں آپ کو اشکال ہے فقہانے اس کو منع بھی کیا اس کو پڑھنے کی ضرورت نہیں چھوڑ دیں۔ خالی اوقات میں درود شریف کی کثرت کا اہتمام کریں " (مکتوب مورخہ ۴ جمادی الثانیہ ۱۳۸۳ھ)
اس کے ساتھ احقر کا وہ مفصل عریضہ بھی حسب ذیل نوٹ کے ساتھ واپس فرمادیا۔
"خط لکھنے کے بعد خیال آیا کہ اپنی صحت اور فراغ کا حال تو معلوم ہے۔ آپ کو انتظار بھی ہوگا اس لیے آج کی ڈاک سے اس کو واپس کر رہا ہوں " (ایضاً)

متوسلین کی خاطر مشقتیں برداشت کرنا :

حضرت والا کو مسترشدین کی تربیت اور ان کی خاطر کتنی عزیز تھی، اس کا اندازہ کرنے کے لیے تنہا یہ بات کافی ہے کہ متعدد بار دیار حبیب (علیہ الصلوٰة والسلام) کی طرف حب رسولؐ کے تقاضہ سے ہجرت فرمانے کے بعد بھی پیرانہ سالی اور معذوری و بیماری کے باوجود طویل سفر کی مشقتیں برداشت فرما کر رمضان المبارک سہارنپور (اور ایک ایک بار پاکستان و افریقہ) گزارتے تشریف لائے اور پورے پورے مہینہ معتکف رہ کر علمی و عملی تربیت فرماتے اور تزکیہ نفوس کی نازک ذمہ داری نباہتے رہے۔ اس کے ساتھ مسترشدین بلکہ تمام واردین کی جسمانی راحت اور بہترین ضیافت کا بھی ایسا انتظام فرماتے کہ اکثر آنے والوں کو اپنے گھروں میں بھی وہ اسباب راحت (قیام و طعام) مہیا نہ ہوتے۔

حضرت اقدسؒ کی جامعیت :

غرضیکہ حضرت اقدس علم و عمل، تقویٰ و خشیت، شریعت و طریقت، تصنیف و تدریس، تربیت و تزکیہ نیز ضیافت و شرافت کی صفات کے ایسے جامع تھے کہ مشکل ہی سے یہ تمام اوصاف ماضی میں بھی کسی دوسری جگہ جمع ہو سکے ہیں اور یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ حضرتؒ ولی اللّٰہی و

امداد اللّٰہی کمالات وصفات کے مجمع البحرین تھے اور ان دونوں سلسلوں کے فیض سے وجود میں آنے والے گلشن کے ہر پھول کی خوشبو ان میں سماگئی تھی۔ اب سے چند سال قبل راقم الحروف نے ایک طویل مقالہ میں (اکابر کی خوبیاں اور کمالات ذکر کرنے کے بعد) حضرت کے بارے میں لکھا تھا "ان سب پھولوں کے، عطرِ مجموعہ، یعنی سب اکابر کے معتمد اور سچے جانشین سیدی ومولائی حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم (افسوس ! کہ آج انھیں قدس سرہٗ لکھنا پڑ رہا ہے) نے تو اس باب (میزبانی) میں بھی وہ نقش قائم کیا جو اپنی مثال آپ ہے۔ دور نہیں ابھی رمضان (۱۳۹۹ھ) کے آخری عشرہ میں حاضری کی سعادت جن کے حصہ میں آئی۔ وہ سب ہی اس رنگ کی میزبانی دیکھ کر کہ ڈیڑھ ہزار سے زیادہ مہمان ہوں اور ہر ایک کی مہمان نوازی اعلیٰ درجہ کی اور اس طور پر ہو کہ معمولات تک میں فرق نہ آئے۔ اس پر حیران ہونے اور اسے بجز کرامت سمجھنے کے اور کوئی توجیہ نہیں کرسکتے۔" (الفرقان، لکھنؤ)

سچ تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ نتیجہ تھا صاحبِ اسوۂ حسنہ کاملہ سے سچے عشق اور کامل اتباع کا، اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ؏

"آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔"

اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ رحمۃ واسعۃ کاملۃ، واکرم نزلہ واسبغ علیہ شآبیب رحمتك ورضوانك وادخلہ فی اعلیٰ درجۃ الجنۃ جنۃ الفردوس۔ ووفقنا اتباعہ واتباع رسولك واولیائك و صلی اللّٰہ علیٰ سیدنا محمد واٰلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

(بقیہ ۲۶۷ کا) انتقال ہوا تھا، حضرت میمونہؓ کے بعد تو نہ صرف ام سلمہ بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ بھی زندہ تھیں، کیونکہ صحیح روایت کے مطابق حضرت میمونہؓ کا انتقال ۵۱ھ میں ہوا تھا اور حضرت عائشہؓ کا ۵۸ھ، اور ایک روایت کے مطابق ۵۷ھ میں، اور حضرت ام سلمہ کا صحیح روایت کے مطابق ۶۲ھ یا باختلاف روایت ۶۱ھ یا ۶۰ھ یا ۵۹ھ میں ہوا۔

حضرت شیخ الحدیث
ایک عارف مصلح
(۱) ذکرِ شیخ اور معذرت
حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود گنگوہی
(۲) مکتوباتِ شیخ
انتخاب
ایک جدید
(۳) ملفوظاتِ شیخ
(۴) حضرت شیخ برطانیہ میں
مولانا عتیق الرحمن سنبھلی

ذکرِ شیخ اور معذرت

حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود گنگوہی دامت فیوضہم

حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود گنگوہی دامت برکاتہم
ولی اللّٰہی جامعیت کے حامل و امین اور خانوادۂ
علم و معرفت کے مقتدا و امام حضرت
گنگوہی قدس اللہ سرہ کے حفید (پوتے) ہیں،
واقفین حضرات وہبی نور علم و معرفت میں حضرت
ممدوح کے بلند مقام سے واقف ہیں ـــــــ
حضرت شیخ الحدیثؒ سے نہایت قریبی اور اندرونی واقفیت
اور یک رنگی و ہم ذوقی میں بھی ممتاز ہیں۔
حضرت والد ماجد دامت برکاتہم نے حضرت موصوف
سے اس نمبر کے لیے کچھ تحریر فرمانے کی درخواست
کی تھی جس کے جواب میں حضرت نے ایک
معذرت نامہ ارسال فرمایا جو ذیل میں پیش کیا
جارہا ہے۔
اس "معذرتی مکتوب" میں جو کچھ حضرت شیخؒ کے
بارے میں آگیا ہے اور جو بیش بہا نکات اور

گہرے معانی اشارات و تلمیحات کی زبان میں
اس میں آگئے ہیں ۔ خاص طور سے اہل علم و
ذوق ہی ان سے مستفید و محظوظ ہوں گے ۔
______ سجاد ندوی

حضرت محترم! سلام مسنون وازکی التحیات ۔ والا نامہ موصول ہوا۔ اہل علم و ذکر اور صالحین کا خطاب و التفات موجب سعادت اور شرف ومجد بھی ہے اور باعث بہجت و بشاشت قلبی بھی ۔ زمینی اور آسمانی کا جملہ دلچسپ ہے[1] مگر افسوس کہ آج کل تو وہاں عالیھا سافلھا کا اندیشۂ عتاب سامنے ہے ۔ " دارالعلوم کا حال اور ماضی " آپ کا مضمون آ ہی چکا ۔

حضرت محترم کی یہ فرمائش " وضع الشیئ فی غیر محلہٖ" ہے ۔ یہ تو اصحاب قرطاس و قلم اور اہل ذکر و فکر ہی سے کی جاسکتی ہے ۔ یہ دعویٰ بھی مشکل ہے کہ مجھے حضرت شیخ برد اللہ

---

[1] والد ماجد حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کے دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں جب کہ ان کا قیام دارالعلوم سے کچھ دور ایک معمولی سے حجرہ میں تھا، حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود گنگوہی دارالعلوم کی عمارت کی سب سے بالائی جگہ پر مقیم تھے ، ۔ اس زمانہ میں ان سے حضرت گنگوہی کے پوتے کی حیثیت سے دو ایک بار ملے تھے پھر اس کے بعد تقریباً ۵۰ سال کی طویل مدت گزرنے کے بعد دہلی میں جب والد ماجد مدظلہ کی ملاقات حضرت حکیم صاحب سے ہوئی تو حضرت نے ان کو فوراً ہی پہچان لیا ۔
اس مضمون کی درخواست کے لیے جب والد ماجد مدظلہ نے حضرت حکیم صاحب مدظلہ کو خط لکھا تو یہ بھی ۔ از راہِ ظرافت لکھا کہ " آپ مجھے دہلی کی اس ملاقات میں جو کہ اتنی طویل مدت کے بعد ہوئی تھی فوراً پہچان گئے تھے اور اس پر مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی ، خاص طور پر اس لیے بھی کہ دارالعلوم کی طالب علمی کے زمانہ میں جب کہ آپ سے پہلی بار ملاقات ہوئی تھی ، میں ایک زمینی آدمی تھا اور جناب والا آسمانی " ۔ اس میں ظریفانہ اشارہ ان کی قیام گاہ کی بلندی اور علو مرتبت کی طرف تھا ۔ حضرت حکیم صاحب موصوف نے یہاں اسی جملہ کا یہ جواب دیا ہے ۔ — سجاد

مضجعہٗ سے تعلق تھا۔ ان آحاد امت اعاظم رجال دینی و رجال آخرت کی معرفت قدر مجھ کو کہاں نصیب! البتہ شیخ کا میرے گھر سے تعلق معروف ہے ہی۔ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ شیخ کو علمی عینک سے دیکھنے والے تو ہزاروں ہیں مگر ؎ "وز درون من نہ جست اسرار من" کی بات جاننے والے خال خال! اکثر "تراھم ینظرون الیك وھم لا یبصرون" والے، ـــ آج شیخ کو قطب العالم لکھا جا رہا ہے مگر شاید لکھنے والوں میں اس منصب اور اس کی علمی معرفت، یافت بلکہ دریافت والے بھی کم ہی ہوں۔ حاشا اس گزارش میں کسی ادعا کا واہمہ نہ ہو کہ اپنے متعلق پہلے ہی یہ اعتراف ہے کہ کورا ہوں البتہ بحمد اللہ کور نہیں۔

اہل علم سے سنی ہوئی بات نہ خود یافت کہ معقول، منقول، مکشوف، مشہود اور استدلال و وجدان کی جامعیت جو شیخ میں تھی اس کے اکثر مدارک "ہر کسے از ظن خود شد یار من" کے سے "اُن ھم الا یخرصون" سے زیادہ نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

شیخ چلے گئے یا واپس ہو گئے۔ "وللدار الآخرۃ خیر" اور انشاء اللہ "لھم دار السلام عند ربھم وھو ولیھم" ان کا مقام متوقع ہے۔ وہ گھسے پٹے مرسوم زبان زدِ عوام جملے کہنا نہیں چاہتا کہ فلاں کی موت سے ایک خلا پیدا ہو گیا، ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ گیا۔ ان جملوں میں نہ کوئی اہمیت ہے نہ کہنے والوں کے سامنے کوئی حقیقت۔ روح نہ معنیٰ۔ ہاں یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ "اذا مات العالم ثلمت ثلمۃٌ فی الاسلام لا یسدھا الا عالم آخر" اور بقول حضرت تھانویؒ کہ "اس طرح قصر اسلام پرانا ہوتا چلا جا رہا ہے مرمت پھر مرمت رفو در رفو"۔ یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ

ذھب الذین یعاش فی اکنافھم   بقی الذین حیاتھم لا تنفع

یہ کہنے میں بھی کوئی حرج نہ مبالغہ کہ:

ذھب اللیث فلا لیث لکم   ومضی العلم قریبًا وقبر

اس پر بھی مجھے انشراح ہے جیسی اپنی بساط ہے نہ ان حضرات کا سا انشراح کہ "ان النور اذا دخل الصدر انفسح"۔ کہ پھر ھل لتلك من عَلَم یُعرف بہ کے سے معیار و امتحان کا سامنا ہو گا۔

علمار کے طبقات :

شیخ اُس مقام فضیلت و مشیخت کے مسند نشین تھے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ علمار امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوصاف و درجات کے اعتبار سے چند طبقات پر مشتمل ہوں گے۔ اول طبقہ اہل علم واحسان اور قوت تصدیق والوں کا ہے۔ یہ شبیہ باستعداد نبوت ہے۔ اس طبقہ میں جوہر طبیعت انبیائی کا نمونہ ودیعت ہوگا جو علم واحسان اور حکمت ودعوت وابلاغ کی صلاحیت سے عبارت ہے ولکنہ شئ وقر فی قلوبھم کا اختصاص ان کا وصف غالب ہے۔ یہ طبقہ سر دفتر علمار امت قرار پایا جس نے بشہادت قلبیہ علوم ومعارف اور داعیۂ نبوت کے حصول سے حظ وافر حاصل کیا۔ دوسرا طبقہ اِن شبیہ باستعداد نبوت، اہل علم واحسان کا مقلد ومتبع ہوگا۔ اس نے بھی علوم ومعارف اور داعیۂ نبوت کو قبول کیا یہ بھی کلاً وعداللہ الحسنیٰ کی سعادات ودرجات سے بہرہ ور ہوگا۔ اول طبقہ مروجہ فضیلت اصالۃً علم واحسان ہے۔ اعمال واخلاق بالتبع۔ دوسرے میں ان سابقین کی تقلید اور تشابہ والذین اتبعوھم باحسان۔ تیسرا طبقہ اہل تواصل واہل تراحم کا ہوگا اور چوتھا تصفیہ اور تزکیہ اور ریاضات ومجاہدات کی راہ سے اہل تدابر واہل تقاطع کا۔ پھر پانچواں طبقہ اذکار واوراد کے ذریعہ ملکات نفس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ اونچا طبقہ علم ویقین اور قوتِ تصدیق رکھنے والے شبیہ باستعداد نبوت سے اصالۃً معمور ہونے والوں کا ہے، اعمال بالتبع ہیں یعنی وصفِ غالب علم ویقین ہے جس کے بعد وہ ملتبس باعمالِ خیر ہوئے دوسرا ان کے مقلدین ومتبعین کا۔ پھر تیسرا جو اول ملتبِس باعمالِ خیر ہوئے پھر حصول یقین ہوا۔ ایک میں قوتِ اخلاص غالب، دوسرے میں اکثار اعمال کیفیۃً زیادہ۔ ایک کو پہلے یقین حاصل ہوا پھر عمل کوش ہوئے، دوسرے عمل کوش ہوکر صاحبِ یقین بنے۔

حضرت شیخ کا مقام :

یہ سطور کتاب المنقبۃ نہیں اظہارِ حقیقت ہے اپنے ظن وگمان کی بنا پر کہ شیخ اسی مرتبۂ

علم ویقین واحسان اور صلاحیتِ دعوت وابلاغ کے طبقہ کے لوگوں میں تھے۔ جہاں تک اپنے فہم بے فہم کی پہنچ ہے۔ ایک قرن میں گنے چنے چندہی آحاد اس شان کے ہوتے ہیں ان کا حب رسول بھی نمایاں ہوتا ہے۔ یہ ہجرت بھی کرتے ہیں تو اکثر مدینہ طیبہ ہی کی طرف منتہا رال یہی ہوتا ہے تو جوار رسول بقیع میں پیوستگی۔ دعا بھی یہی ہوتی ہے تو واجعل موتی فی بلد رسولك اللهم حقق بالزیادۃ آمالنا واختم بالسعادۃ آجالنا چنانچہ دیارِ حبیبؐ میں گھٹنے ٹیک کر بیٹھ رہے اور بالآخر اضطراب واشتیاق کے ساتھ جوار رسول اور اصحاب بقیع میں داخل اور بُعث من الأمنین والوں میں لاحق ہو گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ۔

نزلنا ساعۃً ثم ارتحلنا کذا الدنیا رحال فارتحنا

شیخ چلے گئے کوئی غیر متوقع بات نہیں تھی "وماجعلنا لبشر من قبلك الخلد" قانون الٰہی ہے۔ سلف گئے خلف تیار۔ مگر سوال ہے پسماندگان بے سہارا کا! وہ حدیث یاد آتی ہے "انا امنۃ لاصحابی فاذا ذھبتُ أتی اصحابی مایوعدون واصحابی امنۃ لامتی فاذا ذھبت اصحابی اتی امتی مایوعدون" اسی طرح بعد کے رجال آخرت صالحین کا اٹھنا حوادث ونوائب کے ارہاصات کے مرادف ہے۔ نئے نئے فتن سامنے آرہے ہیں قلوب ناس میں بار پا رہے ہیں اور قلوب مستعد للقبول مائل بالحاد وارتداد۔ بلا کسی کشمکش کے نفوس میں نفوذ ہو رہا ہے۔ ایسے حالات میں یہ آحادِ امۃ ہی بظاہر ہماری پناگاہیں ہیں جو معظم سواد المسلمین سے ہمیں متصل کیے ہوئے ہیں۔ تقویم حیات جب مضمحل ہوتی ہے تو ان حضرات کے اتباع وتقلید ہی میں خیر اور ثبات و قرار میسر ہوتا ہے۔ "کونوا مع الصادقین" اسی لیے ارشاد ہے، "معنیٔ تقلید ضبطِ ملت است" علیکم بدین العجائز"۔

حضرت سید احمد صاحب بریلوی قدس سرہٗ کے بعد شیخ کی مقبولیت و مرجعیت پر دل میں آتا تھا ہے اللہ رکھے آباد اں ساقی تری محفل کو۔ افسوس اب یہ بزم ہائے عرفان و احسان ومجالس ذکر اللہ (انما کان مجلسہٗ ذکر اللہ لا یفتر) سونی ہوتی جارہی ہیں۔ ان کی یادیں تو باقی رہیں گی مگر وہ کہاں؟ "عند ملیك مقتدر" سبحان اللہ عجیب دھوم

تھی اس کی اور جل مجدہٗ کا عظیم انعام تھا اس شیخ پر۔

مبارکاً ھادیاً للناس محتسبًا　　علی الانام بلا منٍ ولا ثمنٍ

یلقیٰ الیہ رفاق الناس کلھم　　علی المحامل والاقتاب والسفن

من الجزیرۃ ارسالاً متابعةً　　ومن خراسان اھل الریف والمدن

ومن حجازھناک العیر قاصدۃ　　ومن عراق ومن شام ومن یمن

یظل منعفرًا للّٰہ مبتھلًا　　یدعوالا لہ بقلب دائم الحزن

تعمیل حکم میں عرض کر رہا ہوں، خصوصی نمبر کے شایان شان تو یہ نہیں جس میں ایک امام عصر مرجع الکل شیخ کے ذکر اور اس کے سیر و شمائل اور علمی عملی کمالات کی صحیح اور واقعی عکاسی چاہیے جو مجھ سے کم سواد آدمی کے بس کی نہیں۔ ہم جیسوں کو تو اس بزم اذکار و تذکار شیخ میں ادنیٰ شرکت بھی اپنی بساطِ وضاعت کو پھلانگنے کے مرادف ہے۔ گو دوسری جہت سے سعادت بھی ہے۔ بامتثال امر یہ چند سطور حاضر ہیں جس میں نہ مبالغہ اور شاعری ہے نہ یہ کتاب المنقبت معیار سے فروتر ہونے پر۔ جس کا مجھے یقین ہے کہ اپنا موضوع و مشغلہ ہی لکھنا پڑھنا نہیں۔ شامل نمبر نہ فرمائیں بالکل محسوس نہ ہوگا۔ زوائد محسوس ہوں تو حذف و محو پر بھی مجھے اعتراض نہیں۔ ایسے بلند و بالا مشائخ وقت کے احوال واذکار کی تصویر کشی علما اعلام ہی کا کام ہے خصوصاً جو شیخ سے براہ راست مستفید ہوے ہوں ان کی خلوت و جلوت کے رازدار وامین ہوں۔ دلّاً ہدیًا سمتاً شیخ سے اشبہ واقرب اور متمسک باخلاق شیخ علی الھدیٰ المستقیم ہوں۔ ہم لوگوں کو تو گونہ تکلف وتزویر کلام سے چارہ نہیں، ویسے دل تو چاہتا ہے کہ اس بزم میں جی کھول کر شرکت کروں مگر "یضیق صدری ولا ینطلق لسانی" مانع ہے اور مخاطبین سے کہوں ؎

مالی اراک قریرا لعین جامدھا　　فلیس یبکیک اطلال واثمار

ماذ اوقوفک والاحباب قد سادوا　　یھیج شوقک اذکار وتذکار

اور ہم تو ویسے بھی چشتی الذوق ہیں صوت الذاکر دک بالاسحار ھیجنی بھی موجب تحرک وتہیج ہے۔ مگر پوری بات کہنے کا ڈھنگ اور سلیقہ بھی تو ہو۔

رشد و اہتداء کے مسند نشین حضرات کا ذکر، ان کے اوصاف ذکیہ کا اتصاف، مقاماتِ قرب و یقین میں ان کے اقدام کا رسوخ، حکایتِ حضور و اضطراب، جذب و سلوک کی درمیانی راہ اعتدال کہ ے بر نداز رہِ پنہاں بحرم قافلہ را۔ پھر منہاج نبوت پران کی زیبا روی ے "آنچناں می رو کہ زیبا می روی" پھر اس کی نشان دہی۔ یہ سب کچھ اس وقت تک ممکن نہیں .. .. جب تک کہ معیار کتاب و سنت پر نظرِ دقیق و عمیق نہ ہو، دردمندیٔ دل اور ارجمندیٔ فکر نصیب نہ ہو۔ ایک طرف معیار سے وقوف دوسری طرف اس شخصیت کے احوال کا گہرا مطالعہ، پھر معیار پر انطباق کا سلیقہ، تینوں بہم نہ ہوں، بات ناتمام ہی رہے گی۔ ہو سکتا ہے کوئی شخص ان کے خدوخال اور قامت بلند کی سیرت نگارانہ تصویر کشی کرے مگر ان کے اصل کمال وجمال کی مصوری بن نہیں پڑے گی ے

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید

لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید

طورِ حس سے کبھی بے گانگی نہ ہو، عقل بھی پاسباں رہے، طور قدس بھی مرکز نگاہ و رہبر فکر رہے نہ محسوس پرستی کا کیف آئے نہ عقل کی مطلق العنانی کا پندار، تفکر و تدبر طلب، عبرت خیز حقائق افروز، حکیمانہ آیات کی تلاوت کو "گلو کارانہ نغمہ ہائے سحاب اندر سحاب" تو مثلاً ایک شخص بنا سکتا ہے مگر مخدرات سراپردہائے قرآنی کی دلبری اور "دل می برند پنہانی" کی گہرائی کہاں سے لائے۔ بہرکیف یہ چند سطور معذرت کے ساتھ حاضر ہیں تو دانی حساب کم و بیش را۔

"میں نے زمانۂ طالب علمی میں آپ کو دیکھا اور یاد رکھا" جیسا کہ فرمایا۔ اس میں استعجاب ہی کیا ہے، آپ تو اپنے دور کی تاریخی شخصیتوں میں ہیں جن کا بچپن جوانی بڑھاپا سب ہی ممتاز ہوتا ہے۔ آپ کو بھولنا بڑی ذہنی فروگذاشت ہوتی اب یہ بڑے اٹھتے جارہے ہیں آپ ہی جیسے حضرات ہمارے اسوہ اور قدوہ ہیں۔ اپنی ادعیہ میں یاد فرمائیں۔

ملفوظاتِ شیخؒ

ایک جدید انتخاب

اہل اللہ کے اقوال و ملفوظات ان کے فوائد و منافع اور تربیت و اصلاح کے لیے ان کی اہمیت سے اُردو قارئین ناآشنا یا نامانوس نہیں ہیں۔

ذیل میں حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ کے ملفوظات کا ایک مختصر مگر نہایت اہم اور مفید مجموعہ پیش کیا جارہا ہے جو ہمیں سورت گجرات کے ایک باتوفیق خاندان کے ایک باتوفیق فرد سے موصول ہوا ہے، جنھوں نے مظاہر علوم سہارنپور میں تعلیم حاصل کی اور حضرت شیخؒ کے زیر تربیت کافی وقت گزارا۔

انھوں نے اصرار کے ساتھ اپنے نام کا اظہار نہ کرنے کی فرمائش کی ہے۔ بہرحال ہم ان کے شکریہ اور ان کے لیے جزائے خیر کی دعا کے ساتھ یہ قیمتی تحفہ انہی کی طرف سے ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کررہے ہیں۔

— سجاد ندوی

- فرمایا۔ معاصی سے نفسِ مرتبہ کے لحاظ سے اونچی چیز ہے مگر رغبت کے ساتھ اجتناب اجر کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے۔
- فرمایا۔ یعلم اللہ راہ خدا از دو قدم بیش نیست ⁂ یک قدم برنفس خود نہ دگرے در کوئے دوست اس کی شرح میں فرمایا کہ راستہ بہت آسان ہے نفس پر قدم رکھنے کا مطلب صرف یہ نہیں کہ گناہ چھوڑ دے۔ یہ تو ابتدا ہے اصلی قدم تو یہ ہے کہ لذائذ کو، حظوظ نفس کو تنعمات کو چھوڑ دے۔
- فرمایا۔ جس جگہ جو چیز نہیں ملتی اس جگہ اس کی قدر بہت ہوتی ہے مثلاً ہندستان میں انگور کم ہیں۔ ایک مرتبہ ایک جماعت افغانستان کی طرف گئی میں نے اپنی عادت کے مطابق وہاں کے حالات سنے تو ان میں سے ایک صاحب نے کہا کہ وہاں انگور گوشت کے مقابلے میں بہت سستے تھے چنانچہ ہم لوگ جتنے دن وہاں رہے انگور کھاتے رہے اسی طرح بھائی.... صاحب! اللہ کے یہاں عجز و انکساری نہیں بڑائی ہی بڑائی ہے، اس لیے وہاں عجز و انکساری کی بڑی قدر ہے۔
- فرمایا۔ معلوم نہیں کہنے کی بات ہے یا نہیں اس لیے کہ عمل کر کے ظاہر کر دینے سے اس کا ثواب تو جاتا رہتا ہے مگر اس لیے کہہ دیتا ہوں کہ تم میں سے کسی کو فائدہ ہو جائے میرا ثواب پڑا جاتا رہے میں جہاں بھی جاتا ہوں وہاں کے مُردوں کو کچھ نہ کچھ ایصال ثواب ضرور کرتا ہوں۔ بمبئی پہنچتے ہی وہاں والوں کو دو قرآن ختم کر کے ثواب پہنچایا۔
- فرمایا۔ بخل، کفایت شعاری اور قناعت الگ الگ چیزیں ہیں۔ بخل تو یہ ہے کہ خیر کے کاموں میں خرچ کرنے سے رکے۔ کفایت شعاری یہ ہے کہ فضولیات اور لذائذ میں خرچ کرنے سے رکے اور قناعت یہ ہے کہ جو مل جائے اس پر راضی رہے، یہ نہ سوچے کہ فلاں چیز مل جاتی تو اچھا تھا یا فلاں چیز بھی مل جائے۔ ایک صاحب کسی کے یہاں مہمان گئے، انھوں نے اپنی حیثیت کے مطابق جو کی روٹی لاکر رکھ دی۔ ان صاحب نے کہا کہ اگر نمک بھی ہوتا تو کیسا اچھا لگتا۔ میزبان کے پاس نمک نہ تھا، وہ گئے اور کسی کے پاس اپنا لوٹا رکھ کر (بطور رہن) نمک لے آئے، مہمان نے کھانا کھاکر

کہا یا اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے ماحضر پر قناعت نصیب فرمائی۔ میزبان بے اختیار بول اٹھا "اگر قناعت ہوتی تو میرا لوٹا رہن نہ ہوتا۔"

- اسم ذات دو ضربی کے متعلق فرمایا اگر دل کسی کو دے رکھا ہو تو اللہُ اللہ (ہا معروف) کہے اور اگر اپنے پاس ہو تو اللہُ اللہ (ہا مجہول) کہے ذوق و شوق بڑھانے کے لیے اللہُ اللہ ہے اور وساوس کو قطع کرنے کے لیے اللہُ اللہ ہے معروف و مجہول کی تاثیر علحدہ علحدہ ہے۔
- فرمایا۔ کہ یہ عام تجربہ ہے اور میرا بھی مجرب ہے کہ لوگ کسی اللہ والے کو کسی کام کے لیے دعا کو لکھتے ہیں تو وہ کام ہو جاتا ہے چاہے خط بعد میں پہنچے، غور سے سن! اس کی خاص وجہ ہے وہ یہ کہ اہل اللہ کی دعاؤں کا ایک اہم جزو یہ ہوتا ہے کہ یا اللہ جس کسی نے اپنے حسن ظن سے جو کہ تو نے ہی اس کے اندر پیدا کر رکھا ہے مجھے جس جائز مقصد کے حصول کے لیے دعا کو لکھا یا کہا ہے تو اس کے مقصد کو پورا فرما" اس طرح اللہ تعالے ان کی دعا کی برکت سے کام بنا دیتے ہیں۔
- فرمایا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اجازت دینا بند کر دوں جس کو اجازت دیتا ہوں وہ تو مطمئن ہو کر کام ہی چھوڑ دیتا ہے، اکابر بھی وقت سے پہلے اجازت دینے کے خلاف رہے ہیں لیکن میں نے بہت سوں کو وقت سے پہلے اجازت دے دی شروع میں میں بھی جلدی نہیں کرتا تھا۔ مفتی محمود صاحب کو سب سے پہلے اجازت دی ان کی چالیس سال تک رگڑائی کی مولانا منور صاحب کو بھی بہت دیر میں دی، میرا تجربہ ہے کہ جنکو اجازت دینے میں دیر کی وہ تو کام کے بنے اور جن کو وقت سے پہلے دی وہ نام ہی کے رہ گئے۔
- فرمایا۔ طواف کرتے وقت یہ تصور کریں کہ بیت اللہ شریف پر انوارات نازل ہو رہے ہیں اور وہاں سے چاروں طرف پھیل رہے ہیں اور ہمارے اندر بھی آ رہے ہیں ایک صاحب نے پوچھا اگر طواف کے وقت معیت کا استحضار ہو فرمایا کچھ مضائقہ نہیں۔
- فرمایا۔ حسد گندی سے گندی چیز پر آمادہ کر دیتا ہے، اس واسطے سورۂ فلق میں "مِنْ

شر حاسد اذا حسد" حسد سے خاص طور پر پناہ مانگی۔

- فرمایا۔ مقدرات تو اپنی جگہ اٹل ہیں مگر پریشانی تو طبعی چیز ہے ہوتی ہی ہے۔ لیکن پریشانی کے وقت کی دعا تلاوت اور اذکار بہت وزنی اور قیمتی ہوتے ہیں اس لیے ایسے اہم اوقات کو خوب وصول کرنا چاہیے۔
- فرمایا۔ ہم نے پاک رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کو نہیں پہچانا، ان کی تعلیم کو نہیں پہچانا اور جتنا پہچانا اس پر عمل نہیں کرتے۔
- فرمایا۔ میں روحانی علاج میں ایک شیخ کے مرید کے لیے دوسرے کا شغل مناسب نہیں سمجھا کرتا۔
- ایک صاحب نے پوچھا مدینہ منورہ میں تو شیخ کی ضرورت نہیں ؟ وہاں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم خود موجود ہیں، حضرت نے فرمایا کہ ضرورت ہے! طبائع کا اندازہ یہ ہے کہ محسوس سے اثر قبول کرتی ہیں۔
- ایک صاحب نے پوچھا کہ اگر کسی کی کل کی کل دعائیں قبول ہوں تو کیا کوئی آزمائش تو نہیں ؟ فرمایا اللہ تعالیٰ بہت مبارک فرمائے، اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں بشرطیکہ اس سے عجب وغرور نہ پیدا ہو۔ اس کا خاص طور سے خیال رکھیں کہ شیطان ہر طرح سے آدمی کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔
- فرمایا۔ کام کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے یکسو ہو کر اخلاص سے کام میں لگے رہو مخالفوں سے نہ مناظرہ کرو نہ ان کی باتوں کا جواب دو نہ دینے کی فکر کرو اور نہ محاذ قائم کرو، بس اپنا لگے رہو۔
- فرمایا۔ برابری اور مقابلے کے خیال سے معاشرت اچھی نہیں رہتی چھوٹے بن کر رہنے میں بڑا مزہ ہے۔ من تواضع للہ رفعہ اللہ رفعت حاصل ہونا لازم ہے ہو کر رہے گی۔
- مدرسہ کی ایک حسابی غلطی پر ایک صاحب دفتر میں جاکر خوب خفا ہوئے، ان سے فرمایا تمھیں مدرسہ اور اہل مدرسہ کا احترام اور بڑائی ملحوظ رکھنی چاہیے تھی نہ یہ کہ دفتر میں جاکر برس پڑے نیز تم نے مدرسہ کے حصہ سے کمی کی رقم وضع کی یہ بھی میرے معمول کے خلاف

ہے۔ میرا معمول ایسے موقعوں پر یہ ہے کہ ہمیشہ کمی کی رقم اپنی طرف لگاتا ہوں۔

- فرمایا۔ مدینہ کے قیام کے لیے بڑے اونچے اخلاق کی ضرورت ہے جو ہم میں نہیں ایک بزرگ کو صرف یہ کہنے پر کہ ہمارے یہاں کی دہی میٹھی ہوتی ہے اور یہاں کی کھٹی۔ اخراج کا حکم ہوا تھا کہ وہیں جاکر رہو جہاں کی دہی میٹھی ہے اور ہم پتہ نہیں دن بھر میں کتنی گستاخیاں کرتے ہیں اللہ ہی معاف کرے۔
- فرمایا۔ لوگوں میں کچھ علوشان ہی بہت بڑھ گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی حقیر فقیر ناچیز مسکین کے خوشنما الفاظ میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔
- فرمایا۔ تفکرات اور پریشانی میں اللہ تعالیٰ کا پاک نام کثرت سے لینا چاہیئے کہ سکون قلب اور پریشانیوں کے دفعیہ کا سبب ہے۔
- فرمایا۔ تعویذات میں اسمائے الٰہیہ سے مدد بہت زیادہ مفید ہے اور آخر میں درود شریف سب سے بہترین تعویذ ہے۔
- فرمایا۔ بیعت سے پہلے تو بہت غور و خوض کرنا چاہیئے لیکن بیعت کے بعد تا وقتیکہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب یا بدعت نہ دیکھے ہرگز نہ چھوڑنا چاہیئے۔ پھر فرمایا، بھائی عیب سے کون خالی ہے۔
- فرمایا۔ اپنے آپ کو نااہل سمجھنا تو بہت ضروری ہے، کسی وقت بھی اپنے اندر اہلیت کا شبہ نہ آنا چاہیئے لیکن اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بھی ضروری ہے کہیں کفران نعمت نہ ہو، اپنی نااہلیت کے اظہار سے زیادہ اپنی نااہلیت کا استحضار زیادہ مفید ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص برا کہے یا اپنی شان کے خلاف کوئی معاملہ کرے مثلاً مجمع میں اعزاز و اکرام نہ کرے تو اس پر غصہ نہ آوے نہ دل میں احساس ہو جب تک اس کا احساس اور غصہ آتا رہے گا اس وقت تک اپنی نااہلیت قلبی نہیں زبانی ہے۔
- فرمایا۔ دعائے گنج العرش وغیرہ کتابوں کی اسناد صحیح نہیں، حدیث پاک میں جو دعائیں آئی ہیں ان کو پڑھیں۔

- فرمایا۔ ٹائی پہن کر نماز ہوجاتی ہے مگر کفار کا لباس ہے اس لیے اتار دینا چاہیئے۔
- فرمایا۔ حزب البحر محض برکت کے لیے پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں، اگرچہ احادیث میں جو دعائیں آئی ہیں وہ مشائخ کے نزدیک زیادہ اونچی ہیں۔
- فرمایا۔ کبھی تو علم بہت اچھی چیز تھی اب علم کا نام ذلت ہوگیا، ان مولویوں نے ناک کاٹ رکھی ہے۔

ایک طالب علم کو کسی ناروا فعل کے الزام میں گرفتار کیا گیا اس کی رہائی کے بعد اس سے فرمایا کہ اگر واقعی یہ سچ نہیں ہے اور خدا کرے کہ سچ نہ ہو تو مسلمانوں پر ظلم ہو ہی رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے گا اور اگر یہ سچ ہے تو تو نے تین ظلم کئے۔ (۱) اسلام پر (۲) مدرسہ پر (۳) اہل علم پر

- فرمایا۔ مشائخ سے ان کی گفتگو سے زیادہ فائدہ ان کے سکوت سے ہوا کرتا ہے کانوں کی بہ نسبت دل کی مشغولی بہت زیادہ مفید اہم اور کارآمد ہے۔
- فرمایا۔ اصل سلوک اتباع سنت ہے عبادات میں عادات میں، اخلاق میں۔
- فرمایا۔ جن لوگوں کا کاروبار سودی ہو اگر ان کی آمدنی سود کے علاوہ بھی ہو تو دعوت اور ہدیہ میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر ساری آمدنی سودی ہو تو بالکل بھی جائز نہیں۔
- فرمایا معمولی درجہ کی بدعات ایسی نہیں ہوتیں جس سے فسخ بیعت کیا جاوے، البتہ اونچے درجات کی ایسی ہوتی ہیں جن سے فسخ بیعت کیا جاوے بلکہ فسخ ضروری ہے۔
- فرمایا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سگریٹ کے ساتھ اکثر نہیں ہوا کرتی۔
- فرمایا۔ جس بچے کا حمل نماز کے وقت کی صحبت سے ہو وہ عاق ہوتا ہے، یہی علماء نے لکھا ہے۔
- فرمایا قرض کے لیے اللھم اغننی بحلالک عن حرامک وبفضلک عمن سواک روزانہ ستر مرتبہ اوّل آخر درود شریف سات مرتبہ جمعہ کے دن خاص طور سے عصر اور مغرب کے درمیان پڑھنا اور دوسرے دنوں میں جب بھی ہو بہت مفید ہے۔
- فرمایا۔ درود شریف کی کثرت ردّ بدعت کے لیے بہت ہی مفید اور مؤثر ہے۔

- فرمایا۔ کبر، نخوت، شہرت، حب جاہ، حب مال یہ سب امراض ہیں اوران سب کو بہت اہتمام سے دور کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے ہمیشہ مشائخ کی قدیم عادت یہی رہی کہ پہلے مجاہدات سے برے اخلاق وامراض دور کرتے تھے پھر ذکر شغل بتاتے تھے۔ لیکن حضرت مجدد صاحبؒ، حاجی امداداللہ صاحب، حضرت گنگوہیؒ کے یہاں اس کا زیادہ اہتمام رہا کہ شروع ہی سے اوراد واذکار کی پابندی کرائیں کہ اس کی برکت سے اخلاق بھی درست ہوجاتے ہیں۔
- فرمایا۔ دربدر مانگنے میں ذلت ہوتی ہے یہ بالکل صحیح ہے لیکن یہ ذلت اپنی ذات کے لیے ہو تب تو بہت بے جا ہے لیکن اگر اخلاص کے ساتھ اللہ کے کام کے لیے ہو تو انشاءاللہ موجب اجر ہے۔
- فرمایا۔ کسی شخص کو اس کی معذوری کی تحقیق کیئے بغیر مجرم قرار دینا، یہ الزام ہے اور "الاعتدال"[1] اس کا بہترین علاج ہے۔
- ایک صاحب نے پوچھا کہ بعض لوگ کسی اچھے یا برے کام کو بڑے زور سے شروع کرتے ہیں پھر جب حصول مقصود قریب ہوتا ہے تو بعض تو لگے رہتے ہیں، بعض سرد ہوجاتے ہیں، جواباً فرمایا ابتدا میں تو جذبہ ہوتا ہے پھر طبیعت غالب آجاتی ہے مناسبت والے لگے رہتے ہیں عدم مناسبت والے چھوڑ دیتے ہیں۔ کل میسر لما خلق لہٗ پھر قدرے سکوت کے بعد فرمایا ہر کسے بہر کارے ساختند ؂
- ایک صاحب نے عرض کیا کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت رائے پوریؒ کی نسبت خاصہ حضرت حافظ عبدالعزیز صاحب گمتھلوی کی طرف منتقل ہوئی ہے۔ فرمایا مجھے علم نہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت حافظ صاحب میں بعض خوبیاں ایسی ہیں گویا حضرت رائے پوریؒ کا نقش ہیں۔ اس کے بعد ان صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں نے کل دوپہر تو خواب میں یوں دیکھا کہ کبھی آپ تشریف فرما ہوتے کبھی حضرت رائے پوری نظر آنے لگتے کبھی

---

[1] یہ اشارہ حضرتؒ کی تصنیف "الاعتدال فی مراتب الرجال" کی طرف ہے۔

پھر آپ معلوم ہوتے۔ فرمایا، یہ غایت تعلق ہے اور کچھ نہیں۔

- فرمایا۔ بزرگوں کی نسبت کبھی ایک کی طرف منتقل ہوتی ہے کبھی متعدد کی طرف، البتہ نسبت خاصّہ ایک ہی کو ملتی ہے۔
- ایک صاحب نے جنھیں تحقیق وتنقید کی بہت عادت ہے پوچھا کہ حضرت کیا بزرگوں کی آنکھیں نہیں ہوتیں جو وہ ایک چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور پھر کوئی اس کے خلاف کان بھرے تو باور کر لیتے ہیں۔ فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ وہ کسی مومن کو جھوٹا نہیں سمجھتے، اسی لیے محدثین کے یہاں صوفیاء کی روایت معتبر نہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے کسی نے شکایت کی کہ فلاں شخص جو آپ کے یہاں کا قدیمی حاضر باش ہے داڑھی منڈاتا ہے جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ بھائی بہت بری بات ہے تم داڑھی منڈاتے ہو اس نے کہا حضرت میرے تو نکلی ہی نہیں ہے (حالانکہ خوب لمبا تڑنگا عمر رسیدہ تھا اور داڑھی کا منڈا ہونا خوب واضح تھا) جب وہ شاکی آئے تو آپ نے فرمایا کہ بھائی تم کسی مومن پر تہمت باندھتے ہو بہت بری بات ہے، وہ تو کہتے ہیں میرے نکلی ہی نہیں ہے۔ پھر فرمایا۔ میرے پیارے باتوں سے کچھ نہیں ہوتا نہ تحقیقات میں کچھ رکھا ہے، نہ تنقیدات میں کچھ دھرا ہے، کہاں تک تحقیق وتنقید کئے جائے گا۔ اب تو کچھ کرلے۔ جو اور رسول خدا نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے دنیا کی فکر چھوڑ دے، اپنی فکر کرلے۔

فرمایا۔ طالب علم کے لیے نہایت اہم پرہیز تعلقات کی کمی ہے دوستوں سے تعلقات علم کے لیے اور طلب علم کے لیے سمِّ قاتل ہیں۔ اساتذہ کے احترام میں جہاں تک ہو سکے کمی نہ ہو کہ اساتذہ کی بے احترامی سے علم کی برکت سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔

فرمایا۔ مجھ سے جس کا بیعت کا تعلق ہے اس کو تسخیر کے عمل کرنے کی میری طرف سے کوئی ممانعت نہیں، مگر میں تسخیر کے عمل کا سخت مخالف ہوں اور اس سے اپنے دوستوں کو روکتا ہوں جس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک اس عمل کا سکھانے والا ماہر اور کامل نہ ہو اس وقت تک ناقص سے سیکھنے میں یا کتابیں دیکھ کر سیکھنے میں خطرات زیادہ

ہیں اور ظاہر ہے کہ جو شخص شیر کے شکار کا ماہر نہ ہو وہ شیر پر گولی چلائے تو کیا حشر ہوگا۔

- فرمایا۔ اجتماعات، اختلاط سے قلب ضرور متاثر ہوتا ہے۔ اس کے علاج مشائخ نے مختلف تجویز کئے ہیں، اعتکاف بھی مفید ہے اور اس سے زیادہ مفید اکابر کی صحبت ہے۔
- فرمایا۔ جب خشیت نہیں تھی تو خوب طواف کیئے خوب کعبہ کے پردوں سے چمٹے اور جب خشیت آئی تو دور سے ہی خانہ کعبہ کو دیکھنا پڑ رہا ہے، اللہ کی شان ہے کہ حرم کعبہ میں ہوتے ہوئے حجر اسود کو جی بھر کر چومنے سے محروم ہیں۔
- فرمایا اپنی زبانوں کی بہت حفاظت کریں۔ حدیث پاک میں آیا ہے آدمی زبان سے ایک لفظ نکالتا ہے جس کی اس کو پرواہ بھی نہیں ہوتی کہ کیا کہا بہت سرسری سمجھتا ہے مگر اس لفظ کی وجہ سے وہ جہنم کے آخری طبقہ میں پھینک دیا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید اللہ کے دو سی آئی ڈی ہر وقت آدمی کے ساتھ رہتے ہیں جو ہر چیز لکھتے ہیں۔ ان کا لکھا سب دفتر موجود رہتا ہے جس کی کوئی تغلیط بھی نہیں کر سکتا نہ اس کو کوئی جھٹلا سکے۔

قصیدۂ بردہ سنتے ہوئے فرمایا عشق بہت مبارک چیز ہے، اگر کسی کو ہو جائے۔ بس جگہ غلط نہ ہو۔

- فرمایا۔ موثر حقیقی کا اعتقاد تو ہر مسلمان کو ہونا چاہیئے۔ میرا معاملہ یہ ہے کہ دوا علاج یا تو میں تعمیل امر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کرواتا ہوں یا دوسروں کی خاطر میں۔ باقی ان دواؤں سے ہوتا ہواتا کچھ نہیں۔
- ایک صاحب نے عرض کیا کہ ... صاحب پوچھتے ہیں کہ ہمارے عیوب کا پتہ نہیں تو چلتا نہیں اس لیے حضرت ایسے عیوب کی وضاحت فرما دیں جو اس راہ میں خاص طور سے رکاوٹ بنتے ہوں۔ فرمایا، بھائی مجھے خود اپنے عیوب معلوم نہیں ہوتے، چند سے سکوت کے بعد فرمایا۔

مرا شیخ دانائے مرشد شہاب   دو اندرز فرمودہ بر روئے آب

یکے آنکہ در جمع بد بیں مباش　　دوم آنکہ در نفس خود بیں مباش

- ایک دن طواف سے فارغ ہوکر قاضی عبدالقادر صاحب کو معلوم کیا پتہ چلا کہ لیٹے ہوئے ہیں ان کے آنے پر فرمایا قاضی جی! کیا تھک گئے پھر خدام سے فرمایا، سنو بے لونڈو!

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر　　انھیں کے اتقا پہ ناز کرتی ہے مسلمانی
جو جائیں اپنی خلوت میں تو جلوت کا مزہ آئے　　جو آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

- ایک دن بڑے سوز و رقت سے فرمایا ؏

مرا دردیست اندر دل چومی گویم زباں سوزد.
اگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد.

- ایک صاحب کے ہندوستان کے حالات دریافت کرنے پر فرمایا۔ ؏

سراسر دل دکھانا ہے کوئی ذکر اور ہی چھیڑو.
پتہ خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو آشیانے کا

- ایک قریبی عزیز کو ہندوستان کا حال زار بتاتے ہوئے فرمایا ؏

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ جو ہے خراب تیرا ہی گھر نہ ہو

- ایک صاحب نے ہندوستان سے دوران قیام مدینہ خط لکھا جس میں سہارنپور کے حالات دگرگوں اور مسلمانوں کے تفرقے اور انتشار کی خبریں لکھیں تو فرمایا ؏

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا
اس کی بلا سے بوم رہے یا ہما رہے

- ایک خادم سے جو زیادہ سوتے تھے فرمایا ؏ جو ہو فرقت کی بیتابی تو یہ خواب گراں کیوں ہو۔ قدرے توقف کے بعد فرمایا۔

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سائے تلے
عمر بھر سویا کرے گا خاک کے سائے تلے

- ایک خادم نے جب انتہائی مسکین صورت بنا کر معافی چاہی اپنے کسی جرم کی در آنحالیکہ

حضرت کے بہت چہیتے تھے تو فرمایا ؎

روزِ محشر اس کا دامن چھوڑ ہی دینا پڑا
دیکھ کر اتنا کہ منہ اترا ہوا قاتل کا تھا

- ایک صاحبزادہ صاحب کو اپنے والدِ بزرگوار کی خدمت سے فیض حاصل کرنے کی طرف توجہ دلانے کے لیے یہ شعر تحریر فرمایا ؎

یہی دن ہے دعا لے لو کسی کے قلبِ مضطر کی
جوانی آ نہیں سکتی میری جاں پھر نئے سر سے

- ایک سفر کا نظام بنتے ہوئے ایک صاحب نے کہا کہ اس جگہ کو تو حضرت کا بھی جی چاہتا ہوگا۔ فرمایا ؎ ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی۔ کچھ توقف کے بعد مکمل شعر دہرایا۔ ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

- ایک خادم روٹھ کر چلے گئے اور کئی روز نہ آئے تو ان کا حال دریافت فرمایا، کسی نے بتایا کہ وہ کہہ رہے تھے اب نہیں آؤں گا۔ فرمایا ؎

کچھ وہ کھنچے کھنچے سے رہے کچھ ہم کھنچے کھنچے
اسی کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

پھر جب وہ حاضرِ خدمت ہوئے تو فرمایا ؎

نہ ملئے گا نہ ملئے گا کوئی ہم مر نہ جائیں گے
خدا کا شکر ہے پہلے محبت آپ نے کم کی

پھر فرمایا ؎

تمھاری جو ہم بن گزرتی ہے خوش ہماری بھی تم بن گزر جائے گی
طبیعت کو ہوگا قلق چند روز بہلتے بہلتے بہل جائے گی

- ایک لاڈلی نواسی کو کسی چیز کے عنایت فرمانے پر جب اس نے حسبِ عادت نازو نخرہ کیا تو اصرار کرتے ہوئے فرمایا ؎

ہے یہی شرطِ وفاداری کہ بے چون و چرا
تو مجھے چاہے نہ چاہے میں تجھے چاہا کروں

- ایک صاحب سے فرمایا جو تنقید و اعتراض کے بہت عادی ہیں ؎

کہاں تک روئے گا اے جینے والے مرنے والے کو
کچھ اپنی فکر کرلے تو پرائے غم سے تو فرصت نہ ہوگی

- ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کا نظامِ سفر کچھ پتہ نہیں چلتا، حضرت کچھ صاف بات نہیں فرما دیتے؟ فرمایا ؎

گر خاموشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنا محال ہے

- ایک خاص متعلق کو قیامِ مدینہ کے دوران تحریر فرمایا ؎

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لے جائیں یارب ایسے دیوانے کو ہم

"کچا گھر" مشترک پلیٹ فارم:

اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الحدیث کو یہ خصوصیت بھی عطا فرمائی تھی کہ ملک کی آزادی سے پہلے مختلف سیاسی مسلک رکھنے والے اکابر سے ان کا یکساں تعلق تھا، یہ حضرات جب سہارنپور آتے تو عموماً حضرت شیخ کے مہمان ہوتے اور قیام فرماتے۔ ان میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی تھے۔ شیخ نے ان کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ۔

"ان کا مشہور مقولہ تھا کہ کچا گھر (یعنی میرا گھر جو اس زمانے میں بالکل کچا تھا اور اسی نام سے اب تک مشہور ہے) مشترک پلیٹ فارم ہے، ساری گاڑیاں اسی پلیٹ فارم سے گزرتی ہیں، لیگ کی ہو یا احرار کی ہو، کانگرس کی ہو یا جمعیت کی ہو" (آپ بیتی نمبر ۴ صـ۶۳)

مکتوبات شیخ

ملفوظات کے بعد اب قارئین کرام مکتوبات شیخ ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت شیخ کے مکتوبات ہزاروں کی تعداد میں دنیا بھر میں اہل تعلق کے پاس محفوظ ہیں ہمارے سامنے بھی مکتوبات کا بہت بڑا ذخیرہ تھا، لیکن اس نمبر کی محدود گنجائش کے پیش نظر ہم نے چند مکتوبات کا انتخاب کیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے اور ہر کلام خیر سے حقیقی فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے — مرتب

---

(۱)

"پہلا مکتوب کلکتہ کے ایک صاحب کے خط کے جواب میں ہے جس میں انھوں نے اپنی کچھ پریشانیوں اور تکلیفوں کی شکایت کی تھی، اس مختصر سے مکتوب میں پریشانیوں کے اسباب اور ابتلاء کے وقت ایمانی طرز عمل کی پوری وضاحت آگئی ہے۔"

ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات الآیۃ۔ عزیز گرامی قدر و منزلت عافاکم اللہ بعد سلام مسنون و ادعیۂ صالحہ تمھارا پریشانیوں کا خط پہنچا، ان حالات سے جو تم نے لکھے رنج و قلق فطری اور طبعی چیز ہے اور ہونا چاہیے اور نہ صرف تمھیں بلکہ تم سے تعلق رکھنے والے سبھی کو ہونا ضروری ہے اور خاص طور

سے یہ ناکارہ تمھارے والدصاحب کے احسانات کا دبا ہوا ہے، اس لیے فطرۃً بھی رنج ہوا اور میرے لیے تو شرعًا بھی رنج ضروری ہے۔

لیکن تمھارے خط میں ایک بات ہے کہ "ہم نے کسی کا حق نہیں مارا، کسی پر ظلم نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔ پھر یہ دمادم نقصانات کیوں ہو رہے ہیں، میری عقل کام نہیں دیتی۔" اس میں دو امر قابل لحاظ ہیں اولاً یہ کہ آدمی کو اپنی غلطیوں پر کبھی احساس نہیں ہوا کرتا، یہ دعویٰ کہ کسی پر ظلم نہیں کیا گیا، کسی کی حق تلفی نہیں کی گئی وغیرہ وغیرہ۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو اور تمھارے والدصاحب کے معاملات کی وجہ سے قوی امید یہی ہے لیکن اس کے باوجود آدمی کو کسی وقت اپنے کو خطا اور قصور سے بری نہ سمجھنا چاہیے۔ اللہ جل شانہٗ کی پاک بارگاہ میں قصوروں کے اعتراف کے ساتھ ساتھ گناہوں سے توبہ اور اندرون دل سے معافی کی درخواست کرتے رہنا چاہیے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم تک سے یہ دعا نقل کی گئی ہے کہ یا اللہ جس بندہ کو مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو یا میں نے اس کو کچھ برا بھلا کہا ہو یا مارا ہو تو تو مجھے تو معاف فرما اور اس کو اس کے لیے مغفرت اور رحمت کا سبب بنا۔ جب سید الکونین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے متعلق یہ دعا کرتے رہتے ہوں تو میرا یا تمھارا کیا منہ ہے کہ کہیں کہ ہم نے کسی پر زیادتی نہیں کی یا حق تلفی نہیں کی۔

اس کے علاوہ اگرچہ عام قاعدہ یہی ہے کہ اپنی بداعمالیاں پریشانیوں کا سبب ہوا کرتی ہیں۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے ما اصاب من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم الآیۃ لیکن یہ کلیہ نہیں، اگر یہ کلیہ ہوتا تو پھر انبیاء عظام اور اولیاء کرام کو فقروفاقہ اور پریشانیاں نہ ہوتیں، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے "اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل" کہ بلائیں سب سے زیادہ انبیاء پر آتی ہیں پھر جو افضل ہو اور ان کے بعد جو افضل ہو۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے آپ سے محبت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھ کیا کہہ، انھوں نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے آپ سے محبت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر فقر کے لیے تیار رہو، اس لیے کہ مجھ سے محبت رکھنے والوں کی طرف فقر اتنی زور سے دوڑتا ہے جتنا پانی نیچے کی طرف زور سے چلتا ہے۔ اس لیے یہ

سمجھ لینا کہ پریشانیاں وغیرہ ہمیشہ سزا ہی ہوتی ہیں صحیح نہیں ہے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ آپ کے والد کے اعمالِ حسنہ میری نگاہ میں بہت زیادہ ہیں اس لیے رفعِ درجات کے لیے یہ بھی ایک ابتلاء ہے جو وقتی ہے انشاء اللہ جاتا رہے گا۔ گھبرانا تو ہرگز نہ چاہیئے البتہ دعا سے دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ اللہ جل شانہٗ سے تنہائی میں خوب مانگتے رہنا چاہیئے، اپنی کسی تدبیر پہ اعتماد ہرگز نہ چاہیئے کہ فلاں تدبیر ضرور کارگر ہوگی۔ تدابیر صرف اسباب کا درجہ ہیں۔ ان میں اثرات پیدا کرنا اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری بہت مدد فرمائے۔ یہ خیال بھی نہ کرنا چاہیئے کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوئی۔ دعا بہت اہتمام سے مانگنا چاہیئے اور یہ بھی یقین رکھنا چاہیئے کہ دعا ضرور قبول ہوتی ہے لیکن اثر بعض دفعہ دوسری صورت میں ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ احادیث میں یہ مضمون کثرت سے آیا ہے۔ درود شریف کی کثرت بلا لحاظ تعداد مکارہ سے حفاظت اور مقاصد میں کامیابی کے لیے بہت مفید اور مجرب ہے خود بھی اہتمام کریں اور احباب و متعلقین کو بھی تاکید کریں۔ فقط

۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ

(۲)

[ایک مکتوب کلکتہ سے آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ یہاں دو گروہوں میں قیام اور عدم قیام کا جھگڑا اسی پر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ناظر ہیں یا نہیں اور فضائل درود واقعہ ۲۲ میں علامہ سخاوی نے ابو بکر بن محمد سے جو واقعہ نقل کیا ہے اس میں الفاظ درود صلی اللہ علیک یا محمد حرف خطاب و ندا کے ساتھ ہے جو حاضر کے لیے بولا جاتا ہے تو اس درود کا پڑھنا جائز ہوگا کہ نہیں کیونکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر نہیں ہیں۔ بمعناہ۔ ذیل میں جو مکتوب شیخ نقل کیا جا رہا ہے وہ اسی خط کے جواب میں تحریر فرمایا گیا تھا۔]

عنایت فرمائیم سلمہٗ بعد سلام مسنون عنایت نامہ پہنچا آپ کا اشکال میری سمجھ میں نہیں آیا اس لیے فضائل درود میں جو درود صلی اللہ علیک یا محمد ہے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ حاضر بتایا گیا ہے اور نہ اس کا کوئی شبہ ہو سکتا ہے جبکہ احادیث میں کثرت سے یہ مضمون

ہے کہ جب کوئی شخص غائبانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے تو فرشتے اس درود کو فوراً پہنچا دیتے ہیں اور درود شریف بھیجنے والے کا اور اس کے باپ کا نام بھی لیتے ہیں۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ ڈاک کے خطوط میں کوئی شخص کسی کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ لکھے حالاں کہ لکھنے والے کے ذہن میں یہ واہمہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جس کو خط لکھ رہا ہے وہ اس کے پاس موجود ہے۔ اسی طرح سے خطوط میں جو الفاظ لکھے جاتے ہیں کہ آپ بہت یاد آرہے ہیں آپ کی خدمت میں فلاں چیز بھیج رہا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ یہاں ان کو حاضر وناظر کوئی نہیں سمجھتا اور بریلویوں سے جھگڑا یا رسول اللہ کے لفظ پر نہیں بلکہ اس خطاب کے وقت قیام پر ہے کہ وہ اعتقاداً اعلاناً یہ سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مجلس میں تشریف فرما ہیں اس لیے قیام کرتے ہیں۔ دیگر اہل علم سے بھی تحقیق کرلیں۔ اکابر کے کلام میں اس قسم کے الفاظ کثرت سے ملیں گے۔ اسی رسالے میں ملاجامی کے اشعار میں ترحم یا نبی اللہ کا لفظ ہے اور بھی بہت کثرت سے الفاظ ملیں گے مگر کوئی حاضر ناظر نہیں سمجھتا۔ فقط

۲۳ صفر ۱۴۰۰ھ

(۳)

ذیل میں ایک مکتوب کا اقتباس نقل کیا جارہا ہے جس میں حضرت شیخؒ نے تقریبات نکاح شرعی طور پر منعقد کرنے کی ترغیب دی ہے۔

.... مختصر یہ کہ لوگوں کی طعن تشنیع کی ہرگز پرواہ نہ کرنا مقامی لوگوں کی دعوت وغیرہ کا ہرگز اہتمام نہ کرنا۔ البتہ آنے والے مہمانوں کا اعزاز واکرام کرنا اور مقامی لوگوں میں جو شخص کوئی فقرہ کسے اس کی پرواہ نہ کرنا۔ تفصیلات تو بہت لمبی ہیں، سب کے لکھنے کے لیے تو بہت بڑا دفتر چاہیئے۔ حدیث پاک میں بھی آیا ہے کہ بابرکت نکاح وہ ہے جو بہت آسان ہو دلھن کے کپڑوں میں بھی زیادہ زور نہ دکھلانا، ایک دو جوڑے باقی معمولی، البتہ زیور ایسا کہ جس میں گھڑائی کا زیادہ خرچ نہ ہو مالیت زیادہ ہو تو میں مخالف نہیں، ایسے زیوروں کا مخالف ہوں جن میں گھڑائی بہت ضائع ہو، لوگ طعن وتشنیع کو کسی حال میں نہیں چھوڑتے، لہٰذا اس کی بالکل پرواہ نہ کرنا۔ قرض سے جہاں تک ہو بچنے کی کوشش کرنا۔ اللہ تعالیٰ تمھاری بہت مدد فرمائے۔

تمھیں معلوم ہے کہ مہمانوں کا ہجوم اس ناکارہ کے یہاں کتنا رہتا ہے لیکن شادی کے نام سے یا ولیمہ کے نام سے کبھی کسی کی دعوت نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ بہت مبارک فرماوے باحسن وجوہ تکمیل فرماوے۔"

(۴)

[ایک صاحب کو ان کے نکاح پر تہنیتی مکتوب ارسال فرمایا، جو درج ذیل ہے۔]

عزیزم سلّمہ بعد سلام مسنون محبت نامہ متضمن بنوید جاں فزا تقریب نکاح پہنچ کر موجب مسرت ہوا۔ اللہ تعالیٰ زوجین میں محبت عطا فرما کر اولاد صالح عطا فرمائے۔ اس مبارک تقریب کو والدین اور برادران کے تعلق میں قوت کا سبب بنائے کمی کا سبب نہ بنائے۔ اہلیہ کو خاص طور سے سلام مسنون و مبارکباد کے بعد کہہ دیں کہ دین و دنیا کی سعادت اور تعلقات کی خوشگواری اس میں ہے کہ شروع میں خاص طور سے سسرال والوں کے ساتھ بہت زیادہ نیازمندی اور دلداری اور خدمت کا اہتمام کیا جاوے۔ یہ ہمارے اپنے گھروں کا خاص طریقہ ہے۔ شروع میں جو لڑکیاں سسرال والوں کے ساتھ چھوٹی بن کر رہتی ہیں وہ ان سب کے قلوب کو اپنی طرف مائل کر لیتی ہیں اور جو شروع میں ذرا ناز و نخرے سے رہتی ہیں وہ دلوں سے اتر جاتی ہیں۔ اس کا خیال رکھیں۔"

(۵)

ایک تعزیتی مکتوب:

"اسی وقت گرامی نامہ متضمن بہ حادثۂ جانکاہ پہنچ کر موجب رنج و قلق و اضطراب ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مقدرات اپنی جگہ اٹل ہیں جو آیا ہے جانے ہی کے واسطے آیا ہے۔ اللہ جل شانہ مرحوم کی مغفرت فرما کر اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرماوے۔ پسماندگان کو خصوصاً آپ کو صبر جمیل اجر جزیل عطا فرماوے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو بہت بلند درجے عطا فرمائے۔ دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔ مرحوم نے جو تکلیف اٹھائی اس کا بھی بہترین بدلہ عطا فرماوے۔ جہاں تک رنج و قلق کا تقاضہ ہے فطری چیز ہے مگر اس سے نہ جانے والے کو کوئی فائدہ ہے نہ رہنے والوں کو۔ اس اہم وقت میں جو کچھ بھی ایصال ثواب جانی یا مالی کیا جاوے وہ بہت قیمتی

ہوتا ہے اس لیے کہ اس وقت طبیعت دنیا سے متنفر ہوتی ہے آخرت کا استحضار اور قبر کی منزل کا خیال لگا ہوا ہوتا ہے۔ اس لیے جو کچھ بھی صدقہ کیا جاوے یا پڑھا جاوے بڑا کارآمد اور قیمتی ہوتا ہے۔" فقط

(۶)

[ایک مکتوب میں حضرت نے معمولات کی پابندی کی سخت تاکید فرمائی۔ اس کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمایا جائے]

"معمولات کی پابندی احوال کی تبدیلی کے لیے لازم ہے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کا پاک نام بغیر اثر کیے رہ جائے، البتہ تبدیلی کا احساس دیر میں ہوا کرتا ہے۔ قلب پر جتنی زیادہ کدورت ہو گی اتنا ہی اثر دیر میں محسوس ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا پاک ذکر قلب کی صفائی کا واحد ذریعہ ہے۔ کپڑے پر میل کم ہوتا ہے تو جلدی صاف ہوجاتا ہے اور جتنا زیادہ میل ہوتا ہے اتنی ہی دیر میں صفائی ہوتی ہے اس لیے اثر محسوس ہو یا نہ ہو معمولات کی پابندی بہت اہتمام سے کرتے رہیں۔ آپ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ زیارت حرمین شریفین کے سوا چارہ نہیں۔ یقیناً حرمین شریفین کی زیارت موجب برکات و ترقیات ہے اور اسباب مساعد ہوں تو ضرور ارادہ کریں لیکن قلب کی صفائی جتنی اللہ کے ذکر سے ہوتی ہے اتنی کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ اللہ جل شانہٗ کا پاک نام چاہے جتنی غفلت سے لیا جائے اثر کیے بغیر نہیں رہتا۔ معمولات کی پابندی ترقی کا زینہ ہے۔ جتنا ہوسکتا ہے اس میں کسر نہ چھوڑنا چاہیے۔ یہ چیزیں روحانی غذا ہیں، اور ان کا ترک روح کی ضعف کا سبب ہے اور ان کی پابندی روح کی قوت کا سبب ہے۔ جیسا کہ مادی غذاؤں میں اگر کوئی شخص بیماری کی حالت میں غذا چھوڑتا ہے تو ہر شخص مصر ہوجاتا ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرور کھالو ورنہ ضعف ہوجائے گا۔ یہی حالت روحانی غذا کی ہے بالکلیہ ترک نہ ہونا چاہیے۔ اگر مجبوری سے کمی ہوجائے تو مضائقہ نہیں ہے۔"

(۷)

مؤرخہ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۱ مئی ۱۹۷۱ء بروز جمعہ بعد عصر اقدام عالیہ میں مولانا ہارون صاحب صاحبزادہ مولانا انعام الحسن صاحب دامت برکاتہم

کو بیعت کی اجازت مرحمت فرماکر مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب سے مندرجہ ذیل مکتوب لکھوایا۔

مکرمان محترمان مولانا انعام الحسن صاحب، مولانا الحاج علی میاں و مولانا منظور نعمانی صاحبان، مولانا معین صاحب اور مفتی محمود حسن صاحب مد فیوضکم۔ بعد سلام مسنون تبلیغی مصالح کی بنا پر آج ۲۶ ربیع الاول ۹۱ھ اقدام عالیہ میں عزیز ہارون کو میں نے توکلاً علی اللہ بیعت کی اجازت دی ہے، البتہ دینی مصلحت اور تبلیغی مصلحت کی بنا پر اس کو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ مولانا انعام الحسن صاحب کی حیات میں نظام الدین یا میوات میں کسی کو بیعت نہ کرے۔ حب جاہ اور حب مال سے بہت زیادہ احتراز کرے۔ اہل دنیا سے ان کی دنیاوی وجاہت کی وجہ سے تعلق نہ رکھے۔ دینی مصالح کی بنا پر اجازت میں تقدیم وتاخیر اکابر سے بھی منقول ہے اور بیک وقت کئی مشائخ کا ایک جگہ موجود ہونا بسا اوقات موجب ترقیات بھی ہوا تھانہ بھون میں حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب، حضرت حافظ محمد ضامن صاحب، حضرت مولانا شیخ محمد صاحب بیک وقت ایک ہی مسجد میں مقیم رہے۔ اور حضرت شیخ الہندؒ اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دارالعلوم میں بیک وقت موجود رہے۔ یہ ناکارہ اور مولانا اسعد اللہ صاحب ان کی خلافت کے بعد سے مظاہر علوم میں موجود رہے۔ میرا خیال ہے ہم دونوں کا بیک وقت موجود ہونا دونوں کے لیے موجب ترقی بنا، چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کے بعد عزیز مولانا یوسف صاحب اور قاری رضا صاحب رحمہم اللہ اور مولانا انعام الحسن صاحب اور حافظ مقبول صاحب کا بیک وقت نظام الدین میں قیام رہا۔ میری دعا ہے کہ اللہ جل شانہ ان دونوں عزیزوں کے بیک وقت قیام کو بھی دونوں کے لیے موجب ترقیات بنائے لیکن زمانہ فساد کی طرف دوڑ کر چل رہا ہے۔ اس لیے میں نے عزیز ہارون کو یہ کہہ دیا ہے کہ مولانا انعام الحسن صاحب (اللہ انھیں تا دیر زندہ سلامت رکھے) کی حیات میں نظام الدین اور میوات میں کسی کو بیعت نہ کرے۔ اگرچہ مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں لوگ مولانا انعام الحسن صاحب سے بیعت ہوتے رہے ہیں۔

چونکہ اس ناکارہ کو بھی اپنی زندگی کا اعتبار نہیں ہے اس لیے تم دوستوں کو بھی اس کی اطلاع کردیتا ہوں۔ نیز میرے جستی تنکے میں چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کا وہ عمامہ ہے جو مجھے

بیعت کے لیے دیا تھا اسے عزیز ہارون کے حوالے کر دیا جائے کہ یہ سیہ کار تو اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو اس سے تمتع نصیب فرمائے۔

اس تحریر کی ایک نقل عزیز مولوی احسان الحق کو رائے ونڈ اور ایک عزیز مولوی عبدالرحیم متالا کو بھیج دی جائے۔ فقط والسلام

حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب مدفیوضہم
بقلم عبدالحفیظ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ

(۸)

[ایک مدرسہ کے ذمہ دار کے نام ایک مکتوب میں شیخؒ نے ۱۰ انتہائی ضروری اصولی ہدایات تحریر فرمائی تھیں۔ مدارس اور دوسرے اجتماعی کاموں کے ذمہ دار حضرات کے لیے یہ مکتوب خاص طور پر مفید ہوگا۔]

امن تذکر جیران بذی سلم مزجت دمعا جری من مقلة بدم
أم ھبت الریح من تلقاء کاظمة واومض البرق فی الظلماء من اضم

عزیز گرامی قدر صاحب بعد سلام مسنون تمہارے خط نے مدرسہ کی یاد ایسی بھڑکائی کہ تھوڑی دیر کو تو بے چین کر دیا۔ تمہارے اور مدرسہ کے لیے بہت اہتمام سے دعا کرتا ہوں کہ عمر کے سارے دور بچپن جوانی کہولیت ضعف پیری تقریباً ۷۰ سال مدرسہ میں گزرے تو اس کے بارے میں غفلت تو بہت دشوار ہے۔ البتہ چند بہت اہم مشورے اپنے تجربات سے ضرور لکھواتا ہوں۔

۱۔ بڑے فتنہ کا زمانہ ہے غیر معمولی امور میں سرپرستوں سے مشورہ کا بہت ہی اہتمام رکھیں تاکہ تمہارے لیے وقایہ بنا رہے۔

۲۔ اس کو بار بار اپنے دوران قیام میں بھی کثرت سے کہتا رہا ہوں۔ اہتمام کی وجہ سے اب بھی لکھواتا ہوں (الف) اپنے ذاتی تعلقات کی وجہ سے کسی کو مدرسہ میں ہرگز ترقی نہ دیں، نہ علمی نہ مالی، بہت ہی وثوق سے انشاء اللہ کہہ سکتا ہوں کہ بہت سی جزئیات میں اس ناکارہ کا عمل ہمیشہ یہی رہا، جن طلبہ کا مدرسہ سے اخراج ہوتا تھا میں نے کبھی کسی کی سفارش

تحریری یا زبانی نہیں کی، البتہ اس سے یہ ضرور کہہ دیتا کہ جب تک تیری معافی ہو یا گھر واپسی ہو اس وقت تک تیرا کھانا میرے ساتھ، اس لیے کہ مدرسہ کا کھانا بند ہوجاتا تھا۔ اسی طرح کسی ملازم کی ترقی اپنے تعلقات سے نہ کبھی کی اور نہ سفارش کی (ب) اپنے مخالفوں کو کبھی گرانے کا ارادہ نہ کیجیو، نہ ان کی ترقی روکنے کا، میں نے اپنے حضرت کے یہاں اپنے سخت ترین مخالف کی سفارش کی جس پر میرے حضرت کو بھی بہت تعجب ہوا اور میرا خیال ہے کہ میری وقعت میں حضرت کے یہاں اضافہ کا سبب بنا۔

۳۔ تعلیم مدرسہ کا اکابر کے زمانے میں بہت ہی ما بہ الامتیاز تمغہ رہا ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے قاری طیب صاحب کے چھوٹے بھائی عزیز طاہر مرحوم کو مدرسہ میں میری نگرانی میں داخل کیا تھا اور میرا زمانہ کم عقلی کا تھا جواب بھی باقی ہے میں نے بلا پوچھے کہیں جانے پر دور سید کیے جس کا اس مرحوم کو تحمل نہ ہوا اور آب و ہوا کی عدم موافقت کا عذر کر کے چلا گیا۔ اس لیے تمھارے لیے عمومی تنبیہ تو مشکل ہے یعنی ہر شخص کو ٹوکنا لیکن جن سے تعلقات ہوں ان کو ضرور من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ الحدیث کی بنا پر تنبیہ کرتے رہا کریں اور جن سے تعلقات نہ ہوں ان کے لیے ایک عمومی اطلاع نامہ مدرسین کے دستخطوں کے لیے بھیج دیا کریں جس میں کسی کا نام نہ ہو کہ بعض مدرسین کی یہ شکایت پہنچی ہے۔ اس کا سب حضرات لحاظ کریں۔

۴۔ مدرسین یا ملازمین بلکہ طلبہ کی بھی بدتمیزیوں سے اعراض سے کام لیا کریں۔

۵۔ اگر کوئی شخص کسی کی شکایت کرے تو محض شاکی کی روایت پر اس کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں۔ اسی طرح کسی کی تعریف پر بلکہ دوسرے ذرائع سے چپکے چپکے شکایت اور تعریف کی تحقیق کرلیا کریں۔

۶۔ پارٹی بندی سے تو کون سی جگہ خالی ہے یا ہوئی ہوگی لیکن اکابر کے زمانے میں تو یہ امور دلوں میں یا رازوں میں رہا کرتے تھے۔ اب کئی سال سے زبانوں پر بھی آنے لگے۔ تمھاری زبان سے کسی مجمع میں کوئی ایسا لفظ نہ نکلنا چاہیے جس سے کسی پارٹی کی موافقت یا مخالفت معلوم ہوتی ہو۔

۷۔ مدرسہ کی مالیات کا مسئلہ بہت ہی نازک ہے آخرت میں تو جو ہوگا ہو ہی گا۔ دنیا میں بھی اس کے ثمرات سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے، اپنی ذات کی حد تک مالیات کے سلسلہ میں بہت ہی احتیاط رکھنا اور ملازمین کو وقتاً فوقتاً اس کی طرف متوجہ کرتے رہنا۔ کُلّما تکرر فی السمع تکرر فی القلب۔ آپ بیتی اوّل حصہ میں میں نے اکابر کے بہت سے معمولات اس سلسلہ میں لکھوائے تھے ان کو خود بھی ملاحظہ فرمادیں اور اکابر اہل مدرسہ کو چاہے تعلیمی ہوں چاہے مالی ان کے دیکھنے کی ترغیب بھی دیتے رہا کریں۔

۸۔ اکابر کا طرز اگرچہ تم نے اکابر کا دور بہت ہی کم دیکھا ہے مگر اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ کا دور تو خوب دیکھا ہے ان کو (رحمۃ اللہ علیہ) اکابر کے اتباع کا بہت ہی اہتمام تھا۔ ان کے طرز عمل کو اپنانے کی بہت اہتمام سے کوشش کرتے رہیں۔

۹۔ مدرسہ کی شہرت یا اس کے مفاخر خوبیاں تو جتنی بھی چاہے پھیلائی جائیں مگر اپنی ذاتی شہرت اور ذاتی مفاخر کے پھیلانے کا ہرگز ارادہ نہ کریں۔

۱۰۔ جن سے کسی وجہ سے تکدر ہو معاملات میں گفتگو میں اس کا ظہور نہیں ہونا چاہئے خندہ پیشانی سے ضرور ملا کریں۔ چاہے اپنے کو کتنا ہی مشقت اٹھانا پڑے۔ حضرت ابوالدرداءؓ کا ارشاد بخاری میں ہے انا الی اقوام تلعنهم قلوبنا اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔

"تلک عشرۃ کاملۃ" باتیں تو ابھی ذہن میں بہت ہیں مگر اس وقت تو ان ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۹)

ذیل کا مکتوب بھی اہل مدارس کے لیے بہت مفید اور ضروری نصائح پر مشتمل ہے۔ یہ دراصل مولانا محمد عثمان صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ایک خط کا جواب ہے، جس میں انھوں نے نیابت اہتمام کی ذمہ داریوں کی بخوبی ادائیگی کی توفیق کے لیے حضرت شیخؒ سے دعاؤں کی استدعا کی تھی۔ حضرت شیخؒ نے اس کی ایک نقل والد ماجد حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کو بھی بھیجی تھی

[جس میں مکتوب الیہ کا نام درج نہیں تھا بعد میں انھیں معلوم ہوا کہ یہ مکتوب مولانا محمد عثمان صاحب کے نام تھا۔]

مکرم ومحترم زادمجدکم بعد سلام مسنون! گرامی نامہ مورخہ ۱۰ر جولائی ۱۴ر رمضان آج ۱۷ر جولائی ۲۱ر رمضان کو پہنچ کر موجب عزت ہوا۔ میری طبیعت تو کئی سال سے بہت خراب ہے اور بہت تعجب اس پر ہے کہ جو شخص اپنی صحت و قوت اور جوانی کے زمانے میں سہارنپور سے رائے پور اور نظام الدین یا چچا جان نوراللہ مرقدہ کے ساتھ میوات چلا گیا ہو کہیں اور نہ گیا ہو۔ وہ اس ضعف و پیری اور لب گور ہونے کی حالت میں دنیا بھر میں جھک مارتا پھر رہا ہے مگر جہاں جہاں کا رزق مقدر ہوچکا ہے وہ تو کھانا ہی ہے۔ میں بہت زیادہ بیمار ہوں اور یہاں کی سردی میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔ دو دو لحاف اور دو دو ہیٹروں کے سائے میں ایک مسجد میں صورت اعتکاف بنائے پڑا رہتا ہوں۔ دارالعلوم میرے اکابر کا لگایا ہوا باغ ہے اس لیے ہر قسم کی ترقی موجب فرحت اور ہر قسم کا خزاں میرے لیے موجب کلفت ہے۔ دارالعلوم کے اختلافات کی چنگاری تو ۱۰۔۱۲ برس سے سن رہا تھا مگر صد سالہ اجلاس کے بعد یہ چنگاری جو لاوا ہو کر پھوٹی ہے اس نے بہت ہی بے چین کر رکھا ہے۔ بلا توریہ اور بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ دارالعلوم کے موجودہ انتشار اور فساد سے جو بے چینی دل پر گزرتی ہے وہ اللہ ہی کو معلوم ہے یا میرے ان مخلص دوستوں کو جو شوریٰ کے ممبر ہیں اور مجھے ان سے خصوصی تعلقات ہیں دارالعلوم کی صلاح و فلاح کے لیے دل سے دعا کرتا رہتا ہوں مگر بقول حضرت مدنی قدس سرہٗ کے کہ جب ان سے کوئی دعا کو کہتا تھا تو وہ جوش میں فرماتے کہ اگر میری دعا میں کچھ ہوتا تو انگریز کب کا منہ کالا کرچکا ہوتا۔ اگرچہ حدیث میں دعوت فلم یستجب لی کی ممانعت آئی ہے مگر اپنا حال مطعمہ حرام وشربہ حرام فانی یستجاب لہ۔ دارالعلوم کے لیے تو بہت ہی اہتمام سے دعائیں کر رہا ہوں اور آج سے آپ کے گرامی نامہ سے خصوصیت سے آپ کے لیے دعا کا وعدہ کرتا ہوں، انشاء اللہ تعالیٰ ضرور کروں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ سے دارالعلوم کو اور دارالعلوم سے آپ کو بہترین سرخروئی عطا فرمائے۔ اس اکابر کی یادگار کو آپ کی مساعی جمیلہ اکابر کے نقش قدم پر چلانے میں کامیاب ہولے ہے تو گستاخی مگر اپنا ایک تجربہ آپ کو لکھتا ہوں انشاء اللہ

اگر آپ اس کو اپنائیں گے تو اکابر کی نگاہ میں بھی سرخرو ہوں گے اور معاصرین بھی بے جا اصرار آپ پر نہیں کر سکیں گے۔ اس ناکارہ کا تعلق مدرسہ مظاہر علوم سے یکم محرم ۳۵ھ کو ہوا تھا اور مختلف اطوار سے گزرتے ہوئے ۹۵ھ میں مدینہ منورہ کا تابعیہ مل گیا تھا۔ اس ۶۰ سالہ مظاہر علوم کی مختلف خدمات، مدرسی، صدر مدرسی، مشیر ناظم اور سرپرستی سارے مراحل گزرے مگران سارے مرحلوں میں اللہ کے فضل و کرم سے محض اس کی اعانت سے ایک اصول کا بہت پابند رہا کہ اپنے ذاتی تعلقات کی وجہ سے کسی ملازم یا طالب علم کی مدرسہ میں داخلہ کی سفارش نہیں کی۔ اس ۶۰ سالہ زندگی میں سیکڑوں واقعات طلبہ کے ایسے پیش آئے ہوں گے کہ مدرسہ سے ان کا اخراج ہوگیا۔ ان کے یا ان کے سرپرستوں کے زور دینے پر میں نے صاف انکار کر دیا کہ "مدرسہ میں سفارش کرنے سے معذوری ہے البتہ مدرسہ سے مخفی اس مخرج کے کھانے کا انتظام میرے ذمہ ہے، سفارش کسی اور سے کرا" اور مدرسہ سے مخفی کا راز یہ تھا کہ اہل مدرسہ کو یہ خیال نہ ہو کہ ہمارے یہاں کے مخرج کی یہ سرپرستی کر رہا ہے۔ اسی طرح سے اپنے کسی مخالف کی چاہے اس سے مجھے کتنی ہی اذیتیں پہنچی ہوں میں نے مدرسہ سے اخراج کی کبھی کوشش تو در کنار اخراج میں، ہمنوائی بھی نہیں کی۔ میری سرگزشت میری آپ بیتی میں جو ایک جنگل ہے سیکڑوں نکلیں گی۔ غالباً آپ کی نظر سے بھی گزری ہوں گی۔ ان واقعات کا لکھوانا تو مجھ بیمار کے لیے بہت دشوار ہے۔ ایک الف لیلہ چاہیے مگر میری آپ بیتی میں بہت سے قصے آچکے ہوں گے نمونۃً دونوں لائن کے ایک ایک لکھواتا ہوں۔ دارالعلوم کی ۴۵ھ کی اسٹرائک میں میں نے مظاہر علوم کے سرپرستان کے یہاں کوشش کرکے یہ منظور کرالیا تھا کہ دارالعلوم کا کوئی مخرج مظاہر علوم میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ اس زمانہ میں سیکڑوں واقعات اس کے خلاف میرے ساتھ پیش آئے اور یہ میرا اقدام دارالعلوم کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ بقول حضرت مدنی قدس سرہٗ کے اپنی بزدلی کی وجہ سے تھا۔ حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ مجھے بہت طعنہ دیا کرتے تھے کہ تم مظاہر علوم والے جتنے بزدل ہو ہم دارالعلوم والے اتنے بزدل نہیں اور میں حضرت قدس سرہٗ کے سامنے اپنی بزدلی کا اقرار بھی بڑی خوش دلی سے کر لیتا تھا۔

دارالعلوم کے ۴۵ھ کے واقعہ میں بیسیوں بلکہ سیکڑوں طالب علم اور ان کے اکابر

مظاہر علوم میں داخلہ کے لیے آئے۔ ہمارے مدرسہ کے ناظم حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نوراللہ مرقدہٗ ہر شخص سے یہ کہہ کر الگ ہو جاتے تھے کہ اس کا تعلق مجھ سے نہیں زکریا سے ہے اگر وہ منظور کرلے تو داخلہ ہو سکتا ہے ورنہ نہیں ہو سکتا، اس زمانہ کے بہت سے واقعات مجھ پر گزرے۔ ایک واقعہ میرے ماموں زاد بھائی مولوی ادریس کاندھلوی کے چھوٹے بھائی موسیٰ مرحوم کا ہوا۔ اس کے والد اس کو لے کر مظاہر علوم میں آئے اور جب ناظم صاحب نے یہ کہہ دیا کہ اس کا تعلق مجھ سے نہیں بلکہ زکریا سے ہے تو وہ بہت خوش ہوئے کہ معاملہ تو اپنے گھر میں آگیا۔ جب مجھ سے فرمایا کہ اس کا داخلہ کرنا ہے اور میں نے صاف انکار کر دیا تو وہ بہت ہی ناراض ہوئے اور مجھ سے بولنا بھی چھوڑ دیا اور عزیز مولوی ادریس مرحوم پر جو اثر ہوتا وہ تو اور بھی قرین قیاس تھا۔ ماموں جان مرحوم نے فرمایا کہ اگر حضرت تھانویؒ سفارش لکھ دیں تب بھی تم داخلہ کروگے یا نہیں۔ حضرت تھانوی کے ساتھ ماموں کے بہت گہرے تعلقات تھے اور مجھے یقین تھا کہ یہ ضرور سفارش لکھوالائیں گے۔ میں نے ماموں جان سے کہا کہ اگر حضرت تھانویؒ نے صرف سفارش لکھی تب تو قبول نہیں کروں گا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول کرنے سے معذرت کردی تھی البتہ اگر حضرت تھانویؒ یہ تحریر فرمادیں کہ میں بحیثیت سرپرست حکم دیتا ہوں کہ اس کا داخلہ کر لیا جائے تو میں ضرور کروں گا اور اس کے بعد موسیٰ مرحوم کی نظیر کوئی پکڑے گا تو میں کہہ دوں گا کہ تو بھی حضرت تھانوی سے حکم نامہ لکھوالا۔

اور اس کے بالمقابل دوسرا واقعہ ہمارے مدرسہ کے ایک بہت اونچے آدمی جو حضرت مرشدی نوراللہ مرقدہٗ کے بھی بہت معتمد تھے مگر میرے والد صاحب سے بعض وجوہ سے ان کو پرخاش تھی جس کی وجہ سے چچا جان اور مجھ سے بھی عداوت تھی۔ ہم لوگوں کی بڑی بڑی شکایتیں جھوٹ سچ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کرتے رہتے تھے۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد چچا جان کے نظام الدین چلے جانے کے بعد یہ ناکارہ ہی رہ گیا جس کی بہت ہی مخالفتیں جھوٹی سچی شکایتیں حضرتؒ کے یہاں ہوتی رہتی تھی۔ آخر کار بر کی عداوت رنگ لائی اور انھوں نے حضرت کی مخالفت بھی اپنی علو شان پر شروع کر دی۔ حضرت نوراللہ مرقدہٗ نے

مظاہرعلوم سے ان کو نکال دیا تو میں نے حضرت کی خدمت میں اس مرحوم کی سفارش کی تو میرے حضرت قدس سرہٗ نے بڑے استعجاب اور حیرت سے فرمایا کہ تم بھی اس کی سفارش کرتے ہو میں نے عرض کیا کہ حضرت بڑے اخلاص سے حضرت کا تو کوئی دینی یا دنیوی نقصان نہیں ہوسکتا مگر اس شخص کا دین و دنیا دونوں برباد ہوجائے گا دنیا کی بربادی کا تو کچھ قلق نہیں مگر میں دین کی بربادی کی وجہ سے عرض کر رہا ہوں، حضرت للہ معاف فرمادیں، حضرت نے میری سفارش تو قبول نہیں فرمائی مگر میرا خیال ہے کہ حضرت قدس سرہٗ کی نگاہ میں اس قسم کے واقعات سے میری وقعت بڑھتی رہی۔ اس لیے آپ سے بڑی مؤدبانہ درخواست ہے کہ دارالعلوم کے معاملہ میں کبھی بھی اپنے ذاتی تعلقات یا ذاتی دشمنی کو حائل نہ ہونے دیں۔

دوسری درخواست میری یہ ہے کہ دارالعلوم کے مالیات میں ہمیشہ اپنے آپ کو مالک الملک کے سامنے جواب دہی کے لیے تیار رکھیں۔ میرے بڑے حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کا بہت مشہور ارشاد ہے جو بار بار حضرت نے فرمایا کہ میں مدرسہ کی سرپرستی سے جتنا ڈرتا ہوں اتنا کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ ہم سرپرست لوگ مدرسہ کے مال کے مالک تو ہیں نہیں معطیان چندہ کے وکیل ہیں۔ اگر کسی شخص کی ذراسی بددیانتی پر ہم لوگ اپنے تعلقات سے درگزر کریں تو اس سے تو معاف ہونے کا نہیں، اس لیے کہ ہمیں معاف کرنے کا کیا حق ہے مگر ہماری پکڑ ضرور ہوجائیگی۔ اس لیے دارالعلوم کے مالی معاملات میں آپ اپنے کو بہت ہی بچائے رکھیں۔ میرے والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے جتنے دنوں مدرسہ میں کام کیا اس کی تنخواہ نہیں لی۔ میں نے اپنے مرشد حضرت سہارنپوری نوراللہ مرقدہٗ کے ارشاد پر ابتداء میں لی تھی مگر بڑے حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ نے بحیثیت سرپرستی مدرسہ میں لکھا تھا، تنخواہ بہت تھوڑی ہے کچھ اور اضافہ کر دیا جائے جس کو میرے حضرت نے یہ کہہ کر منظور نہ کیا تھا کہ مدرسہ کے مصالح اس سے زیادتی کی اجازت نہیں دیتے مگر اعلیٰ حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ جب اللہ توفیق دے تو مدرسہ کی تنخواہ چھوڑ دیجو، حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے

میری اعانت فرمائی اور محض اپنے فضل وکرم سے جتنے دنوں کی تنخواہ میں نے مدرسہ سے لی تھی وہ مالک نے محض اپنے فضل وکرم سے واپس کرادی۔ اللھم لک الحمد کلہ ولک الشکر کلہ اللھم لا احصی ثناء علیک۔ مجھے اس خط کے لکھوانے میں وقت تو بہت ہوئی اور دوران سر کی وجہ سے دیر بھی بہت لگی مگر جس اخلاص کی وجہ سے آپ نے اس روسیاہ ناکارہ کو دعا کے لیے لکھا اس سے متاثر ہو کر میں نے بھی اپنے ۶۰ سالہ تجربات میں سے چند لکھوادیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔ دارالعلوم کو آپ سے اور آپ کو دارالعلوم سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ میری اس بے ربط تحریر سے خدا کرے کوئی تکدر آپ کو نہ ہوا ہو۔ اگر ہوا ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ میں نے بھی محض اخلاص سے یہ طویل بکواس لکھوادی۔

فقط والسلام
حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب زیدمجدہ
بقلم نجیب اللہ۔ ۲۸ر جولائی ۱۹۸۱ء
اسٹنگر۔ جنوبی افریقہ

(۱۰)

[درج ذیل مکتوب شیخ مولانا عبدالجلیل صاحب مدظلہ کے نام ہے جو حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے برادر زادے اور خلیفۂ مجاز ہیں۔ حضرت شیخ سے بھی تلمذ اور خاص تعلق کا شرف حاصل رہا۔

مولانا موصوف نے ایک خط میں حضرت شیخ الحدیث سے مسئلہ حیات النبی کے متعلق اپنے اکابر کے مسلک کی وضاحت کی درخواست کی تھی، جس کے جواب میں حضرت نے درج ذیل مکتوب تحریر فرمایا۔

جس واضح اور دوٹوک انداز میں اور محدثانہ شان کے ساتھ حضرت شیخ نے اس نازک مسئلہ پر اظہار خیال کیا ہے اس سے حضرت کے علمی ذوق کا بآسانی پتہ چل سکتا ہے اس پہلو سے اس مکتوب کی خاص اہمیت ہے

اور علمی برادری کو اس سے خاص طور پر استفادہ کرنا چاہیے ۔]

"عزیز گرامی قدر عافاکم اللہ وسلم ۔ بعد سلام مسنون ۔ بذریعہ ڈاک کارڈ ۲ صفر جس میں تم نے "حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے متعلق استفسار کیا اور اس کے بعد حاجی ریاض الدین صاحب کی معرفت دستی گرامی نامہ پہنچا ۔ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو میرا خیال تو یہ ہے کہ تم نے مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ[1] کے خدام سے جو نقل کیا، وہ صحیح ہے ۔ اور حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہٗ نے آبِ حیات میں کیا لکھا ؟ اس کے دیکھنے کا نہ تو کبھی ارادہ کیا ۔ نہ آئندہ ہمت ، جب سے اکابر کے اس سلسلہ میں واقعات سُنے ہیں ۔ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی تصانیف کے مطالعہ کی ہمت نہ پڑی ، دو واقعے ان میں سے تمھیں سناتا ہوں ۔

اول یہ کہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کا وصال ہوا تو حضرت شیخ الہندؒ نے منطق ، فلسفہ پڑھانا بالکل ترک کر دیا اور باوجود اصرار کے نہ پڑھایا ، اور وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ اب تک منطق ، فلسفہ کی مزاولت اس شوق میں تھی کہ حضرت کی تقریریں سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے ، اب وہی نہ رہے تو اس میں کون وقت ضائع کرے ۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت مدنی قدس سرہٗ اور مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کا ہمیشہ یہ ارادہ ، خواہش ، اصرار رہا کہ حضرت نانوتویؒ کی تصانیف حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ سے پڑھیں مگر سنا یہ ہے کہ کبھی تو جواب

---

[1] مولانا شاہ حسین علی صاحبؒ ضلع میانوالی پاکستان کے اکابر علماء و مشائخ میں سے تھے ۔ توحید اتباع سنت اور رد شرک و بدعت کا رنگ غالب تھا ، ان کے مشہور تلامذہ میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں صاحب تھے جنھوں نے ان کے تفسیری افادات کو مرتب کر کے دو ضخیم جلدوں میں جواہر القرآن کے نام سے شائع کیا ہے ۔

"مَا المسئول عنه اعلم من السائل" ملا اوکما قال۔ اور کبھی ہمت کی تو موقعہ نہ ملا۔ ان حالات کے بعد "آب حیات" کے مطالعہ کی تو ہمت نہیں، البتہ اپنے اکابر کا عقیدہ جو ہمیشہ سے سنتے چلے آئے ہیں اور اس میں کوئی تردد نہیں۔ وہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنے جسد مبارک کے ساتھ قبروں میں زندہ ہیں" فان اللہ حرم علی الارض ان تاکل جسد الانبیاء" اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم دوسری حدیث میں "نبیّ اللہ حیّ یرزق" وغیرہ کثرت سے ہیں۔ اور یہ وہی حیات ہے جو شہداء کے لیے قرآن پاک میں ذکر کی گئی ہے، البتہ حسب مراتب ان حضرات کی حیات شہداء کی حیات سے زیادہ قوی ہے لیکن وہ دنیوی حیات بھی نہیں ہے۔ حضرت سہارنپوری نوراللہ مرقدہٗ نے حضرت مدنی کی درخواست پر اپنے اور اپنے اکابر کے عقائد ان مسائل میں عرصہ ہوا لکھے تھے، جو "المُهَنَّد" کے نام سے والد صاحب کے زمانہ میں تو کثرت سے طبع ہوا کرتے تھے۔ اب ایک نسخہ دیوبند سے منگا کر ارسال ہے۔ رسید سے مطلع کریں۔ فقط

(۱۱)

[حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کے خواہرزادے مولانا سید واضح رشید ندوی نے دہلی میں ریڈیو کی اعلیٰ مشاہرہ کی ملازمت محض اپنے دینی شعور واحساس کے تقاضے سے مجبور ہو کر ترک کر دی تھی، بعض حضرات کا اصرار تھا کہ مولانا موصوف کا دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عربی ادب کے استاذ کی حیثیت سے تقرر کیا جائے کہ اس میدان میں ان کی اہلیت مسلّم تھی۔ لیکن حضرت مولانا کو لوگوں کی نکتہ چینیوں کے خیال سے اس میں کچھ تردّد تھا۔ حضرت مولانا نے شیخ سے مشورہ کیا۔ شیخ نے جواب میں جو مکتوب ارسال فرمایا اس کا ایک اقتباس ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے۔]

مدارس کے ذمہ داران اپنے اقربا و متعلقین کے بارے میں جس آزمائش سے دوچار ہوتے ہیں۔ اس کے متعلق اس مکتوب میں واضح اور معتدل راہ عمل کی دوٹوک انداز میں تعیین کر دی گئی ہے ۔]

"واضح سلاً کے متعلق میں تو اپنی رائے پر بہت مُصر ہوں کہ تنخواہ سے تو وہ صرف نظر کریں اور طعن و تشنیع کی آپ پرواہ نہ کریں ؎

غیر کرتے ہیں ملامت دوست کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں

میرا مذہب اللہ کے فضل سے شروع سے یہ ہے کہ فیما بینی و بین اللہ تو معاملہ صاف ہونا چاہیے اور خود غرضی یا اقربا پروری مدرسہ کے معاملہ میں ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔

میرے مدینہ پاک کے قیام میں موجودہ ناظم صاحب نے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ طلحہ کا تقرر یا کم از کم سبق پر بہت ہی اصرار کیا۔ میں نے مدینہ پاک سے انکار کر دیا کہ اس میں پڑھانے کی اہلیت نہیں۔ لیکن عاقل سلمان کے بارے میں خوب گالیاں کھائیں مگر اس کی پرواہ نہیں کی۔ اس لیے کہ میرے نزدیک دونوں میں پڑھانے کی اہلیت تھی۔"

مکتوب مورخہ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ

(۱۲)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء میں مصر و شام وغیرہ کا ایک طویل تبلیغی سفر فرمایا تھا، اسی سفر کے دوران مولانا موصوف کے نام ایک گرامی نامہ میں حضرت شیخ نے تحریر فرمایا تھا۔

"سفر کے احوال سے مسرت ہوتی رہی مگر غریبوں کی تقسیم کی وجہ سے بربادی کی حالت سے بہت ہی رنج و قلق ہوا۔ زیادہ رنج اس پر ہے کہ تمام عالم میں مسلمانوں کی جو بربادی ہو رہی ہے وہ بھی آنکھوں کے سامنے

اور جن اسباب پر یہ بربادی مرتب ہے وہ بھی سامنے ہیں، لیکن یہ سب کچھ دیکھنے اور سمجھنے کے باوجود جب خود اپنی ہی دینی حالت درست نہ ہو سکے بلکہ ہر دن بجائے دینی صلاح کے خود اپنے کو فساد فی الدین والاعمال میں مبتلا دیکھا جائے تو پھر کسی دوسرے کا کیا شکوہ! اور کیا منہ کسی دوسرے سے دینی اصلاح کی امیدواری کا! اللہ تعالیٰ ہی کی رحمت امت کی صلاح کی طرف صرف اپنے پاک رسول کے طفیل متوجہ ہو جائے تو خیر ہے ورنہ بربادی اور ہلاکت تو ہم خود ہی خرید رہے ہیں۔"

از مکتوب مرقومہ ۱۱/۶/۱۹۶۱ء

(۱۳)

دعوت کی راہ کا عملی تجربہ رکھنے والے حضرات اس مشکل سے بخوبی آشنا ہیں کہ ایک طرف دعوت کی حکمت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ تالیف قلوب کے لیے صرف مثبت طرز ہی اختیار کیا جائے، الاہم فالاہم کے اصول کی پابندی کی جائے، نرمی اور تیسیر کا لحاظ رہے اور جزئیات اور ظاہری امور پر براہ راست زور نہ دیا جائے ۔۔۔ دوسری طرف اس کے نتیجہ میں خود داعی کے اندر دین و مظاہر دین اور سنن و مستحبات اور اتباع سلف میں بسا اوقات غیر شعوری طور پر تساہل پیدا ہونے لگتا ہے ۔۔۔ مدارات مداہنت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور داعی خود مدعو بن جاتا ہے، اس کی دینی حالت میں پختگی باقی نہیں رہتی۔ اور یہ سب وسوسۂ شیطانی سے حکمتِ دعوت کے دھوکے میں ہوتا ہے ۔۔۔ ایک عالم دین کے نام جو شرق اوسط میں ایک دعوتی سفر پر تھے، حضرت شیخ نے ایک مکتوب میں اس طرف توجہ دلاتے ہوئے تحریر فرمایا۔]

"البتہ گستاخانہ یہ درخواست جناب سے اہمیت سے اور دوسرے درجہ میں رفقاء سے ہے کہ طبیعت بے ارادہ اثر قبول کیا کرتی ہے، تجدد

کے اثرات سے بہت اہتمام سے تعوذ و استغفار فرماتے رہیں، اور قدامت کو زور سے کھینچنے کی سعی فرماتے رہیں، دین میں وسعت بہت پھیلتی جارہی ہے...... الفاظ تو اضع سے یہ چیز آپ سے زائل نہیں ہوسکتی آپ کے تھوڑے سے تسامح سے متعلقین بہت زیادہ مداہنت کرنے لگیں گے اس لیے اس کی بہت سعی تمام سفر میں رہنا چاہیے کہ لوگوں کی دلداری اور ان کے قریب لانے کے جذبِ شوق میں آپ حضرات نیچے نہ اتریں۔ حضرت ابوبکر صدیق کا اسوہ مرتدین کے زور کے زمانہ میں اور حضرت عمر جیسے شدید کو "أجبار في الجاهلية وخوار في الاسلام" کا طعنہ محفوظ رہنا چاہیے۔"

از مکتوب مرقومہ ۹ جمادی الاولی ۱۳۹۷ھ

(۱۴)

[مولانا سید محمد ثانی حسنی علیہ الرحمۃ حضرت شیخ کے خواص اہل تعلق میں سے تھے۔ ان کے نام ایک مکتوب مرقومہ ۲۶ مارچ ۱۹۸۰ء میں حضرت شیخ نے تحریر فرمایا۔]

"اس سے بہت ہی مسرت ہوئی کہ ذکر و معمولات کی پابندی کا سلسلہ قائم ہے، بہت مبارک ہے، ترقی کا زینہ ہے، اللہ تعالیٰ تمھیں بہت ہی ترقیات سے نوازے، جذب و شوق میں یکسانیت کبھی رہا نہیں کرتی اس کا ذکر نہ کریں، اس کا مدوجزر تو سب کے ساتھ رہتا ہے، البتہ غفلت طویل نہیں ہونا چاہیے۔"

اسی مفصل مکتوب میں آگے چل کر تحریر فرمایا۔

"آج کل لوگوں نے توحید مطلب کا مفہوم غلط سمجھ رکھا ہے کہ اپنے شیخ کے ساتھ محبت و عظمت اس راستہ کا جزو لاینفک ہے مگر آج کل حمقوں نے اس کا مطلب دیگر اکابر کی تنقیص سمجھ رکھا ہے۔ یہ نعمت اپنے والد صاحب کے تعلق سے ملی کہ ان کے یہاں سب اکابر کے ساتھ تعلق ایسا تھا کہ

کسی بزرگ کی اپنے شیخ کے مقابلہ میں تنقیص محسوس نہیں ہوتی تھی، تمھیں بھی خاص طور سے نصیحت کرتا ہوں کہ اہل حق میں سے کسی پر تنقید سے احتراز کرنا ....."

(۱۵)

[ایک بزرگ نے اپنے ایک عزیز کو حضرت شیخ ؒ کی خدمت میں تعلیم وتربیت کی غرض سے بھیجا اور حضرت سے ان کی جانب خصوصی التفات کی درخواست کی، حضرت نے اس کے جواب میں انھیں لکھا:]

"التفات کے متعلق ایک تجربہ کی بات بے تکلف عرض ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے ہمیشہ اس کا تجربہ کیا کہ یہ چیز التفات خواہ کے قبضے کی ہے، التفات کنندہ کے قبضے کی نہیں ہے۔ فافہم۔"

حکمت تربیت:

حضرت اپنے متعلقین سے ہمیشہ فرماتے رہتے کہ اب ہمتیں کمزور ہوگئی ہیں، ہر شعبہ میں کوئی شخص کمال تک نہیں پہنچ سکتا، لہٰذا اپنے لیے طبیعت ومزاج اور ضرورت وحالات کے لحاظ سے دین کا ایک شعبہ متعین کرے اور بقیہ شعبوں کے اکابر اور مخصوصین سے تعلق ومحبت خاصہ رکھے اس سے ان شاء اللہ "الرجل مع من أحب" کے تحت سب ہی شعبوں کی برکات اور آخرت میں ان کا ساتھ نصیب ہوگا، اس کا حضرت کو ہمیشہ اہتمام ہوتا کہ جو جس شعبہ میں ہے وہ اس میں کمال تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ حضرت کے مجاز ڈاکٹر اسماعیل صاحب ایلوپیتھک ڈاکٹر ہیں، حضرت کو اگرچہ ساری عمر طب یونانی سے زیادہ مناسبت رہی، مگر اس کے باوجود ڈاکٹر اسماعیل صاحب مدینہ منورہ کے ابتدائی زمانۂ قیام میں جب سلوک کی طرف زیادہ توجہ کی وجہ سے اپنے فن سے بے اعتنائی برتنے لگے تو ان سے اپنے فن کی طرف خاطر خواہ توجہ کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا "ڈاکٹر صاحب! جس لائن میں کوئی ہو اسے چاہیے کہ اس لائن کے کمال تک پہنچنے کی کوشش کرے۔!" (ماخوذ از مضمون مولانا عبدالحفیظ مکی زید مجدہ)

شیخ الحدیث نمبر
کی
شاندار اشاعت
ہم ادارہ الفرقان کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں
کے
بلڈرس
ایس
کنٹریکٹرس
ایم
اینڈ انجینئرس
وزیر محمد
اینڈ سنس
ہر قسم کے تعمیری کام کے لئے ہمیں یاد رکھیں
• کئی منزلہ رہائشی عمارت ہوں یا فیکٹری عمارات، گوداموں کی تعمیر کا مسئلہ درپیش ہو یا
سیوریج کا مسئلہ؛ ہماری مہارت سے فائدہ اٹھائیے
ہیڈ آفس
۵۷- گنیش گنج
غلہ منڈی
لکھنؤ ۲۲۶۰۰۱
فون: ۳۲۰۹۷
کیمپ آفس
۲۴- یونیوری روڈ
لکھنؤ ۲۲۶۰۰۱
فون: ۳۲۶۹۳

حضرت شیخ برطانیہ میں

مصلحانہ زندگی کا ایک ورق

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

[جون ۱۹۷۹ء میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا سفر برطانیہ ہوا تھا اور دس دن وہاں قیام رہا تھا۔
برادر معظم مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب نے اُن دنوں کے حالات وتاثرات اپنے مخصوص انداز میں قلم بند کیے تھے جو اگست ۱۹۷۹ء کے الفرقان میں شائع ہوئے تھے۔
ذیل میں وہی مضمون پیش کیا جارہا ہے ——— مرتب]

برطانیہ، ۹۷ فی صدی غیر مسلم اکثریت کا ملک غیر مسلم اکثریت بھی وہ جس کی اسلام دشمنی اور کم سے کم بیزاری یا بیگانگی مشہور ومسلم ہے۔ مسلمانوں کی تعداد یہاں پندرہ بیس لاکھ سے زیادہ نہ ہوگی اور وہ بھی تھوڑے ہی دنوں سے۔

زیادہ سے زیادہ بیس سال ہوتے ہیں کہ یہاں مسلمانوں کی تعداد کسی شمار وقطار کے قابل ہونا شروع ہوئی، اس وقت یہاں اسلامی آثار ونشان کے نام سے دو ایک مسجدیں رہی ہوں گی، جن میں سے ایک وو کنگ کی مشہور مسجد شاہجہاں بیگم ہے۔

مسلمانوں کی کافی تعداد ہوجانے کے باوجود یہاں کے لوگ بتاتے ہیں کہ کوئی چار پانچ سال تک اسلام کے آثار ونشان یا مسلمانوں کی اسلامیت کے مظاہر میں کوئی خاص فرق نہیں

پڑا۔ مگر پھر اللہ کے کرم سے اس بارے میں بھی کچھ صورتیں فرق اور ترقی کی پیدا ہونا شروع ہوئیں، جن میں سب سے زیادہ وسیع الاثر اور سریع الاثر صورت تبلیغی جماعتوں کی آمد اور جدوجہد کی تھی۔ جن کی جدوجہد نے مسجدیں بھی بنوائیں، نمازی بھی بنائے اور مسلمانوں کی صورتوں میں اسلام کا رنگ بھرا۔

آج (مذہبی پہلو سے) گرجاؤں اور کلیساؤں کے اس ملک اور دوسری طرف (مذہب فراموشی کے پہلو سے) رقص گاہوں اور شراب خانوں کے اس ملک میں تین سو سے اوپر مسجدیں ہیں۔ اور خالی مسجدیں ہی نہیں مسجد کے آباد کرنے والے نمازی بھی ہیں۔ اس وقت رمضان قریب ہے۔ رمضان بھر یہ مسجدیں آپ کو تراویح کی شب زندہ داری اور کلام اللہ کی تلاوت و قرأت سے گونجی ہوئی ملیں گی۔ مغرب کے وقت بڑے اہتمام اور شوق سے مل جل کر افطار کرنے والوں کا کم و بیش مجمع آپ کو ہر مسجد میں ملے گا۔ جمعہ کی نماز میں پورے سال ہر مسجد بھر جاتی بلکہ کہیں کہیں دو دو جماعتیں ہوتی ہیں۔

تبلیغی جدوجہد کی برکت سے اوسطاً مہینے میں کم سے کم ایک بار ضرور ہر مسجد دو تین دن کے لیے خصوصی طور پر آباد ہو جاتی ہے اور چونکہ یہاں شہروں کی مساجد میں جمعہ کے علاوہ ہفتہ بھر کی نمازوں خصوصاً دن کے اوقات میں حاضری عموماً بہت ہی کم رہتی ہے اس لیے تبلیغی جماعتوں کا یہ ہر ہفتہ کا سہ روزہ تبلیغی پروگرام بہت ہی قابل قدر اور اس آیت قرآنی کی ایک عملی تفسیر نظر آتا ہے جس میں ارشاد ہے۔

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۝ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ	اُن گھروں (اللہ کے گھروں) میں کہ حکم دیا ہے اللہ نے ان کی تعظیم کیے جانے اور اس کے نام کی یاد ان میں کیے جانے کا، تسبیح کرتے ہیں اُن میں اس کی صبح و شام وہ لوگ کہ نہیں غافل کرپاتی ہے اُن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کا ذکر کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے

الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۵ ہے۔ وہ خوف کھاتے ہیں اُس دن کا
(سورۃ النور آیت ۳۶،۳۷) کہ اُلٹ پلٹ ہو جائیں گے اُس میں دل اور آنکھیں۔

تبلیغی کام کے ہر ہفتے کے ان سہ روزہ پروگراموں کے علاوہ مختلف نوعیتوں اور پیمانوں کے بڑے بڑے اجتماع بھی وقتاً فوقتاً ملک کے مختلف علاقوں میں ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح دوسری جماعتیں بھی اپنی اپنی مخصوص مسجدوں میں اپنے اپنے انداز پر کچھ تبلیغی پروگرام کرتی رہتی ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے علماء و مشائخ کو مدعو کرتے اور جگہ جگہ اُن کے مواعظ و بیانات کرانے کا بھی سلسلہ کافی دن سے شروع ہو چکا ہے اور دن بدن ترقی پر ہے۔ اس سلسلہ سے جہاں کچھ نقصان دیکھنے میں آرہا ہے کہ کچھ ایسے لوگ بھی آجاتے ہیں جو واقعی دینی ذوق اور ایمانی جذبہ ابھارنے کے بجائے فرقہ وارانہ جذبات کو فروغ دینے اور مسلکی اختلافات بھڑکانے ہی پر اپنے بیانات کا زور صرف کرتے ہیں وہاں اللہ کے ایسے بندے بھی ان آنے والوں میں ہوتے ہیں جن سے مثبت دینی فائدہ مسلمانوں کو پہنچتا ہے، اپنی حقیقی ذمہ داریوں اور اپنی کوتاہیوں کا احساس ان میں پیدا ہوتا ہے اور تعلیم و تزکیہ کا نبوی مشن اُن کے بیانات اور ان کی مجالس سے کسی نہ کسی درجہ میں پورا ہوتا ہے۔

غرض جس طرح اور ساری دنیا میں آج جس تیزی سے شر بڑھ رہا ہے اسی تناسب سے خیر کے لیے جدوجہد بھی بڑھ رہی ہے، یہی حال انگلستان کا بھی ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ خیر کی جدوجہد کے اثرات شر کے سیلاب کے مقابلے میں اس وقت تک بہت کمزور ہیں لیکن اگر خیر کی جدوجہد ہمت ہارنے اور شکست ماننے کے بجائے اپنا تناسب اسی طرح بڑھاتی ہی جاتی ہے تو اثرات کا نقشہ جو کچھ بھی ہو۔ بہر حال اس میں امید بندھانے کا سامان ہے نہ کہ مایوس کرنے کا شر اور شیطنیت کے فروغ کے باوجود اگر خیر اور ہدایت حق کے لیے جدوجہد کرنے والوں میں پست ہمتی نہیں آتی بلکہ جوش اور جذبہ کار بڑھتا ہے اور اُن کے قافلے کی تعداد بھی گھٹنے کے بجائے بڑھنے ہی کی طرف جارہی ہے تو مستقبل اور انجام کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن یہ علامت ہے کہ اللہ کو اب کچھ منظور ہے۔ شب کی تاریکی کو انشاء اللہ چھٹنا ہے اور صبح حق نمودار ہونی ہے خواہ کتنی بھی دیر لگ جائے۔ کتنا بھی عرصہ کشمکش حق و باطل میں گزر جائے۔

ہم نے کہا اور یہی ایمان ہے کہ مستقبل اور آج کے واقعات پر مرتب ہونے والے نتائج کا علم حقیقی صرف اللہ کے پاس ہے، ہم محض اندازے اور گمان کی حد تک ہی کسی اچھی امید اور حسن ظن کا اظہار آج کے کسی واقعہ کے نتائج سے متعلق کر سکتے ہیں۔ اسی نوعیت کی یہ بات ہے کہ ان دنوں میں ایک ایسا واقعہ سرزمین انگلستان کے حصے میں آیا ہے جس نے ہم جیسے کتنوں ہی کے دل میں حسن امید اور حسن ظن کی یہ روشنی چمکائی ہے کہ شاید خدا کو انگلستان کے حق میں کوئی خیر منظور ہے۔ اس کی شکل کیا ہوگی؟ اسے بھی وہی جانے اور کتنا عرصہ اس کے ظہور میں لگے گا؟ اسے بھی وہی جان سکتا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم کی ذات گرامی سے ہندوستان وپاکستان کا کوئی بھی تھوڑا بہت پڑھا لکھا مسلمان مشکل ہی سے ناواقف ہوگا۔ ان کی ذات سے جتنا فیض دخیر ہم جیسوں کے بشری علم واندازے میں، ہندوپاکستان کے مسلمانوں کو (چاہے وہ کہیں بھی بستے ہوں) پہنچا ہے۔ بظاہر کوئی دوسری زندہ ہستی اس پائے کی اس وقت موجود نہیں ہے، وہ عمر کے چوراسی سال پورے کرنے والے ہیں برسہابرس کے عوارض نے ادنیٰ نقل وحرکت سے بھی معذور کر دیا ہے، ہر چھوٹی سے چھوٹی ضرورت بھی مدتوں سے اُن جاں نثار خدام کے ذریعہ پوری ہوتی ہے جنھوں نے اپنی جان کو گویا آپ کی جان سے باندھ رکھا ہے اور شب وروز کے ہر لمحہ میں آس پاس رہتے ہیں۔ کئی سال ہو چکے کہ اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث رحمۃ اللہ علیہ کے اتباع میں اپنی عمر کا آخر محسوس کرتے ہوئے روضۂ نبوی (علیہا وعلیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کے جوار ہی میں جان دینے اور اسی خاک پاک کا پیوند بننے کی آرزو میں مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی ہے اور وہاں سے سال بھر میں بس ایک سفر مہینے ڈیڑھ مہینے کے لیے ہندوستانی متوسلین کی اس بے شمار تعداد کی حسرت دور کرنے کے لیے ہندوستان (سہارنپور) کا ہوتا ہے جو حجاز پاک کا سفر کر کے فیض صحبت پانے کی استطاعت نہیں رکھتی۔

جو شخص بھی قریب سے حضرت مولانا کی جسمانی معذوری کو دیکھنے کا موقع پائے گا، وہ بخوبی اندازہ کر سکے گا کہ یہ ایک سفر بھی اُن کے لیے کس قدر زحمت کا باعث ہوتا ہوگا،

اس لیے کسی دوسرے سفر کا سوال ہی کہاں پیدا ہو سکتا ہے؟ اور پچھلا سال تو عوارض اور امراض کی ایسی شدت کا گزر چکا ہے کہ اہل تعلق کو ہر وقت کوئی ناشنیدنی سننے کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ اس لیے جب اس تمام پس منظر میں مئی کے آخری دنوں میں سے ایک دن اس راقم الحروف نے اپنے ایک دوست کی زبان سے اطلاعاً سنا کہ ۱۷ر جون کو "شیخ زکریا" تشریف لا رہے ہیں۔ یعنی انگلستان تشریف لا رہے ہیں۔ تو صدفی صد نا قابل یقین بات معلوم ہوئی۔ مگر پھر انھوں نے اطلاع اور ذریعۂ اطلاع کی پوری تفصیل بتائی تو خبر کو قابل قبول ماننے کے ساتھ ساتھ ایک طرف تو اس کی حیرت انگیزی میں کوئی فرق نہیں آیا یا دوسری طرف ایک ایسے احساس خوش نصیبی کی لذت دل نے اس خبر سے پائی کہ کیسے بیان ہو۔ حضرت کے عوارض و امراض کی شدت کا ایک عرصے تک تسلسل سنتے سنتے اور اپنے قصد سفر کی راہ میں دور تک موانع اور مشکلات دیکھتے ہوئے اس کی توقع قریب قریب نہ ہونے کے درجہ میں رہ گئی تھی کہ اس زندگی میں حضرت کی زیارت ایک بار پھر ہو سکے گی۔ ایسی حالت میں جب یہ خبر کان کے پردے سے ٹکرائی تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کیسی مسرت اور احساس خوش بختی کی کیا کیفیت دل پر طاری ہوئی ہوگی۔ اس وقت بے اختیار اپنے والد ماجد کی تحریروں میں بہ کثرت استعمال شدہ یہ مصرع زبان پر آگیا۔

کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

۱۷ر جون کے انتظار میں ایک ایک دن گنا جا رہا تھا کہ تاریخ قریب آنے لگی مگر کوئی چرچا اور تذکرہ سننے میں نہیں آیا تو انہی مخبر دوست سے پوچھا کہ کبھی کیا ہوا؟ ۱۷ر تو قریب آگئی، کوئی تازہ اطلاع اور نہیں آئی تب معلوم ہوا کہ آئی ہے اور اب ۱۷ر کی جگہ تاریخ ۱۴ر ہوگئی ہے اور یہ انشاء اللہ نہیں بدلے گی اور اس دوسری خبر کی تفصیلات کی نوعیت نے بھی اطمینان دلایا کہ انشاء اللہ اس تاریخ پر تشریف آوری ہو ہی جائے گی۔

حضرت شیخ الحدیث کی یہ تشریف آوری آپ کے خلیفۂ مجاز مولانا یوسف متالا صاحب کی دعوت پر موصوف ہی کے قائم کیے ہوئے مدرسہ عربیہ اسلامیہ دار العلوم ہولکمب بری

.. .. (لنکاشائر) (LANCASHIRE) (HOLCOMB BURY) میں ہو رہی تھی اس دارالعلوم سے باضابطہ اعلان جاری ہوا کہ حضرت ۲۴ر کو تشریف لا رہے ہیں اور ایک ہفتہ قیام فرمائیں گے، چنانچہ ارادہ کرلیا کہ یہ ہفتہ انشاء اللہ حضرت کی خدمت ہی میں گزارنا ہے۔

۲۳ اور ۲۴ر (بروز ہفتہ واتوار) کو برمنگھم میں پورے ملک کا ایک بڑے پیمانے کا تبلیغی اجتماع تھا، برمنگھم دارالعلوم ہولکمب بری اور لندن کے درمیان میں ہے اس لیے سفر ۲۳ر ہی سے شروع کردیا تاکہ اس اجتماع خیر میں بھی تھوڑی سی شرکت ہوجائے۔ اس اجتماع میں (پاکستان کے) حضرت عبدالقادر صاحب مدظلہٗ بھی شرکت فرمارہے تھے جو مدینہ منورہ سے حضرت کے قافلہ کے ہراول کے طور پر دو دن پہلے تشریف لے آئے تھے۔ اجتماع کے اس وقفہ کا زیادہ تر وقت حضرت قاضی صاحبؒ کی صحبت اور معیت میں گزرا۔ اجتماع کے خاتمہ پر قریب چھ بجے برمنگھم سے دارالعلوم کے لیے روانہ ہوکر قاضی صاحب اور ہم لوگ تھوڑا آگے پیچھے ۸ اور ۹ کے بیچ میں دارالعلوم پہنچ گئے۔ سفر کار سے تھا جو انگلینڈ میں عام ہے اور کار ہمارے کرم فرمائے خاص جناب حافظ محمد ابراہیم صدیقی صاحب کی اور رفاقت علاوہ حافظ صاحبؒ ایسے ہی دوسرے محبِّ خاص مولانا محمد عیسیٰ صاحب (امام مسجد اِیٹن پارک لندن) کی اور ایک دوسرے مہربان پٹیل صاحب کی تھی۔ سفر دو گھنٹے کا تھا مگر ہم لوگ ایک گفتگو کی محویت میں سب کے سب ہی اُس موڑ کے سائن سے غافل ہوگئے جس پر ہمیں مین روڈ (موٹر وے) کو چھوڑ کر دارالعلوم کے لیے مڑنا تھا۔ اور ؎

"یک لحظہ غافل بودم وصد سالہ راہم دور شد"

کے مصداق قریب چالیس میل آگے نکل کر یہ سمجھنے پر مجبور ہوئے کہ ہم اپنی راہ چھوڑ کر آگے نکل آئے چنانچہ اب پلٹے اور یہ مفت میں اسّی میل کی مسافت بھی پڑی اور گھنٹے سوا گھنٹے کی تاخیر بھی۔ بہرحال دارالعلوم پہنچے جو بڑی شہری آبادی "بولٹن" سے آٹھ دس میل کے فاصلے پر ہولکمب ہل (HOLCOMB HILL) نامی پہاڑی پر واقع ہے۔ یہ اصل میں ایک سینی ٹوریم تھا جو کسی وجہ سے چھوڑ دیا گیا تو اسے غالباً ۱۹۷۳ء میں ایک لاکھ پندرہ ہزار پونڈ کے عوض دارالعلوم کے لیے خرید لیا گیا۔ بہرحال دارالعلوم پہنچے۔ حضرت قاضی صاحب اور

ان کے رفقار سفر (جناب حافظ پٹیل صاحب (امیر جماعت تبلیغ برطانیہ) اور مولانا یعقوب صاحب کاوی وغیرہ) پہلے پہنچ چکے تھے۔ نماز عصر کا وقت تنگ ہو رہا تھا، جلدی سے نماز ادا کی۔ اس کے بعد قاسمی صاحب کے ساتھ کھانا کھایا اور اب مغرب کا وقت آگیا کوئی پونے دس کا وقت ہوگا، (انگلینڈ میں آج کل دن اتنا بڑا ہے کہ مختلف علاقوں کے فرق کے اعتبار سے پونے پانچ، پانچ پر سورج نکلتا ہے اور ساڑھے نو پونے دس پر غروب ہوتا ہے۔)

حضرت شیخ الحدیث کے متعلق ہمیں برمنگھم ہی میں اطلاع مل چکی تھی کہ جہاز لیٹ ہو جانے کی وجہ سے ساڑھے دس کے قریب مانچسٹر کے ہوائی اڈے پر اتریں گے۔ مغرب کی نماز میں اس کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ قرب و جوار اور دور دراز سے سینکڑوں آدمی شیخ کے استقبال اور دیدار کے لیے ابتدائی اطلاع کے مطابق تین چار بجے ہی سے پہنچ چکے تھے۔ نیا اعلان سن کر چشم براہ ہوگئے۔ حضرت کو جس جگہ سے کار سے اُتر کر اپنے کمرے تک پہیوں والی کرسی کے ذریعہ آنا تھا اس جگہ سے کمرہ تک لوگ دو رویہ قطاروں میں کھڑے ہوگئے۔ اس طرح کمرہ تک پہنچتے پہنچتے اکثر لوگوں کو آپکی ایک جھلک دیکھنے کا موقع مل گیا۔

خیال کیا، بلکہ یقین سا تھا کہ اس وقت رات میں اس سے زیادہ ملاقات کی کسی صورت کا کوئی سوال نہیں۔ صبح آٹھ بجے کے جدہ سے چلے ہوئے رات کے ساڑھے دس بجے منزل پر پہنچ رہے ہیں۔ تعب و تکان کا کیا حال ہوگا۔ اچھا بھلا تندرست آدمی بھی اتنے لمبے سفر کے بعد آرام ہی چاہے گا۔ چہ جائیکہ ایک پیر ضعیف و مریض مگر حیرت کی انتہا نہ رہی جب نماز عشار میں اعلان سنا کر لوگ اسی وقت حضرت سے عرض سلام اور مصافحہ کی شکل میں مل سکیں گے ۔۔۔ یا اللہ! یہ مجاہدہ اور اہل شوق و محبت کی یہ رعایت! اس سے جہاں یہ اندازہ ہوا کہ مجاہدہ کرتے کرتے انسان تحمل اور برداشت کے کس درجہ تک پہنچ جاتا ہے اور راہ اہل اللہ کو عین اخلاق الٰہی کے مطابق اہل شوق و طلب کی کتنی رعایت ملحوظ رہتی ہے، وہاں ایک اشارہ میرے اپنے ذہن کو یہ بھی ملا کہ یوں تو حضرات اپنا ایک

ے اخلاق الٰہی سے متعلق ایک حدیث میں آتا ہے کہ بندہ اگر میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اُسکی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ بڑھ کر آتا ہوں۔ الخ

لمحہ بھی کہیں بھی ہوں ضائع نہیں جانے دیتے مگر یہاں، میرے فہم وانداز ے کے مطابق وہ اپنے بس بھر جس افادے اور خلق اللہ کی طرف زیادہ سے زیادہ کھینچنے کی نیت اور امید سے تشریف لائے تھے اُسے ملحوظ رکھتے ہوئے یہاں کے قیام کا ایک ایک لمحہ وصول کرنا اور اس کے لیے بہر قیمت وہ طرزِ عمل اختیار کرنا منظور تھا جو اِس مقصد و مدعا کے زیادہ سے زیادہ بڑے پیمانہ پر حاصل ہونے میں مددگار ہو سکے ۔۔۔ لوگ جانتے ہیں کہ ؎

"فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے مردِ خلیق"

اس امر کا باعث ہوتی ہے کہ میکدے میں ہجوم زیادہ ہو۔

بہرحال حیرت اور مسرت کے ساتھ یہ اعلان سنا کہ اسی آدھی رات کے وقت ملاقات ہوگی۔ چنانچہ ہوئی اور قریب ایک گھنٹہ اس عمومی ملاقات میں لگا، جس میں قطار باندھ کر لوگ سلام اور مصافحہ کرتے ہوئے گزرتے گئے۔ الحمدللہ یہ سعادت اپنے حصے میں بھی آئی۔ دل و نگاہ دونوں مدت سے پیاسے تھے۔ مصافحہ کے ساتھ آنکھیں بھی ان مبارک ہاتھوں سے لگا کر اس پیاس کو کچھ بجھانے اور سپاس دل گزارنے کی کوشش کی۔ امید کے مطابق التفات پایا تو اظہارِ خوش نصیبی کے پیرائے میں اس زحمت فرمائی پر زبان سے بھی شکر گزارا ۔۔۔ کیا مبارک رات تھی۔

نازم بچشم خویش کہ روئے تو دیدہ است

ایک ڈیڑھ بجے سو کر چار بجے فجر کے لیے اٹھنا ہوا اور اس کے بعد رات تک کا وہ پروگرام شروع ہوگیا جس کا حضرت کے دوران قیام میں روزمرہ کے لیے اعلان ہوگیا تھا۔ یعنی سوا چار بجے نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد اوراد و وظائف۔ ۸½ بجے ناشتہ۔ ۱۰½ بجے سے ۱۱½ تک تصوف و تزکیہ سے متعلق شیخ کی کسی کتاب سے تعلیم۔ ایک بجے دوپہر کا کھانا۔ ۲½ بجے ظہر کی نماز۔ نماز کے بعد مشائخ کا معمول بہ ختم اور اجتماعی دعا۔ پھر ذاکرین کا ذکر بالجہر اور بقیہ لوگوں کی درود، استغفار اور تسبیحات میں مشغولیت۔ اس کے بعد ۶ بجے شام کی چائے۔ پھر ۶½ بجے سے ۷½ تک حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی کا بیان۔ ۸ بجے نمازِ عصر۔ نماز کے بعد شام کا کھانا۔ پونے دس بجے مغرب کی نماز اور نماز کے بعد نماز گاہ ہی میں قریباً پون گھنٹے کی حضرت کی عمومی مجلس اور پھر ۱۱½ بجے عشاء کی نماز۔

یوں تو کئی سو آدمی مستقل طور سے دارالعلوم میں مقیم ہی رہتے تھے اور اس طرح ہر پروگرام میں اچھا خاصہ مجمع ہوتا تھا لیکن دارالعلوم کی یہ خانقاہ جو حضرت کی آمد سے قائم ہو گئی تھی، اس کی اصل بہار شام چھ بجے سے شروع ہوتی تھی جبکہ قرب و جوار کے لوگ اپنی دکانوں، دفتروں اور کارخانوں وغیرہ سے چھٹی پا کر جوق در جوق وہاں پہنچ جاتے تھے۔ اس وقت یہ مجمع ہزاروں کا ہوتا تھا اور اس بہار کا بھی اصل شباب نماز مغرب سے شروع ہوتا تھا اس کے بعد متصلاً اسی جگہ حضرت مجمع کے بیچ میں تشریف فرما ہوتے تھے۔ یہ وقت چوبیس گھنٹوں کا حاصل تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ دلوں پر سکینت اور فیضانِ حق کا نزول ہو رہا ہے اور کیسے نہ ہوتا، جب کہ ایک بندۂ حق اپنی پوری توجہ قلبی کے ساتھ مراقب ہو کر درمیان میں بیٹھا ہے اور اردگرد کا سارا مجمع فیضانِ حق کے کچھ چھینٹے پانے کی نیت سے ایک جذبۂ طلب اور حسن عقیدت کے ساتھ نظریں اُس کے چہرے پر جمائے ہوئے اس کے اپنے الفاظ میں اس کی درخواست اور ہماری تعبیر میں اس کی ہدایت پر کم سے کم ایک ہزار بار درود شریف کا ورد پورا کرنے میں مصروف ہے۔

حضرت نے پہلے ہی دن مجلس میں تشریف فرما ہوتے ہی فرمایا تھا کہ بھئی میرے پاس صرف بیٹھنے اور مجھے دیکھنے کے لیے جمع ہو جانے سے کچھ نہیں ملے گا۔ جو کچھ ملے گا کچھ کرنے سے ملے گا اور کچھ کرنے کے سلسلے میں اس وقت (یعنی اس مجلس کے وقت) میں کم از کم اتنا ضرور کرو کہ ایک ایک ہزار بار درود شریف ہر شخص پڑھ لے اور اس کے علاوہ اوقات میں ہر غیر ضروری بات سے اپنے وقت کی حفاظت کرتے ہوئے دل اور زبان کو زیادہ سے زیادہ اللہ کے ذکر میں مشغول رکھو۔

اس مجلس کے آغاز میں ہر دن حضرت کسی نہ کسی درجے اور کسی نہ کسی پیرائے میں مذکورۂ بالا ہدایت کی یاددہانی ضرور فرماتے تھے اور اندازہ یہ ہے کہ کم از کم اس مجلس کے وقت میں تو تمام ہی حاضرین آپ کی ہدایت پر عمل کرتے تھے اور اس طرح یہ مجلس گویا مجلس درود ہو جاتی تھی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا (جو کوئی مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے) اس مبارک حدیث کی روشنی میں کیوں کر کسی شبہ کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ اس مجلس کے دوران میں دل و روح میں جو ایک غیر معمولی سکینت و شادمانی اور ایک بیان سے بالاتر حلاوتِ ایمانی کا احساس طاری رہتا تھا وہ کوئی واہمہ نہیں

عین ایک حقیقت کا احساس اور اُس رحمت و عنایتِ حق کا عکس تھا جو اس خاموش درود خوانی کے جواب میں اس مجلس پر برس رہی ہوتی تھی۔

اتنی دیر کی خاموشی کے بعد کہ ایک ہزار مرتبہ درود کا ورد پورا ہو جائے، اُن لوگوں کی بیعت شروع ہوتی تھی جو حضرت سے بیعت ہونا چاہتے تھے۔ اس بیعت کا طریقہ یہ تھا کہ حضرت اپنی زبان سے بیعت کے الفاظ فرماتے جسے حضرت کے خدام میں سے ملک عبدالحفیظ صاحب مانک پرشہرا کراس ہدایت کے ساتھ مجمع تک پہنچاتے کہ جو لوگ واقعی بیعت کا ارادہ کر کے آئے ہوں وہی ان الفاظ کو دہرائیں۔ بیعت کے الفاظ میں کیا ہوتا ہے؟ ایمان کی تجدید، گناہوں سے توبہ اور آئندہ کے لیے اطاعت وراست روی کا عہد و اقرار۔ یہ اس مجلس کا خاتمہ ہوتا تھا یعنی درود سے شروع ہو کر توبہ و استغفار پر یہ مجلس ختم ہوتی تھی ــ اس کے علاوہ اور کیا کسی مجلس کے بابرکت اور ایمان آفریں ہونے کے لیے چاہیے۔

اس انداز پر اور اس شان سے حضرت کے قیامِ انگلستان کے یہ دس گیارہ دن گزرے انہی میں سے درمیان کا ایک دن (پنجشنبہ ۲۸ جون) برطانیہ کے تبلیغی مرکز (ڈیوزبری) کے لیے رکھا گیا تھا۔ پورے قیام میں بس یہی ایک سفر حضرت نے دارالعلوم سے باہر کا فرمایا۔ صبح ساڑھے دس گیارہ بجے روانگی ہوئی۔ ۱۲ بجے ڈیوزبری سے چند میل ورے بالٹی پہنچ کر ذرا دیر کا قیام فرمایا۔ کیونکہ یہاں خواتین کی بیعت کا پروگرام تھا۔ اس بیعت سے فراغت فرما کر آپ ڈیوزبری کے مرکز میں تشریف لے آئے، عشار تک وہیں قیام رہا۔ عشار پڑھ کر وہاں سے پھر دارالعلوم کو واپسی ہو گئی۔ اس قیام میں بھی نظام الاوقات اور پروگرام بالکل وہی رہا جو دارالعلوم میں رہتا تھا۔

حضرت دارالعلوم سے ڈیوزبری چلے تو وہاں کے مقیمین کا بیشتر حصہ بھی آپ کے آگے پیچھے اس طرح وہاں سے منتقل ہو گیا جیسے شمع کے ساتھ پروانے۔ اور ان کے علاوہ ڈیوزبری کے حوالے سے جو آمد شروع ہوئی تو ہر طرف سے موٹریں ہی موٹریں آتی ہوئی نظر آتی تھیں، دارالعلوم تو بالکل ہی آبادی سے الگ اپنی دنیا آپ ہے، مرکز کے ساتھ بھی کوئی خاص آبادی نہیں،

مگر دونوں جگہ جنگل میں منگل کی شان تھی۔ معلوم ہوتا تھا دنیا کی ساری رونق اور زندگی یہیں کھنچ آئی ہے۔

اگر اسے سفر کہا جا سکے تو ایک سفر ڈیوزبری کے علاوہ بھی حضرت نے اور کیا اور وہ دارالعلوم سے آٹھ دس میل پر واقع اس علاقے کے بڑے شہر بولٹن کی زکریا مسجد کا سفر تھا۔ یہاں اتوار یکم جولائی کو ۱۲ بجے دن سے ظہر تک کا پروگرام تھا، جہاں مفتی محمود الحسن صاحب کا بیان، خواتین کی بیعت اور دوپہر کے کھانے کی دعوت تھی۔ اس پروگرام میں راقم حروف شریک نہیں ہو سکا، کیونکہ اُسے اسی دن دو بجے لندن کے لیے واپس ہونا ضروری تھا ــــ ابتدا میں حضرت کی واپسی بھی اتوار ہی کی تھی اسی کے مطابق میں نے بھی اتوار تک کے ارادے سے لندن چھوڑا تھا۔ مگر بعد میں حضرت کے قیام میں کچھ اضافہ طے ہو گیا اور واپسی جمعرات ۵ جولائی کو طے پائی مگر میں بعض مجبوریوں سے اپنا قیام نہ بڑھا سکا اور حضرت سے اجازت اور آپ کی دعائیں لیکر حضرت کی بولٹن روانگی کے بعد لندن کے لیے روانہ ہو گیا۔

۵ جولائی کی صبح ۹ بجے حضرت مانچسٹر ایرپورٹ سے پرواز کر کے دس بجے کے قریب لندن کے ہیتھرو ایرپورٹ پر تشریف لائے۔ یہاں سے آپ کو ایرانڈیا کے ذریعہ دہلی تشریف لے جانا تھا۔ طیارہ کا اصل وقت دس بجے تھا مگر رات ہی کو اس کا علم دارالعلوم میں ہو گیا تھا کہ دس بجے کے بجائے دو بجے پرواز ہو گی، اس لیے جو آخری فلائٹ اس طیارہ سے سفر کے لیے مانچسٹر سے ہو سکتی تھی وہ اختیار کی گئی۔ مگر یہ مزید دو گھنٹے لیٹ ہوا اور چار بجے گیا۔

دو بجے کی اطلاع ہم لندن کے لوگوں کو بھی مل گئی تھی۔ اس لیے گیارہ کے قریب ہیتھرو پہنچے۔ اُس وقت حضرت مخصوص انتظامات کے تحت برٹش ایرویز کے میڈیکل یونٹ کے ایمرجنسی وارڈ میں تشریف فرما تھے، ہمیں وہیں حاضری کا موقع مل گیا مگر عین اُسی وقت ایرانڈیا کے "مہاراجہ لاؤنج" سے بلاوا آ گیا جہاں آرام کا مستقل بندوبست ہو رہا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد وہاں جا کر رخصتی ملاقات کی تکمیل کی۔

خدا اُن لوگوں کو سدا خوش رکھے جو حضرت کے اس سفر کا ذریعہ بنے اور راقم الحروف

جیسے کتنے ہی آرزومندوں کو انگلستان ہی میں بیٹھے بیٹھے حضرت کی زیارت نصیب کرا دی غیب اور حقیقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے مگر جہاں تک اپنے دل کی بات ہے سو وہ تو یہی کہتا ہے کہ حضرت کی معذوریاں جس درجہ کی ہیں ضعف و پیری کی جو کیفیت ہے اور مدینے ہی کی خاک پاک کا پیوند بننے کی جو آرزو لیے ہوئے آپ مستقلاً اسی خاک سے لگ بیٹھے ہیں۔ ان باتوں کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا بہت ہی مشکل ہے کہ محض کچھ لوگوں کی دلداری کے لیے آپ اس ظلمت کدۂ فرنگ کے سفر پر آمادہ ہو گئے ہوں۔ بلکہ اس آمادگی کے پیچھے مشیت حق کا کوئی ایسا فیصلہ شاید کار فرما تھا جو اس ملک کے مسلمانوں یا خود اس ملک ہی کو کچھ دینے کے لیے کیا گیا ہو! ہماری دانست میں اس سرزمین پر یہ دس دن جس انداز اور کیفیت سے گزرے ہیں ایسے انداز اور ایسی کیفیت کا تجربہ اس سے پہلے اس سرزمین نے کبھی نہیں کیا ہوگا، اور لوگوں کے دلوں نے بھی نور حق اور رحمت حق برسنے کا ایسا تجربہ اس سے پہلے اس سرزمین پر کبھی نہ کیا ہوگا۔

خدایا! ہمارا یہ حسن ظن اور حسن امید بیکار نہ جائے تو فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ہے۔ جس سرزمین پر چاہے پھول کھلا سکتا ہے۔ ہم نے تیری رحمت کی بارش برستی ہوئی یہاں ان دنوں میں دیکھی ہے۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ یہ ضرور اس سرزمین کو نہال کرنے اور تیرے کلمے کو فروغ عطا ہونے کا باعث بنے گی۔

"بندہ صوفیا کی اصطلاحات سے واقف نہیں":

"ایک ... ارشاد حضرت (گنگوہی قدس سرہ) کا میں نے مکاتیب میں بھی دیکھا اور مشائخ سے بھی سنا کہ حضرت قدس سرہٗ ایسے لوگوں کو جو تصوف کی باریکیاں یا کسی چیز کی لم یا اصطلاحی چیزیں پوچھتے تو حضرت قدس سرہٗ کا جواب مجھے بہت ہی پسند آیا کہ "بندہ صوفیا کی اصطلاحات سے واقف نہیں۔" (آپ بیتی نمبر ۴ صـ۱۳۲)

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱۔ نیا گاؤں مغربی، لکھنؤ سے شائع کیا۔

مختصر فہرست الفرقان بکڈپو، لکھنؤ
ہماری مطبوعات
مولانا محمد منظور نعمانی کی ایمان افروز تالیفات
اسلام کیا ہے؟
نہایت آسان زبان، بیحد دلنشین اور پُر اثر انداز میں اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ، نیا ایڈیشن
بہترین کتابت، اعلیٰ طباعت سے مزین
ملفوظات مولانا محمد الیاس
دین و شریعت
معارف الحدیث
قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟
تصوف کیا ہے؟
تصوف کے موضوع پر یہ کتاب اپنے اختصار کے باوجود انصاف، تحقیق اور مباحث کے سلجھاؤ کے لحاظ سے بہت ممتاز ہے۔
قیمت ۸/
کلمہ طیبہ کی حقیقت
شیخ محمد بن عبد الوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ اور علمائے حق پر اس کے اثرات
تذکرہ مجدد الف ثانی

فیصلہ کن مناظرہ
اکابر علماءِ دیوبند پر مولوی احمد رضا خان بریلوی
کے سنگین تکفیری الزامات کا تحقیقی
جواب قیمت
۵/
بوارق الغیب
زیر طبع
شاہ اسمٰعیل شہید
اور معاندینِ اہل بدعت
کے الزامات
مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت
اور اب میرا موقف
مولانا محمد منظور نعمانی کی تازہ ترین تصنیف، اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے، جس میں مولانا موصوف نے
(جو کہ جماعت اسلامی کے قیام سے بہت پہلے ہی مودودی صاحب سے گہرا تعلق رکھتے تھے اور جماعت اسلامی
کی تاسیس میں ان کے شریک اور پہلے رفیق تھے) مودودی صاحب کی ان باتوں اور نظریات کی نشاندہی کی ہے
جو امت کے لئے بالخصوص ان کے متبعین کے لئے زیغ ضلال اور فتنہ کا باعث بن سکتے ہیں
کتاب کے شروع میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا بصیرت افروز پیش لفظ ہے۔ قیمت ۱۰/
تبلیغی جماعت
جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات
اس کتاب میں درج ذیل ۵ انتہائی اہم مضامین جمع کر دیئے گئے ہیں (۱) تبلیغی جماعت کی اصل دعوت
بنیادی مقصد اور طریق کار کی وضاحت (۲) تبلیغی جماعت سے متعلق ایک سی آئی ڈی افسر کے ایسے
سوالات کا جواب جو بہت سے دلوں میں پیدا ہوتے ہوں گے (۳) مولانا مودودی کا ایک مضمون جس میں انھوں نے
اپنا یہ تاثر اپنے زور قلم کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ اس زمانہ میں احیاءِ دین کی جدوجہد کا صحیح طریقہ
وہی ہے جو تبلیغی جماعت کا طریقہ ہے (۴) تبلیغی جماعت پر جماعت اسلامی کے حضرات کی طرف سے کئے
جانے والے اعتراضات کا جواب (۵) بریلوی جماعت کی تاریخ اور تبلیغی جماعت کے خلاف بریلوی حضرات کی طرف سے
لگائے جانے والے الزامات اور بہتانوں کی حقیقت۔ قیمت ۳/

آپ حج کیسے کریں؟ (عکسی)
نماز کی حقیقت
برکاتِ رمضان
ماہ رمضان اور اس کے خاص اعمال و وظائف تراویح و
اعتکاف وغیرہ کے فضائل و برکات اور ان کی روحانی تاثیرات
کا نہایت مؤثر اور شوق انگیز بیان۔
قیمت ۳/
منتخب تقریریں
قیمت ۱۰/
میری طالب علمی
مولانا موصوف نے
اس کتاب میں اپنی تعلیمی زندگی کے
مختصر حالات بیان کئے ہیں
قیمت ۱/
آسان حج
یہ آسان زبان میں
"آپ حج کیسے کریں"
کا خلاصہ ہے
کم تعلیم یافتہ حضرات
کے لئے بہترین معلم و
رہنما ہے۔
قادیانی
کیوں مسلمان نہیں
ردِّ قادیانیت پر لاجواب کتاب جو
عام و خاص سب کے لئے یکساں
تسلی بخش ہے۔
قیمت ۵/
قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

مختلف موضوعات پر اہم مفید اور قابل مطالعہ کتب

اکمال الشیم عکسی (حضرت شیخ الحدیث) ١٢/-
اکابر کا سلوک و احسان (") ٥/-
اکابر کا تقوٰے (") ٤/-
آپ بیتی حضرت شیخ الحدیث مکمل ٨٠/-
آپ بیتی کی روشنی میں مودودیت بے نقاب ٥/-
آپ بیتی مولانا عبدالماجد دریا بادی ٢٥/-
آپ تقریر کیسے کریں اول ٣/- دوم ٤/-
• آخری نبی ٢/-
آداب المعلمین والمتعلمین ٣/٥٠
اکابر علماء دیوبند اتباع سنت کی روشنی میں ٥/-
البلاغ المبین ١/٥٠
• آئینۂ حرم ٢٥/-
اہم سفر ٤/-
الاعتدال اسلامی سیاست (حضرت شیخ) ١٢/-
ارکان اسلام ٤/-
• احکام المیت -/٤٠
اسلام میں عورت کا مقام ٤/-
• اردو عربی ڈکشنری ١٥/-
اعمال قرآنی ٥/-
• اسلام اور غیر اسلامی تہذیب ١٠/-
امت مسلمہ کی مائیں ٤/-
• اسلام کا پرتیکے ہندی ٥/-
اسلامی حکومت کی کہانی ١/٥٠
• اسلامی فکر اور تہذیب کا اثر ہندوستان پر ٥/-
ام الامراض (حضرت شیخ) ٥/-
• الانور ٤٠/-
• اصلاحی تقریریں ٢/-
اصلاح الرسوم ٤/-

اصلاح نیت ٢/٥٠
• اعتکاف (مولانا صدیق احمد باندوی) ١/٥٠
اکابر دیوبند اتباع سنت کی روشنی میں (حضرت شیخ) ٥/-
المائدہ (آسمانی روٹی) ٢/-
• اللہ والوں کے پچیس قصے -/٤٠
الیس منکم رجل رشید ٩/٥٠
• انگشت بوسی سے بائبل بوسی تک ٢/٥٠
ایکسرے رپورٹ اول ١/٥٠ دوم ٣/-
• باطل شکن ٣/٥٠
بدنظری کا علاج (حضرت شیخ) ٢/٥٠
• بچوں کی قصص الانبیاء اول ٥/-
• بادۂ وحدت ١/
• بزم رحمت ١/٢٥
• بشریت انبیاء (مولانا عبدالماجد دریابادی) ١٠/-
• بہار تعزیہ و بدعات مروجہ -/٦٠
• پھول ہی پھول ١/٥٠
تبلیغی نصاب اول سادہ -/٢٢ پلاسٹک -/٢٦
تبلیغی نصاب دوم پلاسٹک -/٣٠
تبلیغی تحریک کی ابتدا اور اس کے بنیادی اصول ٥/-
• تجارت اور اسلام ٣/-
• تجدید تعلیم و تبلیغ (مولانا عبدالباری ندوی) ٥/-
• تجدید معاشیات ١٠/-
تاریخ مشائخ چشت (حضرت شیخ) ١٣/٥٠
• تجلیات (ذکی کاکوروی) ٦/-
تذکرۃ الخلیل (حضرت شیخ) ٢٠/-
• تذکرۂ اولیاء ٣/٥٠
تذکرۃ الرشید مکمل (حضرت شیخ) ٤٥/-
• تذکرہ شاہ طیب بنارسی ٣/-

تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے جوابات ۹/-
• تذکرہ مولانا محمد اویس ندوی ۱۰/-
• تذکرہ مولانا محمد ہارون کاندھلوی ۳/۵۰
تفسیر بالرائے کا شرعی حکم ۱/-
تکفیر کے پردے میں ۷/-
• تفسیر ماجدی جلد اول پارہ ۱ تا ۵ مجلد ۲۰/-
• 〃 جلد دوم 〃 ۶ تا ۱۰ ۲۰/-
• 〃 جلد سوم 〃 ۱۱ غیر مجلد ۵/-
تفہیم القرآن سمجھنے کی کوشش اول ۱۸/-
• تعلیم الاسلام مولانا عبد الحیؒ ۲/-
• تقریر کیسے کریں اول ۳/-
〃 دوم ۴/-
• تقویۃ الایمان مختصر ۴/-
• تمدن اسلام کی کہانی (مولانا دریابادی) ۱/۵۰
جماعت اسلامی ایک لمحۂ فکریہ ۶/۵۰
• حب رسول ۱/-
• حج کے چند مشاہدات و واقعات ۳/-
• حسن معاشرت ۳/۵۰
حضرات صحابہ معیار حق ۱/-
• حق پر کون ہے ؟ ۳/۵۰
حقیقت شکر ۳/۵۰
• حق نما (مولانا صدیق احمد باندوی) -/۸۰
حکایات صحابہ (حضرت شیخ) ۵/-
• حقوق والدین ۲/-
حقیقت کی روشنی ۲/۵۰
• حمد و سلام اور منتخب نعتیں ۳/-
حیات خلیل ۲۵/-
• ذکر زبیر ۳/-
• رحمت عالم (سید سلیمان ندویؒ) ۵/-
• رضاخانیت کا تنقیدی جائزہ ۹/-

• زاد سفر (ریاض الصالحین کا سلیس ترجمہ)
(از امۃ اللہ تسنیم صاحبہ) اول ۱۶/-
• 〃 دوم ۲۰/-
• زلزلہ پر زلزلہ ۱/-
• زمزمۂ نعت ۱/۲۵
• سرور جاوداں ۵/-
شریعت و طریقت کا تلازم (حضرت شیخ) ۱۰/-
• شعاع اول (بہترین نعتیہ مجموعہ) ۲/-
• شیعوں کے ۱۱ اہم سوالات کے فیصلہ کن جوابات ۳/-
• شیعہ اور قرآن (مولانا عبد الشکور صاحب) ۱۲/-
• شیعہ حضرات سے سو سوالات ۳/-
• شمیم الحبیب (حضرت شیخ) ۳/-
• صحبتے با اولیاء - ملفوظات حضرت شیخ الحدیث ۱۰/-
(از مولانا تقی الدین ندوی مظاہری)
• طریقۂ فاتحہ اور ایصال ثواب ۱/۲۵
• طوفان سے ساحل تک ۱۶/-
• ظہور قدسی ۱/۲۵
• عربی میں نعتیہ کلام ۱۰/-
• عرش ۱/-
• عرفان محبت (مولانا محمد احمد پرتاپگڈھی) ۱۴/-
• عقد ام کلثوم ۳/-
• عقیدت کے پھول -/۶۰
• علم جدید کا چیلنج ۱۵/-
• علم الفقہ مکمل (مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی) ۴/-
عورت اور پردہ ۱/۵۰
• فاتحہ کی حقیقت ۱/-
فضائل درود شریف ۴/-
• فتاوی فرنگی محل ۱۰/-
فضائل صدقات (حضرت شیخ) ۲۲/-
• فتح حقانی (مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی) ۸/-

کتاب	قیمت
فضائل ذکر (حضرت شیخ)	۵/-
• فردوس	۱/۵۰
فضائل تبلیغ (حضرت شیخ)	۱/۵۰
• فریب تمدن	۱۲/-
فضائل نماز (حضرت شیخ)	۳/-
• فضائل اخلاق واخلاص (حضرت شیخ)	۱/۷۵
فضائل قرآن	۳/-
• فضائل توبہ واستغفار	۱/-
فضائل رمضان (حضرت شیخ)	۳/-
• فضائل نکاح	۳/-
فیض شیخ اردو (حضرت شیخ الحدیث)	۵/-
• فکر آخرت	-/۵۰
فیوض الحرمین	۱/۵۰
• قاتلان حسین کی خانہ تلاشی	۴/-
• قائد بدر واحد	۱۵/-
• قرآن پر ظلم	۱/۵۰
کلام صوفی	۴/-
• کلید باب رحمت امۃ اللہ تسنیم صاحبہ	۲/-
کلمۃ الحق	۴/۵۰
• گلزار مدینہ	-/۶۰

کتاب	قیمت
• گلشن اخلاق	۱۰/-
موت کی یاد (حضرت شیخ)	۲/۵۰
مفاوضات رشیدیہ "	۳/-
مکتوبات تصوف اول (")	۱۳/۵۰
مکتوبات شیخ دوم (")	۵/۵۰
" سوم (")	۵/-
مجالس الحکمہ	۱۰/-
مزید المجید	۲/۵۰
مسنون دعائیں "	۳/-
مسنون ومقبول دعائیں	۲/۵۰
ملفوظات مسیح اللہ	۵/۵۰
• نابینا علماء	۱/-
• نظم انسائیکلو پیڈیا	۱۲/-
• نماز کی عظمت یا کتاب الصلوٰۃ (مولانا عبدالشکور فاروقیؒ)	۱۰/-
وہابی کی پہچان	-/۴۰
• ہندوستان میں عربی علوم وفنون کے ممتاز علماء	۱۵/-
• یاد ایام (مولانا سید عبدالحئیؒ)	۵/-

مثل مطبوعات کتب خانہ الفرقان

احکام نماز: قرآن کریم اور احادیث شریفہ سے ماخوذ نماز کے متعلق ۲۰-۲۰ احکام۔
پاکٹ سائز عکسی طباعت قیمت ۱/-

اوراد فضیلہ: حضرت مولانا عبدالغفور عباسی نور اللہ مرقدہ کے صبح وشام کے چند معمولات ووظائف کا عجیب وغریب مجموعہ۔
عکسی طباعت۔ پاکٹ سائز قیمت ۲/-

تبلیغ دین کے لیے ایک اہم اصول
(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)
تبلیغی کام کرنے والوں کے لیے بہت اہم ومفید۔ قیمت ۱/-

قرآنی علاج: (از مولانا اشرف علی تھانویؒ)
ہر قسم کی بیماریوں کا علاج آیات قرآنی کے ذریعہ۔ قیمت ۱/۵۰

معمولات یومیہ: از حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحئی
اصلاح نفس کے سلسلہ میں روزانہ معمولات کا ایک مختصر نقشہ۔ قیمت ۱/۵۰

نوٹ: اگر آپ کو ہماری مفصل ومکمل فہرست مطلوب ہو تو ۵۰ پیسے کے ڈاک ٹکٹ ارسال فرمائیں۔ منیجر	ہمارا پتہ: الفرقان بکڈپو ۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیرآباد) لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

Regd. No. LW/NP.62 Phone : 45547

MONTHLY ALFURQAN

31, Naya Gaon (West), LUCKNOW-226018

VOL. 50 NO. 9 TO 12